اشرف السوانح

قال صلی اللہ علیہ وسلم اذا آخی الرجل الرجل فلیسألہ عن اسمہ واسم ابیہ وممن ہو فانہ اوصل للمودۃ

رواہ الترمذی

چوں حدیث موصوف دال است بر مدخلیت معرفت احوال مومن محبوب
در استحکام تعلقات قلوب وجماعتے از صلحاء وقت متصبغ بودند بہ محبت حضرت
حکیم الامت مجدد الملت قطب الارشاد شیخ المشائخ مرشد العالم مولانا شاہ
محمد اشرف علی صاحب تھانوی حنفی چشتی صابری امدادی سلمہ اللہ علام الغیوب
بنا بر مصلحت مذکورہ رسالہ ملقب بلقب تاریخی سیرت اشرف زمانہ
۱۳۵۴ھ

مسمّٰی بہ

اشرف السوانح

(حصہ دوم)

کہ مضاف ترکیبش سیرت بمضاف الیہ او

بقلم احقر عزیز الحسن و افقر عبد الحق فرج اللہ عنہما الکروب و اماط عنہما العیوب و غفر لہما الذنوب

برعایت اختصار در ۱۳۵۴ھ نگاشتہ شد

وائیم ثناء اللہ خاں اینڈ سنز نمبر ۲۶ ریلوے روڈ لاہور

بار دوم [illegible]ھ
طبع نمود
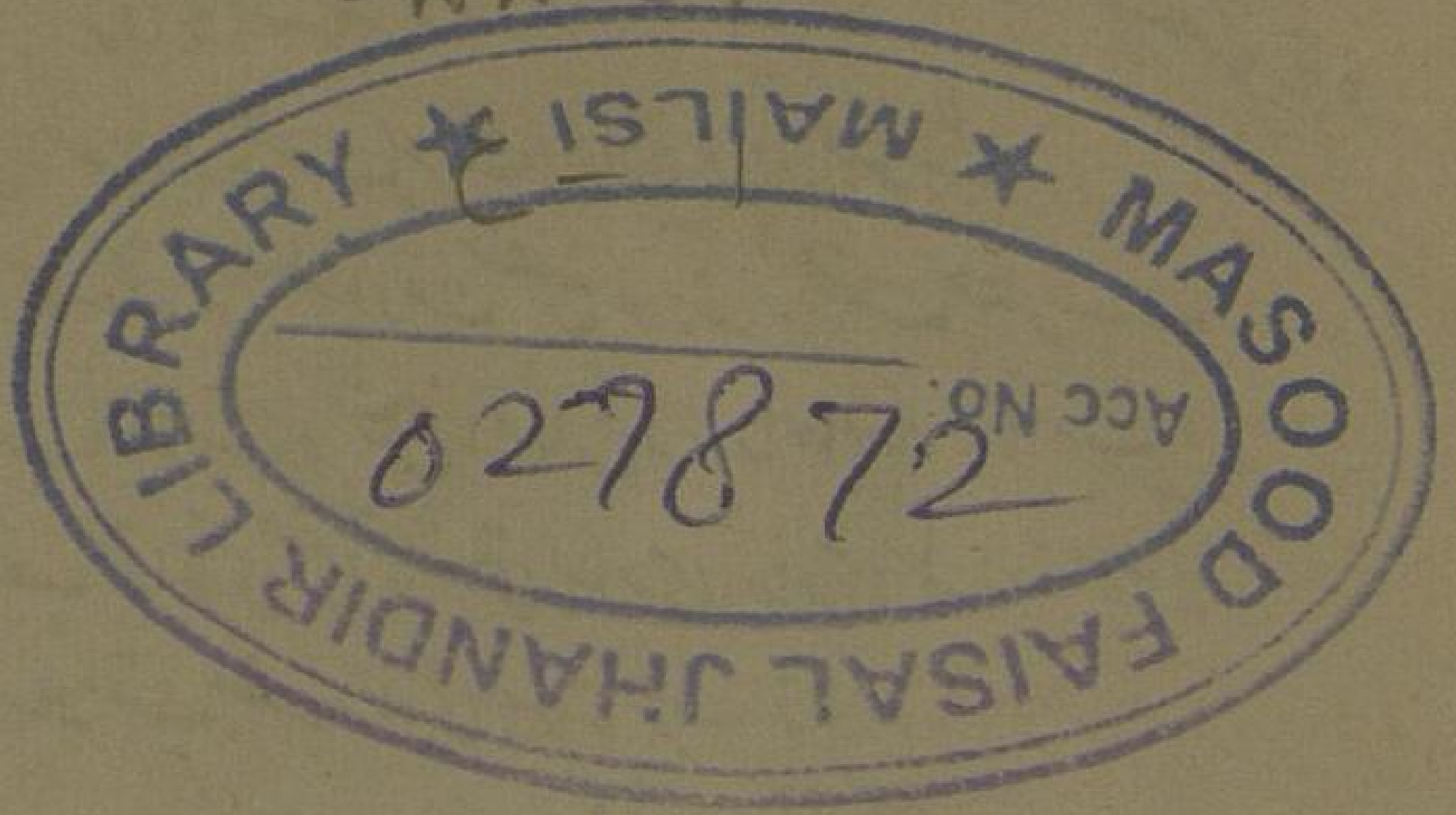
قیمت :- سات روپے آٹھ آنے۔

بارِ دوم

ناشر :- ایم ثناءاللہ خاں ۲۶ ریلوے روڈ
طابع :- انشا پریس

فہرست اشرف السوانح حصہ دوم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب چہاردہم[14]

"ارشاد و افاضۂ باطنی"

درِ فیض است منشیں از گشایش ناامید اینجا
بہ رنگِ دانہ از ہر قفل می روید کلید اینجا

میں سخت حیران ہوں کہ اس باب کو کیوں کر شروع کروں اور کس طرح تکمیل کو پہنچاؤں۔ اس حیرانی کے کئی سبب ہیں۔

اوّل تو یہ باب سارے بابوں سے زیادہ مہتم بالشان ہے کیوں کہ جو مضمون اس باب میں لکھنا ہے یعنی "ارشاد و افاضۂ باطنی" وہ سوانح ہذا کی روح اور حضرت صاحب سوانح کا حاصل زندگی اور مقصدِ حیات ہے۔ لہذا نہایت اہتمام سے لکھے جانے کے قابل ہے جس کے لئے نہ مجھے کافی فرصت نہ جس کی مجھ جیسے کم علم لااُبالی غفلت شعار و بدانتظام سُست و سہل انگار شخص سے توقع۔

دوسرے ایک ایسے محی الدین و مجدد الملت اور قطب الارشاد و حکیم الامت کے "ارشاد و افاضۂ باطنی" کا حال لکھنا جس نے صدیوں کی علمی و عملی غلطیوں کو طشت از بام کر کے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو راہِ صواب دکھائی ہو اور ہزاروں گم گشتگانِ طریقت کو شاہراہِ حقیقت پر ڈال کر واصل الی اللہ بنا دیا ہو مجھ جیسے نادان و ناکارہ کے بس کا کام ہرگز نہیں بفحوائے ع:

برنتابد کوہ را یک برگ کاہ

تیسرے اگر مجبور ہو کر یہ ارادہ کرتا ہوں کہ جو ارشادات حضرت والا سے سنے ہیں یا حضرت والا کی تحریرات میں نظر سے گزرے ہیں اور جو حالات و واقعات مسترشدین سے معلوم ہیں بس انہیں میں سے جو جو بے تکلف یاد آتے چلے جائیں ان کو اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بلا لحاظ کسی خاص ترتیب کے محض نقل کرتا چلا جاؤں تب بھی یہ حیرانی ہوتی ہے کہ کیا کیا لکھوں اور کہاں تک لکھوں بمصداق ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو زداماں گلہ دارد

کیوں کہ اس وقت بلا مبالغہ یہ منظر سامنے ہو جاتا ہے ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

اور حیرانی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ حضرت والا کے ارشاد و افاضۂ باطنی کی وہ خصوصیات ایسی ہیں جن کو قلب تو خوب اچھی طرح محسوس کئے ہوئے ہے اور جن کے تاثرات ذہن میں بھی بخوبی مرکوز و محفوظ ہیں لیکن ان کے اظہار کے لئے الفاظ

نہیں ملتے نہ الفاظ سے انکا دوسروں کو احساس کرایا جانا ممکن ہے۔ بمصداق اشعار ؎

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید لیک حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید
خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

چنانچہ اس حیرانی نے مجھ کو بس حضرت مولانا رومیؒ کے اس شعر کا پورا پورا مصداق بنا رکھا ہے ؎

بر زباں قفل است و در دل رازہا
لب خموش و دل پُر از آوازہا

بوجوہ متذکرۂ بالا یہ جی چاہتا ہے کہ اس موضوع پر کچھ لکھنے کے بجائے اپنے آپ کو تو یہ خطاب کروں ؎

قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ سوز دم درکش
حسنؔ ایں قصۂ عشق ست در دفتر نمی گنجد

اور ناظرین کرام سے یہ عرض کروں کہ ع:

دل من داند و من دانم و داند دل من

اور باب ہذا میں صرف یہ ایک مختصر سا جملہ لکھ دوں "عیاں را چہ بیاں" کیوں کہ حضرت والا کی شان ارشاد و افاضہ آج ماشاءاللہ تعالیٰ عالم آشکارا و اظہر من الشمس ہے جس کو دنیا جانے اور مانے ہوئے ہے کیوں کہ بفضلہ تعالیٰ حضرت والا کی تصانیف کثیرہ جو سر بسر ارشادات و افاضات ہی سے لبریز ہیں تمام بلاد و امصار میں شائع و ذائع ہیں اور حضرت والا کے مسترشدین و مستفیضین بھی کثیر تعداد میں شرقاً و غرباً پھیلے

ہوئے ہیں اور اس شان خاص کا شیخ محقق آج کہیں نظر نہیں آتا جو ایک ناقابل انکار امر مشاہدہ ہے، غرض میں ضرور اپنے اس اقتضاء طبعی پر عمل کرتا لیکن مجبوری یہ ہے کہ اگر میں ایسا کرتا ہوں تو اس سوانح کا اصل موضوع ہی رہا جاتا ہے لہذا کچھ نہ کچھ لکھنا ضروری ہے گو ناتمام و ناکافی ہی سہی جیسا کہ حضرت مولانا رومیؒ حضرت مولانا حسام الدینؒ کو خطاب فرماتے ہیں۔

قدر تو بگذشت از درک عقول | عقل در شرح شما شد بوالفضول
گرچہ عاجز آمد ایں عقل از بیاں | عاجزانہ جنبشے باید دراں
انّ شیئاً کلہ لا یدرک | اعلموا انّ کلہ لا یترک
گرچہ نتواں خورد طوفانِ سحاب | کے تواں کردن بترک خورد آب
آب دریا را اگر نتواں کشید | ہم بقدر تشنگی باید چشید

احقر نے اپنی ان مشکلات کو حضرت والا کی خدمت میں پیش کیا تو فرمایا کہ بس آپ بیٹھ کر جو الٹا سیدھا سمجھ میں آئے لکھ کر بس لکھنا شروع کر دیجئے پھر انشاء اللہ تعالیٰ خود بخود مضامین کی آمد شروع ہو جائے گی زیادہ کاوش اور غور و فکر نہ کیجئے۔ جب تک آپ دریا کو دور ہی سے دیکھ رہے ہیں بس اسی وقت تک اس کا عبور کرنا مشکل نظر آ رہا ہے اور جب آپ خدا کا نام لے کر چل کھڑے ہوں گے اور بہ قصد عبور کنارہ پر پہنچیں گے تو آپ انشاء اللہ تعالیٰ دیکھیں گے کہ وہاں کشتی بھی ہے ملّاح بھی ہے ہوا بھی موافق ہے۔ تلاطم بھی نہیں ہے غرض ساری آسانیاں موجود ہیں اور سارے موانع مرتفع ہیں۔

حضرت والا کی اس حوصلہ افزا بشارت نے میری ہمت ضعیف کو بڑی قوت بخشی اور اس ارشاد فیض بنیاد کو سن کر مجھ کو عین عالم یاس میں یہ قوی امید ہو گئی کہ اگر لکھنے بیٹھ گیا

تو بعون اللہ تعالیٰ و ببرکت دعا و توجہ حضرت والا کچھ نہ کچھ لکھ ہی لوں گا لہٰذا توکلاً علی اللہ تعالیٰ اس موضوع پر بھی بُرا بھلا جیسا بھی ہو سکے اور تھوڑا بہت جتنا بھی چل سکے مضمون لکھنے کے لئے قلم اٹھاتا ہوں اور اس دریائے ناپیدا کنار میں آنکھیں بند کر کے بلا پس و پیش یہ کہتا ہوا اپنے آپ کو ڈالتا ہوں ع :

دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مُرسٰہا

اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے اور بیڑا پار لگائے ۔

حالات و واقعات متعلق ارشاد و افاضۂ باطنی

پچھلے باب شرف بیعت و استفاضۂ باطنی کا اختتام حضرت والا کی حالت قبض و ہیبت کے اختتام کے ذکر پر کیا گیا ہے کیوں کہ وہ حالت حضرت والا کے مجموعی حالات کے اعتبار سے گویا حضرت والا کے سلوک کی آخری گھاٹی تھی جس سے بعون اللہ تعالیٰ و بدعوات و توجہات بزرگان پار ہو کر حضرت والا نے گویا استفاضۂ باطنی کے جملہ مراحل کو بہ تمام و کمال طے فرما لیا اور پھر بہمہ وجوہ کامل و مکمل ہو کر بتوفیق ایزدی نہایت آب و تاب اور جاہ و جلال کے ساتھ ہمہ تن افاضۂ باطنی میں مشغول ہو گئے ۔ غرض حالت مذکورہ سے افاقہ ہو جانے کے بعد حضرت والا کا دور استفاضہ تو ختم ہوا اور دور افاضہ کا باقاعدہ آغاز ہوا جس کا منجانب اللہ یہ اثر ظہور پذیر ہوا کہ طالبین کثرت سے رجوع ہونے لگے اور خانقاہ میں ذاکرین کا ہجوم رہنے لگا اور حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز کی وہ تمنا پوری ہوئی جو حضرت ممدوح نے حضرت والا کی علمی خدمات کا حال سن کر ان الفاظ میں ظاہر فرمائی تھی

کہ میں تو جب خوش ہوں گا جب کچھ اللہ اللہ کرنے والے بھی وہاں جمع ہونے لگیں گے۔

اُس زمانہ کا ایک خواب جو حضرت والا کے شاگرد رشید اور خلیفۂ خاص جناب مولانا حکیم محمد مصطفےٰ صاحب بجنوری سلمہم اللہ تعالےٰ نے دیکھا تھا رسالہ "اصدق الرؤیا" سے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے وہو ہذا "بندہ نے ایک خواب ۳ / اکتوبر ۱۹۰۱ء کو یعنی رجب ۱۳۱۹ھ میں جبکہ حضرت والا مدظلہ، کے قیام خانقاہ کا ابتدائی زمانہ تھا بمقام مراد آباد دیکھا کہ حضرت والا مدظلہ، خانقاہ تھانہ بھون میں جنوب کی طرف طلبہ کو درس دے رہے ہیں اور تہجد کا وقت ہے چاندنی کھلی ہوئی ہے عجیب سہانا وقت ہے اتنے میں صبح صادق ہوئی۔ طلبہ سبق ختم کر کے نماز کی تیاری کے لئے درسگاہ سے نکلے اُن کے منہ سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔ بندہ نے عرض کیا ان حضرات کے لئے کوئی معجون مقوی کیوں نہ بنائی جائے۔ حضرت والا نے فرمایا ان کے واسطے معجون مشائین بنائی گئی ہے بس میری آنکھ کھل گئی۔ یہ خواب حضرت والا مدظلہ کو لکھا گیا تو یہ جواب آیا۔ مشفقم سلمہم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خواب بہت اچھا ہے یہ خوشبو علم اور ذکر کی ہے۔ جس میں بندگانِ خدا یہاں مشغول ہیں۔ مشائین سے مراد سالکین ہیں مشی اور سلوک کے معنی متقارب ہیں آپ نے اپنے کو ان میں شامل دیکھا آپ کے لئے بھی بشارتِ عظمیٰ ہے والسلام انتہیٰ بلفظہٖ

یہ خواب پینتیس ۳۵ سال کا عرصہ ہوا جب دیکھا گیا تھا، اور از راہِ نوازش جناب حکیم صاحب نے خاص حضرت والا کے قلم مبارک کا لکھا ہوا اصل جواب بھی جس کی نقل اوپر اصدق الرؤیا سے کی گئی ہے پرانے خطوط میں تلاش فرما کر مجھ کو عطا فرما

دیا ہے جو اس وقت احقر کے سامنے موجود ہے۔ اس خواب کے سلسلہ میں ایک اور خواب جو احقر سے عرصۂ دراز ہوا مشہور و معروف نعت گو جناب مولانا محسن کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ جناب مولانا انوار الحسن صاحب کاکوروی مدظلہم نے بمقام تھانہ بھون بیان فرمایا تھا یاد آگیا وہ چوں کہ حضرت والا کی شان ارشاد و افاضۂ باطنی کو جو باب ہذا کا موضوع ہے بخوبی ظاہر کرتا ہے اس لئے ۔ ۔ ۔ اس کو بھی اس جگہ محض تابُّداً نقل کر دینا بے موقع نہ ہوگا۔

مولانا ممدوح نے فرمایا کہ میں نے سفر حج میں بمقام مدینہ طیبہ حضرت مولانا تھانوی مدظلہ کے متعلق ایک خواب دیکھا۔ حالانکہ اس زمانہ میں مجھ کو حضرت مولانا سے کوئی خاص عقیدت بھی نہ تھی۔ البتہ ایک بڑا عالم سمجھتا تھا اور میرا خاندان بھی علماء اہل حق کا کچھ زیادہ معتقد نہ تھا، غرض حضرت مولانا کا مجھ کو مدینہ طیبہ میں کوئی بعید سے بعید بھی خیال نہ تھا۔ کہ ایک شب خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چارپائی پر بیمار پڑے ہوئے ہیں اور حضرت مولانا تھانوی تیمارداری فرما رہے ہیں۔ اور ایک بزرگ دور بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے جن کے متعلق خواب ہی میں معلوم ہوا کہ یہ طبیب ہیں۔

مولانا ممدوح نے احقر سے یہ خواب بیان کر کے فرمایا کہ آنکھ کھلنے کے بعد میرے ذہن میں فوراً یہ تعبیر آئی کہ حضورؐ تو کیا بیمار ہیں حضورؐ کی امت بیمار ہے اور اور حضرت مولانا اس کی تیمارداری یعنی اصلاح فرما رہے ہیں لیکن وہ بزرگ طبیب جو دور بیٹھے نظر آرہے تھے وہ سمجھ میں نہ آئے کہ کون تھے واپسی ہندوستان پر میں نے حضرت مولانا کی خدمت میں خواب لکھ کر بھیجا اور جتنی تعبیر میری سمجھ میں آئی

تھی وہ بھی لکھ دی اور یہ بھی لکھ دیا کہ میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ وہ بزرگ طبیب کون تھے جو دور بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے۔ حضرت مولانا نے تحریر فرمایا کہ وہ حضرت امام مہدی علیہ السلام ہیں اور وہ چونکہ ابھی زماناً بعید ہیں اس لئے خواب میں مکاناً بعید دکھائے گئے۔

جناب مولانا محمد حسن صاحب امرتسری مد فیضہم کے بھی (جو ایک نہایت ثقہ عالم اور حضرت والا کے مخصوص محبین و مجازین میں سے ہیں) تین خواب جو خاص شان کے ہیں اس مقام پر اصدق الرویا سے نقل کر دینے کو بے اختیار جی چاہتا ہے چنانچہ خود مولانا ہی کے الفاظ میں ان تینوں خوابوں کو نقل کیا جاتا ہے۔

خواب نمبر ۱ احقر (یعنی جناب مولانا محمد حسن صاحب امرتسری ۱۲ منہ) جب اول بار حضرت والا کی خانقاہ شریف میں حاضر ہوا تو ۱۳۴۰ھ تھا جس کو تقریباً چودہ برس کا عرصہ ہوا۔ حاضر ہوتے ہی اول رات یا دوسری رات میں نے یہ خواب دیکھا کہ خانقاہ شریف کی مسجد کے صحن میں وسط کے قریب ایک قبر ہے جو پوری کھدی ہوئی نہیں ہے بلکہ اس کا صرف اوپر کا حصہ کھدا ہوا ہے اور وہ بھی پورا کھدا ہوا نہیں۔ تھوڑا ہی گہرا ہے اور اس قبر کے اوپر ایک مختصر سا خیمہ بھی نصب کیا ہوا ہے اس قبر میں شیخ العرب والعجم حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ العزیز لیٹے ہوئے ہیں اور بہت کمزور معلوم ہوتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت حاجی صاحب رحؒ نے پانی طلب فرمایا۔ تو پانی ایک نہایت ہی خوبصورت صراحی میں لایا گیا جس کی گردن اور ٹونٹی دونوں بہت بلند اور حسین تھیں اور وہ صراحی مٹی کی نہ تھی بلکہ کسی ایسے نفیس جوہر کی تھی کہ بہت ہی دلکش معلوم ہوتی تھی ایسی نفیس صراحی

میں نے عمر بھر نہیں دیکھی۔ حضرت اٹھ کر بیٹھ گئے اور چونکہ قبر کی گہرائی کم تھی اس لئے بیٹھنے کے بعد سر مبارک اور گردن مبارک باہر نظر آنے لگے۔ اس وقت اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ بہت قوی معلوم ہونے لگے۔ پھر اعلیٰ حضرتؒ نے پانی پیا۔ اس وقت جو میں نے دیکھا تو قبر شریف کی مشرقی دیوار پر ایسے موٹے حروف میں جیسے کہ بازو موٹا ہوتا ہے یہ لکھا ہوا ہے "سگِ دربارِ گیلاں شو جو خواہی قربِ ربانی" لفظ گیلاں میں کسی قدر شبہ ہے۔ غالب گمان تو یہی ہے کہ گیلاں تھا لیکن یہ بھی خیال ہے کہ شاید بجائے گیلاں کے لفظ ایشاں ہو۔ بہر صورت احقر کو خواب میں یہی معلوم ہوا کہ دربار سے حضرت والا دامت برکاتہم ہی کا دربار دُربار مراد ہے اور اسی دربار کی ملازمت کا حکم ہو رہا ہے۔ پھر اسی خواب کے سلسلہ میں یہ بھی دیکھا کہ مسجد کے اندرونی حصہ سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہما باہر تشریف لا رہے ہیں اور ایک دوسرے کی طرف اپنی اپنی گردن جھکا کر بطور سرگوشی کے چپکے چپکے آپس میں بحوالہ حضرت والا مدظلہم العالی یہ ذکر کر رہے ہیں کہ تحریک خلافت کے متعلق ان کی رائے نہایت صحیح ہے یعنی حضرت والا کی۔ پھر ان دونوں حضرات میں سے ایک صاحب تو مسجد کے اندر واپس تشریف لے گئے اور دوسرے صاحب باہر تشریف لے گئے۔

خواب نمبر ۲ تین چار سال ہوئے احقر نے خانقاہ شریف کے حمام کی دیوار پر جو دھوئیں سے سیاہ ہو رہی ہے بہت روشن حروف میں چونہ یا اور کسی نہایت سفید روشنائی سے یہ لکھا ہوا دیکھا کہ اس جگہ دلجوئی بھی ہوتی

ہے اور روشنوئی بھی (ف) جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ حضرت والا کے طریق و ارشاد و افاضہ کا کیسا جامع مانع خلاصہ کیسے لطیف عنوان سے منجانب اللہ اس خواب میں القاء فرما دیا گیا ہے

خواب نمبر ۳

کچھ عرصہ ہوا احقر نے (یعنی جناب مولانا محمد حسن صاحب امرتسری نے ۱۲) خانقاہ شریف کی مسجد کے وسط میں بیت اللہ شریف اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پاک کو دیکھا کہ دونوں بالکل قریب قریب ہیں اور بیت اللہ شریف غالباً حضرت والا کی سہ دری کی طرف ہے۔ لیکن روضۂ پاک بھی بیت اللہ شریف ہی کی شکل کا ہے یعنی اس پر گنبد نہیں ہے اور بیت اللہ شریف اور روضۂ پاک دونوں پر اس قدر سبز اور خوبصورت غلاف ہیں کہ دنیا میں ان کی نظیر نہ ہوگی۔ اور دونوں پر شعاعیں اور انوار معلوم ہوتے ہیں حضرت والا بیت اللہ شریف کے پاس کھڑے ہوئے ہیں اور اس قدر خوش ہیں کہ ایسا ہشاش بشاش میں نے حضرت والا کو کبھی نہیں دیکھا۔ نیز ایک کھجور کی ٹہنی بطور جھاڑو کے دست مبارک میں لئے ہوئے ہیں جس کی ڈنڈی میں وسنہ چھوڑ کر اِدھر اُدھر شاخیں نکلی ہوئی ہیں۔ اور یہ ارادہ فرما رہے ہیں کہ بیت اللہ شریف اور روضہ پاک کے گرداگرد جو غبار ہے اس کو دور فرمائیں۔ انتہی بلفظہ

حضرت والا کی شان ارشاد و افاضۂ باطنی کے متعلق اس قسم کے صدہا مبشرات ہیں جن میں سے بعض باب بشارات منامیہ میں بھی ملاحظہ سے گزریں گے۔ علاوہ مذکورۂ بالا مبشرات کے ایک بزرگ کا کشف بھی بہ مناسبت مقام یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

جناب مولوی حافظ جلیل احمد صاحب مدفیضہم رئیس علی گڑھ جو حضرت والا کے خلیفۂ مجاز ہیں اور آج کل حضرت والا کی خدمت میں مستقل طور پر قیام پذیر ہیں۔ جناب مولانا حافظ محمد عمر صاحب علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ سے جو بڑے صاحب احوال بزرگ اور حضرت والا کے خلیفۂ مجاز تھے روایت فرماتے ہیں کہ ایک بار حافظ صاحب رات کی ریل سے تھانہ بھون حاضر ہوئے تو جب ریل خانقاہ کے محاذ سے گزری تو انہوں نے بیداری میں دیکھا کہ مسجد خانقاہ کے گنبد سے آسمان تک انوار کا ایک تار لگا ہوا ہے۔

یہ سب ضمنی بیان مقصود کی تائید میں تھا اور اصل مقصود جس کے لئے یہ باب موضوع ہے یہ ہے کہ بعد انقضاء حالت قبض وہیبت و تکمیل استفاضۂ باطنی حضرت والا کا دورِ افاضۂ باطنی نہایت آب و تاب اور جاہ و جلال کے ساتھ شروع ہوا اور طالبین و ذاکرین کثرت سے رجوع ہونے لگے۔ اور حضرت والا کی جانب عوام و خواص سب کا میلان اس درجہ بڑھا کہ دور دراز سے حضرت والا کی طلبیاں نہ صرف وعظ کے لئے بلکہ محض زیارت کے لئے بھی ہونے لگیں جس کا مفصل حال باب مواعظ حسنہ میں گزر چکا ہے۔ سفر میں بھی کثرت سے ذاکرین ہمراہ رہتے اور ذکر کی دلکش اور روح پرور صداؤں سے سفر و حضر میں خانقاہ کا لطف رہتا جس کا خود احقر نے بھی بارہا مشاہدہ کیا ہے اور لطف اٹھایا ہے۔

نیز حضرت والا کا ہر وعظ گویا تصوّف کا ایک مکمل درس ہوتا تھا جس سے مقصود اور طریق دونوں بالکل واضح ہو جاتے تھے اور عام طور سے قلوب میں طلب صادق پیدا ہو جاتی تھی۔

چنانچہ لوگ کثرت سے داخل سلسلہ ہونے کی درخواستیں کرتے لیکن حضرت والا سفر میں عموماً یہ فرماکہ انکار فرما دیتے کہ میں یہ عملی تعلیم دینا چاہتا ہوں کہ سفری پیروں سے لوگ بچیں - اور صاف فرما دیتے کہ جو اعتقاد محض وعظ سن کر پیدا ہوا ہو وہ معتبر نہیں کیوں کہ وعظ میں تو اچھی ہی اچھی باتیں کہی جاتی ہیں - ہاں اعتقاد وہ معتبر ہے جو روزمرہ کے افعال اور عادات دیکھنے کے بعد پیدا ہو اور ان کا کما حقہٗ مشاہدہ معتقد فیہ کے مستقل جائے قیام ہی پر ہو سکتا ہے - جس کو بیعت کا شوق ہو وہ میرے وطن آئے - تاکہ جانبین کو ایک دوسرے کی جانچ کا اطمینان سے موقع مل سکے - نیز اس سے طلب کا بھی امتحان ہو جائے گا - غرض امر بیعت میں ہرگز عجلت نہ چاہیے یہ گاجر مولی کی بیع نہیں ہے کہ پیسہ ڈالا اور جھٹ خرید لی -

سبحان اللہ کیا صدق و اخلاص ہے ورنہ رسمی پیر تو خود ہی سر ہوتے پھرتے ہیں - بلکہ سفر ہی اس نیت سے کرتے ہیں کہ لوگوں کو پیری مریدی کے جال میں پھانسا جائے - اور سبحان اللہ کیسا صحیح معیار اعتقاد ہے اور حضرت مولانا رومیؒ کے اس شعر کی کیسی اچھی عملی تعلیم ہے ؎

اے بسا ابلیس آدم روے ہست

پس بہر دستے نباید داد دست

حضرت والا تو ہمیشہ فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کوئی میرے یہاں کی شرائط بیعت سن کر (جن کا مفصل ذکر انشاء اللہ تعالیٰ بعد کو اپنے موقع پر آئے گا ۱۲ مؤلف) اور میرا طریق اصلاح دیکھ کر یہاں سے بے نیل مرام بھی چلا گیا تب بھی اس کو کم از کم یہ تو ضرور ہی معلوم ہو جائے گا کہ بیعت کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ اس

کے لئے بھی شرائط ہیں اور کسی رسمی پیر کے یہاں اگر اس کے خلاف معاملہ دیکھے گا۔
تو اس کی طرف سے دل میں کھٹک تو ضرور پیدا ہو جائے گی اور یہ معلوم ہو جانا
خود ایک مرام عظیم ہے۔
ایسے موقعوں پر حضرت والا احقر کے ایک شعر کا یہ مصرعہ بھی اکثر پڑھ دیا کرتے
ہیں ع:

مے خانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

غرض حضرت والا کا عموماً سفر میں بیعت کرنے کا معمول نہ تھا لیکن مریضوں اور
عورتوں کی درخواست بیعت کو منظور فرما لیتے تھے کیوں کہ مریض تو مرض کی وجہ سے
واجب الرحم ہوتے ہیں اور عورتیں اہل الرائے نہیں ہوتیں۔ ان بیچاریوں کا اعتقاد
بالکل سیدھا سادہ اور سچا ہوتا ہے۔ ان دونوں کے بارہ میں جو حضرت والا سختی نہیں فرماتے
اس کی تائید میں اکثر حضرت عارف شیرازیؒ کا یہ شعر پڑھ دیا کرتے ہیں ؎

طالباں را چو طلب باشد و قوت نبود
گر تو بیداد کنی شرط مروت نبود

اسی طرح علاوہ مریضوں اور عورتوں کے بھی جن طالبین کے بارہ میں قرائن حالیہ
وغیرہ کی بنا پر خاص طور سے شرح صدر ہو جاتا تو ان سے بھی انکار نہ فرماتے اس کا
راز یہ ہے کہ حضرت والا کو اپنے نورِ بصیرت سے ہر طالب کی مناسبت و عدم مناسبت
کا اکثر فوراً احساس ہو جاتا ہے جس کے صدہا حیرت انگیز واقعات رات دن مشاہدہ
میں آتے رہتے ہیں چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ بعضے شخص کو تو دل فوراً قبول کر لیتا ہے
اور بعض کو نہیں۔ اور اگر کوئی شخص مجھ سے اس کی وجہ پوچھنے لگے تو میں ہرگز نہ

بتا سکوں۔ یہاں تک کہ یہ بھی بارہا ہوتا ہے کہ ایک شخص بالکل رند صورت اور آزاد منش ہے نہ نماز کا نہ روزہ کا فاسق فاجر لیکن اس کی طرف خواہ مخواہ دل مائل ہونے لگتا ہے اور دوسرا ثقہ صورت نمازی وظیفجی سبھی کچھ لیکن اس کی جانب دل باوجود بتکلف مائل کرنے کے بھی مائل نہیں ہوتا۔ اب اس کو میں کیا کروں دل تو میرے بس ہی نہیں اور بدون میلانِ قلب کے بیعت کر لینا خیانت ہے۔ کیونکہ ایسی حالت میں اس کو مجھ سے کچھ نفع نہیں پہنچ سکتا۔ اور گو اس وقت تو میلان و عدم میلان قلب کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی لیکن اکثر یہی دیکھا گیا کہ بعد کے واقعات و حالات نے میری شہادتِ قلب کی جلدی ہی تصدیق کر دی۔

بات یہ ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی کام لینا ہوتا ہے اس کو اس کام کی سمجھ بھی عطا فرما دیتے ہیں اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ بعضے شخص کی طرف تو اس کو دیکھتے ہی دل اتنا جھکتا ہے کہ بے اختیار یہ جی چاہنے لگتا ہے کہ وہ مجھ سے بیعت کی درخواست کرے چنانچہ پھر تھوڑے ہی دن بعد کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بیعت ہونے کے لئے خود ہی چلا آ رہا ہے۔ اور ایسے شخص سے میں انکار بھی نہیں کرتا۔ بس درخواست سنتے ہی چپکے سے بیعت کر لیتا ہوں اور دل میں کہتا ہوں کہ بس اس سے کچھ نہ کہو چپکے سے بیعت کر لو اس کو تو اللہ میاں نے میرے پاس منہ مانگا بھیجا ہے۔

احقر مؤلف نے بھی حضرت والا کی شہادت قلب کے بہت سے واقعات خود مشاہدہ کئے ہیں بلکہ بعض ایسے موقعوں پر جہاں حضرت والا نے ترحم کا برتاؤ مناسب نہ سمجھا اور احقر نے محض ظاہری حالات پر نظر کر کے ترحم کی درخواست کی یا خود نرم معاملہ کیا یا نرم رائے ظاہر کی اور بعد کو احقر کی رائے بالکل غلط اور درخواست بالکل بے محل

ثابت ہوئی تو فرمایا کہ دیکھئے اب تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ میری ہی رائے صحیح تھی اُمورِ تربیت میں میری رائے میں کسی کو مزاحمت نہ کرنا چاہئے۔ بس میں جس کے ساتھ جو معاملہ کروں میرے سب احباب کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ وہ شخص اسی معاملہ کا اہل ہے۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کام میرے سپرد فرما رکھا ہے اس لئے وہی میری دستگیری فرماتے ہیں ورنہ میں کیا چیز ہوں۔

احقر کو بارہا کے مشاہدوں اور تجربوں کے بعد اس امر کا عین الیقین بلکہ قریب قریب حق الیقین ہو گیا ہے کہ حضرت والا کا جو معاملہ جس شخص کے ساتھ ہوتا ہے بالکل مناسب، اور عین مصلحت ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض صورتوں میں ایک ہی شخص کے ساتھ مختلف اوقات میں مختلف قسم کا معاملہ بھی دیکھا گیا۔ اور وہ بھی نہایت بر وقت بالکل مناسب حال اور اصلاح کے لئے واقعی ضروری ثابت ہوا۔ چنانچہ اس کا تو احقر کو بارہا ذاتی تجربہ بھی ہو چکا ہے جس سے حیرت ہو ہو گئی اور حضرت والا کے صاحب کشف ہونے کا گمان غالب بدرجۂ یقین ہونے لگا جس کی حضرت والا بتاکید نفی فرمایا کرتے ہیں۔ بہر حال تائید ایزدی اور صحت ذوق و وجدان اور حضرتِ والا کا حدیث اِتقوا فِراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ کا مصداق ہونا تو ان واقعات سے یقیناً ثابت ہوتا ہے اور یہ فضائل کشف سے بھی ہزارہا درجہ بڑھے ہوئے ہیں۔ اس پر احقر کو اپنا ایک شعر یاد آیا ؎

میں محوِ فکر ہوا جب سے بے نشاں کیلئے
مشاہدہ کا ہے درجہ مرے گماں کے لئے

یہ سب مضامین استطراداً معرض بیان میں آ گئے۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ گو

حضرت والا کا عموماً سفر میں بیعت فرمانے کا معمول نہ تھا لیکن جہاں شرح صدر ہو جاتا اور باہم مناسبت متوقع ہوتی وہاں درخواست بیعت کو منظور بھی فرما لیتے تھے۔ چنانچہ خوش نصیبی سے انہیں مستثنیات میں اس احقر ناکارہ کی بھی درخواست بیعت تھی۔ جس کو الہ آباد کے سفر ۱۳۲۶ھ میں شرف قبولیت بخشا گیا جس کا واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اس کے ضمن میں امید ہے کہ بہت سے مضامین نافعہ مناسب باب ہذا معرض بیان میں آجائیں۔ اور چوں کہ یہ داستان آپ بیتی ہو گی اس لئے ع،

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

کی مصداق ہو گی۔ وہو ہذا۔

بحمد اللہ احقر کو بہ برکت جناب والد صاحب مرحوم و مغفور (جو حضرت والا ہی کی معرفت حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز سے بذریعۂ خط بیعت ہوئے تھے اور جنہوں نے حسب ارشاد حضرت حاجی صاحبؒ حضرت والا ہی سے تعلیم طریق حاصل کی تھی) باوجود انگریزی تعلیم میں مشغول ہونے کے دین سے لگاؤ تھا۔ اور حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت والا کی بعض تصانیف بھی نظر سے گزری تھیں جن کے مطالعہ سے بے حد متاثر ہوا تھا اور حضرت والا کی تصانیف میں تو اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی کشش اور برکت رکھی ہے کہ شوقِ مطالعہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور دین کی طلب دامنگیر ہو کر حالت کی کایا پلٹ ہی ہوتی چلی جاتی ہے جس کے ہزارہا شاہد موجود ہیں۔

چنانچہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مجھ کو اور میرے خاص احباب کو حضرتِ والا کی تصانیف کا اتنا شوق بڑھا تھا کہ ایک کتب خانہ بھی کھول لیا گیا تھا جسکے خاص محرک مکرمی و مشفقی جناب

منشی حق داد خاں صاحب پنشنر معلم پٹواریاں سنتے جواب بفضلہ حضرت والا کے خلیفۂ مجاز اور بڑے مخلص اور صاحب خیر و برکت بزرگ ہیں۔ نیز ہم چند شخصوں نے مل کر ایک عریضہ بھی حضرت والا کی خدمت میں اس مضمون کا ارسال کیا تھا کہ ہم لوگوں کو حضرت ہی کی تصانیف سے معلوم ہوا ہے کہ جس سے محبت ہو اس کو مطلع کر دینا چاہیے تاکہ اس کو بھی محبت ہو جائے اور دعا میں یاد رکھے اس لئے ہم لوگ حضرت کو مطلع کرتے ہیں کہ ہمیں آپ سے محبت ہے۔

یہ سب حالات حضرتِ والا کی زیارت حاصل ہونے سے قبل کے ہیں۔ اس وقت احقر علی گڑھ کالج سے بی اے پاس کرنے کے بعد الہ آباد کالج میں قانون پڑھتا تھا اور ایل ایل بی کے درجہ میں داخل تھا۔ محلہ کٹرہ میں قیام تھا۔ اسی دوران میں حضرت والا کا مژدۂ تشریف آوری و وعظ ایک مطبوعہ اعلان سے معلوم ہوا جس کے دیکھتے ہی اشتیاقِ زیارت ایسا غالب ہوا کہ مدرسہ متعلق مسجد شیخ عبد اللہ میں جو بڑے اسٹیشن کے پاس ہے جہاں حضرت والا قیام پذیر تھے جلتی دوپہری میں دو ڈھائی میل کی مسافت طے کر کے پہنچا۔ حضرت والا اس وقت قیلولہ فرما رہے تھے اور احقر غایت عقیدت و اشتیاق سے دور کھڑا ہوا حضرت والا کو اسی خوابیدہ حالت میں تاک جھانک رہا تھا۔ حضرت والا پشت کئے ہوئے آرام فرما رہے تھے اور سر مبارک کے نہایت خوبصورت چمکدار پٹے دار بال جو اس زمانہ میں بالکل سیاہ تھے اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ نیز کوشش کرنے سے کچھ کچھ حصہ چہرۂ انور کا بھی ناتمام طور پر گاہ گاہ پیشِ نظر ہو جاتا تھا جو قوتِ متخیلہ اور حسنِ عقیدت سے مل مل کر مختلف دلربا شکلیں اختیار کر رہا تھا۔ کبھی کیسی صورت معلوم ہوتی تھی کبھی کیسی بار بار مشتاقانہ اور متجسسانہ نگاہیں

ڈالتا تھا۔ لیکن صحیح اندازہ ہی نہ ہو پاتا تھا کہ حضرت والا در اصل ہیں کس شکل و شباہت کے۔

بہرصورت اس وقت حضرت والا کچھ اس انداز سے محوِ خواب ناز تھے اور احقر اس درجہ ذوق و شوق اور عقیدت و محبت سے محو نظارہ تھا کہ وہ سماں باوجود ۲۰ سال کی مدت طویلہ گزر جانے کے بھی آج تک متخیلہ میں بعینہ اور اسی کیف کے ساتھ محفوظ ہے اور اس ناتمام دیدار اول کی مست کر دینے والی کیفیتیں اب تک قلب میں نقش کالحجر ہیں۔ اور اس زمانہ کی سادہ اور بالکل خالص عقیدت و محبت طبعی جس میں شائبہ بھی احتمالات عقلیہ کا نہ تھا ذہن میں تاہنوز مستحضر ہے اور گو اس کے متعلق حضرت والا کی یہ تحقیق انیق سن کر عقلی تسلی ہوگئی ہے کہ آپ کی اس وقت کی جو حالت ہے وہ اُس وقت کی حالت سے اکمل وادوم و افضل ہے کیونکہ عقلی احوال میں غالب اثر روح کا ہوتا ہے اور طبعی کیفیات میں نفس کا۔ لیکن دل ہے کہ پھر بھی بار بار اسی حالت کا خواہاں ہے۔ اور اسی دور کا جویان۔ اللہ اللہ کیا ذوق و شوق اور سادگی و خلوص کا زمانہ تھا اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ قدرت ہے دعا ہے کہ وہ عقلی اور طبعی دونوں ہی قسم کی کیفیتوں کو علیٰ وجہ الکمال قلب میں جمع فرما دے۔ آمین ثم آمین وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ۔

چنانچہ حضرت والا بھی یہی فرمایا کرتے ہیں کہ کیفیات طبعیہ حسنہ غیر اختیاریہ محمود تو ہیں مقصود نہیں لہٰذا دعا کا تو مضائقہ نہیں لیکن ان کا منتظر رہنا خلاف اخلاص اور بوجہ مخل یکسوئی اور تشاغل عن المقصود ہونے کے مضر ہے نیز یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ عقلی احوال بھی طبعی کیفیات سے بالکل خالی نہیں ہوتے ورنہ محض اقتضائے عقلی صدور اعمال کے لئے عادۃً کافی نہیں اسی طرح بالعکس۔ البتہ ایک صورت میں عقلیت غالب ہوتی ہے اور طبیعت مغلوب دوسری میں برعکس ان لطیف حقائق طریق اور مفید مسائل سلوک کو

استطراداً نقل کرنے کے بعد احقر پھر اپنے واقعۂ بیعت کے بیان کی طرف عود کرتا ہے
احقر کو حضرت والا کی بالمشافہہ زیارت کے لئے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا کیونکہ نماز ظہر کا وقت جلدی ہی آگیا اور حضرت والا بیدار ہو کر وضو کے لئے قیامگاہ سے باہر تشریف لائے۔ راستہ ہی میں احقر کو دوبدو زیارت نصیب ہو گئی حضرت والا حسب عادت شریفہ نیچی نگاہیں کئے اور مستانہ وار جھومتے اس شان سے تشریف لا رہے تھے کہ چہرہ مبارک تو نہایت شاہانہ مگر لباس فقیرانہ بالکل سادہ صرف کرتہ پاجامہ اور کرتہ کا بھی اوپر کا بٹن کھلا ہوا جو اب بھی اکثر کھلا ہی رہتا ہے کاندھے پر رومال آنکھیں سُرمگیں۔ خمار آلود اور چونکہ سو کر تشریف لا رہے تھے لہٰذا قدرے مائل بسرخی اور بال بھی کسی قدر بکھرے ہوئے۔ غرض عجب دلربا شان تھی۔ بس کسی کا یہ شعر بالکل حسب حال تھا اور ہوبہو صادق آ رہا تھا ؎

قبا وا کردہ و کاکل پریشاں کردہ می آید
بہ بیں ایں بے سر و ساماں چہ ساماں کردہ می آید

اور سرخی مائل آنکھیں تو بلا مبالغۂ شاعرانہ گویا بزبان حال یہ کہہ رہی تھیں اور ایک دنیا گواہ ہے کہ بالکل سچ کہہ رہی تھیں ؎

ایں ست کہ خوں خوردہ و دل بُردہ بسے را
بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را

احقر نے بڑھ کر سلام عرض کیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے حضرت والا نے نظر اٹھا کر نہایت لطف کے لہجہ میں سلام کا جواب مرحمت فرمایا اور اپنے نرم نرم اور کشادہ ہاتھوں سے مصافحہ فرما کر نہایت ہی مشفقانہ اور تلطف آمیز لہجہ میں بہت

ہی دلفریب اور پر لطف انداز سے فرمایا مزاج شریف وہ لہجہ اب تک کانوں میں گونج رہا ہے اور وہ انداز اب تک دل میں کھبا ہوا ہے اور وہ جگہ جہاں یہ زیارت اولیہ نصیب ہوئی تھی اب تک آنکھوں میں پھر رہی ہے - اور نظر پر اثر کی کیفیت برقیہ کا تو کچھ حال ہی نہ پوچھئے وہ تو بیان ہی میں نہیں آسکتی بس یوں سمجھئے کہ میں بزبان حال گویا یہ اشعار پڑھ رہا تھا ؎

درعین سینۂ من زخمِ بے نشاں زدۂ ۔ بہ حیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدۂ
وز دیدہ فگندی بمن از ناز نگاہے ۔ قربان نگاہِ تو شوم باز نگاہے

اور میرے نزدیک یہ مبالغہ شاعرانہ نہیں کیوں کہ میں تو حضرت والا کی نظر توجہ کا اثر بفضلہ تعالیٰ ہر التفات میں روز اوّل سے لے کر اب تک برابر نہایت بیّن طور پر محسوس کرتا چلا آرہا ہوں - اور میں یہ بھی اسی وثوق کے ساتھ ببانگ دہل کہتا ہوں کہ جس کا جی چاہے اس اثر کا خود مشاہدہ کرلے جیسا کہ ہزاروں نے مشاہدہ کرلیا ہے ۔ بمصداق اشعار ؎

عالم از نرگس تو بے مے و مینا سرشار ۔ چشم بد دور عجب ساغرِ بے مُل زدۂ
من نہ تنہا گرفتار و اسیر زلف او ۔ بلکہ او دارد بہر موئے گرفتارِ دگر

مگر حسب ارشاد حضرت مولانا رومیؒ شرط یہ ہے کہ ؎

مغز را خالی کن از انکار یار ۔ تا کہ ریحاں یابی از گلزار یار
چوں گرفتی پیر ہن تسلیم شو ۔ ہمچو موسیٰؑ زیر حکم خضر رَو
گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن ۔ گرچہ طفلے را کشد تو مو مکن
دست او را حق چو دست خویش خواند ۔ تا ید اللہ فوق ایدیہم براند

ہمہ از حق یابد او وحی و خطاب ہرچہ فرماید بود عینِ صواب
ہمچو اسماعیل پیشش سر بنہ شاد و خنداں پیش تیغش جاں بدہ
چوں گزیدی پیر نازک دل مباش سست و ریزندہ چو آب و گل مباش
ور بہر زخمے تو پُر کینہ شوی پس کجا بے صیقل آئینہ شوی
چوں نداری طاقتِ سوزن زدن از چنیں شیر ژیاں پس دم مزن
اے برادر صبر کن بر درد نیش تا رہی از نیش نفس گبر خویش

اسی کو حضرت عطارؒ یوں فرماتے ہیں ؎

ور ارادت باش صادق اے فرید تا بیابی گنج عرفاں را کلید
دامنِ رہبر بگیر اے راہ جو ہرچہ داری کن نثار راہِ او
پیر خود را محرم مطلق شناس تا براہ فقر گردی حق شناس
ہرچہ فرماید مطیع امر باش طوطیائے دیدہ کن از خاک پاش
آنچہ میگوید سخن تو گوش باش تا نہ گوید او بگو خاموش باش

پھر حسبِ اختلاف استعداد و مناسبت یا تو حضرت والا کی نظر توجہ کا اثر قلب میں فوراً محسوس ہونے لگے گا۔ ورنہ اپنی حالت ظاہری و باطنی میں یوماً فیوماً ترقیات درجات و تغیرات بابرکات کا تو ضرور ہی مشاہدہ ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ انشاء اللہ تعالیٰ بالآخر یہ اشعار اس کی زبان قال یا زبانِ حال پر جاری ہو جائیں گے۔

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی مرا با جانِ جاں ہمراز کردی
رہانیدی مرا از شرِ ہستی چہ پیمودی پیاپے جام مے را
حماک اللہ عن شر النوائب جزاک اللہ فی الدارین خیرا

اور کوئی تو اعتماد ہے جو حضرت والا نہایت زور و قوت کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں کہ جو طالب اپنے کام میں باقاعدہ لگا ہوتا ہے اس کو ہر وقت اپنے اندر شیخ کی معنوی کرامتوں کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوتا رہتا ہے لہذا اس کو کبھی اپنے شیخ کی حسّی کرامتیں دیکھنے کی ہوس نہیں ہوتی اور اگر مدت طویلہ تک بھی ایسا مشاہدہ نہ ہو تو اس کو چاہیئے کہ کوئی دوسرا شیخ تلاش کرے کیوں کہ یہ دلیل ہے اس کی کہ اس کو اس شیخ سے مناسبت نہیں۔

اور یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ شیخ کی مجلس میں شیخ کے قلب کی طرف متوجہ رہے خواہ وہ کسی کام میں مشغول ہو۔ اور یہ تصور رکھے کہ اس کے قلب سے میرے قلب میں انوار آرہے ہیں۔ ایک بار فرمایا کہ میں مجلس میں بیٹھنے والوں پر اتنا بوجھ بھی نہیں ڈالتا کہ کسی دور بیٹھے ہوئے شخص کا پرچہ وغیرہ ایک دوسرے سے لے لے کر مجھ تک پہنچائیں یا میرا پرچہ ان تک پہنچائیں اِلّا لعارضٍ خاصٍ کیوں کہ بعض اس مذاق کے ہیں کہ وہ بالکل یکسوئی کے ساتھ فانیٔ محض ہو کر یہاں بیٹھنا چاہتے ہیں اس سے ان کی یکسوئی میں خلل پڑتا ہے اور ان کے قلب پر بار ہوتا ہے اور مجھے وہ لوگ معلوم ہیں جن کا یہ مذاق ہے اور جو اس طرح مستغرق ہو کر بیٹھتے ہیں۔ پھر فرمایا مذاق تو میرا بھی یہی ہے کہ بس میں بھی اپنی ہی حالت میں محو و مستغرق رہوں اور خاموش بیٹھا رہوں لیکن کیا کروں اہل مجلس اور اہل ضرورت کی خاطر سے بولنا پڑتا ہے۔

ایک بار توجہ متعارف کے ذکر پر فرمایا کہ حلقۂ توجہ کی وہاں کیا ضرورت ہے جہاں ہر وقت توجہ رہتی ہو چنانچہ واقعی حضرت والا کی توجہ حضرت حافظؒ کے اس شعر کی بالکل مصداق ہے ؎

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است
زانکہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

ایک بار کسی سلسلۂ کلام میں فرمایا کہ میاں تو ملّا پن ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ درویشی کیا چیز ہے۔ طالب علم ہیں صاحب علم بھی نہیں۔ بس قرآن و حدیث پر عمل کرنا بتاتے ہیں۔ پھر اسی میں جو کچھ کسی کو ملنا ہوتا ہے مل جاتا ہے اور الحمد للہ ایسا ملتا ہے کہ مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ مگر ظاہر میں کچھ نہیں نہ ہُو حق ہے نہ وجد و حال ہے نہ کشف و کرامت ہے۔ اب میں گھر میں چھوٹی بچی کے گلّے پکڑ کر توڑا کرتا ہوں اور اس سے بھی کہتا ہوں کہ میرے رخسارے چٹکی میں لے کر توڑے آپ اسی کو دیکھ لیجئے۔ یہ کوئی حرکت درویشوں کی سی ہے۔ حج میں والد صاحب نے سمندر کی مچھلی خریدی۔ میں نے قیاس سے کہا کہ اس کے اندر نمک ہوگا۔ اس میں نمک نہ ڈالئے گا چنانچہ بلا نمک کے پکائی گئی۔ اور بہت ہی خوش ذائقہ تھی بلا نمک ڈالے ہی نہایت مناسب مقدار میں نمک موجود تھا۔ بس اسی طرح یہاں بھی نمک اوپر کا نہیں ہے۔ مگر اندر ہے اور وہ پکنے کے بعد کھلتا ہے اور کھانے والے ہی کو محسوس ہوتا ہے ؎

قدر ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

جیسے آم کے مٹھاس کی حقیقت اس شخص کو جس نے کبھی آم نہ کھایا ہو محض تقریرات و تشبیہات سے نہیں سمجھائی جا سکتی وہ تو آم کھانے ہی سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔

سبحان اللہ کس لطیف عنوان سے حضرت والا نے اپنے طریق انیق کا جو عین طریق سنت ہے خلاصہ بیان فرما دیا جس سے ناظرین با تمکین نے حضرت والا کی قوت

فیضانِ اور شانِ ارشاد و افاضہ بھی بخوبی معلوم فرمالی ہو گی جو اس باب کا موضوع اصلی ہے اور اجمالاً اس کا بھی اندازہ فرمالیا ہو گا کہ حضرت والا کے یہاں سے کس درجہ کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ سبحان اللہ یہی تو اصل درویشی ہے جو بالکل کتاب و سنت کے موافق ہے اور جس کے ہر زمانہ میں صوفیہ محققین حامل و عامل و ناشر رہے ہیں لیکن جس شرح و بسط اور عموم و وضوح کے ساتھ اس کا شیوع اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کے ذریعہ سے فرمایا ہے ویسا صدیوں سے نہ ہوا تھا چنانچہ حضرت والا کے بیشمار عجیب و غریب حقائق و معارف اور نہایت مفید و موثر طرق تربیت اور نہایت سہل و نافع معالجات امراض نفسانی جو بفضلہ تعالیٰ کثیر تعداد میں مدوّن و شائع ہو چکے ہیں اس پر شاہد عدل ہیں جن سے حضرت والا کا نہ صرف مجدّد بلکہ بہت ممتاز مجدد اور نیز حکیم الامت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ یہ سب حضرت والا کی نظر پر اثر کی کیفیت بیان کرنے کے سلسلہ میں عرض کیا گیا اور اسی سلسلہ میں بعض واقعات بھی یاد آ گئے ہیں جنکو بطور نمونہ مجملاً عرض کیا جاتا ہے۔

ضلع سیتاپور کے ایک صاحب نے گنوارو زبان میں حضرت والا کی آنکھوں کی یہ تعریف کی کہ بڑی مار و ہیں۔ یعنی قتالہ ہیں۔ خورجہ کے ایک صاحب نے کہا کہ عرصہ ہوا حضرت نے میری طرف ایک نگاہ کی تھی وہ اب تک کیل کی طرح دل میں گڑی ہوئی ہے۔ جناب صوفی سلیمان صاحب لاجپوری جو ملک گجرات کے بہت معمّر اور مشہور صاحب سلسلہ شیخ تھے حضرت والا سے اتفاقاً بر سر راہ محض سرسری ملاقات ہو جانے کے بعد ایک مسجد میں بیٹھے گھنٹوں روتے رہے۔ سبب پوچھا گیا تو حضرت والا کا نام لے کر فرمایا کہ نہ جانے آنکھوں سے کیا کر گئے۔ یہ واقعہ باب لقائے بزرگان و دعائے بزرگاں میں مفصل بیان کیا جا چکا ہے۔ کانپور کے ایک عظیم

بھائی صاحب مرحوم ومغفور اتفاق سے حضرت والا کے بالکل مواجہہ میں بیٹھے تھے لہذا وہ ان وعظ میں زیادہ تر وہی حضرت والا کے مخاطب رہے۔ میں نے دیکھا کہ بھائی صاحب برابر ٹکٹکی باندھے حضرت والا کی طرف دیکھتے رہے اور ہمہ تن گوش ہو کر وعظ سنتے رہے۔ میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ آج حضرت والا کی توجہ بھائی صاحب پر ہوگئی ہے انشاءاللہ تعالیٰ ضرور رنگ لائے گی۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ ایسا ہی ہوا۔ بھائی صاحب پر اس درجہ اثر ہوا کہ حضرتِ والا سے رجوع کیا اور اسی روز سے باوجود بڑے عہدہ دار اور کار دنیا میں مشغول ہونے کے بہت دیندار اور تسبیح خواں ہو گئے اور کلمہ پڑھتے پڑھتے انتقال ہوا۔ وعظوں کے اثر کے بعض دیگر واقعات مواعظ حسنہ میں گذر چکے ہیں۔

ایک بار جناب مولانا مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی سلمہم اللہ تعالیٰ کو جو حضرت والا کے خلیفۂ مجاز اور مدرسہ عالیہ دیوبند کے مدرّس ہیں۔ میں نے خود حضرتِ والا کی مجلس میں دیکھا کہ حضرتِ والا کے قرب اور تخاطب سے متاثر ہو ہو کر اچھل اچھل پڑتے تھے جس پر بعد مجلس احقر نے ان کو اپنا ایک شعر سنایا جو حضرت والا ہی کی برق بار نگاہوں کی توصیف میں اور ایسے ہی تجربوں کی بنا پر عرض کیا گیا تھا وہ شعر یہ ہے ؎

نگاہوں سے بھر دی رگ و پے میں بجلی

نظر کردہ برق تپاں ہو رہا ہے

احقر پر بھی شروع شروع میں اتنا اثر ہوتا تھا کہ بعض اوقات قلب پر بے اختیار ہاتھ رکھ لینے کی نوبت آجاتی تھی۔ اور بحمد اللہ اب بھی یک بیک غفلت دور ہو کر حضور مع اللہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کو اگر بالقصد برقرار رکھا جائے تو رفتہ رفتہ

نسبت مع اللہ کی دولت لازوال حاصل ہو جاسے۔ اور میرا تو گمان غالب بدرجۂ یقین یہی ہے کہ شیخ کی صحبت میں جو برکت ہوتی ہے وہ اکثر اسی طریق سے کہ شیخ کی توجہ سے بلکہ بلا توجہ بھی اس کی نسبت کا انعکاس مسترشدین کے قلوب پر ہوتا رہتا ہے جس سے غفلت دور ہو کر حضور مع اللہ کی کیفیت محسوس ہونے لگتی ہے جو دائمی ہو جاتی ہے کثرت ذکر و دوام طاعت کی جس سے اُس حضور میں یوماً فیوماً ترقی ہوتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ بفضلہ تعالیٰ و بہ برکت فیض شیخ نسبت راسخہ حاصل ہو جاتی ہے۔ جو ماحصل ہے سارے اذکار و اشغال اور ریاضات و مجاہدات کا۔ لہٰذا مسترشدین کو اپنے قلوب کی ہر وقت نگرانی رکھنی چاہیے۔ اور اگر وہ ایسا کریں گے تو ضرور اپنے اندر شیخ کی توجہ و برکت کا اثر محسوس کریں گے پھر اس اثر کو کثرت ذکر و دوام طاعت سے تقویت پہنچاتے رہیں یہاں تک کہ اس میں رسوخ ہو جائے۔

میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ میں بار بار غفلت اختیار کرتا ہوں۔ لیکن حضرت والا کی توجہ کی برکت سے قلب بار بار خود متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی بیدار کر دینے والا اندر بیٹھا ہو اللہ تعالیٰ مجھے غفلت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں، اُدھر سے تو کوئی کمی نہیں اپنی ہی کوتاہی ہے۔ اس پر حضرت والا کا ایک ملفوظ یاد آگیا ایک بار احقر نے نہایت حسرت سے عرض کیا کہ حضرت جب میں خدمت میں حاضر ہوتا ہوں تو قلب کی حالت بہت اچھی ہو جاتی ہے اور جب یہاں سے چلا جاتا ہوں تو رفتہ رفتہ پھر حالت خراب ہو جاتی ہے۔ فوراً نہایت لطف کے ساتھ تسلی فرمائی کہ پھر حرج ہی کیا ہے۔ آپ اپنے کپڑے میلے کر دیتے ہیں دھوبی ان کو دھو دیتا ہے آپ پھر میلے کر دیتے ہیں دھوبی ان کو پھر دھو دیتا ہے۔

غرض حضرت والا کی نظر کیمیا اثر کے ہزارہا کارنامے ہیں جن کا خلاصہ بعنوان استعارہ یہ ہے کہ اس نے ہزاروں سنگریزوں کو متبدل بہ یاقوت کر دیا اور سینکڑوں پتھروں کو پارس بنا کر اس شعر کا مصداق بنا دیا ؎

آہن کہ بہ پارس آشنا شد فی الحال بصورت طلا شد

حضرت والا کی نظر پُر اثر کی تاثیرات کو دیکھ کر احقر کا گمان بلکہ یقین تھا کہ حضرت والا نگاہ کرنے کے وقت ضرور بہ قصد فرماتے ہوں گے کہ دوسرے پر اثر پڑے اور قلبی کیفیات متعدی ہوں جبھی تو اتنا اثر ہوتا ہے۔ بلکہ یہ خیال تھا کہ طالبین کی طرف ہر وقت قلباً متوجہ رہتے ہوں گے کیوں کہ ان کو اکثر اوقات حاضرانہ و نیز غائبانہ اپنے قلوب میں یک بیک بلا کسی ظاہری سبب کے کیفیات خاصہ محسوس ہوتی رہتی ہیں لیکن حضرت والا نے میرے اس خیال کی نہایت شد و مد کے ساتھ تغلیط فرمائی اور فرمایا کہ مجھے تو اپنے ہی فکر سے فرصت نہیں دوسروں کی طرف ہر وقت متوجہ رہنے کی مجھے کہاں توفیق۔ اور میں تو اس توجہ متعارف کو تکلف ہی سمجھتا ہوں اور اس کے خلاف تقریریں بھی کیا کرتا ہوں اگر اس میں نفع رسانی کی نیت ہو تو میں اس کو جائز سمجھتا ہوں اور اسی بنا پر توجہ دینا بعض بزرگوں کا معمول بھی رہا ہے لیکن جس طریق سے رائج ہے وہ طریق سنت میں منقول نہیں۔ اور مجھے تو باوجود جائز سمجھنے کے توجہ متعارف سے طبعی توحش ہے جیسے اوجھڑی سے کہ گو حلال ہے لیکن بعض طبیعتیں اس کو قبول نہیں کرتیں۔ مجھے تو اپنی توجہ کو سب طرف سے ہٹا کر ایک خاص شخص کی جانب جو مخلوق ہے ہمہ تن متوجہ ہو جانے میں غیرت آتی ہے کیوں کہ یہ حق تو خاص اللہ تعالیٰ ہی کا ہے کہ سب طرف سے توجہ کو ہٹا کر بس اسی ایک ذات واحد کی طرف ہمہ تن متوجہ رہا جائے۔ البتہ دلسوزی اور خیر خواہی

کے ساتھ تعلیم کرنا اور دل سے یہ چاہنا کہ طالبین کو نفع پہنچے اور ان کی دینی حالت درست ہو جائے یہ توجہ کا ماثور طریق ہے۔ اور یہی حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور یہ نفع اور برکت میں بھی توجہ متعارف سے کہیں بڑھ کر ہے۔ کیونکہ اس کے اثر کو بقاء ہے بہ خلاف توجہ متعارف کے کہ اس کا اثر بس اسی وقت ہوتا ہے پھر کچھ نہیں جیسے تنور کے پاس جب تک بیٹھے رہئے بدن گرم رہتا ہے اور جب ذرا وہاں سے اٹھے اور ٹھنڈی ہوا لگی بس بدن پھر وہی ٹھنڈے کا ٹھنڈا۔ اور جو توجہ کا مسنون طریق ہے اس کے اثر کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے کشتۂ طلا یا سنکھیا مدبر استعمال کر کے اپنی حرارت غریزیہ کو بڑھا لیا ہو تو اگر وہ شملہ پہاڑ پر بھی چلا جائے تب بھی وہ حدت بدستور باقی رہے گی۔

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ شبہہ نہ کیا جائے کہ بغیر قصداً توجہ کئے ہوئے اثر کیسے ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بعض قلوب ہی کے اندر تعدیہ کی صفت رکھی ہے جیسے کہ گو آفتاب کا یہ قصد نہیں ہوتا کہ اس کا نور دوسروں کو پہنچے لیکن پھر بھی اس کا نور دوسروں کو پہنچتا ہی ہے کیوں کہ اللہ تعالےٰ نے اس کے اندر صفت ہی یہ رکھی ہے کہ جو شے اس کے مقابل میں آ جاتی ہے وہ منور ہو جاتی ہے۔ اھ

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ یہ تو حضرت والا کا اور بھی زیادہ کمال ہے کہ بلا قصد ہی فیض پہنچتا ہے۔ جو حضرت والا کے نہایت قوی النسبت اور صاحب برکت اور مقبول عند اللہ ہونے کی علامت ہے حضرت والا کی اس نفی توجہ اور طالبین کے احساس اثرات توجہ پر بالکل یہ شعر صادق آتا ہے ؎

مہ من بدور حشمت بسرت قسم کہ روزے
زتو دیدہ ام ادائے کہ تو ہم ندیدہ باشی

اب حضرت والا کی اس تحقیق انیق کے بعد میں پھر اپنے واقعۂ بیعت کی طرف رجوع کرتا ہوں میں اول بار کی زیارت کا حال بیان کر رہا تھا۔ حضرت والا سے مصافحہ کرنے کے بعد احقر نے اپنا مختصر تعارف کرایا۔ پھر حضرت والا نماز کی تیاری میں مشغول ہو گئے پھر بعد نماز ظہر مجلس عام میں بیٹھ کر حاضرین کو اپنے مقالات حکمت سے بہرہ اندوز فرمانے لگے۔ مشتاقین جوق جوق آنے گئے اور شرف اندوز زیارت و مصافحہ ہو ہو کر بیٹھتے گئے یہاں تک کہ بہت بڑا مجمع ہو گیا۔ احقر غایت اشتیاق سے حضرت والا کے بالکل قریب بیٹھا۔ حضرت والا کی صحبت بابرکت اور مقالات حکمت کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ جو بات فرماتے دل میں اترتی اور ذہن میں جمتی چلی جاتی اور جب نظر فرماتے قلب میں ایک بجلی سی کوند جاتی۔ پھر تو ایسا چسکا لگا کہ اکثر وقت حضرت والا ہی کی خدمت میں گذارنے لگا۔ یہاں تک کہ رات کو بھی اکثر وہیں رہتا اور بلا بستر و تکیہ مسجد یا مدرسہ کے بوریئے پر پڑا رہتا۔ غرض حضرت والا کے ساتھ بے حد گرویدگی ہو گئی اور گو اس وقت حضرت والا نے غالباً صرف دو تین دن ہی الہ آباد میں قیام فرمایا کیوں کہ آگے تشریف لے جانا تھا اور واپسی پر پھر کچھ قیام فرمانے کا وعدہ تھا۔ لیکن دو تین دن ہی خدمت میں حاضر رہنے کا اس درجہ اثر ہوا کہ حضرت والا کی ہر ادا گویا میرے اندر سرایت کر گئی یہاں تک کہ جب میں حضرت والا کی خدمت سے رخصت ہو کر کسی سے کلام کرتا یا حضرت والا کے ملفوظات جو کثرت سے یاد ہو گئے تھے احباب سے نقل کرتا تو بے اختیار حضرت والا کے لب و لہجہ سے ایک گونہ مشابہت پیدا ہو جاتی بلکہ اپنی چال ڈھال میں بھی مجھے حضرت والا ہی کا

سارنگ ڈھنگ محسوس ہوتا اس سے حضرت والا کے فیض صحبت کا قوی الاثر اور سریع النفوذ ہونا ظاہر ہو رہا ہے۔ نیز حضرت والا کی شان محبوبیت اور اثر عام دیکھ دیکھ کر بے اختیار حضور اقدس سید المرسلین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین کا تصور بندھ جاتا۔ اور حضرت والا کی شان تحقیق اور قوت استدلال دیکھ دیکھ کر انگریزی دانوں ملحدوں اور غیر مذاہب والوں کے مقابلہ میں اسلام کی بڑی قوت محسوس ہوتی جس سے قلب کو بڑی تقویت ہوتی کہ بفضلہ تعالیٰ حضرت والا کے ہوتے ہوئے اسلام کی حقانیت پر کسی کو مجال دم زدن نہیں ہو سکتی جو الحمد للہ ایک امر واقعی ہے۔

اس وقت کے یہ سب ابتدائی تاثرات اب تک قلب و دماغ میں نقش کالحجر ہیں جن کو بے کم و کاست عرض کر دیا گیا ہے اور جتنے بعد کے حالات ہیں وہ سب اسی اجمال کی تفصیلات ہیں۔ اسی دوران میں احقر نے جرأت کر کے اپنے لئے دعا کی درخواست کی تو فوراً بایں الفاظ دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا محب اور محبوب بنائے۔ اسی وقت یا دوسرے کسی موقع پر بغایت شفقت و ذرہ نوازی یہ بھی فرمایا کہ میں سچ عرض کرتا ہوں میرے قلب کو آپ سے ایک خاص تعلق ہے۔ اھ

احقر نے ایک بار یہ بھی عرض کیا کہ حضرت یہ دعا فرمائیں کہ قلب میں معاصی کا میلان ہی نہ رہے۔ فرمایا دیوار ہو جانا کس کام کا۔ پھر دیوار کی طرف اشارہ فرما کر فرمایا کہ دیکھئے یہ دیوار ہے چوری یہ نہیں کرتی زنا یہ نہیں کرتی بڑی متقی ہے لیکن پھر بھی بیچاری دیوار کی دیوار ہی ہے کوئی ثواب ہی نہیں ملتا۔ انسان کا کمال تو یہی ہے کہ معاصی کا میلان ہو اور پھر بھی اپنے آپ کو روکے رہے اور معاصی کا صدور نہ ہونے دے۔ اھ

پھر احقر نے عرض کیا کہ حضرت بیعت ہونے کو بہت جی چاہتا ہے لیکن ہمت نہیں ہوتی کیوں کہ اگر بیعت ہونے کے بعد بھی گناہ ہوتے رہے تو ایسی بیعت سے کیا فائدہ اس لئے پہلے حضرت میرے ناپاک ہاتھوں کو اس قابل کر دیں کہ حضور کے پاک ہاتھوں میں دے سکوں۔ احقر یہ سوچ کر بہت مسرور ہوتا ہے کہ الحمد للہ امر بیعت میں احقر کا مذاق شروع ہی سے بالکل حضرت والا کے طریق انیق کے مطابق تھا حضرت والا اس وقت وضو کھڑے ہو کر وضو فرما رہے تھے اور ایک مونڈھے پر پانی کا لوٹا رکھا ہوا تھا۔ احقر کی عرض پر تمثیلاً فرمایا کہ ایک دریا تھا اسکے پاس ایک ناپاک اور میلا کچیلا آدمی آیا اس دریا نے کہا کہ آ تو میرے پاس آ۔ اُس نے کہا کہ میری بھلا کیا مجال ہے کہ میں تیرے پاس آسکوں تو بالکل پاک صاف شفاف ہے میں بالکل نجس پلید ناپاک۔ دریا نے جواب دیا کہ تو تو اس حالت میں میرے پاس آنا نہیں چاہتا اور بغیر میرے پاس آئے اور میرے اندر نہائے پاک ہو نہیں سکتا تو بس پھر ہمیشہ کے لئے دُوری ہی رہی۔ ارے بھائی پاک ہونے کی تدبیر بھی تو یہی ہے کہ بس آنکھیں بند کر کے بلا پس و پیش میرے اندر کود پڑ بس پھر فوراً ہی میرے اندر سے ایک ایسی موج اٹھے گی جو تیرے سر پر ہو کر گزر جائے گی اور آن کی آن میں تیری ساری نجاستوں کو دھو کر تجھے سر سے پاؤں تک بالکل پاک صاف کر دے گی۔ اھ

بعد کو جب کسی موقع پر احقر نے غالباً اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جانے کی دُعا چاہی تو حضرت والا نے تین ہزار بار اسم ذات بعد نماز فجر خفیف جہر و ضرب کے ساتھ بایں تصوّر کہ قلب بھی ساتھ ساتھ شریک ذکر رہے پڑھنے کو بتا دیا اور خود دو تین بار ادا کر کے طریق ذکر بھی سکھا دیا۔ پھر حضرت والا الٰہ آباد سے آگے غالباً ضلع اعظم گڑھ کے سفر میں تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ کے بعد حسب وعدہ واپسی

میں پھر دو ایک روز کے لئے الہ آباد قیام فرمایا۔ احقر اس درمیان میں حضرت والا کے تلقین فرمودہ ذکر کو کرتا رہا جس سے بہت دلچسپی پیدا ہو گئی مجھے یاد ہے کہ واپسی پر حضرت والا سے میں نے تجویز کردہ ذکر کے ساتھ اپنی دلچسپی کا حال بیان کرکے یہ بھی عرض کیا کہ پہلے تو یہ کچھ محسوس نہ ہوتا تھا کہ پہلو میں قلب بھی کوئی چیز ہوتی ہے اب اس کا احساس ہونے لگا ہے۔ حضرت والا نے جو ذکر اور مقدار ذکر اور وقت ذکر روز اوّل تجویز فرما دیا تھا وہ مجھ جیسے راحت طلب ضعیف الہمۃ اور لاابالی شخص کے اس قدر حسب مذاق اور مناسب حال اور موافق طبیعت ثابت ہوا کہ اس کے کسی جزو میں ادنےٰ تغیر بھی موجب اخلال و خلجان ہو جاتا ہے حضرت والا کی تجویزات اکثر ایسی ہی مناسب حال ثابت ہوتی ہیں، چنانچہ خود بھی اس کی تائید میں فرماتے تھے کہ ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب مرحوم لکھنوی کو میں نے فقط تلاوت قرآن کی کثرت تجویز کی تو وہ شگفتہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ تو آپ نے بالکل میرے مذاق کی چیز بتادی مجھے تو تلاوت سے بہت ہی دلچسپی ہے۔ اھ

اس واقعہ کو نقل فرما کر حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے ان کی دلچسپی کی پوری خبر بھی نہیں تھی لیکن دل میں یہی آیا کہ ان کے لئے بجائے ذکر کے تلاوت مناسب ہوگی۔ اسی طرح ایک صاحب کے لئے میں نے کثرت نوافل تجویز کی تو انہوں نے بھی یہی کہا۔ اھ

حضرت والا تلقینِ اَوراد و اذکار میں ہمیشہ طالبین کی دلچسپی کا خاص لحاظ فرماتے ہیں کیونکہ جس ذکر سے دلچسپی ہوتی ہے اس پر مداومت بھی آسان ہوتی ہے اور اس کے دوران میں جمعیت و یکسوئی بھی رہتی ہے جو معین مقصود ہے۔

چنانچہ قبل تلقینِ اذکار طالب کے موجودہ معمولات بھی دریافت فرما لیتے ہیں اور

انہیں میں مناسب کمی بیشی فرما کر اوراد تجویز فرما دیتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہی بیان فرماتے ہیں کہ پرانے معمولات سے چوں کہ اُنس ہو جاتا ہے اس لئے ان کے چھوڑنے کو بھی دل گوارا نہیں کرتا اور ان سے دلچسپی بھی زیادہ ہوتی ہے اس لئے میں بلا ضرورت ان کو نہیں چھوڑواتا۔ نیز قدیم معمولات میں مداومت کی بدولت ایک خاص برکت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اھ

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ پھر انہیں معمولات میں حضرت والا کے تجویز فرما دینے کے بعد ایسی کھلی ہوئی برکات محسوس ہونے لگتی ہیں کہ اس سے پہلے ان میں محسوس نہ ہوتی تھیں۔ یہ بیّن علامت ہے حضرت والا کی مقبولیت و برکت اور قوتِ افاضہ کی وذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاءُ۔

غرض احقر کو حضرت والا کی جانب اتنی کشش ہوئی کہ حضرت والا کے واپسی کے قیام الہ آباد میں احقر نے بیعت کی درخواست کی حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے انکار نہیں لیکن آپ بیعت ہو کر کیوں خواہ مخواہ اپنی وقعت اور عظمت گھٹاتے ہیں۔ کیونکہ آپ کی جتنی عظمت اب میرے قلب میں ہے اُتنی بیعت ہو جانے کے بعد تھوڑا ہی رہے گی۔ بہر حال جب حضرت والا واپس تشریف لے جانے لگے تو روانگی سے تھوڑی ہی دیر پہلے بعد مغرب احقر کو مع جناب مکرمی و مشفقی حفدار خان صاحب سلمہم اللہ تعالےٰ اور میزبان صاحب کے ایک ملازم کے بیعت فرما لیا۔

غالباً حضرت والا الہ آباد سے کانپور تشریف لے گئے تھے جہاں یہ۔ کو احقر بھی پہنچ گیا۔ حضرت والا کو دیکھا کہ جامع مسجد محلہ ٹپکا پور کے ایک گوشہ میں مراقب بیٹھے ہیں۔ چوں کہ وہ ابتدائی جوش و خروش کا زمانہ تھا اس لئے حضرت والا کو مراقب دیکھ کر میں

نے خود بھی یا احباب کو مخاطب کر کے کسی کا یہ شعر پڑھا ؎

نظر کو نیچی کئے سر جھکائے بیٹھے ہیں
یہی تو ہیں جو مرا دل چھڑائے بیٹھے ہیں

چونکہ اس زمانہ میں مجھکو ملازمت کی تلاش تھی اور چند نئے عہدے انسپکٹری آبکاری کے قائم ہوئے تھے اس لئے احقر نے بھی درخواست بھیج دی تھی۔ اسی کے جواز یا عدم جواز کے متعلق احقر نے حضرت والا سے پوچھا تو فرمایا کہ پہلے یہ تحقیق کر لیجئے کہ کس کس چیز کی شراب بنتی ہے۔ معلوم ہوا کہ گڑ، مہوا وغیرہ کی بنتی ہے انگور یا چھوارہ کی نہیں بنتی۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ مجمل جواب تو آپ کے استفسار کا یہ ہے کہ آپ اس ملازمت کے حصول کی کوشش کریں اور اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہوں کہ یہ میں نے کیوں کہا تو میرے پاس تھانہ بھون بذریعہ ڈاک یہ سوال لکھ کر بھیج دیجئے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ مفصل وجوہ تحریر کر کے بھیج دوں گا۔ حضرت والا کو اگر بعض مجتہدین کے اقوال پر بھی کسی ملازمت کے جواز کی گنجائش ملتی ہے تو اس عام ابتلائ اور ضعف ہمم کے زمانہ میں اس گنجائش کی بنا پر اجازت دے دیتے ہیں کیوں کہ تنگی معاش میں اس سے اشد دینی ضرر کا اندیشہ ہے۔

غرض میری درخواست ملازمت منظور ہو گئی اور میں بمقام شاہجہان پور پندرہ دن کام سیکھنے کے لئے بھیجا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ والد صاحب مرحوم و مغفور کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ انہوں نے مجھ کو لکھ بھیجا کہ تم چھوڑ کر چلے آؤ اور پھر ڈپٹی کلکٹری کے لئے کوشش کی جس میں بفضلہ تعالیٰ حضرت والا ہی کی دعا کی برکت سے کامیابی حاصل ہو گئی۔ لیکن چوں کہ حضرت والا کے فیض سے ذکر و شغل کا چسکا لگ گیا

تھا۔ امتحان کی کتابوں کے مطالعہ میں جی نہ لگتا تھا اور دنیا سے بے رغبتی ہو گئی تھی اس لئے تقرریہ کے بعد کے امتحانات جن پر مستقل کا دار و مدار تھا نہ پاس کر سکا۔ یہاں تک کہ ایک زائد موقع مجکو خاص طور سے اور دیا گیا۔ میں نے جب حضرت والا کو اپنی تشویش کی اطلاع دی اور لکھا کہ مجھے کامیابی کی امید نہیں کیوں کہ پڑھنے میں میرا جی ہی نہیں لگتا تو حضرت والا نے نہایت ہمت افزا جواب مرحمت فرمایا۔ تحریر فرمایا کہ ہمت نہ ہاریئے اور گو طبعًا ناگوار ہو لیکن دل کو بہ تکلف متوجہ کر کے امتحان کو پاس ہی کر لینے کی کوشش کیجئے اور پریشانی کو پاس نہ پھٹکنے دیجئے ؎

حیف باشد دل دانا کہ مشوش باشد

امتحان کو ضرور پاس کر لینا چاہیئے تاکہ اہلِ دنیا کی نظر میں ذلّت نہ ہو۔ اس مردار دنیا کو حاصل کر لینے کے بعد چھوڑنا چاہیئے۔ تارک الدنیا ہونا چاہیئے نہ کہ متروک الدنیا اگر آپ امتحان پاس نہ کر سکے اور علیحدہ کر دیئے گئے تو آپ ڈپٹی کلکٹری کو گیا چھوڑیں گے خود ڈپٹی کلکٹری ہی آپ کو چھوڑ دے گی۔ حالانکہ ہونا چاہیئے برعکس۔ اھ

حضرتِ والا کے اس ہمت افزا ارشاد سراپا رشاد کے بعد احقر نے امتحان کی تیاری کے لئے خاص طور سے چھٹی لی اور اپنے ایک عزیز ڈپٹی کلکٹر کے پاس پہاڑ پر جا کر امتحان کی تیاری بہ اعانت اُن عزیز کے شروع کر دی۔ لیکن پھر بھی کافی تیاری نہ ہو سکی۔ مگر حضرت والا کی تمنا تو اللہ تعالیٰ کو پوری کرنی ہی تھی اسی سال سے یہ اجازت ہو گئی کہ کتابیں دیکھ دیکھ کر امتحان میں جوابات لکھ سکتے ہیں چنانچہ اس سے الحمدللہ بڑی سہولت ہو گئی پھر بھی بعض مضامین میں جن میں کتابوں کا دیکھنا مفید نہ ہو سکتا تھا اندیشہ ناکامیابی رہا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں لکھنؤ سے

امتحان دے کر تھانہ بھون حاضر ہوا تو حضرت والا سے یہ واقعہ عرض کیا کہ امتحان کے زمانہ میں بلکہ تیاری امتحان کے زمانہ میں بھی مجھے اس قدر فکر دامنگیر رہی کہ پہاڑ کے اچھے اچھے مناظر سے جہاں رہ کر میں نے امتحان کی تیاری کی تھی اور لکھنؤ جیسے پُر رونق شہر سے جہاں امتحان دینے گیا تھا مطلق لطف نہ اٹھا سکا۔ جس دن امتحان سے فارغ ہوا ہوں اُس دن زمین و آسمان نظر پڑے اور معلوم ہوا کہ میں دنیا میں ہوں۔ یہ سن کر حضرت والا نے پہلے ایک آہ سرد بھری۔ پھر فرمایا کہ اسی طرح ان کو جنہیں آخرت کے امتحان کی فکر ہے زمین و آسمان نظر نہیں آتے۔

اس وقت بہ ظن غالب ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت والا یہ خود اپنا ہی حال بیان فرما رہے ہیں پھر کسی زمانہ کے بعد حضرت والا غالباً مسجد ہی میں تھوڑی دیر کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹ گئے اور احقر پاؤں دبانے لگا۔ جب حضرت والا کی ذرا آنکھ لگ گئی تو میں کسی ضرورت سے اُٹھ آیا۔ حضرت والا نے فوراً احقر کو طلب فرمایا اور فرمایا کہ میں نے ابھی ایک خواب دیکھا ہے اور گو پہلے سے کہتے ہیں کہ کری ہونے کا اندیشہ ہے لیکن میں گیا اور میرا خواب ہی گیا۔ اس لئے کہے دیتا ہوں دیکھا تو بہت مفصل تھا اور بہت دیر تک دیکھتا رہا لیکن پورا یاد نہیں رہا۔ صرف اس کا خلاصہ یہ یاد رہ گیا ہے کہ کسی نے مجھ سے کہا کہ آپ (یعنی احقر) ڈپٹی کلکٹری کے امتحان میں پاس ہو گئے ہیں۔ اور گو ایک مضمون میں بہت مایوسی تھی لیکن پاس ہونے کے لائق نمبر اس میں بھی آ گئے ہیں چنانچہ بفضلہ تعالیٰ مجھے پوری کامیابی ہو گئی اور حضرت والا کی تمنا اور دعا کی برکت سے میں مستقل ڈپٹی کلکٹر ہو گیا۔

اسی زمانہ میں میں نے بھی ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک سانپ کا چھوٹا سا بچہ میرے پاس ہوکر گزرا میں نے اس کو کسی چیز سے مار دیا وہ ایک ہی ضرب میں مرگیا پھر کوئی اور زہریلا جانور جو اس وقت یاد نہیں آتا دکھائی دیا وہ دو چوٹوں میں مرگیا۔ پھر ایک بچھو دکھائی دیا میں نے اس کو مارا تو وہ لنگڑا ہوگیا اور لنگڑاتا ہوا دیوار پر چڑھ گیا اور ایسا معلوم ہوا کہ میری رضائی پر آپڑا اور میں اندیشہ کر رہا ہوں کہ کہیں ڈنک نہ مار دے اسی اندیشہ میں آنکھ کھل گئی غالباً یہ وہی مضمون تھا جس کے متعلق حضرت والا نے خواب میں دیکھا تھا کہ اس میں پاس ہونے سے مایوسی تھی لیکن اس میں بھی کافی نمبر آگئے۔ حضرت والا نے اپنا خواب بیان کر کے یہ بھی فرمایا کہ جی تو یہی چاہتا ہے کہ آپ پاس ہو جائیں پھر چھوڑنے نہ چھوڑنے کا اختیار ہوگا۔ ترک ملازمت کے لئے بارہا عرض کیا لیکن کبھی مشورہ نہیں دیا بلکہ اکثر یہ شعر پڑھ دیا ؎

چوں کہ بر میخت بہ بندد بستہ باش

چوں کشاید چابک و برجستہ باش

آخر میں تبدیل محکمہ کا مشورہ دیا جس کا ذکر قریب ہی کی سطور میں آتا ہے۔ غالباً اسی زمانہ میں حضرت والا نے احقر کے کسی عریضہ کے جواب میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ انشاء اللہ تعالیٰ فلاح دارین حاصل ہوگی۔ دل یہی گواہی دیتا ہے۔

غرض حضرتِ والا ہی کی دعا کی برکت سے میں عین مایوسی کے عالم میں مستقل ڈپٹی کلکٹر ہوگیا۔ پھر حضرت ہی کی دعا اور تمنا کی برکت سے کل سات برس اس عہدہ پر رہ کر اس سے باجازت حضرت والا دست بردار ہوگیا اور بحمد اللہ بجائے تنزل کے ترقی کر لی۔

ہونے کے مفہوم کے تارک الدنیا ہونے کے ایک مصداق کا ظہور ہو گیا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ بوجہ اس کے کہ اس عہدہ پر رہ کر بہت سے فیصلے خلاف قانون شریعت کرنے پڑتے تھے۔ اس لئے مجھے بہت تنگی پیش آتی تھی اور گو حضرت والا سے مسائل پوچھ پوچھ کر حتی الامکان خلاف شریعت مقدمہ فیصلے کرنے سے بچتا تھا لیکن پھر بھی کہاں تک بچ سکتا تھا بمفحوائے ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہٗ
بازمیگوئی کہ دامن ترمکن ھشیار باش

احقر کے بار بار عہدہ ڈپٹی کلکٹری کے خلجانات گوناگوں کے پیش کرنے اور شاکی ہونے پر حضرت والا نے احقر کو محکمہ تعلیم میں ملازمت کی کوشش کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ احقر نے بطور خود بھی حکام سے کہا سنا اور باضابطہ بھی درخواست دے دی اور اس میں یہ بھی لکھ دیا کہ میں اپنی موجودہ تنخواہ سے کم پر بھی محکمہ تعلیم میں جانے کے لئے تیار ہوں لیکن کامیابی نہ ہوئی اور صاف جواب مل گیا کہ تمہارے لائق کوئی عہدہ محکمہ تعلیم میں خالی نہیں ہے۔ چنانچہ میں بالکل مایوس ہو گیا۔ تین برس فتح پور میں ڈپٹی کلکٹر رہ کر جب زیارت حرمین شریفین کے لئے رخصت لی تو بعد واپسی کانپور میں تقرر ہوا۔ اتفاق سے بہ سبیل سفر حضرت والا کانپور تشریف لائے احقر نے محکمہ تعلیم میں ملازمت ملنے سے مایوسی کا حال عرض کیا تو نہایت جزم کے ساتھ فرمایا کہ آپ ابھی مایوس نہ ہوں برابر کوشش جاری رکھیں میرا دل گواہی دیتا ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ آپ کے لئے کوئی بہتر صورت ہو جائے گی۔ چنانچہ احقر نے پھر کوشش کی اور حکام سے صاف کہہ دیا کہ

میں بہت کم تنخواہ پر بھی جانا منظور کر لوں گا۔

حضرت والا کی دعا اور شہادتِ قلب اور اعتماد علی اللہ کی برکت سے یہ صورت غیب سے ظہور پذیر ہوئی کہ مسلمانوں کے لئے خاص مدارس اُردو کا کھولا جانا اور ان کے لئے ہر کمشنری میں جداگانہ مسلمان ڈپٹی انسپکٹر مقرر کیا جانا گورنمنٹ سے منظور ہوا۔ چنانچہ احقر کو اس نئے عہدہ کی باضابطہ اطلاع دی گئی اور لکھا گیا کہ محکمۂ تعلیم میں تم کو یہ جگہ بمشاہرہ ڈیڑھ سو روپیہ دی جا سکتی ہے آیا منظور ہے یا نہیں۔ گو یہ تنخواہ اور سب کی تنخواہ سے جو اس عہدہ پر مقرر کئے گئے تھے۔ زیادہ تھی لیکن میری ڈپٹی کلکٹری کی تنخواہ سے بہت کم یعنی صرف نصف ہی تھی کیوں کہ مجھے اس وقت تین سو روپے ماہوار مل رہے تھے۔ جب میں نے حضرت والا کو لکھا اور کمی تنخواہ کی وجہ سے کسی قدر تردد ظاہر کیا تو حضرت والا نے یہ تحریر فرمایا کہ مشورہ دینے کا تو میرا معمول نہیں ہے لیکن اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو میں تو ضرور قبول کر لینا چاہیے اس سے بھی کم تنخواہ ہوتی اور اس موقع کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دیتا اور یہ بھی تحریر فرما دیا کہ اگر آپ کو تامل ہے تو پھر آئندہ کبھی موجودہ ملازمت کی خرابیوں کی شکایت مجھ سے نہ کیجئے گا۔ اس ارشاد کی برکت سے جو قدرے تامل تھا وہ بھی بفضلہ تعالیٰ جاتا رہا اور احقر نے نہایت خوشی اور ذوق و شوق کے ساتھ اس عہدہ کو منظور کر لیا اور اپنی خدمات محکمۂ تعلیم میں منتقل کرا لیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہاں بھی عہدہ اور تنخواہ دونوں کی رفتہ رفتہ ترقی ہو گئی۔ جو بحمداللہ اب تک جاری ہے۔

حضرت والا سے شرفِ بیعت حاصل ہونے کے بعد جلدی ہی مجھے عہدہ ڈپٹی کلکٹری حاصل ہو گیا تھا اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے حضرت والا سے یہ کہہ کہہ کر

دعائے حصول ملازمت کرائی تھی کہ پھر انشاء اللہ تعالیٰ اطمینان سے ذکر و شغل کر سکوں گا یہ خبر نہ تھی کہ جس عہدہ کو حضرت والا سے دعائیں کرا کرا کر حاصل کیا جائے گا بعد کو حضرت والا ہی سے دعائیں کرا کرا کر اس سے پیچھا چھوڑایا جائے گا۔

حضرت والا سے شرف بیعت حاصل ہونے کے بعد بفضلہ تعالیٰ و برکت دعا و توجہ حضرت والا دین کا اس قدر اہتمام پیدا ہو گیا تھا کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب ایک بار لکھنؤ جانے کا اتفاق ہوا اور چوک سے گزرا تو نگاہیں بالکل نیچی کئے ہوئے اور اپنے بازو کو چٹکی سے دبا دبا کر خوب زور زور سے نوچتا ہوا گزرا تا کہ بازاری عورتوں پر نظر نہ پڑے اور ان کے گانے کی آواز کی طرف جو چاروں طرف سے آ رہی تھی التفات نہ ہو اسی طرح ایک بار بمقام الہ آباد یکہ پر جا رہا تھا کہ محرم کا ہنگامہ راستہ میں پڑا میں نے بڑے اہتمام سے ڈھول تاشوں کی آواز کی طرف سے اپنی توجہ کو ہٹا کر یکہ کے پہیہ کی گھڑ گھڑ کی بے لطف آواز کو بہت غور سے کان لگا کر سننا شروع کر دیا اور نفس کو خطاب کر کے کہا کہ ان ڈھول تاشوں کی دل خوش کن آواز سے تو یہ پہیہ کی گھڑ گھڑ ہی اچھی کیوں کہ اُس کا سننا معصیت ہے اور اس کا سننا معصیت نہیں۔

میں اپنی ڈپٹی کلکٹری کے دوروں میں سب اہلکاروں کو اس کی سخت تاکید کر دیا کرتا تھا کہ بازار کے نرخ سے سستی کوئی چیز ہرگز نہ خریدی جائے جیسا کہ عام دستور ہے اور جب لکڑی کی احتیاط مشکل نظر آئی کیوں کہ عموماً دیہات میں لکڑی بقیمت نہیں ملتی تو حضرت والا سے دریافت کیا کہ کیا کیا جائے حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ حسنِ اتفاق سے اس وقت میرے پاس ایک واقفکار بیٹھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دیہات میں

بھی لکڑی عموماً بڑھئی کے یہاں سے بقیمت مل جاتی ہے۔ دورہ میں متعدد مسلمان ہمراہی جن میں بعض ایسے بوڑھے بھی تھے جنھوں نے عمر بھر کبھی نماز نہ پڑھی تھی بلکہ نماز سیکھی بھی نہ تھی پکے نمازی ہو گئے۔ اور کئی شخص جو داڑھی منڈاتے یا کٹاتے تھے داڑھیاں رکھ کر مقطع صورت ہو گئے۔ ان کی خاطر کے لئے میں نے اُن سے کہا اور دل سے کہا کہ آپ نے میرے کہنے سے خلافِ عادت داڑھی رکھ لی ہے اگر آپ کہیں تو میں بھی خلافِ عادت اپنا سر منڈوا دوں لیکن انھوں نے روک دیا۔ رشوت ستانی کو حتی الامکان بہت سختی کے ساتھ روکا گیا۔

مجھے خوب یاد ہے کہ کانپور میں میرے ایک پیشکار تھے جن کی پنشن ہونے والی تھی۔ وہ میرے ساتھ ظہر کی نماز کے لئے کچہری کی مسجد میں جایا کرتے تھے ایک دن میں نے ان سے کہا کہ خان صاحب اب تو آپ کی پنشن ہی ہونے والی ہے ظاہر ہے کہ بعد پنشن تو رشوت چھوٹے ہی گی اور اس وقت آپ توبہ بھی کریں گے لیکن اس وقت کی توبہ مجبوری کی توبہ ہو گی اور محض زبانی توبہ ہو گی عملی توبہ نہ ہو گی۔ وہ توبہ تو عصمت بی بی از بے چادری کی مصداق ہو گی۔ اب آپ کی پنشن کے دن ہی کتنے رہ گئے ہیں چند ماہ ہی باقی ہیں۔ اگر آپ ابھی سے رشوت لینا چھوڑ دیں اور بالکل توبہ کر لیں تو آپ کو عملی توبہ نصیب ہو جائے گی۔ اس گفتگو کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ انھوں نے اسی مسجد ہی میں توبہ کی اور اسی روز سے رشوت لینا قطعاً چھوڑ دیا اور پکے تائب ہو گئے جس سے سارے اہلِ مقدمہ اور اہلِ عملہ کو حیرت ہونے لگی۔ بلکہ بعضوں نے تو یہ سمجھ کر کہ قلیل رقم ہونے کی وجہ سے انکار کر رہے ہیں کثیر رقم پیش کی لیکن وہاں پھر بھی انکار ہی رہا۔ بعد کو وہ حضرت والا سے بیعت بھی ہو گئے۔ اور تادمِ آخر دینداری

کی زندگی بسر کی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

حضرت والا کی برکت سے احقر کے اندر باوجود بڑے عہدہ پر ہونے کے اتنی تواضع پیدا ہوگئی تھی کہ اپنے اردلی کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے میں بھی عار نہ آتی تھی۔ لیکن حضرت والا نے اُس کی اور میری دونوں کی مصلحت کی بنا پر اس سے مجکو منع فرما دیا جس سے حضرت والا کی اعلیٰ درجہ کی رعایت حفظ حدود ظاہر ہوتی ہے۔ یہ بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار ایک بہت ہی غریب شخص مسجد کی جماعت میں میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے میرے پاس کھڑا تھا اور میں اسکے پاس کھڑے ہونے سے یہ سوچ سوچ کر بہت ہی لذت محسوس کر رہا تھا کہ مساکین کا عنداللہ بڑا مرتبہ ہے اور ظاہری مال و عزت کوئی چیز نہیں ہے۔

غرض حضرت والا سے بیعت ہو جانے کی ایسی برکت ہوئی کہ بحمداللہ تعالیٰ احقر کو دین کا خاص اہتمام ہوگیا اور ہر امر میں جائز ناجائز کا بہت خیال رہنے لگا۔ اور حضرت والا کی یہ برکت تو ایسی کھلی ہوئی ہے کہ حضرت والا کے اکثر و بیشتر منتسبین میں نہایت نمایاں طور پر مشاہد ہے بلکہ اسی صفت یعنی اہتمام تقویٰ ہی سے وہ عموماً پہچانے جاتے ہیں۔ چنانچہ فتح پور کا ایک بالکل ان پڑھ معمار جب حضرت والا سے بیعت ہو گیا تو اس کو یہ فکر ہوئی کہ ٹھیکہ کی صورت میں جس رفتار سے کام کیا جاتا ہے اسی رفتار سے امانی میں بھی ہونا چاہیئے ایک صاحب نے جو حضرت والا سے بیعت بھی نہیں ہیں۔ مجھ سے میرے زمانۂ قیام فتح پور میں جس کو پچیس ۲۵ سال سے بھی زائد عرصہ ہو گیا اس معمار کا مذکورۂ بالا حال بیان کر کے فرمایا کہ مولانا کا یہ اثر تو ہم نے ضرور دیکھا کہ جس کو حضرت سے تعلق ہو جاتا ہے اس کو شریعت پر عمل کرنے کا بہت اہتمام ہو جاتا

ہے اور جائز ناجائز کا بہت خیال رہنے لگتا ہے۔

ایک بار احقر کو مدرسہ عالیہ دیوبند میں بخدمت جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق نائب مہتمم ٹھہرنے کا اتفاق ہوا تو وہاں جناب امیر شاہ خاں صاحب بھی مقیم تھے جو بہت معمر بزرگ اور بڑے بڑے حضرات اکابر کی زیارت کئے ہوئے اور صحبت اٹھائے ہوئے تھے احقر نے خاں صاحب مرحوم سے لالٹین کے متعلق دریافت کیا کہ یہ مدرسہ کی تو نہیں ہے۔ اس پر انہوں نے دریافت فرمایا کہ کیا تم مولانا اشرف علی صاحب کے مرید ہو۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا کہ میں نے ایسی باتوں کا خیال مولانا ہی کے مریدوں میں زیادہ دیکھا۔ اس لئے میں پہچان گیا تھا کہ تم مولانا کے مرید ہو۔ اھ

حضرت والا سے ایک راوی نے جس کا نام وغیرہ تو حضرت والا کو یاد نہیں رہا۔ لیکن اس کو حضرت والا نے اس وقت قابل اعتماد سمجھا تھا ایک مقدس اور مشہور اہل علم مدرس کا بھی اسی قسم کا قول نقل کیا۔ ان اہل علم نے اپنے مدرسہ کی مسجد میں ایک اجنبی طالب علم کو دیکھا کہ مسجد کے چراغ کی روشنی میں مطالعہ کرتے کرتے جب وہ وقت آگیا جو وہاں کے معمول کے موافق چراغ کے گل کر دینے کا وقت تھا تو اس نے فوراً اس کو گل کر دیا اور پھر اپنا ذاتی چراغ جلا کر مطالعہ کرنے لگا حالانکہ ایسی احتیاط کون کرتا ہے بالخصوص طلبہ جو مسجد کے تیل کو گویا اپنی ملک ہی سمجھتے ہیں یہ دیکھ کر مولانا نے حضرت والا کا اسم گرامی لے کر پاس والوں سے کہا کہ یہ شخص مولانا کا ملنے والا معلوم ہوتا ہے بعد کو تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ واقعی حضرت والا سے تعلق رکھنے والا تھا۔

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ طالبین کے اندر اہتمام دین اور فکر جائز وناجائز

پیدا کر دینا ہی تو شیخ کی حقیقی کرامت اور اس کے صاحب فیض و برکت ہونے کی بیّن علامت ہے اور اس کا اصل فرض منصبی بھی یہی ہے اس امر کے ہزاروں شاہد ہیں کہ جس نے حضرت والا سے طریقہ کے ساتھ اپنی اصلاح کے لئے رجوع کیا اُس پر روز بروز حضرت والا کا رنگ جس کو صبغۃ اللہ کہنا زیبا ہے چڑھتا ہی چلا گیا اور رفتہ رفتہ اس کی بالکل کایا پلٹ ہی ہو گئی۔ احقر نے خود ایسوں کو دیکھا ہے جو پہلے بالکل خشک تھے لیکن دو چار بار ہی کی حاضری میں قلب کے اندر ایسا سوز و گداز پیدا ہو گیا کہ دم بہ دم آہیں بھرنا ان کا شعار ہو گیا اور بالکل رنگ ہی بدل گیا۔ چوں کہ حضرت والا خود سراپا سوز و گداز اور نسبت چشتیہ کے حامل ہیں اس لئے طالب صادق پر فوری اثر ہوتا ہے اور بلا مبالغہ یہ شعر صادق آنے لگتا ہے ؎

ہر کو مرید سیّد گیسو دراز شد
واللہ خلاف نیست کہ او عشقباز شد

چنانچہ خود حضرتِ والا فرمایا کرتے ہیں کہ سلسلۂ چشتیہ تو بس بجلی کا تار ہے ذرا ہاتھ لگایا نہیں کہ پٹا نہیں۔

حضرت والا سے تعلق کی برکت سے اہتمام دین اور فکر جائز و ناجائز پیدا ہو جانے کے متعلق خود حضرت والا کا ایک ارشاد یاد آیا جسے ایک ایسے شیخ کا حال سن کر فرمایا تھا جو اپنے مریدوں سے ذکر تو دو دو گھنٹے خوب جہر اور ضرب کے ساتھ کراتے لیکن خلاف شرع وضع اور دیگر افعال منکرہ سے منع نہ کرتے۔ فرمایا کہ دو دو گھنٹے ضربیں لگا لینا کیا مشکل ہے۔ تھوڑی دیر محنت کر لی پھر دن بھر رات بھر آزاد۔ میرے یہاں تو

وہ آئے جس کو رات دن اپنے نفس پر آرے چلانے ہوں۔ قدم قدم پر یہ فکر ہو کہ کونسا کام جائز ہے اور کونسا ناجائز۔

چنانچہ حضرت والا کی تمام تر روک ٹوک اور دارو گیر کا منشاء اپنے منتسبین میں اسی فکر و اہتمام دین کا پیدا کر دینا ہے جو جڑ ہے جمیع اعمال حسنہ اور احوال محمودہ کی اور جس کو حضرت والا دھن اور دھیان سے تعبیر فرمایا کرتے ہیں اور اس کی طریق میں سخت ضرورت ظاہر فرمایا کرتے ہیں چنانچہ الحمد للہ یہ صفت حضرت والا کے اکثر منتسبین میں نمایاں طور پر موجود ہے نیز بغیر فہم سلیم حاصل کئے اور حقیقت طریق سمجھے حضرت والا کے سلسلہ میں کسی کا داخلہ ہی نہیں ہو سکتا انہیں مجموعۂ حالات کو دیکھ کر احقر کا مدت سے یہ عقیدہ تھا کہ حضرت والا کا تو قریب قریب ہر منتسب بفضلہ تعالیٰ مقتدا کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور لوگ اس کے افعال سے تمسک کرتے ہیں۔ اس کی حال ہی میں خود حضرت والا سے بھی تصدیق سن کر مجھے خاص مسرت ہوئی۔

ایک ذی علم شیخ نے ایک طالب کے دماغی تخیلات کو جو صراحتہً فساد متخیلہ سے ناشی تھے واردات حقانی قرار دے دیا اور بجائے اس کے کہ اس بیچارہ ناواقف طالب کو اس جہل سے نکالا جاتا اس کو اور یقین دلا کر جہل مرکب میں مبتلا کر دیا گیا۔ اس پر احقر نے حضرت والا سے عرض کیا کہ بفضلہ تعالیٰ حضرت والا کا تو ادنیٰ منتسب بھی ان باتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہے وہ بھی ایسی غلطی ہرگز نہ کرتا جیسی اُن شیخ نے کی۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ واقعی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ میرے یہاں حقیقت طریق سے کوئی ناواقف نہیں اور یہ میرے کھرے پن کی بدولت ہے ورنہ میرے ہاں بھی خلط مبحث ہو جاتا۔ اب جتنے ہیں اُن پر بفضلہ تعالیٰ اطمینان تو ہے

اور میرے نزدیک تو قریب قریب ہر شخص قابلِ اجازت ہے اور میں تو سب کو اجازت دے دیتا لیکن مصالح دینیہ کا مقتضا یہ ہے کہ صاحب اجازت میں کسی نہ کسی قسم کی کچھ ظاہری وجاہت بھی ہو دینی یا دنیوی مثلاً اہل علم ہو یا کسی معزز طبقہ کا ہو تاکہ اس کی طرف رجوع کرنے میں کسی کو عار نہ آئے اور طریق کی بے وقعتی نہ ہو۔ اھ

سبحان اللہ حضرت والا کے یہاں کی ہر بات کیسی جچی تلی اور بالکل اصول صحیحہ کے مطابق اور ہر پہلو سے مکمل ہوتی ہے۔ ایک مجدد اور حکیم الامۃ کی یہی شان ہونی چاہیئے تھی۔

ایک بار فرمایا کہ الحمد للہ میرے احباب میں ایسے ایسے موجود ہیں جو اصولِ اصلاح کو اچھی طرح سمجھے ہوئے ہیں اور مشہور مشہور مشائخ سے بھی اچھی تربیت باطنی کر سکتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ آج کل لوگ بس شہرت کی بنا پر معتقد ہوتے ہیں کمال کو کوئی نہیں دیکھتا طریق سے بہت ہی بیگانگی ہو گئی ہے ایک بار اپنے خلیفۂ مجاز جناب حاجی شمشاد صاحب کے اہتمام تقوی کے حالات سن کر بہت مسرت کے لہجہ میں برجستہ حضرت حافظ رح کا یہ مصرعہ پڑھا ع:

شمشاد خانہ پرورِ ما از کہ کمتر ست

جو نہایت ہی برمحل اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اسی موقع کے لئے تصنیف کیا گیا تھا۔

غرض حضرت والا سے مشرف بہ بیعت ہو جانے کی برکت سے احقر کے اندر بھی بفضلہ تعالیٰ بہت زیادہ فکر جائز و ناجائز پیدا ہو گئی تھی جس کے بعض واقعات اوپر

ذکر کئے گئے۔ اور حضرت والا کے ساتھ عشق و محبت کا تو وہ عالم تھا کہ اس کو سن کر ایک ناآشنائے محبت اور ناواقف طریق دیوانگی سے تعبیر کرے گا اور ایک بے ذوق اور روکھا پھیکا شخص مضحکہ اڑائے گا۔ لیکن میں بفحوائے ؎

گرچہ بدنامیست نزدِ عاقلاں
مانمی خواہیم ننگ و نام را

ان دونوں قسم کے لوگوں کی کچھ پروا نہ کر کے اپنے ان محبوب حالات کو بھی جو حضرت والا کی فرط محبت میں مجھ پر طاری ہوئے تھے اہل محبت اور اہل ذوق کی ضیافت طبع کے لئے ضرور عرض کروں گا۔ اور اگر کوئی ناآشنائے محبت ایسی محبت کو دیوانگی سے تعبیر کرے گا تو میں اُس سے یہ کہوں گا ع

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد

اگر کوئی بے ذوق ایسی محبت پر مضحکہ اڑائے گا تو میں اس کو ترکی بہ ترکی یہ جواب دوں گا ع

چہ داند بوزنہ لذّاتِ ادرک

اس مختصر مگر ضروری تمہید کے بعد میں اپنے مذکورۂ بالا محبوب حالات محبت میں سے بھی بطور نمونہ بعض حالات کو بلحاظ کیفیت قدیمہ یہ اشعار پڑھتا ہوا بیان کرتا ہوں ؎

مستِ آں ساقی و آں پیمانہ ایم ۔۔۔ ما اگر قلّاش و گر دیوانہ ایم
جوشش عشق است نے ترکِ ادب ۔۔۔ گفتگوئے عاشقاں در کارِ رب

ایک بار عشق و محبت کے جوش میں حضرت والا سے بہت جھجکتے اور شرماتے

ہوئے دبی زبان سے عرض کیا کہ حضرت ایک بہت ہی بیہودہ خیال دل میں بار بار آتا ہے جس کو ظاہر کرتے ہوئے بھی نہایت شرم دامنگیر ہوتی ہے اور جرأت نہیں پڑتی۔ حضرت والا اس وقت نماز کے لئے اپنی سہ دری سے اُٹھ کر مسجد کے اندر تشریف لے جا رہے تھے۔ فرمایا کہئے کہئے احقر نے غایت شرم سے سر جھکائے ہوئے عرض کیا کہ میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ کاش میں عورت ہوتا حضور کے نکاح میں۔ اس اظہارِ محبت پر حضرت والا غایت درجہ مسرور ہو کر بے اختیار ہنسنے لگے اور یہ فرماتے ہوئے مسجد کے اندر تشریف لے گئے "یہ آپ کی محبت ہے ثواب ملے گا۔ ثواب ملے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ" اھ

حضرت والا اب تک اس واقعہ محبت کو بھولے نہیں۔ اپنی مجلس شریف میں احقر کے اس محبت آمیز قول کو بہ لطف نقل فرما فرما کر مزاحاً فرمایا کرتے ہیں کہ غنیمت ہے اس کے عکس کی خواہش نہیں کی۔ احقر کو اس زمانہ میں حضرت والا کی محبت کا اس قدر جوش تھا کہ بس یہ جی چاہتا تھا کہ بغل میں حضرت والا کی کتابیں ہوں اور ہر کس و ناکس اہل و نااہل بلکہ در و دیوار شجر و حجر کفار و بہائم سب سے دیوانہ وار حضرت والا کا تذکرہ کرتا پھروں اور سب کو حضرت والا کی کتابیں سناتا پھروں۔ چنانچہ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک بار عید الضحیٰ کے موقع پر قربانی کا بکرا مکان کے خالی حصہ میں بندھا ہوا تھا۔ اس کے پاس جو تنہائی میں پہنچا تو بے اختیار جی چاہنے لگا کہ اس کے سامنے بیٹھ کر حضرت والا کا تذکرہ کروں۔

ایک بار میں ذکر اللہ میں مشغول تھا کہ دفعۃً قلب کو بے اختیار حضرت والا کی جانب ایک پُر زور کشش ہوئی جو مثل برق اکثر محسوس ہوتی رہتی تھی اور ایک دم

حضرت والا کا تصور نہایت شدومد کے ساتھ بندھ کر قلب میں حضرت والا کی محبت نہایت جوش وخروش کے ساتھ موجزن ہونے لگی۔ میں جس کمرہ میں اس وقت ذکر کر رہا تھا وہ بالاخانہ پر تھا۔ اور اس کے کیواڑ بند تھے۔ سامنے چھت تھی۔ چھت پر آہٹ سن کر میں نے کیواڑ کھولے تو دیکھا کہ بندر اُدھم مچا رہے ہیں۔ وہ کیواڑ کھلتے ہی بھاگے چوں کہ میں اُس وقت حضرت والا کے جوشِ محبت میں مغلوب الحال ہو رہا تھا میں نے بے اختیار بندروں کی طرف خطاب کر کے کہا کہ ارے کہاں جاتے ہو حضرت کا ذکر تو سنتے جاؤ۔

حضرت والا کے دنیادار رشتہ داروں سے بھی نہایت عقیدت کا برتاؤ کرتا تھا چنانچہ حضرت والا کے چھوٹے بھائی جناب منشی اکبر علی صاحب مرحوم ومغفور کے میں نے ہاتھ چومے حالانکہ اس وقت ان کی وضع قطع بھی خلاف ثقاہت تھی اور میرے اس فعل سے انہیں شرمندگی بھی ہوئی لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے پہلے حضرت والا سے اپنے اس اقتضار طبعی کو ظاہر کر کے اجازت چاہی لیکن چونکہ حضرت والا کو دوسرے کے جذبات کی بہت ہی رعایت مدِ نظر رہتی ہے اس لئے فرمایا کہ انہیں خجلت ہوگی لہٰذا مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انہیں سے اجازت لے لی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور چوں کہ مرحوم ومغفور بہت ہی بے تکلف طبیعت کے تھے اس لئے انہوں نے میرا اشتیاق دیکھ کر دست بوسی کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ اس میں میرا کیا بگڑتا ہے۔

ان کے چھوٹے صاحبزادہ میاں محمد علی سلمہٗ جو اُس وقت بالکل بچے تھے میرے ساتھ انگور کھانے میں شریک تھے۔ حضرت والا کے بھتیجے ہونے کی وجہ سے بغایت عقیدت

میں ان کے چوسے ہوئے انگوروں کے فضلہ کو چوسنے لگا جس پر وہ اپنی توتلی زبان میں بجائے ارے ارے کے ائنے ائنے کہنے لگے۔

اس زمانہ میں احقر حضرت والا کی خدمت میں جو عریضے لکھتا تھا وہ بھی عجیب عاشقانہ اور والہانہ شان کے ہوتے تھے اور حضرت والا کے جوابات بھی بڑے رنگین اور محبوبانہ انداز کے ہوتے تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک عریضہ کے اندر بجائے القاب و آداب کے میں نے فرط محبت میں حضرت والا کو صرف اس شعر سے خطاب کیا تھا ؎

جانِ من جانانِ من سلطانِ من
اے توئی اسلامِ من ایمانِ من

(یہ شعر مثنوی زیروبم کا ہے جو حضرت والا کی طالب علمی کے زمانہ کی تصنیف ہے)

اس زمانہ میں احقر کے عریضے بہت ہی طول طویل ہوتے تھے جس کی میں نے حضرت والا سے ایک عریضہ میں معذرت طلب کی تو اس کے جواب میں سبحان اللہ کس درجہ شفقت اور کیسے پیارے اور رنگین عنوان سے تحریر فرمایا کہ کہیں طولِ لف محبوب بھی کسی کو ناگوار ہوتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ احقر کے بعض خطوط میں تو سوائے اشعار عارفین و عشاق کے اور کچھ نہ ہوتا لیکن اُن اشعار ہی سے حضرت والا میری حالت کو سمجھ جاتے اور جواب میں اُس حالت کے مناسب خود بھی کوئی شعر ہی تحریر فرما دیتے جس سے میری پوری تسلی ہو جاتی۔

احقر کے ایک عریضہ میں زیادہ تر غزلیات ہی تھیں جو احقر نے بحالت شدت

ذوق وشوق تصنیف کی تھیں۔ جن سے پابندئ معمولات میں باوجود عزم بالجزم کے سخت خلل واقع ہو گیا تھا جس کی شکایت بھی عریضہ میں عرض کی گئی تھی اس کا جواب حسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۳۳۸ سے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

عزلنامہ جو کہ کشف استعداد فطری کے اعتبار سے ازلنامہ ہے پہنچ کر وجد و طرب میں لایا۔ خدا تعالٰے آپکے سب مقاصد پورے فرما دے۔ خیر اضاعت وقت میں بھی اطاعت بخت کا مسئلہ حل ہوا کہ انسان تقدیر حق کے سامنے عاجز ہے کہ ارادہ تو کیا تھا ضبط اوقات کا اور ہو گیا خبطِ اوقات انشاء اللہ تعالٰے اس مسئلہ کا منکشف ہونا بھی ترقی کا زینہ ہو گا۔ علی سجاد صاحب کا بھی ماشاء اللہ تعالیٰ سجادہ رنگین ہونے لگا۔ آشفتہ و آشفتہ کن اشرف علی۔

الہ آباد کی زیارت اور حصولِ شرفِ بیعت کے کچھ عرصہ کے بعد احقر کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت والا کا اٹاوہ میں وعظ ہے۔ وہاں کوئی جلسہ تھا میں شوقِ زیارت میں اٹاوہ پہنچا وہاں میرے بھانجے ڈپٹی کلکٹر تھے جو بہت سمجھ دار مشہور ہیں۔ حضرت والا سے ان کی کچھ گفتگو بھی نہیں ہوئی بجز معمولی تعارف وغیرہ کے لیکن حضرت والا نے اُن کے سمجھ دار ہونے کا فوراً ادراک فرما لیا اور احقر سے ان کے متعلق اپنی رائے ظاہر فرمائی کہ سمجھ دار معلوم ہوتے ہیں۔ احقر کو تعجب ہوا کہ حضرت والا نے صرف تھوڑی ہی دیر کی سرسری ملاقات میں ان کی وہی مخصوص صفت معلوم فرمائی جس کا علم دوسروں کو بہت عرصہ کے تجربوں کے بعد ہوا تھا اور یہ ملکہ ادراک ملکات وخصائل طبعیہ کا تو حضرت والا میں اس درجہ ہے کہ شاید و باید۔ جس کا اظہار تربیتِ سالکین کے دوران میں ہزارہا مواقع پر آئے دن ہوتا رہتا ہے۔ اور یہی فراست خدا داد

دلیل ہے حضرت والا کے کامل العقل ہونے کی جو موروث ہے حضرت والا کے جدّ اعلیٰ حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے اور جو ظاہری سبب ہے حضرت والا کے اعلیٰ درجہ کے حکیم الامت، قطب الارشاد اور امام الطریق ہونے کا۔ اور اصل سبب تو اللہ تعالیٰ کی عطا اور ان کا فضل ہے بفحوائے ؎

دادِ او را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرط قابلیت دادِ اوست

یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔

یہ بارہا کا اور نہ صرف میرا بلکہ ہزارہا کا مشاہدہ ہے کہ حضرت والا کو دیکھتے ہی خالی الذہن کے قلب کے اندر حُسنِ عقیدت پیدا ہو جاتی ہے اور بے اختیار کشش ہونے لگتی ہے جو علامت ہے محبوبیت عند اللہ کی۔ چنانچہ ایک موقع پر خود حضرت والا نے فرمایا کہ جب کسی سے میں ملتفت ہو کر دو باتیں کر لیتا ہوں وہ ایسا مسخر ہو جاتا ہے گویا اس کا دل مٹھی میں آ گیا۔ اھ

میرے بھانجے بھی جن کا ذکر اوپر کیا گیا حضرت والا کی زیارت اور گفتگو سے نیز حضرت والا کو بہ خشوع و خضوع نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر بہت متاثر ہوئے تھے اور مجھے خوب یاد ہے کہ انھوں نے اس اثر کی یہ توجیہ بھی کی تھی کہ چوں کہ مجھکو مولانا کے زبردست عالم ہونے کا پہلے سے علم ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ مجھ پر اسی وجہ سے اثر ہوتا ہو۔ اھ

وہیں اٹاوہ میں ایک میرے اور عزیز بھی موجود تھے۔ وہ بھی بالکل آزاد اور انگریزی

رنگ میں سر سے پاؤں تک رنگے ہوئے تھے ان پر بھی اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے میرے ذریعہ سے اپنے نمازی ہو جانے کے لئے کوئی تعویذ حضرت والا سے طلب کیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے تعویذ تو کوئی ایسا آتا نہیں کہ میں اس کے اندر ایک سپاہی مع ڈنڈے کے پیٹ کر رکھ دوں اور جب نماز کا وقت آیا کرے وہ فوراً ڈنڈا لیکر تعویذ کے اندر سے نکل کر زبردستی نماز پڑھوا دیا کرے۔ ہاں ترکیب ایسی بتا سکتا ہوں جس سے دو تین ہی دن میں پورے نمازی ہو جائیں لیکن وہ ترکیب محض پوچھنے ہی پوچھنے کی نہیں ہے بلکہ عمل کرنے کی ہے۔ وہ یہ کہ اگر ایک وقت کی نماز قضا ہو جائے تو ایک وقت کا فاقہ کریں اگر دو وقت کی قضا ہو تو دو وقت کا اور اگر تین وقت کی قضا ہو، تو تین وقت کا۔ بس دو تین ہی فاقوں میں نفس ٹھیک ہو جائے گا اور نماز کی پوری پوری پابندی نصیب ہو جائے گی لیکن یہ صرف پوچھنے کی ترکیب نہیں بلکہ اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کسی نے ہمت کر کے اس ترکیب پر عمل کر لیا اور برابر جمارہا تو ممکن نہیں کہ دو تین روز ہی میں پکا نمازی نہ ہو جائے۔ اھ

پہلی بار کی الہ آباد والی زیارت کے اثر کو اس دوسری بار کی اٹاوہ والی زیارت نے پھر تازہ کر دیا اور شوق استفاضہ کو بہت زیادہ بڑھا دیا۔ حضرت والا کی بھی شفقت اتنی بڑھی کہ جب اٹاوہ سے وطن تشریف لے جانے لگے تو باوجود اپنی فطری اور مشہور زمانہ شان استغنار کے احقر کا شوق استفاضہ دیکھ کر بغایت عنایت و بے تکلفی احقر سے فرمایا کہ کیا آپ تھانہ بھون نہ چلیں گے۔ لیکن چوں کہ احقر صرف اٹاوہ تک کے سفر کے لئے تیار ہو کر حاضر ہوا تھا اس لئے ہمرکاب نہ ہو سکا۔ پھر غالباً قریب ہی زمانہ میں مدرسہ عالیہ دیوبند کا بڑا جلسۂ دستار بندی ہوا جس میں حضرت والا بھی

تشریف لائے اور احقر بھی حاضر ہوا۔ ہزارہا آدمیوں کا مجمع تھا اور سب سے زیادہ ہجوم حضرت والا ہی کے ساتھ ساتھ رہتا تھا اور حضرت والا کی یہ صفت محبوبیت اور یہ شان مرجعیت خلق اس قدر نمایاں ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ گو حضرت والا لوگوں کے بے ڈھنگے پن پر بہت اظہار خفگی فرماتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک بار راستہ کے ہجوم اور بے موقع مصافحوں کی بھرمار سے تنگ آکر یہ بھی فرمایا کہ اگر تم لوگ سیدھی طرح نہ مانو گے تو لیں میں اب مارنا شروع کر دوں گا لیکن جو محبوبیت منجانب اللہ ہوتی ہے وہ کہیں ان ظاہری اسباب نفرت و وحشت سے زائل ہوتی ہے۔ لوگ تھے کہ پھر بھی پروانہ وار حضرت والا پر ٹوٹے ہی پڑتے تھے اور جدھر حضرت والا تشریف لے جاتے ایک جم غفیر ساتھ ساتھ ہوتا چوں کہ حضرت والا شدید بیماری سے اُٹھے تھے اس لئے اور بھی بوجہ غایت ضعف ہجوم اور بے ڈھنگے پن کا تحمل نہ تھا۔ بیماری کی وجہ سے تو شرکت جلسہ کی بھی توقع نہ رہی تھی لیکن حضرت والا نے بیماری ہی میں یہ خواب دیکھا میں جلسہ میں اس حدیث پر وعظ کہہ رہا ہوں حب الدنیا راس کل خطیئۃ اس سے حضرت والا کو امید ہو گئی کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں اچھا ہو جاؤں گا اور شریک جلسہ ہو سکوں گا۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ ایسا ہی ہوا کہ عین وقت پر حضرت والا کو خلاف توقع صحت ہو گئی۔ اور گو نقاہت بہت زیادہ تھی لیکن وعظ فرمایا اور حدیث مذکور ہی پر وعظ فرمایا جس کا مفصل حال باب مواعظ حسنہ میں گزر چکا ہے۔

احقر نے حضرت والا کی شان جلال کا اول بار اسی جلسہ میں مشاہدہ کیا تھا ورنہ اس سے پہلے تو مجکو حضرت والا کی صرف صفت جمال ہی کے مشاہدہ کا اتفاق ہوا تھا۔ اور میں نے معمولی حالات میں ہمیشہ حضرت والا کو سراپا رافت و رحمت اور مجسم خلق و مروت ہی

دیکھا تھا اور معمولی حالات میں تو بحمد اللہ تعالٰے حضرت والا اب بھی سراپا جمال ہی جمال ہیں۔ لیکن جس کو اللہ تعالٰے نے مصلح بنا کر دنیا میں بھیجا ہو اس میں اگر صفت جمال کے ساتھ بقدر ضرورت شان جلال بھی نہ ہو تو وہ اپنا فرض منصبی کما حقہ ادا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ " الامر المحکم المربوط فیما یلزم اھل طریق اللہ من الشروط " میں فرماتے ہیں۔

فلا بد ان یکون عند الشیخ	یعنی ضروری ہے کہ شیخ کو انبیاء علیہم السلام
دین الانبیاء وتدبیر الاطباء	کا دین اور اطباء کی تدبیر اور بادشاہوں
وسیاسۃ الملوک وحینئذٍ	کی سیاست حاصل ہو اس وقت اس کو
یقال لہ الاستاذ۔	استاد کہا جا سکتا ہے۔ اھ

اللہ تعالٰے نے ہمارے حضرت والا کو بھی بفضلہ ان تینوں اوصاف کا نمایاں طور پر جامع بنایا ہے فالحمد للہ علٰے ذٰلک حمداً کثیراً و ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء غرض مصلح کے اندر سیاست یا بہ الفاظ دیگر شان جلال ہونا بھی ضروری ہے۔ لیکن اس کا ظہور جبھی ہوتا ہے جب اس کی ضرورت ہوتی ہے اور وہیں ہوتا ہے جہاں اس کی حاجت ہوتی ہے اور بفحوائے ع

آں چہ بر ماست از ماست

اس کا سبب خود طالب اصلاح کی اصلاح طلب حالت ہوتی ہے نہ کہ مصلح کی شدت حسب ارشاد حضرت حافظ شیرازیؒ بتغییر یسیر ؎

بر من جفا ز نفس بد آمد وگرنہ یار
حاشا کہ رسم جور و طریق ستم نداشت

اور چوں کہ مصلح کی یہ شان جلال طالبین کے لئے موجب اصلاح حال ہوتی ہے اس لئے محمودیت اور کمال ہونے میں کسی طرح صفت جمال سے کم نہیں بلکہ بعض حالات میں باعتبار مآل اس سے بھی بڑھ کر ہے کیوں کہ اس کے ذریعہ سے طالب کا نفس پامال اور فنا کی دولت لازوال سے مالامال ہو جاتا ہے۔ اسی کو حضرت حافظ شیرازیؒ اس طرح فرماتے ہیں ؎

جمالت معجزِ حسن است لیکن　　حدیث غمزہ ات سحر مبین است

برآں چشم سیہ صد آفریں باد　　کہ در عاشق کشی سحر آفریں است

اور مولانا جامیؒ یوں فرماتے ہیں ؎

جفائے تو کہ بسا خوشتر از وفائے من است

ہمہ عنایت و لطفِ تو از برائے من است

چنانچہ حضرتِ والا کے اس سحر جلال کی افسوں کاریاں بے شمار ہیں اور حضرت والا کی اس شان جلال نے ایسے ایسے کار نمایاں کئے ہیں کہ سبحان اللہ۔ ہزاروں سرکشوں کے سر سے تکبر کا خناس نکال کر دماغ صحیح کر دیا اور فنا و عبدیت سے جو کہ حاصل تصوف ہے مشرف فرما دیا۔ ایک ایک ڈانٹ میں بڑے بڑے سخت امراض روحانی کا عمر بھر کے لئے استیصال کر دیا جھڑک جھڑک کر بڑے بڑے غافلوں کو بیدار اور ہمیشہ کے لئے مکائد نفس سے ہوشیار کر دیا۔ اور بڑے بڑے بے فکروں میں فکر دین پیدا کر دی جس کی صدہا نظائر ہیں اور رات دن مشاہدہ میں آتی رہتی ہیں۔ کہاں تک بیان کی جائیں۔ بخوف تطویل اس جگہ صرف دو چار واقعات لکھے جاتے ہیں ممکن ہے کہ بعض بعد کو بھی کسی موقع پر معرض تحریر میں آجائیں۔

ایک شخص کو کفریہ وساوس نے عرصہ دراز سے سخت پریشان کر رکھا تھا وہ حضرت والا سے بار بار بھی شکایت کیا کرتا۔ ایک بار حضرت والا سے تنہائی میں اپنا حال عرض کرتے کرتے کہنے لگا کہ اجی اب تو یہاں تک جی میں آتا ہے کہ عیسائی ہو جاؤں یہ سنتے ہی حضرت والا نے فوراً زور سے ایک تھپڑ رسید کیا اور دھکے دے کر پاس سے اٹھا دیا اور فرمایا کہ جا کمبخت جا اگر عیسائی ہونا چاہتا ہے تو تجھے روکتا کون ہے اور ابھی جا کر عیسائی ہو جا، منہ کالا کر۔ اسلام کو ایسے منحوس اور ناقدرے کی ہرگز ضرورت نہیں بلکہ اچھا ہے اسلام ایسے نااہلوں سے پاک ہو جائے۔ اگر عیسائی ہو جائے گا کسی کا کیا جائے گا آپ دوزخ میں چلے گا۔ اھ

بس جناب اس تھپڑ کا لگنا تھا کہ سارے وساوس کفریہ اسی وقت کافور ہو گئے اور ایسے دفع ہوئے کہ اس واقعہ کو پندرہ برس سے کم نہ ہوئے ہوں گے لیکن پھر کبھی آج تک خواب میں بھی نہیں آئے۔ اُس تھپڑ نے گویا مسہل کا کام کیا۔ سارا مادۂ فاسدہ ایک دم نکل گیا۔

تھانہ بھون کے قریب ہی کے قصبہ کا ایک پابند صوم و صلوٰۃ شخص کسی برہمنی بیوہ پر مفتون ہو گیا جس کے پاس وہ دودھ کی خرید و فروخت کے بہانہ سے قصداً جایا کرتا اور بدنظری کیا کرتا۔ اس نے اپنے ایک دوست سے یہ راز ظاہر کیا اور کہا کہ میں اس بلا میں گرفتار ہو گیا ہوں کیسے چھٹکارا ہو۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ تم تھانہ بھون جا کر حضرت والا کی خدمت میں عرض حال کرو۔ چنانچہ وہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک پرچہ پر اپنا حال لکھ کر خود ہی پیش کیا جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ مجھے اس سے اس قدر محبت ہو گئی ہے کہ اگر وہ مجھے اپنا پیشاب بھی پلا دے

تو بلا کراہت پی لوں۔ حضرت والا نے اول حسب معمول نرمی کے ساتھ فرمایا کہ اُس سے بُعد اختیار کیا جائے اور اس کے پاس آنا جانا قطعاً چھوڑ دیا جائے۔ اس پر اس نے کہا کہ میں تو اس کے یہاں قصداً جایا کرتا ہوں اس پر حضرت والا کو غصہ آگیا اور بے تحاشا ایک تھپڑ رسید کیا اور بہت زور سے ڈانٹ کر فرمایا کہ نالائق جب تو قصداً بدپرہیزی کرتا ہے تو مجھ سے علاج ہی پوچھنے کیوں آیا ہے۔ چولھے میں جا اپنے ہاتھوں کلہاڑی مارنے کا میں کیا علاج بتاؤں۔

وہ تھپڑ اس کے حق میں اکسیر ثابت ہوا۔ اس کو بے حد ندامت ہوئی اور نفس پر ایسا تازیانہ لگا کہ اس کی ساری شرارت جاتی رہی اور سیدھا ہو گیا اس عورت سے قلب میں نفرت پیدا ہو گئی اور آنا جانا بالکل بند ہو گیا بس ایک ہی تھپڑ میں ہوش درست ہو گئے اور خناس دماغ سے نکل گیا۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ بعد کو مجھے ندامت ہوئی کہ خواہ مخواہ ایک اجنبی شخص کے تھپڑ مار دیا لیکن کیا کروں اُس وقت غایت غیرت دینیہ سے اضطراری طور پر ہاتھ اُٹھ ہی گیا۔ اور اسی میں اس کا بھلا ہو گیا۔ اھ

اس واقعہ کے ساتھ ہی حضرت والا ایک ایسا ہی دوسرا واقعہ نقل فرماتے ہیں جس میں بجائے سختی کرنے کے غیر معمولی طور پر نرمی کا معاملہ فرمایا گیا تھا اور وہاں نرمی ہی نافع ہوئی تھی۔ فرمایا کہ ایک نوجوان لڑکے کو اس کے باپ اور چچا وغیرہ چند اشخاص میرے پاس لے کر آئے اور اس کی شکایت کی کہ اس نے ایک بازاری عورت سے تعلق پیدا کر لیا ہے اور ساری جائداد کو تباہ کئے ڈالتا ہے۔ اس کو سمجھا دیجئے میں نے بجائے اس کے کہ اس کے باپ اور چچا وغیرہ کے سامنے اس کو کچھ نصیحت

کروں یہ کیا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر مسجد کے اندر لے گیا اور تنہائی میں بیٹھ کر اور اس کا
ہمدرد اور ہمراز بن کر اس سے کہا کہ میاں یہ لوگ کیا جانیں کہ کسی کے دل کو کیا لگی ہوئی
ہے بس اب تم مجھے صاف صاف بتا دو کہ تم کو ایسی کیا مجبوری ہے کہ نہ تم کو اپنی عزت
آبرو کا خیال ہے نہ اپنی جائداد کی تباہی کی پرواہ ہے! ھ

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اس کے باپ اور چچا وغیرہ بھی مسجد میں آکر سننے لگے کہ
دیکھیں کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ میں نے انہیں ڈانٹا کہ یہ کیا واہیات حرکت ہے۔
تم اپنا کام کرو۔ اب میں جانوں اور یہ جانیں۔ تمہیں بیچ میں دخل دینے سے کیا
مطلب۔ چنانچہ وہ لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ اس سے اس لڑکے کے دل میں میری
اور بھی جگہ ہو گئی۔ اور میری طرف سے اس کو پورا اطمینان ہو گیا کہ یہ تو میرا واقعی خیرخواہ
اور ہمدرد ہے۔ جب اس کے باپ اور چچا وغیرہ میرے ڈانٹنے پر مسجد سے اُٹھ کر
چلے گئے تو میں نے اس لڑکے سے پھر وہی سوال کیا کہ آخر تمہیں اس سے ایسی شدید
محبت کیوں ہے مجھے اب تم صاف صاف بتا دو۔ اس نے کہا کہ اجی سچی بات یہ ہے
کہ پہلے تو مجھے اس سے واقعی محبت تھی لیکن اب تو بس محض نباہنا ہی نباہنا رہ گیا
ہے کیوں کہ ایک بار پیرانِ کلیر شریف میں اس نے حضرت مخدوم صاحب رح کے مزار
پر مجھ سے یہ عہد لے لیا تھا کہ میں ہمیشہ اس کے ساتھ تعلقات قائم رکھوں گا اور
اس کو کبھی نہ چھوڑوں گا۔ ہم دونوں کو دیکھ کر وہاں کا ایک مجاور بھی آ گیا اور اس
نے خاص طریقہ سے ہم دونوں سے عہد لیا کہ کبھی ایک دوسرے سے منہ نہ موڑیں
گے اب مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر میں نے اس سے قطع تعلق کیا تو میرے اوپر ضرور
کوئی وبال آئے گا۔ کیوں کہ میں ایک بزرگ کے مزار پر عہد کر چکا ہوں کہ ہمیشہ اس

کے ساتھ تعلقات قائم رکھوں گا۔ اھ

حضرت والا نے اس واقعہ کو نقل فرما کر حاضرین سے فرمایا کہ لوگ بھی عجیب ہیں شرم نہیں آتی بزرگوں کے مزارات پر اس قسم کی خرافات حرکتیں کرتے ہیں اور بزرگوں کو ایسے ایسے حرام عہد و پیماں کا گواہ بناتے ہیں اور مجاورین کی اُن سے بدتر حالت ہے کہ معاصی کی تلقین کرتے ہیں استغفر اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور عجب نہیں کچھ اس تلقین کا معاوضہ بھی لے لیا ہو بلکہ ضرور لیا ہوگا کیوں کہ اُن کا تو پیشہ یہی ہے

پھر فرمایا کہ میں نے اس لڑکے کی یہ تقریر سن کر اس سے کہا کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم مجھے اپنا خیر خواہ بھی سمجھتے ہو یا نہیں اُس نے کہا بے شک۔ پھر میں نے کہا کہ اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم مجھے سچا بھی سمجھتے ہو یا نہیں اس نے اس کا بھی اقرار کیا اور کہا کہ آپ ہی سچے نہ ہوں گے تو اور کون سچا ہوگا۔ پھر میں نے کہا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم اس عہد کو نہ توڑو گے تب تو وبال آئے گا اور اگر توڑ دوگے تو اس کی وجہ سے ہرگز کسی قسم کا وبال نہ آئے گا۔ ایسے عہد کا تو توڑنا ہی واجب ہے۔ البتہ عہد کر لینے سے قسم ہوگئی ہے اس لئے قسم کے توڑنے کا کفارہ دینا پڑے گا سو وہ کوئی ایسی بات نہیں آسانی کے ساتھ دیا جا سکتا ہے اس پر اس نے کہا کہ اجی مجھے تو بس یہی ڈر تھا کہ کہیں کوئی میرے اوپر وبال نہ آجائے اور اسی ڈر سے میں اسے نباہ بھی رہا تھا ورنہ اب محبت تو مجھکو اس سے کچھ رہی نہیں۔ جب آپ اطمینان دلاتے ہیں کہ اس کو چھوڑ دینے سے مجھ پر کوئی وبال نہ آئے گا تو میں بس اب اس کو چھوڑ ہی دوں گا۔ لیکن آپ مجھ کو صرف ایک بار اور اُس کے پاس

جانے کی اجازت دے دیجئے تاکہ میں اس کو اطلاع تو کر آؤں کہ بس اب مجھ کو تجھ سے کوئی تعلق نہیں - یہ اجازت اس لئے چاہتا ہوں کہ اس کو میرا انتظار تو نہ رہے کیوں کہ اُس کو انتظار میں رکھنا ایک قسم کی بے مروتی ہے نہ معلوم بیچاری کب تک میرے انتظار ہی انتظار میں رہے - اھ

حضرت والا نے خیر اتنی بات کی اس کو بمصلحت اجازت دے دی لیکن یہ کہدیا کہ دیکھو صرف اطلاع ہی کر کے چلے آنا خبردار جو کچھ اور گڑبڑ کی - اس کا اس نے وعدہ کر لیا اور اطمینان دلا دیا - جب باپ اور چچا کے سامنے گفتگو ہوئی اور ان کو علم ہوا کہ اس نے ایک مرتبہ اور جانے کی اجازت لے لی ہے تو وہ کہنے لگے کہ اجی یہ اس کی بدمعاشی ہے یہ وہاں کا آنا جانا نہ چھوڑے گا - حضرت والا نے انہیں ڈانٹ دیا کہ چپ رہو تم کیا جانو ہمیں ان پر اطمینان ہے - پھر حضرت والا نے اس سے فرمایا کہ میاں جو زیور وغیرہ تم نے اس کو دیا ہے وہ بھی تو لیتے آنا لیکن اُس نے کہا کہ اجی اب تو جو دیدیا سو دیدیا اب دی ہوئی چیز کا کیا لینا مجھے تو یہ بے مرّوتی معلوم ہوتی ہے - اھ

اس پر حضرت والا نے اصرار نہیں فرمایا - پھر وہ لوگ رخصت ہو گئے پھر کچھ دن بعد اس کا باپ حضرت والا کی خدمت میں پانچ روپیہ لے کر آیا اور کہا کہ مدرسہ میں ان روپیوں کی مٹھائی بانٹ دیجئے - الحمدللہ آپ کی برکت سے میرے لڑکے نے اُس بازاری عورت سے بالکل قطع تعلق کر دیا اور جیسا کہ اس نے آپ سے وعدہ کیا تھا بس ایک بار تو اس کے پاس قطع تعلق کی اطلاع کرنے گیا پھر نہیں گیا -

حضرت والا نے اس واقعہ کو نقل فرما کر فرمایا کہ اس موقع پر غیبی طور پر بھی جی میں آیا کہ اس کے ساتھ نرمی ہی مناسب ہے۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ نرمی ہی نافع ثابت ہوئی۔

ایک بار حضرت والا بہ سبیل سفر کیرانہ میں تشریف رکھتے تھے ایک صاحب بیعت ہونے کے لئے حاضر ہوئے اور کچھ مٹھائی بھی ہمراہ لائے لیکن بجائے خود لانے کے ایک اور شخص کے ہاتھ پر رکھوا کر لائے حضرت والا نے فوراً ان کے اس فعل سے نیز ان کے مجموعۂ طرز و انداز سے محسوس فرمالیا کہ ان میں کبر کا مادہ ہے۔ اور ایک طرح کی شان رکھتے ہیں۔ حضرت والا نے ان کی شان اور کبر کا علاج کرنا چاہا۔ چنانچہ بجائے وہیں بیعت کر لینے کے ان سے فرمایا کہ مجھے یہاں فرصت نہیں ملی۔ مجھے فلاں صاحب کے یہاں جانا ہے وہاں شاید بیعت کر سکوں وہاں چلئے۔ چنانچہ بیچارے دل کو ہاتھ میں مٹھائی کا طباق لئے ہوئے حضرت والا کے ساتھ جانا پڑا کیونکہ مٹھائی تو بیعت ہی کے واسطے لائے تھے اُسے کیسے چھوڑ دیتے حضرت والا نے وہاں پہنچ کر بھی یہی فرمایا کہ کیا کہوں یہاں بھی مجھے فرصت نہ ملی۔ وہاں چلئے پھر تیسری جگہ بھی یہی کیا۔ غرض اسی طرح حضرت والا ان کو تقریباً دو گھنٹہ تک مع مٹھائی کے طباق کے گھر گھر لئے پھرے اور قصداً بازار میں سے ہو ہو کر گزرتے تھے تاکہ ان کے نفس کی خوب ذلت ہو اور شان کا خیال دل سے نکل جائے۔ جب حضرت والا نے اُن کو خوب پریشان کر لیا اور معلوم کر لیا کہ اپنے مرض پر متنبہ ہو گئے ہیں تب مرید کر لیا۔

حضرت والا نے اس واقعہ کو نقل فرما کر فرمایا کہ تکبر کا اتنا بڑا مرض جو برسوں

کے مجاہدوں اور ریاضتوں سے بھی نہ جاتا اس تدبیر سے بفضلہ تعالیٰ وہ ہی گھنٹے بیں جاتا رہا۔ پھر فرمایا کہ الحمد اللہ میرے یہاں تو ایسے ہی چٹکلوں میں علاج ہوتے ہیں اور اللہ میاں وقت پر ایسی ہی سہل سہل تدبیریں سوجھا دیتے ہیں۔ بزرگانِ سلف نے بھی ایسی ہی تدبیریں کی ہیں۔ اھ

حضرت والا اپنے حقیقی بھانجے یعنی جناب مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی سلمہم اللہ تعالیٰ کے حقیقی بڑے بھائی جناب مولانا سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ مجکو ان کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی جس کو عشق کہہ سکتے ہیں لیکن میں نے انہیں کے ساتھ سب سے زیادہ سختی کا برتاؤ کیا۔ پھر اس برتاؤ کی یہ برکت ہوئی کہ یا تو ان کی یہ حالت تھی کہ نہایت شاندار لباس پہنتے تھے اور دماغ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ یوں کہا کرتے تھے کہ اگر نوکری ہو تو کم از کم ایک ہزار روپیہ ماہوار کی تو ہو یا پھر ایسے مٹے ایسے مٹے کہ فانی محض ہو گئے اور اپنے آپ کو چماروں اور بھنگیوں سے بھی زیادہ ذلیل و خوار سمجھنے لگے اور نہایت سادہ وضع میں رہنے لگے یہاں تک کہ انتقال کے بعد جو ان کے کپڑے بغرض تقسیم ترکہ نکالے گئے تو ان کی سادگی دیکھ کر سب کو حیرت اور حسرت ہوتی تھی بلکہ حضرت والا نے فرمایا کہ خود مجکو بھی اُن کپڑوں کی حالت دیکھ دیکھ کر دن ہی دل میں رونا آتا تھا۔

احقر مؤلف نے بھی خود سفر و حضر میں حضرت والا کو مولانا مرحوم و مغفور کے ساتھ نہایت سختی کا برتاؤ اور برسرِ مجمع سخت زجر و توبیخ کرتے دیکھا ہے۔ ایک بار بمقام الہ آباد پالکی گاڑی میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے احقر ہانکنے والے کے برابر

بیٹھنے لگا تو حضرت والا نے مولاناؒ کو اندر سے بھیج کر وہاں بٹھایا اور احقر کو اندر بلا لیا اور فرمایا کہ اس میں دونوں کی مصلحت ہے۔ ان کی تو یہ مصلحت ہے کہ ان میں تواضع پیدا ہو اور آپ کی یہ مصلحت ہے کہ آپ میں ضرورت سے زیادہ تواضع پیدا ہو کر ترقی معکوس نہ ہونے لگے یعنی آپ کو یہ عُجب نہ ہونے لگے کہ میں بھی کس قدر متواضع ہوں! اھ

اسی طرح احقر نے سنا ہے کہ ایک بار جلسہ سہارنپور میں مولاناؒ کا نہایت اعلیٰ درجہ کا وعظ ہوا جس سے سامعین بے حد متاثر ہوئے اور سب حاضرین جلسہ مولاناؒ کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ حضرت والا نے بعد وعظ مولاناؒ کو کسی معمولی بات پر برسرِ مجمع نہایت سختی کے ساتھ زجر و توبیخ فرمائی تاکہ اُن میں شائبہ بھی عُجب و پندار کا نہ پیدا ہونے پائے اور بعد کو خود حضرت والا نے بھی اپنے اس برتاؤ کی یہی مصلحت بیان فرمائی۔

جب حضرت والا امر تربیت میں خاص اپنے جگر گوشوں کی بھی رعایت نہیں فرماتے تو بھلا اور کسی کا تو کیا منہ ہے کہ اپنے لئے رعایت کا مطالبہ کرے بالخصوص جب کہ حسب ارشاد حضرت والا ایسی رعایت خیانت بھی ہو۔

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کسی سے اتنا دل کھلا ہوا نہ ہو یا کسی پر اتنا زور نہ ہو کہ بوقتِ ضرورت بغرضِ اصلاح اگر یہ نہ کہہ سکے کہ تم بڑے نالائق ہو تو کم از کم یہ تو کہہ سکے کہ تمہاری یہ حرکت بڑی نالائق ہے تو اس کو مرید ہی کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ حضرت والا نے اسی بناء پر بعض نوابوں اور فرمانرواؤں سے باوجود ان کے اصرار شدید کے خصوصی تعلقات قائم کرنے سے عذر فرما دیا نیز اپنے

اعزّہ کو بھی عموماً مرید نہیں فرماتے ۔ سوائے ایسی خاص صورتوں کے جن میں دل بالکل کھلا ہوا ہو۔ پہلے حضرت والا اس میں توسع فرماتے تھے لیکن جب بعض صورتوں میں تنگیاں اور کلفتیں پیش آئیں یہاں تک کہ تربیت کو باقاعدہ شروع کر دینے کے بعد بھی چھوڑ دینا پڑا جو زیادہ موجب بے لطفی و بے برکتی ہوتا ہے تو اب حضرت والا نے اپنے اعزّہ کو اپنی تربیت میں لینا ہی قریب قریب بالکل موقوف فرما دیا ہے ۔ فرمایا کرتے ہیں کہ اکثر حالات میں اعزہ کو بیعت کرنا بے نتیجہ ہے کیوں کہ ان کو تو ہوتا ہے ناز اور اس تعلق میں سر تا سر ضرورت ہے نیاز کی میں غیر اعزّہ کو تو نہایت آزادی کے ساتھ روک ٹوک کرتا ہوں اور خوب اچھی طرح ڈانٹ ڈپٹ لیتا ہوں یہاں تک کہ اگر کبھی کسی کے بارہ میں مصلحت اسی کو مقتضی ہوتی ہے کہ اس کو اپنے یہاں سے نکال دیا جائے تو میں اس کو بلا پس و پیش نکال باہر کرتا ہوں اور اگر اعزّہ کے ساتھ اس قسم کے برتاؤ کی ضرورت پڑے تو اول تو تعلقات کی بنا پر اس کی ہمت ہی پڑنا مشکل ہے کیونکہ اُدھر ان کو بھی خصوصیت کی توقع ہوتی ہے اور اِدھر خود مجھ کو بھی خصوصیت برتنے کا طبعی تقاضا ہوتا ہے اور اگر طبعی اقتضاء پر دینی مصلحت کو ترجیح دی جائے اور سختی ہی کا برتاؤ کیا جائے تو پھر ناگواری کا اثر واسطہ در واسطہ دور تک پہنچتا چلا جاتا ہے ۔ اس لئے میں تجربہ بس اسلم صورت یہی سمجھ میں آئی کہ اعزّہ کی تربیت باطنی سے عذر ہی کر دیا جائے چنانچہ میں اب اکثر صورتوں میں ایسا ہی کرتا ہوں ! اھ

غرض جیسا کہ اوپر بحوالہ قول حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ العزیز عرض کیا گیا شیخ کامل کے اندر ملوک کی سی سیاست ہونا ضروری ہے کیوں کہ عام طبائع کے اعتبار سے عادت اکثریہ یہی ہے کہ بدون سختی کے اصلاح نہیں ہوتی ۔ اسی لئے اس کی ضرورت

سب عقلاء کے نزدیک مسلم ہے اور ہر متمدن جماعت نے حسب ضرورت اپنے اپنے اُصولِ سیاست مقرر کر رکھے ہیں بلکہ نظامِ عالم ہی اصولِ سیاست پر قائم ہے ۔ جب امن ظاہری کے لئے سیاست ضروری ہے تو امن باطنی کے لئے تو بدرجۂ اولیٰ ضروری ہو گی کیوں کہ فساد ظاہری کی اصلاح اتنی دشوار نہیں جتنی فساد باطنی کی ۔ پھر تعجب ہے کہ رذائل نفس کے ازالہ کے لئے سیاست کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی اور اگر کوئی مصلح بزرگان سلف کے طریق اصلاح کو زندہ کرے اور فطری اصول پر طالبین اصلاح کی اصلاح کرے تو اس پر ہر کس و ناکس اعتراض کرنے کے لئے تیار ہے ۔ حالانکہ معترضین خود بھی تو اپنے ماتحتوں کے ساتھ سیاست ہی کا برتاؤ کرتے ہیں وہاں بھلی مصلحتیں تراش لی جاتی ہیں بات یہ ہے کہ ع

ہر کسے ناصح برائے دیگراں

عرب میں بھی مثل مشہور ہے کہ ہر شخص بس دوسرے ہی کے غصہ کے وقت حلیم ہوتا ہے ۔ ہم تو جب جانیں جب معترض صاحب نہ کبھی اپنے نوکروں کی کسی بے عنوانی پر خفا ہوں نہ کبھی اپنی اولاد کو کسی بے ڈھنگی بات پر تنبیہ کریں اور کوئی کتنا ہی ستائے جائے نہ اس کو روکیں نہ ٹوکیں نہ اظہار شکایت کریں بس چپکے حلیم بنے بیٹھے رہیں ۔ اگر خود ایسا کرتے ہوتے تب تو خیر کچھ منہ بھی تھا اعتراض کرنے کا ورنہ شرمانا چاہیئے ۔ اور اگر کوئی ایسا ہی بے حس ہو کہ اس کو غصہ کی بات پر بھی غصہ نہ آتا ہو تو اس کے متعلق حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ سُنیئے جو حضرت الطبقات کبریٰ مصنفہ حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا کرتے ہیں ۔ من استغضب فلم یغضب فھو حمار و من استرضی فلم یرض فھو شیطان یعنی جس کو غصہ

دلایا جائے (مراد یہ کہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جو فطرت سلیمہ کے اقتضاء سے غصہ کا موجب ہو) اور پھر بھی اس کو غصہ نہ آئے تو وہ حمار ہے اور جس کو راضی کیا جائے (یعنی اپنی کوتاہی کا تدارک کرکے اس سے معافی چاہی جائے) اور وہ پھر بھی راضی نہ ہو تو (چونکہ یہ علامت ہے غایت تکبر کی اس لئے) وہ شیطان ہے۔

یہ تو سیاست کی عام ضرورت اور عام مصلحت پر گفتگو تھی۔ باقی حسب ارشاد حضرت والا بعض خاص بزرگوں کے طبائع میں فطری طور پر علم اتنا ہوتا ہے کہ وہ مصلحت پر غالب رہتا ہے اور غصہ کی بات پر بھی اُن کو باوجود ناگواری کے ہیجان نہیں ہوتا یہ فطری اختلاف طبائع سنت الہیہ قدیمہ ہے۔ جس میں ہزاروں مصالح تکوینیہ وتشریعیہ مضمر ہیں۔ اور جو نہ صرف عام طبائع سے بلکہ اخص الخواص طبائع سے بھی متعلق ہے چنانچہ حدیث ذیل اس پر صراحۃً دال ہے جو التشرف جلد چہارم (حرف الفاء) سے مع حضرت والا کی توضیحات و توجیہات کے لفظ بہ لفظ نقل کی جاتی ہے۔

الحدیث فی السماء ملکان احدھما یامر بالشدۃ والآخر باللین وکلاھما مصیب احدھما جبرئیل والاخر میکائیل ونبیان احدھما یامر باللین والاخر بالشدۃ وکل مصیب ابراھیم ونوح ولی صاحبان احدھما یامر باللین والاخر بالشدۃ ابو بکر و عمر (طب) وابن عساکر عن ام سلمۃ (ض) لکن قال العزیزی باسناد صحیح اھ واللہ اعلم

ترجمہ: آسمان میں دو فرشتے ہیں ان میں سے ایک سختی کی فرمائش کرتے ہیں اور دوسرے نرمی کی (یہ فرمائش دونوں جگہ یا حقیقت ہے کہ منجانب اللہ جس خدمت پر مامور کئے جاتے ہیں اس میں اپنے اعوان کو شدت یا نرمی کا امر فرماتے ہیں کیوں کہ

وہ خود وحی سے ایسی ہی خدمات پر مامور کئے جاتے ہیں جس میں شدت یا نرمی مقتضائے حکمت ہوتی ہے اور یا یہ کنایہ ہے ان کی طبائع کی فطری شدت ولین سے جس میں انتقال ہوتا ہے معنی حقیقی ملزوم سے لازم کی طرف گو معنی حقیقی یعنی امر کا تحقق نہ ہو جیسے طویل النجاد سے انتقال ہوتا ہے طول قامت کی طرف گو نجاد کا تحقق بھی نہ ہو) اور دونوں صواب پر ہیں (کیوں کہ وہ مواقع اسی کے مناسب ہوتے ہیں) ان میں ایک جبرئیل علیہ السلام ہیں (جو اکثر نزول عذاب وغیرہ کے انتظام کے لئے مامور ہوتے ہیں) اور دوسرے میکائیل علیہ السلام ہیں (جو اکثر بارش وغیرہ کے اہتمام کے لئے مامور ہوتے ہیں) اور (جیسے ان دو شانوں کے دو فرشتے ہیں اسی طرح ان ہی دو شان کے) دو نبی ہیں ایک نرمی کا امر فرماتے ہیں۔ دوسرے شدت کا (اس میں بھی وہی دونوں احتمال ہیں) اور دونوں صواب پر ہیں (اس لئے کہ اگر وحی سے ایسا کرتے ہیں تو وحی کا صواب قطعی ہونا ظاہر ہے اور اگر اجتہاد سے ایسا کرتے ہیں تو جب تک اجتہاد سے وحی مانع نہ ہو تو وہ اجتہاد بھی واجب العمل رہے) اور وہ (دو نبی) ابراہیم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام ہیں (کہ اول آمر باللین ہیں اور دوسرے آمر بالشدت) اور (ان ہی دو شان کے) میرے دو صحابی ہیں ایک نرمی کا امر کرتے ہیں اور دوسرے شدت کا (اور) وہ (دونوں) ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ (جن کی نرمی و شدت معلوم و مشہور ہے۔

ف حنفی نے فرمایا ہے کہ مقصود اس حدیث سے اس طرف اشارہ فرمانا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ دونوں انبیاء علیہم السلام و ملائکہ علیہم السلام کے اوصاف میں سے ایک ایک وصف کیساتھ موصوف ہیں اور دونوں مصیب ہیں کیوں کہ شدت اس موقع پر ہے جہاں لین مناسب نہیں اور لین ایسے موقع پر ہے کہ وہاں شدت مناسب نہیں۔

انتہی قول الحفنی۔

میں کہتا ہوں کہ ابھی مدلول حدیث کا صاف نہیں ہوا کیوں کہ اصابت کی جو علت انہوں نے بیان کی ہے اس پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اس تقدیر پر پھر اختلاف شان کی کیا وجہ کیوں کہ شدت کے موقع پر سب ہی کو شدت کی ضرورت ہے اور نرمی کے موقع پر سب ہی کو نرمی کی ضرورت ہے اس لئے میرے نزدیک تقریر مقام کی یہ ہے کہ اس میں تو سب متفق ہیں کہ نرمی کے موقع پہ نرمی کی جائے اور شدت کے موقع پر شدت۔ مگر اختلاف اس میں ہے کہ ایک ہی موقع میں اختلاف طبائع سے اس میں اختلاف رائے ہو جاتا ہے کہ یہ موقع نرمی کا ہے یا شدت کا جیسے اُسارائے بدر کا واقعہ ایک ہی واقعہ ہے مگر حضرت صدیقؓ و حضرت عمرؓ کی رائے فدیہ و قتل میں مختلف ہو گئی اور ایسا اختلاف محل اجتہاد میں ہو سکتا ہے تو شیخین کا اختلاف یقیناً اسی قسم کا ہو سکتا ہے باقی نبیین یا ملکین کا اختلاف اگر وہ بھی اجتہاد فرماتے ہوں تب تو یہ تقریر وہاں بھی جاری ہو سکتی ہے اور اگر وہ اجتہاد نہ فرماتے ہوں بلکہ ان کا ہر اختلاف وحی سے مسبب ہو تو تشبیہ کا مقصود مطلق اختلاف ہو گا خاص اختلاف نہ ہو گا اور تقریر یہ ہو گی کہ شیخین کے ان اوصاف پر اعتراض و شبہہ نہ کیا جائے کیوں کہ سنت الٰہیہ جاری ہے کہ مقبولین کا رنگ مختلف بنایا ہے سو اصحاب وحی کے رنگ کا اختلاف تو وحی کے اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے اور غیر اصحاب وحی کے رنگ کا اختلاف اجتہاد کے اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے۔ اب وہ سوال باقی نہیں رہا اور یہاں سے اختلاف مذاق اولیاء کے متعلق بڑا مسئلہ طے ہوا کہ اسی طرح اولیاء کے مزاج مختلف ہوتے ہیں اور اس اختلاف پر بعض نادان اعتراض کیا کرتے ہیں

مثلاً یہ کہ کیسے بزرگ ہیں کہ فلاں امر ثقیل پر سختی نہیں کی یا کیسے بزرگ ہیں کہ فلاں امر خفیف پر سختی کرنے لگے اس حدیث سے اُن معترضین کی غلطی واضح ہو گئی جس کا حاصل یہ ہے کہ نیت سب کی اصلاح ہی ہے۔ آگے مزاج کے اختلاف سے رائے کا اختلاف ہو جاتا ہے ایک کے نزدیک نرمی طریقہ ہے اصلاح کا دوسرے کے نزدیک سختی طریقہ ہے اصلاح کا۔

مجکو اس مقام پر مولانا محمد علی مونگیری خلیفہ مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہما کا مقولہ یاد آگیا فرماتے تھے کہ بعضے لوگ مولانا پر تیز مزاجی کا اعتراض کرتے تھے۔ یوں نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے اپنے بندوں کو مختلف المزاج پیدا کیا ہے پھر اس کے بعد بعض کو مقبول بنا دیا تو مقبولیت کے بعد مزاج فطری تو نہیں بدلتا اس لئے بعض مقبولین نرم ہوتے ہیں بعض تیز ہوتے ہیں۔ انتہی مافی التشرف

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شدت علی الاطلاق مذموم نہیں بلکہ جو شدت بلا ضرورت و بلا مصلحت ہو وہ مذموم ہے۔ کیوں کہ وہ تو بقول حضرت والا شدت نہیں قساوت ہے اور جو شدت بضرورت سیاست اور بمصلحت اصلاح ہو جس کا ذکر حدیث مذکور میں ہے وہ سراسر محمود ہے کیوں کہ وہ تو بقول حضرت والا شدت نہیں حدت ہے تشدد نہیں تسدد ہے درشتی نہیں درستی ہے۔ اھ

سُبحان اللہ کیسے کیسے لطیف شاعرانہ عنوانات سے حقیقت کا اظہار فرمایا ہے جس سے حضرت والا کی شان ادبیت اور شان تحقیق دونوں علیٰ وجہ الکمال ظاہر و باہر ہیں۔ چوں کہ حضرت والا بامر اللہ تعالیٰ فاروقی النسب ہیں اس لئے شدت

محمود ہیں یعنی صفت سیاست میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماشاء اللہ تعالیٰ خلف الصدق ہیں اور ایک یہی صفت کیا حضرت والا میں تو دیگر اوصاف فاروقی بھی بفضلہ تعالیٰ بہت نمایاں طور پر موروثاً موجود و مشہور ہیں مثلاً فراست۔ تیقظ۔ تدبر یعنی انجام اندیشی۔ دقت نظر۔ اصابت رائے۔ استقلال۔ عدل۔ حق گوئی۔ حق پسندی نگرانی نفس۔ خشیت۔ عبدیت۔ استقامت۔ جفاکشی۔ رعایت۔ شفقت۔ مروت۔ محبت۔ سخاوت۔ شجاعت۔ ترحم وغیرہ وغیرہ جن کا کچھ کچھ ذکر بطور نمونہ انشاء اللہ تعالیٰ باب فواضل میں آئے گا۔

غرض حضرت والا میں جو شدت ہے وہ محمود ہے مذموم ہرگز نہیں جیسا کہ بعض ناداں سمجھتے ہیں کیوں کہ مذموم تو جب ہو جب حضرت والا خدانخواستہ امر تربیت میں طالبین پر کوئی ایسا بار ڈالتے ہوں جس میں ان کی کوئی مصلحت نہ ہو یا کوئی ایسے اصول مقرر فرما رکھے ہوں جو اپنی ذات میں سخت ہوں حضرت والا کے تو جتنے اصول ہیں وہ سب نہایت معقول اور فطرت سلیمہ کے مقتضا کے بالکل موافق ہیں جن پر عمل کرنا نہایت ہی سہل ہے۔ البتہ ان اصول کے حضرت والا خود بھی نہایت سختی کے ساتھ پابند ہیں اور دوسروں سے بھی ان کی پابندی بہت سختی سے کراتے ہیں کیونکہ وہ سب اصول اصول صحیحہ ہیں اور عرصۂ دراز کے تجربوں کے بعد قائم کئے گئے ہیں اور ان میں جانبین کی بے شمار مصالح دینیہ و دنیویہ مضمر ہیں۔

غرض اصول صحیحہ کی پابندی کو سختی کہنا سراسر زیادتی ہے کیوں کہ حسب ارشاد حضرت والا جو قانون اپنی ذات میں تو سہل ہو مگر اس کی پابندی سختی سے

کرائی جاتی ہو اس کو سخت نہیں کہا جا سکتا پھر تمثیلاً فرمایا کہ دیکھئے نماز کے سارے ارکان
بہت ہی سہل سہل ہیں اور بحالت عذر تو اس میں اور بھی سہولتیں اور گنجائشیں رکھ
دی گئی ہیں لیکن اس کی پابندی البتہ بہت سختی کے ساتھ کرائی جاتی ہے تو اس
صورت میں حکم شریعت کو سخت نہیں کہا جائے گا بلکہ حکم عدولی کرنے والے ہی کو
ملامت کی جائے گی۔ کہ ارے نالائق ادائے نماز میں اتنی تو سہولتیں رکھ دی گئی
ہیں اور پھر بھی تو کوتاہی کرتا ہے۔ اسی لئے ترک نماز پر آخرت کی بھی سخت سخت وعیدیں
ہیں اور دنیا میں بھی سخت سخت سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض ائمہ کے
نزدیک تو تارک صلوٰۃ واجب القتل ہے۔ اھ

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اگر اصول تو ہوں نرم لیکن اُن کی پابندی
کرائی جائے سختی کے ساتھ تو یہ سختی نہیں بلکہ مضبوطی ہے جیسے ریشم کا رسّا نرم تو ایسا
کہ چاہے اس میں گرہ لگا لو لیکن ساتھ ہی مضبوط بھی اتنا کہ اگر اس سے ہاتھی کو بھی باندھ
دیا جائے تو وہ بھی اس کو نہیں توڑ سکتا لہذا ریشم کے رسّے کو سخت نہ کہا جائے گا
بلکہ مضبوط کہا جائے گا۔ البتہ لوہے کی زنجیر کو سخت کہا جائے گا کیوں کہ لوہا اپنی ذات
ہی میں سخت ہے۔ اگر زنجیر کسی کے پیروں میں ڈال دی جائے تو وہ تو پیروں ہی
کو زخمی کر دے بخلاف ریشم کے رسے کے کہ پابند رکھنے کی صفت میں تو وہ لوہے کی
زنجیر سے بھی بڑھ کر ہے لیکن اُس سے پاؤں زخمی نہیں ہوتے بلکہ بہت آرام میں
رہتے ہیں اور اگر کوئی اپنے آپ کو بلا رد و کد اس کا پابند رکھے اور خواہ مخواہ اس
کی پابندی سے اپنے آپ کو نکالنے کی فضول جد و جہد نہ کرے تو کشاکشی کی
دِقت تک بھی نہ ہو۔

اسی طرح اگر کوئی میرے یہاں آ کر اصول صحیحہ کا پابند رہے تو اس کو کبھی کسی ناگواری کا موقع عمر بھر بھی میری طرف سے پیش نہ آئے۔ لوگ خود اصول صحیحہ کو توڑ توڑ کر اور بے اصول باتیں کر کر کے اپنے ہاتھوں مصیبت میں پڑتے ہیں۔ جس کے وہ ذمہ دار ہیں نہ کہ میں یا میرے یہاں کے اصول کوئی یہاں رہ کر واقعات کو بنظر غور و انصاف دیکھے تو اس کو حقیقت منکشف ہو جائے۔ معترضین کا زیادہ حصہ اہل سماع ہیں اہل مشاہدہ نہیں مشاہدہ میں تو ہر واقعہ کی ترتیب سامنے ہوتی ہے اس سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ اور میں فقط دوسروں ہی کو اصول صحیحہ کا پابند نہیں بناتا بلکہ اپنے آپ کو بھی تو پابند کرتا ہوں اور نہ تکلف یا بہ تصنع نہیں بلکہ اللہ کا شکر ہے کہ اصول صحیحہ کی پابندی میرا مقتضائے طبعی ہو گیا ہے۔ گو اس میں کسی قدر مشقت بھی ہو اور گو اس کا تعلق میرے محکومین اور تابعین ہی سے ہو۔ کیوں کہ اصول صحیحہ بہر حال قابل احترام ہیں۔ یہاں تک کہ اکثر اہل معاملہ کو میری رعایت اصول کا علم بھی نہیں ہوتا لیکن میرے قلب کو تو تسلی رہتی ہے کہ میں نے اصول صحیحہ کی رعایت کی کسی کو جتلانا تھوڑا ہی مقصود ہے۔

حکیم محمد ہاشم صاحب مرحوم کو مجھ سے بہت ہی تعلق تھا یہاں تک کہ آخر میں مجھ سے بیعت بھی ہو گئے تھے لیکن جب کبھی مجھ کو اپنا کوئی حال کہنا ہوتا تو گو بعض اوقات بوجہ ضعف تکلف بھی ہوتا لیکن خود ان کے گھر جا کر اپنا حال کہتا۔ وہ بہت شرمندہ ہوتے لیکن میں کہہ دیتا کہ اس میں شرمندگی کی کوئی بات نہیں جو محتاج ہو اسی کو محتاج الیہ کے پاس آنا چاہیے نہ کہ برعکس۔ البتہ جب گھر میں کی بعض دکھانی ہوتی تو پھر بے تکلف اُن کو بلا لیتا کیوں کہ وہ موقع مجبوری کا تھا۔

وہاں اصول صحیحہ کا بھی مقتضا تھا۔

مولوی شبیر علی سے بڑھ کر میرا کس پر زور ہوگا؟ میری اولاد ہیں بھتیجے ہیں اور بچپن سے میرے ہی پاس رہے ہیں لیکن میں ان کی بھی اتنی رعایت کرتا ہوں کہ جب کبھی مجکو اُن سے کچھ کہنا ہوتا ہے تو ان کو اپنے پاس نہیں بلاتا کہ نہ معلوم کسی ضروری کام میں مشغول ہوں بلکہ میں خود ہی اٹھ کر ان کے پاس جاتا ہوں۔ یہاں تک کہ اگر وہ خود کسی کام سے میرے پاس آئے ہوئے ہوتے ہیں اور مجھے بھی ان سے کچھ کہنا ہوتا ہے تو میں اُس وقت اُن سے کچھ نہیں کہتا بلکہ جب وہ اپنی جگہ واپس پہنچ جاتے ہیں تب اُن کے پاس جاکر جو بات کہنی ہوتی ہے کہتا ہوں تاکہ جب وہ میرے پاس کسی ضرورت سے آیا کریں تو آزادی سے آیا کریں۔ اس کا خطرہ بھی نہ ہو کہ اگر ہم وہاں جاویں گا تو میرے ذمہ کوئی نہ کوئی کام لگا دیا جائے گا۔

اسی طرح سہواً چاہے کبھی خلاف ہوگیا ہو سہو گیا ہو لیکن مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی گھر میں کھانا کھا کر یہ کہا ہو کہ برتن اٹھالو بلکہ یہ کہتا ہوں کہ برتن اُٹھوا لو۔ گو وہ محکوم ہیں لیکن ان کی حاکمیت کا جو ان کو گھر میں اپنے محکومین پر حاصل ہے لحاظ رکھتا ہوں۔ کیوں کہ محکومین کا بھی احترام چاہیئے۔ پھر چاہے وہ خود اٹھالیں یا کسی اور سے اُٹھوالیں۔ میں نوکرنی سے بھی خود کسی کام کے لئے نہیں کہتا بلکہ میں تو گھر میں کہتا ہوں اور وہ نوکرنی سے کہتی ہیں کیوں کہ نوکرنی براہِ راست انہیں کی محکوم ہے۔ اس میں بھی اُن کی حاکمیت کو محفوظ رکھتا ہوں۔ نیز اجنبی عورت سے بلا ضرورت خطاب بھی ایک درجہ میں خلاف حیا ہے۔

نوکروں کو دو کام ایک ساتھ نہیں بتاتا۔ پہلے ایک بتاتا ہوں جب اُس سے

فراغت ہو جاتی ہے پھر دوسرا تاکہ ایک دم بار نہ پڑے اور یاد رکھنے کی زحمت نہ ہو یاد رکھنے کی زحمت کو خود برداشت کرتا ہوں اُن پر بوجھ نہیں ڈالتا۔ اگر کوئی کام اُلجھن کا ہوتا ہے تو اس میں خود بھی شریک ہو جاتا ہوں تاکہ انہیں کچھ سہولت ہو جائے۔

اور اگر کوئی کام ابتداء ہی سے الجھن کا ہوتا ہے تو اول اپنے ہاتھ سے اُس کا اشکال رفع کر کے اور اس کو خود ترتیب دے کر مرتب صورت میں نوکروں کے سپرد کرتا ہوں تاکہ اس کا کرنا ان کو سہل ہو جائے۔ اسی طرح جس کسی سے کوئی کام لیتا ہوں۔ مثلاً کوئی مضمون نقل کرانا ہوا تو اُس مضمون کو اس طرح واضح صورت میں حوالہ کرتا ہوں کہ ناقل کو کسی طرح کی الجھن نہ ہو۔ پارسلوں کے ذریعہ سے جو میں نے ہدایا بھیجنے کی ممانعت کر رکھی ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نوکروں کو پارسل لانے کی زحمت نہ ہو۔

ملازموں کو بھی تنخواہ توقیر کے ساتھ دیتا ہوں۔ اُن کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ پھینک کر نہیں دیتا جیسا کہ متکبرین کا شعار ہے۔

جب گھر کے لوگ نہیں ہوتے اور صبح کو ملازم کے ساتھ گھر سے باہر جانا ضروری ہوتا ہے تو ملازم کے بیدار ہونے کے بعد میں قصداً کسی کام میں مشغول ہو جاتا ہوں تاکہ وہ باطمینان اپنی ضروریات سے فارغ ہو لے اور میرا تہیہ اور انتظار دیکھ کر اس کو عجلت نہ ہو۔

ساتھ چلنے والے کے لئے اچھا راستہ چھوڑ دیتا ہوں۔ پہلے میں ہمیشہ سڑک کے کنارہ چلا کرتا تھا تاکہ دوسرے چلتے والوں کو تکلیف نہ ہو لیکن جب سے حال ہی میں ایک پاؤں نالی میں چلا گیا تب سے احتیاطاً بیچ سڑک پر چلنے

رکھتا ہوں۔

اگر اہلِ خصوصیت کو بھی اپنے کسی کام کے لئے کچھ لکھنا ہوں تو جوابی خط بھیجتا ہوں۔

کوئی کیسا ہی محبوب مہمان ہو اور اس کے ٹھہرانے کو کتنا ہی جی چاہتا ہو کبھی اس کی مرضی کے خلاف اصرار نہیں کرتا اور جب جانے کو کہتا ہے تو نہایت فراخ دلی سے کہہ دیتا ہوں کہ جیسی مرضی ہو اور جس میں راحت ہو۔

میرے چھوٹے گھر میں کے والد پیر جی ظفر احمد صاحب میرے ساتھ اپنے پیر کا سا برتاؤ کرتے ہیں لیکن میرے قلب میں اُن کی ویسی ہی عظمت ہے جیسی خسر کی ہونی چاہیئے اور جیسی اپنے بڑے خسر صاحب کی تھی۔ لیکن پیر جی صاحب کو اس کا علم بھی نہیں۔ نہ مجھکو یہ اہتمام ہے کہ ان کو اس کا علم ہو۔ مجھے تو اپنی تسلی کرنی ہے کہ میں ان کا حقِ عظمت ادا کر رہا ہوں۔ اُن پر کوئی احسان تھوڑا ہی رکھنا ہے۔

گھر کی جو چیز اٹھاتا ہوں بعد فراغت اس کو وہیں جا کر رکھتا ہوں جہاں وہ رکھی تھی تاکہ جس نے رکھی ہے وہ پریشان نہ ہو اور اس کو ڈھونڈھنا نہ پڑے۔

گھر میں رات کو سوتے وقت احتیاطاً لوٹہ میں پانی بھر کر رکھ لیتی ہیں۔ اگر کبھی مجھے پانی کے استعمال کرنے کی ضرورت پڑجاتی ہے تو میں پھر لوٹہ کو بھر کر اسی جگہ رکھ دیتا ہوں تاکہ اگر ان کو ضرورت ہو تو لوٹہ بھرا ہوا ہی ملے دوبارہ اُن کو نہ بھرنا پڑے۔

غرض بہت سی جزئیات ہیں کہاں تک بیان کی جائیں۔

ایک غیر مقلد یہاں آئے تھے۔ انہوں نے یہاں سے جا کر ایک صاحب سے کہا کہ ہم لوگوں میں تو اتباع سنت کا فقط دعویٰ ہی دعویٰ ہے اتباع سنت تو ہم نے وہاں دیکھا۔ ایک کتاب کی ضرورت ہوئی تو خود اُٹھ کر کتب خانہ سے لائے کسی سے کہا نہیں کہ لے آؤ۔ اپنا کام خود کیا دوسرے کو تکلیف نہ دی۔ سبحان اللہ کیا اتباع سنت ہے۔ اور کتنی تواضع ہے کہ بلا تکلف خود اُٹھ کر لے آئے۔ اھ

مجھے اس معمولی سی بات پر بھی بڑا تعجب ہوا۔ غرض میں اصول صحیحہ کا صرف دوسروں ہی کو نہیں اپنے آپ کو بھی تو پابند کرتا ہوں۔ اس وجہ سے مجھ کو لوگوں کی بے ضابطگی پر اور بھی زیادہ ناگواری ہوتی ہے کہ میں تو ان کی اتنی رعایتیں کروں اور وہ میرے ساتھ ایسی بے فکری کا معاملہ کریں۔ اھ

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ حسن العزیز جلد اول میں جس میں احقر ہی کے ضبط کردہ ملفوظات ہیں اس وقت ملفوظ نمبر ۱۴۴ نظر پڑا جو مناسب مقام ہذا ہے اس کو بھی یہاں نقل کیا جاتا ہے اس سے ناظرین یا ملکین کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ حضرت والا صرف غیروں ہی سے نہیں بلکہ اپنے عزیزوں سے بھی نہایت سختی کے ساتھ اصول صحیحہ کی پابندی کراتے ہیں۔

(نقل ملفوظ نمبر ۱۴۴۔ از حسن العزیز جلد اول) ایک بار احقر کے یہاں حضرت کی دعوت تھی۔ حضرت کے ایک عزیز نے نوکر سے پانی اس طرح مانگا کہ پانی لاؤ۔ حضرت نے فوراً تنبیہ فرمائی کہ میزبان کے نوکروں سے ایسے حاکمانہ لہجہ میں پانی نہیں مانگنا چاہیئے بلکہ اخلاق کے ساتھ کہنا چاہیئے کہ ذرا پانی دیجئے گا۔ تھوڑا پانی عنایت

پہنچے گا۔

ایک بار حضرت کے مردانہ کمرہ میں چند مہمان حضرت کے ساتھ کھانا کھانے کو پہنچے۔ وہاں حضرت کے ایک عزیز اپنے بچہ کو لئے چارپائی پر لیٹے تھے۔ حضرت نے ترش رو ہو کر فرمایا کہ یہ کیا بدتہذیبی کی بات ہے کہ چند بھلے آدمی تو نیچے بیٹھے ہوں اور تم چارپائی پر لیٹے رہو۔ (پھر فرمایا) کہ میں اپنے عزیزوں کو اپنے ساتھ خود بہت بے تکلف رکھتا ہوں کیوں کہ ان کو میرے ساتھ بے تکلفی کے برتاؤ کرنے کا حق ہے لیکن مجھے یہ ہرگز گوارا نہیں ہوتا کہ میرے مہمانوں کے ساتھ بے تہذیبی کا برتاؤ کیا جائے۔ اھ

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کی رعایتوں کے صدہا واقعات ہیں لیکن بخوف تطویل یہاں انہیں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

غرض یہ ایک حقیقت واقعیہ ہے کہ اگر حضرت والا کے یہاں کوئی اصول صحیحہ کی پابندی کے ساتھ رہے تو وہ دیکھ لے جیسا کہ بہت سے حضرات نے دیکھ لیا ہے اور دیکھ رہے ہیں کہ ایسی راحت اور آزادی کی زندگی کہیں میسر نہیں اور حضرت والا کی خانقاہ کو بالکل ان اشعار کا مصداق پائے ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین ست وہمین ست وہمین است

اور تجربہ طویلہ کی بنا پر بہانگ دہل کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی صاحب فہم سلیم حالات و واقعات کا بنظر غور و انصاف تتبع کرے گا تو وہ انشاء اللہ تعالیٰ برسوں کے طویل مشاہدہ کے بعد بھی ایک واقعہ ایسا نہ پیش کر سکے گا جس میں حضرت والا نے ابتداً کوئی ناگوار برتاؤ فرمایا ہو۔ اذیت کی ابتدا ہمیشہ دوسرے ہی کی جانب سے ہوتی ہے۔ جس پر ابادی اظلم

صادق آتا ہے۔ اور چونکہ حضرت والا کی طبع مبارک فطری طور پر غایت درجہ لطیف اور
با اصول ہے اس لئے بے ڈھنگی باتوں سے بیحد تاثر ہوتا ہے یہاں تک کہ اکثر فوراً تغیر
ہو کر درد سر عارض ہو جاتا ہے۔ حضرت والا بس اُس وقت اپنی اس اذیت کا اظہار
فرما دیتے ہیں اور بوجہ فطری تیز مزاجی کے بلند آواز سے اظہار فرماتے ہیں جس کی مع شیئٍ
زائدٍ مظلوم کو اجازت بھی ہے لقولہ تعالیٰ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ
اِلَّا مَنْ ظُلِمَ اور یہ کوئی سختی نہیں۔ خود فرمایا کرتے ہیں کہ دوسرا تو چپکے سے سوئی
چبھو دیتا ہے تو کوئی دیکھتا نہیں اور یہیں جو زور سے آہ کرتا ہوں تو اس کو سب سنتے
ہیں لہذا ظالم تو مظلوم سمجھا جاتا ہے اور مظلوم ظالم۔ میں تو بدنام ہو جاتا ہوں اور ستانے
والے صاحب سُرخرو بنے بیٹھے رہتے ہیں اھ

حضرت والا اس کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میرے اندر حدّت تو ہے مگر
الحمد للہ شدّت نہیں ہے بلکہ دوسروں کے جذبات کی تو میں اتنی رعایت رکھتا ہوں
کہ دوسروں کی نظر بھی اُن دقائق رعایت تک نہ پہنچتی ہوگی بفضلہ تعالیٰ دُور دُور تک کے
احتمالات اذیت پر بھی فوراً میری نظر پہنچ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اُن سے احتراز
کی توفیق بھی عطا فرما دیتے ہیں۔ اور اسی لئے مجھے اور بھی غصہ آتا ہے کہ میں تو ان کی
اتنی رعایت کروں اور یہ میرے ساتھ ایسی بے فکری برتیں اھ

ناظرین بنظر غور و انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ جو دوسروں کو ادنیٰ اذیت سے بھی
بچانے کا اس قدر اہتمام بلیغ رکھتا ہو اس میں شدت بمعنی سختی بھی کہیں ہو سکتی ہے۔
اور جہاں حضرت والا کے اندر صفت سیاست موجود ہے وہیں حضرتِ والا کا انتہا
درجہ کا ترحم اور غایت درجہ کی شفقت و رقت قلب اور حد درجہ کا سوز و گداز طبیعت

بھی تو معلوم و مشہور رہے جس کے چند واقعات حصۂ اوّل میں استطراداً ذکر بھی کئے جا چکے ہیں۔ اور بعض باب فواضل میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ ملاحظہ سے گذریں گے۔ تو ایسے قلب میں جس کے اندر اس قدر رقت اور لین ہو اس میں خدانخواستہ شدت بمعنی قساوت کیوں کر ہو سکتی ہے کیوں کہ یہ اجتماع اجتماعِ ضدین ہوگا جو محال ہے۔

اس پر ایک عاقل کا قول یاد آتا ہے۔ ایک صاحب نے جو دہلی میں رہتے ہیں جب حضرت والا کی سیاست مربیانہ کے حالات بعنوانِ شکایت سنے تو انہوں نے ایک صاحب سے ایک بڑا گہرا پُرمغز اور عاقلانہ سوال کیا کہ مولانا کا بچوں کے ساتھ کیسا برتاؤ ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ بچوں کے ساتھ تو بہت ہی بے تکلف ہیں اور نہایت شفقت سے پیش آتے ہیں اور وہ بھی مولانا سے بہت ہی مانوس ہیں۔ اس پر اُن صاحب نے کہا کہ بس تو پھر وہ سخت نہیں ہیں کیوں کہ جو سخت ہوتا ہے وہ بچوں کو بھی منہ نہیں لگاتا۔ اھ

اس پر احقر کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ یاد آیا جو ایک صاحب احیاء العلوم سے نقل کرتے تھے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صاحب کو کسی مقام کا عامل مقرر کر کے بھیجا اور ضروری ہدایات دیتے ہوئے کچھ دُور تک ان کے ہمراہ بھی تشریف لے گئے جیسا کہ آپ کا معمول تھا۔ راستہ میں حضرت عمرؓ کو بہت سے بچے آکر محبت سے لپٹ گئے اور آپ بھی بہت شفقت سے ان کو پیار کرنے لگے۔ اس پر ان عامل نے حیرت سے کہا کہ میں تو خاص اپنے بچوں کو بھی کبھی منہ نہیں لگاتا اور آپ نے غیروں کے بچوں کو بھی اتنا منہ لگا رکھا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے فرمایا کہ بس تم واپس چلو تم عامل مقرر کئے جانے کے قابل نہیں کیونکہ

جب تم کو اپنے خاص لڑکوں ہی کے اوپر شفقت نہیں تو تم رعایا کے اوپر کیا خاک شفقت کروگے اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کے اندر جو یہ شفقت علی الصغار کی صفت ہے یہ بھی اپنے جدّاعلیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی سے موروث ہے۔

غرض حضرت والا میں بفضلہ تعالیٰ شائبہ بھی شدّتِ مذمومہ کا نہیں البتہ حِدّت یعنی فطری تیز مزاجی ضرور ہے جس کی فضیلت ذیل کی حدیث سے ثابت ہے جو التشرف حصہ دوم سے مع ترجمہ نقل کی جاتی ہے:۔

الحدیث: الحدة تعتری خیار امتی هو فی مسند الحسن بن سفیان من جهة اللیث عن روید بن نافع قلت لابی منصور الفارسی یا ابا منصور لولا حدة فیك فقال مایسرنی بحدتی کذا وکذا وقد قال رسول الله صلے الله علیه وسلم ان الحدة تعتری خیار امتی وسماه بعضهم یزید بن ابی منصور وحکم علیه بالصحبة) وفی بعض الروایات	**ترجمہ:** تیز مزاجی میری امت کے نیک لوگوں کو پیش آتی ہے۔ یہ حدیث حسن بن سفیان کی مسند میں لیث کی جہت سے منقول ہے وہ روید بن نافع سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو منصور فارسی سے کہا کہ اگر تمہارے اندر تیز مزاجی نہ ہوتی (تو خوب ہوتا) انہوں نے فرمایا مجکو اس تیزی کے بدلہ اتنا اتنا ملے تب بھی میرے لئے موجب مسرت نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تیزی میری امت کے نیک لوگوں کو پیش آتی ہے (اور بعض نے ان کا نام یزید بن منصور کہا ہے اور اُن کو صحابی کہا ہے) اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کوئی

بلفظ لیس احد اولی بالحدۃ من صاحب	شخص تیزی کا مستحق قرآن والے سے
القرآن لعز القرآن فی جوفہ ف	زیادہ نہیں بوجہ عزت قرآن کے ف
دیوجد مثل ھذہ الحدۃ فی اھل اللہ	بعض اہل اللہ میں ایسی تیزی پائی جاتی ہے
حقیقتھا الغیرۃ علی الحق وحقیقۃ	اور اس کی حقیقت حق پر غیرت ہے، اور اسکے
اظہارھا ترک التکلف ۔ اھ	ظاہر کرنے کی حقیقت ترک تکلف ہے ۔ اھ

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ جس کو لوگ سختی سمجھتے ہیں جب میں اُس کے صریح صریح منافع رات دن دیکھ رہا ہوں اور جب بغیر اُس کے کام ہی نہیں چلتا تو پھر اس کو کیوں نہ اختیار کروں میں کیا کروں جب بلا سختی کے بُری بات کی بُرائی ذہن میں جمتی ہی نہیں۔ اور میری سختی تو جب سمجھی جاتی جب میں کسی سے زبردستی کہتا کہ تم مجھ سے اپنی اصلاح کراؤ۔ اور وہ مجھ سے اصلاح کرانے پر مجبور ہوتا میرے یہاں تو ہر شخص بالکل آزاد ہے ؎

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو
دار و گیر و حاجب و دربان دریں درگاہ نیست

ہر شخص کو ہر وقت اختیار ہے کہ مجھ سے قطع تعلق کر کے جس سے مناسب ہو اُس سے اصلاح کا تعلق پیدا کرے۔ بلکہ بفضلہ تعالیٰ مصلحت طالب کی یہ خاص رعایت صرف میرے ہی یہاں ہے کہ جس کے ساتھ مناسبت پیدا ہونے کی مجکو توقع نہیں رہتی میں اس سے صاف کہہ دیتا ہوں کہ کسی دوسرے سے رجوع کرو اور یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ اگر کسی مصلح کا پتہ مجھ سے پوچھا جائے گا تو میں بتا دوں گا اور اگر اس پر وہ نام پوچھتا ہے تو میں بتا بھی دیتا ہوں اس عین قطع تعلق کے وقت بھی اس کی اتنی

رعایت کرتا ہوں کہ سارا بوجھ اُس پر نہیں ڈالتا اور یہیں جو عدم مناسبت کی صورت میں قطع تعلق کر دیتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ بدون مناسبت کے شیخ سے کچھ نفع نہیں ہوتا۔
ہے تو فحش مثال لیکن مثال تو محض توضیح کے لئے ہوتی ہے اس لئے نقل کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں وہ یہ کہ طبیبوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جب تک توافق انزالین نہ ہو حمل نہیں قرار پاتا اگرچہ زوجین دونوں تندرست اور قوی ہوں۔ اسی طرح اگرچہ شیخ اور طالب دونوں صالح ہوں لیکن باہم توافق طبائع نہ ہو تو پھر تعلق ہی عبث ہے اور اس کا قطع کر دینا ہی مناسب ہے کیونکہ اجتماع بلا تناسب نہ صرف غیر مفید بلکہ موجب تشویش جانبین ہوتا ہے۔

اور یہ ضروری نہیں کہ کسی خاص شیخ سے عدم مناسبت طالب کے نقص ہی کی دلیل ہو کیونکہ طبائع فطرۃً مختلف ہوتی ہیں۔ بعض کو کسی سے مناسبت ہوتی ہے بعض کو کسی سے۔ لیکن ہر حال میں مدار نفع مناسبت ہی پر ہے۔ اسی لئے یہ ہو سکتا ہے کہ تخلف الطبائع پیر اور مرید دونوں کی استعدادیں اپنی اپنی جگہ کامل ہوں اور دونوں متقی ہوں لیکن پھر بھی بوجہ عدم تناسب طبائع ان کا اجتماع موجب تشویش جانبین ہو جائے جیسے کہ سوڈا اور ٹاٹری (ٹارٹرک ایسڈ) جب تک الگ الگ ہیں دونوں نہایت سکون کی حالت میں ہیں اور جہاں دونوں کو ملایا گیا بس ایک گڑبڑ مچ گئی اور بجائے سکوت و سکون کے جوش و اضطراب کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس میں نہ ٹاٹری کا قصور نہ سوڈے کا۔ عدم مناسبت اس کا سبب ہے۔ لہذا دونوں کا الگ الگ رہنا ہی مناسب ہے۔

اسی طرح میں جو کسی طالب سے قطع تعلق کرتا ہوں تو اُس کے نقص کی وجہ

سے نہیں بلکہ باہم مناسبت نہ ہونے کی بنا پر۔ ورنہ درحقیقت تو میں اس کو اپنے سے ہزار درجہ افضل سمجھتا ہوں کیوں کہ اپنی حالت تو معلوم ہے جیسی ہے اور اس کے بارہ میں خبر نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ عند اللہ مقبول ہو اور اسی بنا پر میں ہر مسلمان کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں۔ اور قطع تعلق اس لئے کرتا ہوں کہ وہ دوسرے سے رجوع کر سکے کیوں کہ عدم مناسبت کی وجہ سے اس کو مجھ سے تو نفع ہو نہیں سکتا پھر اور جگہ کے استفاضہ سے بھی اس کو کیوں محروم رکھا جائے اور افادہ و استفاضہ کے تعلق کو عدم مناسبت کی بنا پر ختم کر دینے کی تائید نص قطعی صریح سے ہوتی ہے چنانچہ قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السّلام کا حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے یہ فرما دینا مصرح ہے هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ جس کی بنا محض عدم مناسبت ہی تھی نہ کہ کوئی معصیت۔ اسی بنا پر حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

چوں گرفتی پیر ہن تسلیم شو ہمچو موسےٰ زیر حکم خضر رو
صبر کن در کار خضرے بے نفاق تا نگوید خضر رو هٰذا فراق
گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن گرچہ طفلے را کشد تو مو مکن

بعضوں نے مجھ سے سوال کیا کہ شیخ کے ساتھ مناسبت ہونے نہ ہونے کی علامت کیا ہے۔ تو میں نے ان سے کہا کہ گو یہ ایک امر ذوقی ہے لیکن میں الفاظ میں اس کی تعبیر کئے دیتا ہوں۔ مناسبت کی علامت یہ ہے کہ شیخ کے کسی قول یا فعل پر اس کے (یعنی شیخ کے) خلاف طالب کے قلب میں کوئی اعتراض یا شبہہ جو ہم یا تردد (یعنی احتمال صحت جانبین کے ساتھ) پیدا نہ ہو (خطرہ کا جس میں جانب مخالف کے بطلان کا تیقن ہوتا ہے اعتبار نہیں) یہاں تک کہ اگر اس کے کسی

قول یا فعل کی تاویل بھی سمجھ میں نہ آئے (کیوں کہ اول تاویل ہی کرنا چاہئے) تب بھی دل میں اس کی طرف سے انکار پیدا نہ ہو بلکہ اپنے آپ کو یوں سمجھائے کہ آخر یہ بھی تو بشر ہی ہے۔ اگر اس کا کوئی قول یا فعل گناہ بھی ہو تب بھی کیا ہوا توبہ سے یا محض فضل سے اس کی معافی ہو سکتی ہے **ف** سبحان اللہ تردد اور خطرہ میں کیا فرق بیان فرمایا ہے۔ اور تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اس تحقیق کی خود بھی تحسین فرمائی اور فرمایا کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وجدانیات کی تعبیر پر بھی قدرت عطا فرما دیتے ہیں ورنہ بڑے بڑے اہل علم اور صاحب فضل و کمال آج کل موجود ہیں ان سے تو کوئی تردد اور خطرہ کا فرق دریافت کر کے دیکھے جو کبھی بھی تسلی بخش جواب دے سکیں۔ اھ

مضمون بالا کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ اگر شیخ کے خلاف اعتراضات اور شبہات پیدا ہوتے ہوں تو سمجھ لے کہ مجھ کو اُس سے مناسبت نہیں اور اس کو بلا اس کی دل آزاری کئے چھوڑ دے کیوں کہ نفع کا مدار یکسوئی اور شیخ کے ساتھ حسن اعتقاد پر ہے اور یہ اعتراضات و شبہات کی صورت میں کہاں لہٰذا اس کو چھوڑ دینا ہی مناسب ہے۔ لیکن گستاخی عمر بھر نہ کرے کیوں کہ اول اول راہ پر تو اُسی نے ڈالا ہے اور اس معنی کر وہ محسن ہے یہاں تک کہ اگر وہ ایسے امور کا بھی مرتکب ہو جو بظاہر خلاف سنت ہوں لیکن اُن میں اجتہاد کی گنجائش ہو خواہ بعید ہی سہی پھر بھی گستاخی نہ کرے۔

غرض عدم مناسبت کی صورت میں بھی طالب کو اپنے ہی ساتھ الجھائے رکھنا کہ اپنی جماعت میں کمی نہ ہونے پائے میں اس کو خیانت سمجھتا ہوں۔ یہاں تک کہ بعضوں کو میں نے دیکھا کہ کسی بزرگ سے بھی اُن کو مناسبت نہیں ہوئی اور نہ

کسی سے مناسبت ہونے کی توقع رہی تو اُن کے لئے بھی میں نے ایک راہ نکال دی کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ اس میں کوئی طالب محروم نہیں رہ سکتا۔ میں نے کہا کہ بس تم ضروری احکام کا علم حاصل کرتے رہو خواہ مطالعہ سے خواہ اہل علم سے پوچھ پوچھ کر اور سیدھا سادہ نماز روزہ کرتے رہو اور جو امراض نفس تم کو اپنے اندر محسوس ہوں ان کا علاج جہاں تک ہو سکے اپنی سمجھ کے موافق بطور خود کرتے رہو اور جو موٹے موٹے گناہ ہیں اُن سے بچتے رہو اور بقیہ سے استغفار کرتے رہو اور دعا بھی کرتے رہو کہ اے اللہ ان کا بھی مجھے احساس ہونے لگے اور ان کے معالجات بھی میری سمجھ میں آنے لگیں، اگر مجھ میں سمجھنے کی استعداد نہ ہو تو بلا اسباب ہی محض اپنے فضل سے اُن عیوب کی اصلاح کر دے۔ بس یہ بھی نجات کے لئے بالکل کافی ہے اور نجات ہی مقصود ہے۔ اس سے زیادہ کے تم مکلف ہی نہیں۔ جب میرے یہاں اتنی آزادی ہے اور میرا طریق سختی کا یا نرمی کا جیسا کچھ بھی ہے وہ سب کو معلوم ہے تو پھر بھی جو شخص میرے پاس آکر اپنی اصلاح کرتا ہے تو وہ اپنے ہاتھوں سختی میں پڑتا ہے۔ جس کو یہ سختی گراں ہو وہ میرے پاس آئے ہی کیوں ؎

ہاں وہ نہیں وفاپرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

آج ۴۔ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۴ھ ہی کی مجلس بعد الظہر کا اس مقام پر ایک واقعہ لکھا جاتا ہے جس سے ناظرین اندازہ فرمالیں گے کہ حضرت والا کے یہاں کس قسم کی سختی ہوتی ہے۔ ایک ادھیڑ عمر کے دیہاتی سفر کر کے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ عرض کیا۔ دیہاتی ہونے کی وجہ سے ان کی زبان ایسی تھی کہ سمجھ ہی میں

نہ آتی تھی۔ نیز وہ اُردو بھی اچھی طرح نہیں جانتے تھے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ تمہاری بُولی میری سمجھ میں نہیں آتی۔ کسی اور کو راضی کر کے بلا لاؤ اور جو کچھ کہنا ہو اس کے ذریعہ سے کہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹ آئے اور پھر عرضِ حال کرنے لگے حضرت والا نے فرمایا کہ کیا تم وہی ہو جن سے میں نے کہا تھا کہ کسی کے واسطہ سے گفتگو کرو۔ انہوں نے کہا جی ہاں لیکن مجھ کو کوئی شخص ہی ایسا نہیں ملا جس کو میں اپنا واسطہ بناتا فرمایا کہ پھر آکر مجھ سے یہی کہا ہوتا کہ مجھ کو کوئی واسطہ بننے والا نہیں ملتا۔ نہ کہ باوجود ممانعت کے پھر آکر اپنا حال خود ہی کہنے بیٹھ گئے۔ کیا میری یہ تجویز کہ کسی کے واسطہ سے گفتگو کرو لغو تھی۔ کہا غلطی ہوئی۔ اس پر حضرت والا نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ دیکھیئے اتنی موٹی بات میں بھی لوگ غلطی کرتے ہیں۔ جب گفتگو کے لئے واسطہ کی شرط تھی اور واسطہ ملا نہ تھا تو پہلے آکر یہی کہتے کہ کوئی واسطہ نہیں ملتا اس کا تو کچھ ذکر ہی نہیں اور اپنا حال کہنا شروع کر دیا۔ بات یہ ہے کہ لوگ قوتِ فکریہ سے کام ہی نہیں لیتے ورنہ گنوار سے گنوار کے ذہن میں بھی یہی ترتیب آتی۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ قوتِ فکریہ ہی سے تو انسان انسان ہے۔ انسان اور حیوان میں بس یہی تو فرق ہے کہ انسان کو اللہ تعالےٰ نے قوتِ فکریہ عطا فرمائی ہے اور حیوان کو نہیں انسان کو احتمالات سُوجھتے ہیں اور حیوان کو نہیں حکماء نے تو انسان کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ ایک حیوان ناطق ہے لیکن میرے نزدیک انسان کی یہ تعریف ہونی چاہیئے کہ وہ ایک حیوان متفکر ہے۔

غرض جو انسان اپنی قوتِ فکریہ سے کام نہ لے اور احتمالات نہ سوچے وہ انسان نہیں حیوان بصورت انسان ہے جیسے بن مانس اور جل مانس ہوتے ہیں ایسے ہی انسانوں کے

متعلق حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گر بصورت آدمی انساں بدے　　احمد و بوجہل ہم یکساں شدے

ایں کہ می بینی خلافِ آدم اند　　نیستند آدم غلافِ آدم اند

پھر انہیں دیہاتی کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا کہ اب تو جب تم مجھ سے پہلے یہ کہو گے کہ کوئی واسطہ نہیں ملنا تب میں کچھ جواب دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے یہی عرض کیا۔ حضرت والا نے خلیفہ اعجاز صاحب کو جو مدرسہ خانقاہ میں معلم قرآن ہیں۔ ایک صاحب کے ذریعہ سے بلوا کر فرمایا کہ ان سے پوچھو یہ کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے بواسطہ خلیفہ اعجاز صاحب عرض کیا کہ میں حضرت والا کی خدمت میں کچھ دن رہنے کے لئے اور باتیں سننے کے لئے آیا ہوں۔ فرمایا کہ پوری بات کہو کہ کون ہو کیا کام کرتے ہو۔ کہا کہ پانی پت کے مدرسہ اشرفیہ میں قرآن شریف پڑھتا تھا۔ فرمایا کہ قرآن شریف چھوڑ کر کیوں آئے وہ تو زیادہ ضروری ہے۔ کہا کہ میں یہاں قرآن شریف بھی پڑھتا رہوں گا۔ فرمایا کس سے کہا فلاں صاحب سے جو پانی پت ہی کے پڑھے ہوئے ہیں فرمایا کہ اُن سے پوچھ بھی لیا ہے یا ان پر جبر کرکے اور دباؤ ڈال کر پڑھو گے کہا پوچھ لیا ہے۔ فرمایا ہمارے سامنے ان سے کہلوا دو چونکہ وہ صاحب بھی اُس وقت مجلس ہی میں حاضر تھے اس لئے انہوں نے حضرت والا کے سامنے وعدہ کر لیا پھر دریافت فرمایا کہ اچھا کتنے دن رہو گے کہا دو مہینہ فرمایا کھانے کے لئے خرچ بھی پاس ہے۔ کہا جی ہاں ہے فرمایا کہ اپنے استاد سے بھی اجازت لے کر آئے ہو ان کو ناراض کرکے تو نہیں آئے کہا کہ اُن سے اجازت لے کر آیا ہوں۔ فرمایا کہ ان کی اجازت کا خط اُن سے منگوا سکتے ہو۔ کہا جی ہاں منگوا سکتا ہوں۔

فرمایا کہ کتنے دن میں جواب آجائے گا کہا چار دن میں فرمایا کہ اچھا چار دن کی بجائے
میں تمہیں احتیاطاً آٹھ دن کی مہلت دیتا ہوں تاکہ تمہیں سہولت رہے۔ آج بدھ
ہے آئندہ بدھ تک ان کا خط اس مضمون کا کہ ہاں یہ میری اجازت سے گئے ہیں
منگوا دو۔ اگر بدھ تک خط منگا کر نہ دکھایا تو بس پھر یہاں سے رخصت۔

جب یہ سب گفتگو ختم ہوگئی تو فرمایا کہ تم نے کچھ میری کتابیں بھی پڑھی ہیں کہا نہیں
میں نے اُردو بالکل نہیں پڑھی نہ اُردو اچھی طرح سمجھتا ہوں صرف قرآن شریف پڑھ
رہا ہوں فرمایا کہ جب تم اچھی طرح اُردو نہیں سمجھتے تو میری باتیں ہی کیا سمجھو گے۔
ابھی اس میں میرا تو کچھ حرج نہیں مجلس میں جہاں اور لوگ بیٹھتے ہیں تم بھی بیٹھے رہنا
لیکن یہ خیال ہے کہ کہیں تم کوئی بات الٹی نہ سمجھ جاؤ کہا الٹی نہ سمجھوں گا فرمایا کہ
خیر مگر یہ وعدہ کرو کہ مجھ سے سنی ہوئی بات تم کسی شخص سے عمر بھر نہ کہو گے۔
کہا بہت اچھا۔ اھ

یہ سب گفتگو بواسطہ ہوئی۔ اثنائے گفتگو میں حضرت والا حاضرین سے فرماتے جاتے
تھے کہ یہ سوالات اس لئے کر رہا ہوں کہ اصلاح اور تربیت کا کوئی پہلو باقی نہ رہے۔
ہر طرح کی اصلاح ہو جائے اور ہر قسم کا جہل رفع ہو جائے یہ سوالات نہیں ہیں
تعلیمات ہیں اور استاد کی اجازت اس لئے منگوائی ہے کہ اپنے افعال و اعمال
میں آزاد نہ ہوں جو کام کریں اپنے بڑوں سے پوچھ پوچھ کر کیا کریں۔ نیز اساتذہ کی
عظمت بھی قلب میں پیدا ہو! اھ

پھر آخر میں فرمایا کہ لیجئے بس یہ میری سختی ہے۔ انتظام کو لوگ سختی سمجھتے ہیں
اب یہ بتائیے کہ ان سوالات میں بھلا میرا کون سا نفع تھا انہیں کا دین تو سنوارا

ہے البتہ ان کے ساتھ میرا دین بھی سنور گیا کیوں کہ مجھے بھی اصلاح کا ثواب ملا۔ اھ

اسی ہفتہ کا ایک اور واقعہ یاد آیا۔ ایک صاحب نے جو مستری کا کام کرتے ہیں اور جو بہت نیک ہیں اور جن کو حضرت والا سے پرانا تعلق ہے۔ حاضر خانقاہ ہو کر بذریعہ عریضہ عرض کیا کہ میں نے مواعظ کا بھی مطالعہ کیا رسالہ تبلیغ دین بھی دیکھا لیکن مجھے تو اپنے عیوب ہی نظر نہیں آتے ہیں اس غرض سے کہ مجھے اپنے عیوب نظر آئیں حضرت کی خدمت میں رہنا بھی چاہتا ہوں لیکن بال بچوں کا نفقہ میرے ذمہ واجب ہے اور میں مزدوری پیشہ آدمی ہوں اس لئے قیام کی بھی صورت مشکل معلوم ہوتی ہے۔ اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ میرے پاس رہنے سے تو کوئی زائد بات پیدا نہ ہوگی کیوں کہ مجھکو تو کسی کے عیوب کی تلاش نہیں اور تم کو اپنے عیوب نظر آتے نہیں تو ایسی حالت میں یہاں رہنا نہ رہنا برابر ہے۔ یہ بھی تحریر فرمایا کہ جب تمہیں اپنے عیوب نظر ہی نہیں آتے تو تم معذور ہو۔ بس دعا کیا کرو۔ اس تحریری جواب کے بعد جب صبح کی مجلس منعقد ہوئی تو حضرت والا نے سب کے سامنے ان کو اس کہنے پر کہ مجھے اپنے عیوب ہی نظر نہیں آتے جس کا منشا قرائن قویہ سے قلت فکر و اعجاب نفس معلوم ہوا۔ زبانی سخت زجر و توبیخ فرمائی اور ایسی ڈانٹ بتائی کہ ہوش درست ہو گئے۔ اور دماغ صحیح ہو گیا۔ پھر اسی سلسلہ میں حضرت والا بہت دیر تک اتنی موثر نافع اور پرجوش تقریر فرماتے رہے کہ صرف وہی صاحب نہیں بلکہ سارے حاضرین بیحد متاثر و مستفیض ہوئے۔ چونکہ وہ صاحب بہت نیک ہیں اس لئے اس سے قبل اُن پر کبھی کسی قسم کی ڈانٹ نہ پڑی تھی اور حضرت والا ہمیشہ اُن سے نرمی ہی

کا برتاؤ فرماتے رہتے تھے۔

افسوس ہے کہ اس تقریر کے وقت نہ احقر موجود تھا نہ جناب حافظ جلیل احمد صاحب جو عرصہ سے مقیم خانقاہ ہیں اور بعض خاص خاص ملفوظات کو ضبط فرمالیا کرتے ہیں۔ جب جناب حافظ صاحب ممدوح اور احقر نے اکثر حاضرین خانقاہ سے اُس تقریر کی تعریف سنی تو ہم دونوں نے مختلف حضرات سے پوچھ پوچھ کر چند خاص خاص باتیں معلوم کرلیں۔ جن کا خلاصہ احقر عرض کرتا ہے۔

فرمایا کہ حیرت ہے تمہیں اپنے عیوب ہی نظر نہیں آتے حالانکہ واللہ اگر آدمی کی حس صحیح ہو تو گناہ تو گناہ اس کو اپنی طاعات بھی معاصی نظر آنے لگیں۔ پھر نہایت جوش کے ساتھ تین بار قسم کھا کر فرمایا کہ مجھ کو تو اپنی نماز اپنے روزے اور اپنے ہر عمل بلکہ اپنے ایمان تک میں شبہ عدم خلوص کا رہتا ہے اور ہم لوگ تو کیا چیز ہیں حضرات صحابہ سے بڑھ کر کون مخلص ہوگا۔ حدیث میں وارد ہے کہ اصحاب بدر میں سے ستر (۷۰) حضرات ایسے تھے جن کو اپنے اوپر نفاق کا شبہ تھا کہ کہیں ہم منافق تو نہیں۔

حضرات صحابہ کی تو یہ حالت اور ان حضرت کو اپنے اندر کوئی عیب ہی نظر نہیں آتا۔ کیا ٹھکانا ہے اس بے حسی کا۔ اس پر انہوں نے عرض کیا کہ یہ تو میں جانتا ہوں کہ میرے اندر عیب ہیں لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کیا ہیں۔

فرمایا سبحان اللہ اس کی تو ایسی مثال ہوئی کہ یہ تو معلوم ہے کہ میرے جسم میں درد ہو رہا ہے لیکن یہ پتہ نہیں کہ کہاں ہو رہا ہے اور کس قسم کا درد ہے آیا پیٹ کا درد ہے یا سر کا یا ہاتھ پاؤں کا۔ یہ کیا حماقت کی بات تھی۔ جس کو درد کا احساس ہو رہا ہوگا کیا اس کو یہ پتہ نہ چلے گا کہ کہاں ہو رہا ہے۔ یہ تو بے حسی سے بھی بڑھ کر ہے یہ بھی فرمایا

کہ میں نے جو تمہارے رقعہ کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ جب تمہیں اپنے عیب ہی نظر نہیں آتے تو تم معذور رہو یہ تو علی سبیل التسلیم محض ضابطہ کا جواب ہے۔ اھ

پھر اس کے متعلق بعد کو جامع اوراق سے فرمایا کہ اس ضابطہ کے جواب کی حقیقت قضیہ شرطیہ ہے جس کے صدق کے لئے مقدم و تالی کے درمیان علاقۂ لزوم کافی ہے مقدم کے وقوع پر موقوف نہیں حتیٰ کہ ایک محال کو دوسرے محال کے لئے مستلزم کہنا صحیح ہے۔ اس ضابطہ کے جواب سے معذوری کا یا اس کی بناء کا تسلیم کرنا لازم نہیں آتا۔ اہلِ علم کے نزدیک یہ بالکل ظاہر مسئلہ ہے۔ اھ

یہ بھی فرمایا کہ تم نے جو مجھ کو یہ لکھا ہے کہ میں نے مواعظ کا بھی مطالعہ کیا رسالہ تبلیغ دین بھی دیکھا لیکن پھر بھی اپنے عیب نظر نہیں آتے تو عیب کہیں محض مطالعہ سے نظر آیا کرتے ہیں نری کتابوں کے دیکھنے سے کیا ہوتا ہے جب تک کہ ان کتابوں کا اثر نہ لیا جائے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے پریس میں قرآن شریف بھی چھپتا ہے حدیث شریف بھی چھپتی ہے لیکن اس پر سوائے اس کے کہ محض نقوش مرتسم ہو جائیں معانی کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ اھ

مخاطب کے سوال پر یا از خود یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی کو اپنے اوپر مسلط کر لیا جائے کہ جو عیب دیکھے متنبہ کر دیا کرے تو یہ بھی کلیۃً کافی نہیں کیونکہ اکثر تو یہی ہے کہ اگر وہ محب ہوا تو اس کو عیب بھی ہنر نظر آئیں گے اور اگر معاند ہوا تو اس کو ہنر بھی عیب نظر آئیں گے۔ آخر میں یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی کو اپنے افعال و احوال پر ناز ہو۔ اور ان میں کوئی نقص ہی نظر نہ آتا ہو تو ذرا یہ مراقبہ کرکے تو دیکھے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں اور وہ میرے سارے افعال و اعمال کو دیکھ رہے ہیں اور پھر یہ غور

کرے کہ آیا میرے سارے افعال و احوال ایسے ہیں کہ ان کو بلا تردد اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جا سکتا ہے اس وقت اس کو اپنے اعمال کی حقیقت نظر آجائے گی۔ واللہ جو پھر ایک عمل بھی ایسا نکل سکے جو دربار خداوندی میں پیش کئے جانے کے قابل ہو ایک نماز ہی کو دیکھ لیجئے کہ ہم لوگ اس کا کیا حق ادا کر رہے ہیں۔ اُس خشوع و خضوع کو تو جانے دیجئے جس میں کچھ دشواری ہے۔ نہیں جس استحضار میں کوئی دشواری نہیں اس میں بھی تو ہم لوگ کوتاہی کرتے ہیں۔ اھ

غرض بہت دیر تک نہایت جوش و خروش کے ساتھ اسی مبحث پر تقریر فرماتے رہے اور مخاطب کو خوب ڈانٹتے رہے۔ آخر میں ان سے فرما دیا کہ اب تمہیں نہ کبھی حالات کا خط لکھنے کی اجازت ہے نہ یہاں آنے کی جب تک کہ تمہیں اپنے عیب نظر نہ آنے لگیں اور عیب بھی ایک نہیں وہ تمہیں بہت زیادہ تعداد میں۔ گو جب معالجہ چاہو گے تو میں ایک ہی ایک عیب کا علاج بتاؤں گا لیکن علاج شروع جب کروں گا جب اپنے بہت سے عیوب کی فہرست اور تفصیل لکھو گے۔ اس درمیان میں بس صرف دریافت خیریت اور طلب دعا کے لئے خط لکھنے کی اجازت ہے۔ اور کسی تعلق کی اجازت نہیں۔ اھ

یہ تقریر پُر تاثیر قبل از دوپہر ہوئی بعد دوپہر وہ صاحب رخصت ہو گئے۔ پھر وطن پہنچ کر حضرت والا کی خدمت میں انہوں نے جو عریضہ لکھا وہ مع حضرت والا کے جواب باصواب کے ذیل میں تربیت السالک سے بلفظہ نقل کیا جاتا ہے۔ ناظرین اندازہ فرمائیں کہ حضرت والا کی ایک ہی ڈانٹ میں کیا سے کیا حالت ہو گئی اور کیسا مہلک مرض باطنی جس کو تپ دق کہنا چاہئے کیونکہ دق کا مریض بھی اپنے آپ کو

مریض نہیں سمجھتا ایک ہی نسخۂ تلخ میں جڑ سے جاتا رہا۔ یا تو اپنے اندر کوئی عیب ہی نظر نہ آتا تھا یا پھر ایسی آنکھیں کھلیں کہ عیب ہی عیب نظر آنے لگے۔ اور اپنے عیبوں کا ایسا یقین ہوا کہ بڑی سے بڑی قسم کھانے کے لئے تیار ہیں۔ یا تو اپنے قلب کو اشیار نفیسہ سے لبریز ایک وارنش دار صندوقچی گمان کر رہے تھے یا پھر ایسی بصیرت حاصل ہو گئی کہ وہی قلب سر بسر گندگی سے لبریز نظر آنے لگا۔ آنکھوں پر جو سالہا سال سے چربی چھائی ہوئی تھی وہ سب ایک ہی آنچ میں پگھل گئی۔ اب اُن کا خط اور حضرت والا کا جواب ملاحظہ ہو۔

نقل خط مذکور مع جواب

حال گذارش یہ ہے کہ جس روز سے میں تھانہ بھون سے آیا ہوں اُس روز سے برابر غور و فکر کے ساتھ ہر کام میں اپنے نفس کے ساتھ محاسبہ کر رہا ہوں اور جس مراقبہ کو جناب نے مجلس مبارک میں ذکر فرمایا تھا کہ یوں سوچے کہ یہ کام یا یہ بات حق تعالیٰ کے سامنے ہوں تو کر سکتا ہوں یا نہیں تو اس مراقبہ سے معلوم ہوا کہ میری جتنی باتیں اور کام ہیں سب بیکار ہیں۔ میری کوئی بات اور میرا کوئی کام اس قابل نہیں کہ باری تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے۔ پہلے سے جو اپنی غلطیاں نظر نہیں آتی تھیں تو اُس کی وجہ محض بے پروائی اور بے توجہی تھی۔ اس تنبیہ کے قبل میں اپنے قلب کو مثل ایک ایسی صندوقچی کے سمجھتا تھا جس پر وارنش کیا ہوا ہو اور جس کے اندر عجیب عجیب اشیار رکھی ہوں مگر جناب کی تنبیہ کے بعد جب اُس صندوقچی کو کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کے اندر تو گوہ در گوہ بھرا ہے۔

لہذا احقر نے اپنے پہلے خیال سے کہ مجھ کو اپنا کوئی عیب نظر ہی نہیں آتا تھا۔ توبہ کی اور حضور کی تنبیہ کا یہ اثر ہوا کہ اب مجھ کو اپنے عیوب اس قدر صاف نظر آنے لگے ہیں کہ میں اپنے عیوب پر بڑی سے بڑی قسم کھا سکتا ہوں اب اس کی اجازت چاہتا ہوں کہ میں اپنے عیوب پیش کر کے اُن کے علاج دریافت کروں۔

تحقیق مبارک ہو یہ گوہ خاکساری کی خاک سے مل کر کھاد کا کام دے گا اور ایسی اجناس پیدا ہوں گی کہ روحانی غذا ہو جائے گی۔ دعا کرتا ہوں اور عیوب پیش کرنے کی اجازت دیتا ہوں مگر ایک خط میں ایک بات سے زیادہ نہ ہو۔ اھ

سُبحان اللہ کیا خوب جواب ارشاد فرمایا ہے اور کس لطیف پیرایہ میں کثافت کو بھی مبدل بہ لطافت فرما دیا ہے اور محض مجازاً نہیں بلکہ حقیقتاً شاعری کو حقیقت بنا دینا اور حقیقت کو بلا تبدیل حقیقت بلکہ بمزید توضیح حقیقت شاعری کے دلکش جامۂ زرنگار میں جلوہ گر فرما دینا یہ کمال حضرت والا ہی میں دیکھا جس کی صدہا نظائر ہیں جن سے حضرت والا کی تحریرات و تقریرات بھری پڑی ہیں ان کو بخوف تطویل نظر انداز کیا جاتا ہے ورنہ مضمون کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا۔ البتہ صرف چند مختصر جملے جو وقتاً فوقتاً بطور لطائف فرمائے گئے ہیں نقل کئے دیتا ہوں، کیونکہ پھر ان کا موقع کہیں آسکے یا نہ آسکے۔

ایک طالب نے عبادت میں کسل اور سستی ہونے کا علاج پوچھا تحریر فرمایا کہ سستی کا علاج چستی۔

ایک طالب نے غلبۂ خشیت میں لکھا کہ مجھے سخت خطرہ ہے تحریر فرمایا کہ یہ خطرہ تو بحر معرفت کا قطرہ ہے اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر دریا کر دے۔ احقر نے

ایک عریضہ میں کسی باطنی پریشانی کے سلسلہ میں لکھا تھا کہ سخت اُلجھن ہوتی ہے۔ تحریر فرمایا کہ یہ اُلجھن مقدمہ ہے سلجھن کا۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۔ ع

چوں کہ قبض آمد تو در دے بسط بیں

فرمایا کہ یہ امر بسہولت یاد رکھنے کے لئے کہ شیخ کے ساتھ طالب کو کیا معاملہ رکھنا چاہئے بس ان ہم قافیہ الفاظ کو یاد رکھے۔ اطّلاع اور اتباع۔ اعتقاد اور انقیاد۔

یہ بھی اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ اس طریق میں دو چیزوں کی سخت ضرورت ہے دُھن اور دھیان۔

ایک طالب نے شکایت کی کہ میں تو بالکل کورا رہ گیا فرمایا کورا ہونا بُرا نہیں کورہ ہونا بُرا ہے۔ بلا سے کورا ہو مگر کورہ نہ ہو۔

ایک بار فرمایا کہ اس طریق میں خود رائی نہ کرے بلکہ خود کو رائی کرے یعنی اپنے کو حقیر و ذلیل سمجھے۔

ایک صاحب کو خیال ہو گیا تھا کہ وہ ابدال ہو گئے فرمایا کہ ہاں پہلے گوشت تھے اب دال ہو گئے۔

فرمایا کہ نئی تہذیب تہذیب نہیں تعذیب ہے۔ اور آج کل کی قومی ہمدردی ہمدردی نہیں ہمہ دردی ہے۔

شملہ کے سفر کے بعد وہاں کی بُرائیاں جو غالب ہیں بیان فرما کر فرمایا کہ ہم تو سُنا کرتے تھے کہ شملہ بمقدار علم ہوگا۔ لیکن وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ شملہ بمقدار جہل ہے۔

ایک طالب کا خط فضول فضول مضامین اور استفسارات سے لبریز تھا۔ اور آخر

میں لکھا تھا کہ مضمون طویل ہونے سے تکلیف ضرور ہوئی ہوگی معاف فرمائیں حضرت والا نے اس اخیر بات کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ طویل ہونے سے تو تکلیف نہیں ہوئی مگر لاطائل ہونے سے ہوئی۔

ایک صاحب سے تحریک خلافت کے متعلق گفتگو ہوئی حضرت والا نے فرمایا کہ بلا امیر المومنین کے کچھ نہیں ہوسکتا انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو امیر المومنین بناتے ہیں فرمایا کہ جب تک امیر المومنین میں قوت قہریہ نہ ہو وہ امیر المومنین ہی نہیں۔ میں ایسا امیر المومنین نہیں ہونا چاہتا کہ آج تو امیر المومنین بنوں اور کل کو امیر الکافرین ہوجاؤں۔

فرمایا کہ آج کل لوگوں کی مال پر تو نظر ہے مآل پر نظر نہیں۔

فرمایا کہ لوگ بعض اہل صنعت کافروں کو بڑا عاقل سمجھتے ہیں۔ کوئی کافر بھی کہیں عاقل ہوسکتا ہے؟ عاقل تو کیا ہوتے ہاں آکل خوب ہیں۔

فرمایا کہ درستی تو درشتی ہی سے ہوتی ہے۔

ایک بار کسی سے اظہار خفگی کے وقت فرمایا کہ میں بھی بشر ہوں اور بشر بھی وہ جس میں باجا رہ ہے فار کلمہ نہیں۔

فرمایا کہ آج کل کے اکثر مدعیان توکل اہل توکل کیا اہل تآکل ہیں۔

ایک صاحب نے کسی بات کے نہ سمجھنے پر بطور معذرت عرض کیا کہ یہ میری جہالت ہے حضرت والا نے ان کی تسلی کے لئے فوراً فرمایا کہ جی نہیں جہالت کیوں ہوتی چہ حالت ہے یعنی کیسی اچھی حالت ہے۔

ایک خلاف شرع تحریک میں بڑے بڑے ذی وجاہت لوگ حضرت والا کی خدمت

میں گفتگو کرنے کے لئے حاضر ہوئے جن کو ہر قسم کی دنیوی جاہ حاصل تھی - وہ لوگ حضرت والا کی ملاقات اور گفتگو سے بہت متاثر اور محظوظ ہوئے. جب وہ واپس جانے کے لئے اسٹیشن پر پہنچ گئے اس وقت حضرت والا بھی ٹہلتے ہوئے اسٹیشن پہنچے کیوں کہ صرف دس منٹ کا راستہ ہے وہ لوگ بہت ہی شرمندہ ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ میں آپ صاحبان کے تشریف لانے کے وقت تو استقبال کے واسطے حاضر نہیں ہوا کہ اس وقت حاضری کا منشاء جاہ ہوتا اور اس وقت رخصت کرنے کے لئے حاضر ہونے کا منشاء جاہ ہے کیوں کہ واقعی آپ حضرات کی محبت اور اخلاق نے میرے قلب کے اندر بھی آپ صاحبان کی محبت پیدا کر دی ہے - اور ساتھ اس سے لئے نہیں آیا کہ آپ صاحبان مجھ کو آنے ہی نہ دیتے ۔

فرمایا کہ آج کل بعض طلباء کی دستار بندی تو ہو جاتی ہے لیکن ان میں دس تار تو کیا ایک تار بھی علم و عقل کا نہیں ہوتا - ایک بار احقر نے حضرت والا کی خدمت میں بحوالہ بعض تحریرات عجیبہ حضرت والا یہ لکھا کہ اس زمانہ میں اگر کسی کی تحریر و تقریر پر دریا کو کوزہ میں بند کرنا صادق آسکتا ہے تو وہ حضور کی جامع و مانع تحریر و تقریر ہے اس پر ارقام فرمایا کہ محبت کی عینک خوردبین کی خاصیت رکھتی ہے جس سے چھوٹی چیزیں بھی بڑی نظر آنے لگتی ہیں - اسی کے حوالہ سے ایک بار زبانی ارشاد فرمایا کہ جس طرح ایک محبت کی خوردبین ہوتی ہے جس سے چھوٹا ہنر بھی بڑا نظر آتا ہے اسی طرح ایک نظر خوردہ بیں بھی ہوتی ہے جس سے چھوٹا عیب بھی بڑا دکھائی دیتا ہے ۔

منصب افتاء کی ذمہ داریوں کا تذکرہ تھا - فرمایا کہ مفتی ہونا بھی نبی کا کام ہے مفتی کا نہیں - اھ

اس قسم کے لطیفے جو سراسر آئینۂ حقیقت ہیں حضرت والا کی زبان فیض ترجمان اور قلم ہدایت رقم سے بکثرت صادر ہوتے رہتے ہیں جن کے بارہ میں ایک دیندار فلسفی فاضل نے جو ایک مشہور ادیب بھی ہیں یہ رائے ظاہر کی کہ اگر ایسے ایسے لطائف ہی کو یکجا جمع کر لیا جائے تو وہ بھی بجائے خود ایک بڑا پر لطف اور نہایت نافع ذخیرۂ حقائق ہو جائے۔

چنانچہ ایک صاحب نے کچھ لطائف جمع بھی کئے تھے جن کا حضرت والا نے یہ نام بھی تجویز فرما دیا تھا الصناعات فی العبادات لیکن افسوس اُس کی تکمیل ہی نہ ہوئی بلکہ جتنے جمع کئے گئے تھے اُن کا مسودہ بھی نہ معلوم محفوظ ہے یا نہیں۔

جس وقت حضرت والا کی خدمت میں مستری صاحب مذکور کا خط بالا پہنچا حضرت والا نے احقر کو حوالہ فرما کر فرمایا کہ لیجئے مستری جی کے ہوش درست ہو گئے۔ چونکہ نیک آدمی ہیں ان پر کبھی ڈانٹ ہی نہ پڑی تھی بس اسی وجہ سے اپنے آپ کو عیبوں سے بالکل بری ہی سمجھ لیا تھا۔

پھر فرمایا کہ ہر شخص اچھے برتاؤ کا متحمل نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ سختی نہ کرو بھلا کیسے سختی نہ کروں جب بلا سختی کے اصلاح ہی نہ ہو۔ اب دیکھ لیجئے۔ دس بارہ سال کی خوش اخلاقی نے تو ان کی کچھ بھی اصلاح نہ کی بلکہ اور دماغ بڑھا دیا اور دس بارہ منٹ کی ڈانٹ نے پوری اصلاح کر دی۔ دماغ صحیح ہو گیا۔ خناس نکل گیا۔ بھلا بلا ڈانٹ کے ان کی اصلاح ممکن تھی ہر گز نہیں۔ اب لوگ اپنی آنکھیں پھوڑ کر دیکھیں کہ کیا یہ موقع نرمی اور رعایت سے پیش آنے کا تھا۔ اصلاح ہر جگہ کہیں نرمی سے ہوتی ہے؟ جس مرض میں مسہل کی ضرورت ہو کہیں اس کا علاج مفرحات سے ہو سکتا ہے۔

طالبین اصلاح کے ساتھ نرمی سے پیش آنے کا مشورہ تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ مسہل طلب مرض کا مفرحات سے علاج کر دو۔ یا جس دُنبل کے اندر مادہ فاسد بھرا ہوا ہو اور آپریشن کی ضرورت ہو وہاں یہ کہا جائے کہ نہیں صرف اوپر ہی اوپر مرہم لگا دو چاہے پھر وہ مادہ فاسد اندر ہی اندر پھیل کر سارے جسم کو سڑا دے۔ یہ تو گوارا لیکن یہ گوارا نہیں کہ ایک ہی نشتر میں سارا مادہ فاسد نکال باہر کیا جائے۔

اسی مضمون کو ایک بار اس عنوان سے فرمایا تھا کہ طبیب کے پاس دو قسم کے لوگ آتے ہیں۔ ایک تو وہ محض ملاقات کے لئے آتے ہیں۔ اُن کو تو معزز جگہ بٹھایا جاتا ہے۔ دل خوش کن باتیں کی جاتی ہیں۔ شربت پلایا جاتا ہے۔ پان کھلایا جاتا ہے الائچی دی جاتی ہے عطر پیش کیا جاتا ہے۔ اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو اپنا علاج کرانے آتے ہیں۔ ان کو مریضوں کی صف میں بٹھایا جاتا ہے ضرورت سے زیادہ بولنے نہیں دیا جاتا۔ کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اگر کوئی چوں و چرا کرے تو مطب سے نکال دیا جاتا ہے۔ تو اگر کوئی مریض یہ ہوس کرے کہ میرے ساتھ بھی ویسا ہی برتاؤ کیا جائے جیسا کہ ملاقاتی کے ساتھ کیا جاتا ہے تو یہ اس کی حماقت ہے۔ کیوں کہ اس صورت میں اس کی وہ غرض تو نہ حاصل ہوگی جس غرض سے وہ طبیب کے پاس آیا ہے یعنی صحت، بلکہ اگر اس کو مرض تو ہو پیچش کا اور پلایا جائے روزانہ شربت تو پیچش اور بھی بڑھ کر ہلاکت تک نوبت پہنچ جائے۔ اھ

اسی سلسلہ میں حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ سیاست کی اس طریق ہی میں کیا ہر جگہ ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ میاں جیون کا اپنے شاگردوں کو اور ماں باپ

کا اپنی اولاد کو تادیب کے لئے مارنا پیٹنا اور حاکموں کا اپنے محکومین مجرمین کو سزائیں دینا اور محض فہمائش کو کافی نہ سمجھنا عام طور پر بلا نکیر معمول ہے۔ ۱ھ

بعض واقعات سیاست کے مفید نتائج دکھا کر حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ دیکھئے اس سختی سے جہل دُور ہو گیا اگر عرفی اخلاق کو مصلحت پر غالب رکھا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو بس ساری عمر جہل ہی میں مبتلا رہنے دیا جائے

اس قسم کے واقعات جیسے کہ بعضے اوپر عرض کئے گئے رات دن مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں کہاں تک لکھے جائیں۔ احقر کے ذاتی علم میں بھی ایسے ایسے بہت سے واقعات ہیں جن میں حضرت والا کی سیاست نے طالبین کے بڑے بڑے مہلک امراض باطنہ مزمنہ کا آن کی آن میں استیصال کلی کر دیا چنانچہ ایک طالب کو جو حضرت والا سے خصوصیت رکھتے تھے بدنظری کا مرض لگ گیا اور وہ اس قدر مغلوب ہوئے کہ اس سے چھٹکارا ناممکن معلوم ہونے لگا۔ جب بطور خود کسی طرح اُس سے نجات نہ ہو سکی تو عین حالت یاس میں بذریعۂ عریضہ حضرت والا سے رجوع کیا حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ جتنے اس کے معالجات ہیں وہ تو آپ کو معلوم ہی تھے۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اور کون سی نئی تدبیر لکھی جائے۔ اسی انتظار میں کہ اللہ تعالیٰ کوئی نئی تدبیر قلب میں ڈال دیں کل جواب نہ لکھا۔ آج نماز فجر میں منجانب اللہ ایک تدبیر قلب میں وارد ہوئی چونکہ وہ آپ کو معلوم نہیں اس لئے لکھتا ہوں اُمید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ نافع ہوگی وہ یہ کہ جب ایسی کوتاہی ہو وہ ہینے تک میرے پاس خط بھیجنے کی اجازت نہیں اور ہر بار کی میعاد جداگانہ شروع

ہوگی مثلاً اگر ایک ہی دن میں چھ بار ایسی کوتاہی ہوگئی تو سال بھر تک خط وکتابت بند۔ غرض جب ایک کوتاہی کی میعاد سزا ختم ہولے گی اس کے بعد دوسری کوتاہی کی میعاد سزا شروع ہوگی اھ

بس اس ہدایت نامہ کا پہنچنا تھا کہ پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اور نظر بد سے بچنے کا اس درجہ اہتمام پیدا ہوگیا کہ وہ صاحب ابروؤں کے اوپر اس طرح ہاتھ رکھ کر چلتے کہ صرف زمین نظر آئے اور ہر وقت نگاہیں نیچی کئے رہتے اور اگر کبھی نظر اٹھانے کی ضرورت پڑتی تو صرف اتنی ہی آنکھیں کھول کر چلتے کہ پلکوں کے بیچ میں سے بس اتنا نظر آجائے کہ کوئی آرہا ہے۔ یہ پتہ نہ چل سکے کہ آنے والا مرد ہے یا عورت تاکہ نظر بد کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ چوں کہ خط وکتابت کی ممانعت بوجہ خصوصیت تعلق نہایت ہی شاق تھی اس لئے یہ تہیہ کرلیا کہ انشاء اللہ تعالےٰ عمر بھر کبھی ایک مرتبہ بھی اس سزا کی نوبت نہ آنے دی جائے گی۔ اور یہی حضرت والا کو بھی تحریر کردیا۔ جس پر حضرت والا نے بہت اظہار مسرت فرمایا اور تحریر فرمایا کہ مجھے بھی اللہ تعالےٰ سے یہی توقع تھی کہ اب اس کوتاہی کے ارتکاب کی ایک بار بھی نوبت نہ آئے گی اھ

چنانچہ بفضلہ تعالےٰ وببرکت تجویز حضرت والا پہلے جس جرم کا ترک محال نظر آرہا تھا بعد کو اس کا ارتکاب محال نظر آنے لگا اور اتنے بڑے اور بڑے مرض کا ایسا آسانی کے ساتھ استیصال کلی ہوگیا۔ حضرت والا نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ حد سے زیادہ اہتمام کی حاجت نہیں بس قصداً نظر نہ کرنا کافی ہے۔ اھ

ایک طالب اصلاح نے جو کسی فعل شنیع میں مبتلا تھے اور جن پر تنبیہ کی گئی تھی۔

حضرت والا کے طرزِ تربیت بطریق سیاست کے نافع ہونے کو بہت بے ساختہ اور پرلطف عنوان سے ظاہر کیا تھا۔ لکھا تھا کہ اب دل میں اس فعل کے کرنے کا خیال بھی نہیں گزرتا اور امید قوی ہے کہ آئندہ بھی "ببرکت جوتہ حضرت والا" یہ فعل سو کبھی صادر نہ ہوگا۔ اھ

اس قسم کے صدہا واقعات و مشاہدات ہیں اور اس نوع کی تصدیقات کے خطوط حضرت والا کی خدمت میں بکثرت آتے رہتے ہیں جن کے مضامین کو حضرت والا بلا اظہار نام حاضرین مجلس کو بھی سناتے رہتے ہیں اور ان خطوط سے اپنے طرزِ تربیت بطریق سیاست کی نافعیت پر استدلال فرماتے رہتے ہیں اور معترضین کے منہ بند کرتے رہتے ہیں۔

ان سب حالات و واقعات سے با صطلاح طالب مذکور حضرت والا کے جوتے کی برکات بخوبی ظاہر ہیں جس کو روشن دماغ کہنا زیبا ہے کیوں کہ اس کی بدولت ان کی آن ہی میں سر سے خناس نکل کر دماغ فوراً روشن ہو جاتا ہے اور سب شیطانی خیالات کافور ہو جاتے ہیں۔

حضرت والا کا یہ وصف بھی مثل دیگر اوصاف فاروقی کے حضرت والا کے جد اعلیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی سے مورث ہے جن کی آہٹ سے بھی شیطان بھاگتا تھا جیسا کہ منقولہ ذیل ارشادات حضور سرور کائنات علیہ الوف الصلوات والتحیات میں مصرح ہے۔

نمبر ۱ (۱) عن انس رض الشیطان یفر من حس عمر رض (کنز العمال بحوالہ دیلمی)

نمبر ۲ (۲) عن عائشۃ رض ان الشیطان یفر من عمر بن الخطاب رض

(کنز العمال بحوالہ تاریخ حاکم)

نمبر ۳:- انی لا نظر الی شیاطین الجن والانس قد فروا من عمر رضؓ
(مشکوٰۃ باب مناقب عمر رضؓ)

نمبر ۴:- ان الشیطان لیخاف منک یا عمر رضؓ (ایضاً)

نمبر ۵:- یا ابن الخطاب والذی نفسی بیدہ ما لقیک الشیطان سالکاً فجاً قط الا سلک فجاً غیر فجک۔ (ایضاً)

لیکن ظاہر ہے کہ بفحوائے عربی مثل الحق مرٌ اور بمصداق اردو مثل سچی بات سعد اللہ کہیں سب کے من سے اترے رہیں۔ ایسا حق گو مصلح باوجود جامع جمیع اسباب محبوبیت ہونے کے بھی سب کا بھلا ہرگز نہیں رہ سکتا اور ایسے مصلحین امت کی یہی سنت قدیمہ ہے چنانچہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بلا خوف لومۃ لائم علماء اور مشائخ سبھی کی غلطیاں ظاہر فرمائیں خصوص کتاب الغرور میں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن پر کفر تک کے فتوے لگائے گئے اور اُن کی کتاب احیاء العلوم کو جلایا گیا۔ گو وضوح حق کے بعد اس بے ادبی کا یہ تدارک کیا گیا کہ جس کتاب کو جلایا گیا تھا اسی کو پھر آب زر سے لکھوایا گیا اھ

اس واقعہ کو نقل فرما کہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ابھی تو اس وجہ سے کہ المعاصرۃ اصل المنافرۃ لوگوں کو میرے اس طرز تربیت سے وحشت ہے اور اس پر اعتراض ہے لیکن انشاء اللہ تعالیٰ بعد کو اس کی قدر کریں گے اور سند میں پیش کیا کریں گے میں نے اپنے اوپر بدنامی لے کر اوروں کے لئے راستہ صاف کر دیا ہے۔ اھ

صفت سیاست کے اس خاصہ مذکورہ کی تائید بھی ایک حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت عمر رضؓ ہی کے متعلق ہے اس کو بھی اس جگہ مع ترجمہ و شرح حضرت والا کے

الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔

عن علیؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحم اللہ عمر یقول الحق وان کان مرا ترکہ الحق وما لہ من صدیق۔ رواہ الترمذی

(مشکوٰۃ باب مناقب العشرۃ رضی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ رحمت (خاص) نازل فرمائے عمرؓ پر وہ حق بات کہہ دیتے ہیں اگرچہ کسی کو (عقلاً یا کسی کو طبعاً) تلخ (وناگوار) معلوم ہو (یعنی اُن میں یہ صفت ایک خاص درجہ میں غالب ہے اس درجہ کی حق گوئی نے ان کی یہ حالت کر دی کہ ان کا کوئی دائم درجہ کا دوست نہیں رہا (جیسا تسامح ورعایت کی حالت میں ہوتا) ف: ترجمہ کے درمیان درمیان توضیحات سے تین شبہے دفع ہو گئے ایک یہ کہ کیا دوسرے حضرات صحابہؓ میں یہ صفت حق گوئی کی نہ تھی دوسرا شبہہ یہ کہ کیا حضرت عمرؓ کا کوئی دوست نہ تھا تیسرا شبہہ یہ کہ کیا اس مجمع خیر میں بھی حق بات کے تلخ سمجھنے والے موجود تھے اول کا جواب یہ ہے کہ اصل صفت سب صحابہ میں مشترک تھی لیکن یہ اختصاص غلبہ کے ایک خاص درجہ کے اعتبار سے ہے اور یہی توجیہ ہے خاص خاص حضرات کے لئے خاص خاص فضائل کا حکم فرمانے کی اور اُس غلبہ کا مصداق یہ ہے کہ حق کے درجات متفاوت ہوتے ہیں۔ ایک درجہ یہ ہے کہ اس کا اظہار واجب ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ اولیٰ یا مباح ہوتا ہے سو پہلا درجہ تو سب صحابہ میں بلکہ سب اہل حق میں مشترک ہے اور دوسرے درجہ کے اعتبار سے بزرگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ بعض مروت یا تسامح کو مصلحت پر ترجیح دیکر سکوت فرماتے ہیں بعض مصلحت کو مروت پر ترجیح دیکر کہہ ڈالتے ہیں پہلا درجہ غلبہ کا ہے دوسرا درجہ نفس اتصاف کا۔ دوسرے کا جواب یہ ہے کہ دوستی کے ایک خاص درجہ کی نفی مقصود ہے۔ یعنی اگر حضرت عمرؓ مروت کو مصلحت پر غالب رکھ کر طرح دے جاتے

اُس حالت میں اُن کے جیسے دوست ہوتے ویسے اب نہیں رہے۔ تیسرے کا جواب یہ ہے کہ طبعی تلخی وناگواری اور اس کے مقتضا پر عمل نہ ہونا یہ خیریت کے منافی نہیں۔ باقی ایسے لوگ بھی ہر زمانہ میں ہوتے ہیں جن کو عقلی تلخی بھی ہوتی ہے اگرچہ اس وقت ایسے اقل قلیل تھے میری لمعی تو منیحاتنا ہیں ان سب کی طرف قریب بصراحت اشارات ہیں۔ انتہی بلفظہ الشریف۔

حضرت والا کے طرز سیاست کی ایک اور لطیفہ تائید یاد آئی جو مشفقی مولوی محمد حسن صاحب دیوبندی مدرس مدرسہ سعیدیہ جلال آباد نے ایک دن معترض کے اس اعتراض کے جواب میں پیش کی تھی کہ خاکم بدہن خدانخواستہ حضرت والا میں اخلاق محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نہیں ہیں۔ مولوی صاحب ممدوح نے کیا خوب بات فرمائی کہ جناب آپ کو اخلاق محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی فہرست بھی معلوم ہے یا آپ صرف خاص خاص اخلاق ہی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سمجھتے ہیں کوئی حدیث کی کتاب تو ذرا اٹھا کر دیکھئے اُس میں جہاں اور ابواب ہیں وہاں کتاب الحدود۔ کتاب القصاص کتاب التعزیرات بھی تو ہیں یہ بھی تو سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اخلاق ہیں۔ ضرورت کے مواقع پر سیاست کا استعمال اور جرائم کے ارتکاب پر سزاؤں کی تنفیذ یہ بھی تو اخلاق محمدی ہی میں داخل ہے (صلی اللہ علی صاحبہا)

ان سب تقریرات مذکورۂ بالا سے ناظرین باتمکین نے اچھی طرح معلوم فرما لیا ہوگا کہ حضرت والا کا طریق اصلاح بالکل فطرت سلیمہ اور سلف صالحین کی سنت قدیمہ کے موافق اور قرآن وحدیث کے مطابق ہے جس کی صریح صریح تائیدات اوپر بتفصیل گزر چکیں لیکن پھر بھی حضرت والا نے ہمیشہ اپنے نفس کے ساتھ سوءظن ہی رکھا اور گو مواقع ضرورت مصلحت میں سیاست کا استعمال فرماتے رہتے لیکن ہر واقعہ کے بعد بار بار اظہار افسوس وندامت بھی حالاً وقالاً وعملاً فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ بعض مرتبہ تو اسی رنج وافسوس

میں رات رات بھر نیند نہیں آئی۔ اور بعض مواقع پر احقر نے حضرت والا کو معافی مانگتے ہوئے اور بعض صورتوں میں مالی تدارک فرماتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ اور یہ تو ہمیشہ دیکھا بلکہ اس کا خود بھی ذاتی تجربہ کیا کہ حضرت والا کی خفگی مفتاح عنایات و توجہات و دعوات خاصہ زایدہ ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ خود مورد عتاب بھی حضرت والا کے بعد کے برتاؤ اور اپنی باطنی ترقیات و تاثرات سے بیّن طور پر محسوس کرنے لگتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ حضرت والا کا عتاب بھی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ الوف الصلوات والتحیات کی اس دعا کا مصداق ہوجاتا ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَتَّخِذُ عِندَکَ عَھدًا لَّنْ تُخلِفنیہ فانما انا بشرٌ فایما مؤمن آذیتہ اوشتمتہ اوجلدتہ او لعنتہ فاجعلھا لہ صلوٰۃً وزکوٰۃً وقربۃً تقربہ بھا الیک۔ اس موقع پر احقر کو اپنا ایک شعر یاد آتا ہے ؎

منبع صد کرم ترا لطف بھرا عتاب تھا
سارے تعلقات کا وہ ہی تو فتح باب تھا

حضرت والا نے اپنے طرز تربیت کے متعلق بارہا فرمایا کہ یہ طرز میری طبیعت کے بالکل خلاف ہے اور مجھے بعد کو بڑی کلفت اور ندامت بھی ہوتی ہے اور رہ رہ کر سوچا کرتا ہوں کہ بجائے اس طرح کہنے کے اس طرح بھی کہہ سکتا تھا بجائے یوں سمجھانے کے یوں بھی سمجھا سکتا تھا بجائے اُس تجویز کے یہ تجویز بھی کر سکتا تھا۔ لیکن عین وقت پر مصلحت اصلاح کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ اور کوئی مصلحت پیش نظر رہتی ہی نہیں۔ اور یہ جبھی تک ہے جب تک میں نے اپنے ذمہ اصلاح کی خدمت سمجھ رکھی ہے اور اگر کبھی اس سے قطع نظر کرلی تو پھر میں انشاء اللہ تعالیٰ خوش اخلاق

بھی بن کر دکھلا دوں گا۔ میرا اصلی مذاق تو یہی ہے کہ کسی سے کچھ تعرض ہی نہ کروں۔ اور اپنے آپ کو سب سے یکسو رکھوں بقول احمد جامؒ ؎

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

اور بقول عارف شیرازیؒ ؎

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار
کار ملک ست آنکہ تدبیر و تحمل بایدش

اسی سوء ظن بنفسہ کی وجہ سے حضرت والا نے معترضین کے مقابلہ میں کبھی کُد و کی کوشش نہیں فرمائی بلکہ ان کے اعتراضوں پر بھی بالخصوص جہاں مظنہ نیک نیتی کا تھا اس نیت سے نظر فرمائی کہ اگر اعتراضات میں کوئی امر واقعی قابلِ قبول ہو تو اُس کو قبول کر کے اس پر عمل کیا جائے۔

چنانچہ حضرت والا اسی لحاظ سے وقتاً فوقتاً اپنے طریق اصلاح پر نظر ثانی بھی فرماتے رہتے ہیں جیسا کہ رسالہ "التبدیل من التثقیل الی التعدیل" سے واضح ہے جس کو حضرت والا نے ایک ناصح نادان کے معترضانہ خط سے متاثر ہو کر حال ہی میں تصنیف فرمایا ہے اور جس میں اُس ترمیم کی تفصیل ہے جو حضرت والا نے اپنے طرز تربیت اور طریقِ اصلاح میں بلحاظ ناگواری طبائع تجویز فرمائی ہے اور جس کا ایک بہت مختصر مگر جامع مانع خلاصہ حضرت والا نے ایک دفتی پر خوشخط لکھوا کر اپنے سامنے رکھ لیا ہے تاکہ وہ پیش نظر رہے اور وقت پر ذہول نہ ہونے پائے اور اپنے تجویز کردہ دستور العمل پر عملدرآمد آسان ہو۔ اس سے اندازہ فرما لیا جائے کہ حضرت والا

کو قوانین ضروریہ پر عمل کرنے کا خود بھی کس قدر اہتمام ہے۔ رسالہ مذکورہ کو مع ضمیمہ کے اور ناصح صاحب کے بعد کے توبہ نامہ کو مع حضرت والا کے جواب باصواب مع جواب کے انشاء اللہ تعالےٰ احسن العزیز سے قریب ہی کی سطور میں اپنے موقع پر نقل کیا جائے گا۔

پہلے تو معترض صاحب نے جوشِ انتقام میں مغلوب النفس ہو کر جو جی چاہا لکھ مارا اور ساتھ ہی اپنی نفسانیت پر پردہ ڈالنے کی غرض سے خط میں اپنی خیر خواہی و محبّت و خلوص نیت کا یقین دلادیا۔ لیکن پھر جلدی ہی حضرت والا کی کتاب التکشف کے مطالعہ کی برکت سے منجانب اللہ ان کی خود بخود آنکھیں کھلیں اور ایسے ہوش درست ہوئے کہ انہوں نے فوراً حضرت والا کی خدمت میں ایک توبہ نامہ ارسال کیا جو قریب ہی کی سطروں میں بالفاظہٖ نقل کیا جائے گا جس میں انہوں نے صاف اور صریح لفظوں میں اپنے ان مفصلہ ذیل رذائل اور تاثرات کا اظہار و اقرار کیا ہے۔ اپنی بدبختی و بدسیاہی گستاخی۔ بیباکی۔ جرأت اور نمک حرامی۔ اپنا تشدد۔ عناد۔ حرمان اور خسران دارین۔ اپنا مستحق زجر ہونا اور حضرت والا کا حق بجانب ہونا اپنا خواہ مخواہ کا مصلح بننا اور اپنے اس جرم کا ناقابلِ تلافی ہونا۔ پھر آخر میں اپنی ندامت و شرمساری کا اظہار اور عفو کی درخواست۔

اور ایک انہیں صاحب نے کیا بہت سے معترضین نے اسی طرح اپنے اعتراضات سے بعد کو رجوع کیا ہے اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا ہے جس سے الحق یعلو و لا یعلیٰ کا ظہور ہوا ہے۔

ان معترضین میں سے بعض نے تو حقیقت سمجھ کر رجوع کیا اور بعض جب اپنی گستاخی

اور بد اعتقادی کی پاداش میں بمفوائے ع

با شیر پنجہ کردی و دیدی سزائے خویش

منجانب اللہ مبتلائے آلام و مصائب ہوئے اور ان کے قلب سے قرار و سکون ذوق شوق انشراح و انبساط سارے آثار جمعیت غائب ہوئے اور اسی طرح وہ ظاہری و باطنی دونوں لحاظ سے بمفوائے ارشاد رومی رح

گر جدا بینی زحق ایں خواجہ را
گم کنی ہم متن وہم دیباجہ را

خاسر و خائب ہوے تب مجبور ہو کر نادم و تائب ہوے۔

ہر چند حضرت والا نے بغایت تواضع اپنے کو اس درجہ کا نہ سمجھ کر اور اس بنا پر بھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کوئی عادت مستمرہ تو ہے نہیں ہمیشہ ایسی صورتوں میں اپنے ستانے والوں کے ابتلاء کو اتفاق ہی پر محمول فرمایا اور ان کے اس گمان کی کہ حضرت والا کی شان میں گستاخی کرنے کی وجہ سے اُن پر مصیبت آئی تغلیط ہی فرمائی لیکن بمفوائے حدیث من عادیٰ لی ولیًا فقد آذنتہ للحرب اور بمفوائے ارشاد عارفین ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات   با دُرد کشاں ہر کہ در افتاد برافتاد
ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد   تا دلِ صاحب دلے نامد بہ درد

اہل اللہ کے دل دُکھانے اور اُن کو ستانے والوں کا اکثر یہی انجام ہوتا ہے کہ وہ مبتلائے آلام و مصائب ظاہری و باطنی کر دیئے جاتے ہیں جس کا بعض اوقات خود اُن کو بھی احساس ہونے لگتا ہے اور پھر ان میں سے بعض متنبہ ہو کر تائب بھی

ہو جاتے ہیں ۔ بالخصوص تعلق ارادت قائم کر لینے کے بعد پھر گستاخی اور بے ادبی کرنا تو خاص طور سے زیادہ موجب وبال ہوتا ہے ۔ چنانچہ خود حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اس تعلق میں بعض اعتبارات سے معصیت اتنی مضر نہیں ہوتی جتنی بے ادبی مضر ہو جاتی ہے ۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ معصیت کا تعلق تو اللہ تعالیٰ سے ہے اور چونکہ وہ تاثر و انفعال سے پاک ہیں اس لئے توبہ سے فوراً معافی ہو جاتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ویسا کا ویسا ہی تعلق پیدا ہو جاتا ہے ۔ بخلاف اس کے بے ادبی کا تعلق شیخ سے ہے اور وہ چونکہ بشر ہے اس لئے طالب کی بے ادبی سے اس کے قلب میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے جو مانع ہو جاتی ہے تعدیۂ فیض سے ۔ اھ

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے اس کی خوب مثال دی تھی ۔ فرمایا کہ اگر کسی چھت کی میزاب کے مخرج میں مٹی ٹھونس دی جائے تو جب آسمان سے پانی برسے گا تو گو وہ چھت پر تو نہایت صاف و شفاف حالت میں آئے گا لیکن جب میزاب میں ہو کر نیچے پہنچے گا تو بالکل گدلا اور میلا ہو کر ۔ اسی طرح شیخ کے قلب پر جو ملاء اعلیٰ سے فیوض و انوار نازل ہوتے رہتے ہیں ان کا تعدیہ ایسے طالب کے قلب پر جس نے شیخ کے قلب کو مکدر کر رکھا ہے مکدر صورت ہی میں ہوتا ہے ۔ جس سے اُس طالب کا قلب بجائے منور و مصفا ہونے کے تیرہ و مکدر ہوتا چلا جاتا ہے ۔ اھ

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اپنے شیخ کے قلب کو مکدر کرنے اور مکدر رکھنے کا طالب پر یہ وبال ہوتا ہے کہ اس کو دنیا میں جمعیتِ قلب کبھی میسر نہیں ہوتی اور وہ عمر بھر پریشان ہی رہتا ہے ۔ لیکن چونکہ یہ ضروری نہیں کہ ہر فعل موجب تکدر شیخ معصیت ہی ہو اس لئے ایسی صورت میں اس فعل سے براہ راست تو کوئی دینی

ضرر نہیں پہنچتا لیکن وہ بواسطہ اکثر سبب ہو ہی جاتا ہے دینی ضرر کا بھی جس کی ترتیب یہ ہوتی ہے کہ اول شیخ کے قلب کا تکدر سبب ہوتا ہے طالب کے انشراح قلبی کے زوال کا اور پھر یہ عدم انشراح اکثر سبب ہو جاتا ہے کوتاہی اعمال کا اور پھر یہ کوتاہی اعمال سبب ہو جاتی ہے دینی ضرر اور اخروی وبال کا۔ گو عدم انشراح کی حالت میں بھی اگر وہ اپنے اختیار اور ہمت سے برابر کام لیتا رہے اور اعمال صالحہ کو بہ تکلف جاری رکھے تو پھر کوئی بھی دینی ضرر نہ پہنچے لیکن اکثر یہی ہوتا ہے کہ انشراح کے فوت ہو جانے سے اعمال میں بھی کوتاہیاں ہونے لگتی ہیں اور اسی طرح بواسطہ دینی ضرر کا بھی اکثر تحقق ہو ہی جاتا ہے کیونکہ جو داعیۂ عادیہ تھا یعنی انشراح وہ تو جاتا رہا اور بلا داعیہ اکثر کو عمل بہت دشوار ہوتا ہے۔ اھ

اسی سلسلہ میں حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ گو میں خود کوئی چیز نہیں لیکن جب کسی نے کسی شخص کو اپنا معتقد فیہ بنا لیا اور پھر بلا وجہ اُس کے ساتھ خلاف اعتقاد معاملہ کر کے اس کو مکدر کر دیا تو اس صورت میں بھی ویسی ہی مضرتیں پہنچیں گی جیسی کاملین مقبولین کو مکدر کرنے سے پہنچتی ہیں۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ یہ حضرت والا کی غایت تواضع ہے ورنہ آج حضرت والا کا مرکز رشد و ہدایت اور سرگروہ مشائخ وقت اور اشرف کاملین و مقبولین زمانہ ہونا روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہے کیونکہ اس زمانہ میں اور کسی سے ایسا عام اور تام بلکہ اس کے لگ بھگ بھی فیض دینی ظاہری و باطنی مخلوق خدا کو نہیں پہنچ رہا جو ایک امر مشاہد اور ایک صریح اور ناقابل انکار حقیقت ہے۔ اور کیوں نہ ہو حسب ارشاد محققین (جس کی تصدیق مشاہدہ سے بھی ہوتی ہے) یہ عادت الٰہیہ

قدیمہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایک ایسا امام دنیا میں ضرور موجود رکھا جاتا ہے جس سے امتیاز حق و باطل ہوتا رہے اور چونکہ وہ بمصلحت ہدایت عباد و مؤید من اللہ ہوتا ہے اس لئے اس کے منہ سے ہمیشہ حق بات ہی نکلتی ہے۔ نیز وہ ایسی مخصوص مقبولیت و محبوبیت عنداللہ سے مشرف فرمایا جاتا ہے کہ اہل عصر میں سے جو شخص اس کا معتقد نہیں ہوتا وہ گو عاصی تو نہیں ہوتا مگر برکات خاصہ سے محروم رہتا ہے۔

چونکہ اس زمانہ میں ظاہراً سوائے حضرت والا سلمہم اللہ تعالیٰ کے اور کوئی بزرگ اس شان کا نہ دیکھا گیا نہ سنا گیا لہذا بگمان غالب قریب بہ یقین حضرت والا ہی اس مذکورۂ بالا سنت الٰہیہ قدیمہ کے فی زماننا مصداق معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم باسرارہ واسرار اولیائہ۔

مذکورۂ بالا ضمنی بیانات کے بعد اب حسب وعدہ حضرت والا کے رسالہ "التبدیل من التثقیل الی التعدیل" کو مع ضمیمہ کے اور معترض صاحب کے بعد کے توبہ نامہ کو مع حضرت والا کے جواب باصواب کے مکتوبات حسن العزیز سے اصل الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے اور صاحبان ذوق تو اس تبدیل پر بصد حسرت یہ شعر پڑھیں گے ؎

بچہ امید تو ال زلیتنی اکنول احسن
فکر بیداد ہم از خاطرِ جاناں برخاست

رسالۂ التبدیل من التثقیل الی التعدیل

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ کو ایک مقام سے ایک

خط آیا جس میں دل کھول کر میرے طریق اصلاح و تربیت پر مجھ کو سب و شتم کیا گیا اور طریق مروّج کے اتباع کی فرمائش کی گئی ہر چند کہ اس کے قبل بھی ایسے خطوط متعدد بار آچکے ہیں مگر اس میں خیر خواہی کا دعویٰ نہیں کیا گیا تھا اس لئے ان کے معاندانہ لہجہ پر غلبۂ نظر کے سبب زیادہ قابلِ التفات نہیں سمجھا گیا گو کسی قدر ان سے بھی متاثر ہو کر طرزِ عمل میں تغیر کیا گیا۔ نیز اپنی حالت پر ہمیشہ نظر تنقیدی کی عادت کو بھی اس تغیر میں خاص دخل ہے چنانچہ حسن العزیز کے حصّہ ملفوظات میں دورِ جدید کی سُرخی کا مضمون جو کہ غرہ رمضان ۱۳۳۴ھ کا لکھا ہوا ہے اور ضمیمہ تتمہ خامسہ میں طورِ جدید کی سرخی کا مضمون جو کہ الامداد بابتہ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ میں شائع ہوا ہے اس دعویٰ پر کافی دلیل ہے مگر اس اخیر خط میں باوجودیکہ وہ اپنے کاتب کے اصول و فروع طریق سے محض بیخبر ہونے پر قطعی شہادت دے رہا ہے لیکن اس میں خیر خواہی و محبّت و خلوص نیت کا یقین بھی دلایا گیا ہے جس کی تکذیب کا مجھ کو کوئی حق نہیں اس لئے اس کی ناواقفی پر نظر نہ کر کے اور اس کے دشنامی لہجہ کو حافظ کے اس مصرعہ ؏ :

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی

کے تحت میں داخل کر کے اور اسی کے ساتھ اپنے نفس کو بھی غوائل سے بری نہ پا کر خاص طور سے اُس میں نظر کی گئی اور نظر کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ میرے طرز موجود کی مثال اُس علاج کی سی ہے جس میں معالج صحت کے درجہ کاملہ کی تحصیل کے لئے اسباب مرض کے استیصال کا اہتمام کرتا ہے اور اس لئے ادویہ کی تلخی اور مریض کی ناگواری کی پروانہ کر کے کامل النفع دوا تجویز کرتا ہے اور پرہیز میں بھی تخفیف سے خفیف مضار سے بچانے کی سعی کرتا ہے۔ اور مریض کی ادنیٰ کوتاہی اور بے پروائی پر اپنی ناراضی ظاہر کرتا ہے اور اگر لطف مفید نہیں ہوتا تو عنف کا استعمال کرتا

ہے - اور کاتب خط کی مثال اُس علاج کی سی ہے جس میں معالج مریض کی ناتمام صحت پر قناعت کر کے دوا وہ تجویز کرے جس کو مریض خوشی سے گوارا کر لے اگرچہ مرض کا استیصال نہ ہو صرف قدرے کمی ہو جائے اگرچہ بعد چندے وہ پھر زور پکڑے یا اگر معتد بہ کمی بھی ہو گئی تھی لیکن استیصال نہ ہوا تھا اس لئے بعد چندے پھر عود کر آئے اسی طرح اس کی بد پرہیزی میں بھی تسامح کرے کہ مہلک اشیاء سے تو روک ٹوک کرتا رہے لیکن مُمرض و مضعف اشیاء کی اجازت دے دے۔

یہ تو فرق کی تحقیق تھی طرزِ موجود اور اس کاتب ناصح کی تجویز میں۔ باقی ان دونوں کے نتیجہ میں جو فرق ہے وہ خود فرق مذکور سے ظاہر ہے کہ ایک میں نفع تام ہے گو مریضوں کی ناقدری و بے خبری سے عام نہ ہوا اور دوسری تجویز میں نفع تام نہیں گو کم ہمت اور نادان مریضوں کے ہجوم سے صورۃً نفع عام متوہم ہو۔ پھر ان دونوں فرقوں کے بعد اس میں غور کیا گیا کہ اب تک تو طرز اول ہی کو اس لئے راجح سمجھ کر اختیار کیا جا رہا تھا کہ یہ طرز جس طرح اپنی غایت کے اعتبار سے راجح ہے اسی طرح اُصول طریق کی موافقت کے سبب بھی راجح ہے۔ چنانچہ ائمہ طریق کے واقعات معالجات سے تو (جو کتب فن میں ہزاروں کی تعداد میں منقول ہیں) صراحتہً بلا تامل اور کتاب و سنت سے بعض میں قدرے تامل کے ساتھ اور اکثر میں بلا تامل یہ موافقت ثابت ہے جو جا بجا میری تقریرات و تحریرات میں متفرقاً اور مسائل السلوک و تکشف و تشرف میں مجتمعاً مذکور ہے۔

بہرحال اسی رجحان علمی و عملی کی بناء پر اب تک یہ معمول تھا لیکن پھر بھی احتیاطاً اس خط کی بناء پر ایک دوسرے پہلو پر بھی نظر کی گئی وہ یہ کہ جن مریضوں کے نفع کے لئے

یہ دوسرا اختیار کیا جارہا ہے جب وہی اس کو ثقیل سمجھتے ہیں تو ایسی حالت میں طبیب کا یہ اہتمام بلیغ بالکل اَنُلْزِمُکُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا کٰرِهُوْنَ اور مدعی سست گواہ چست کا مصداق ہے۔ جو کہ غیر ضروری ہے تو جانبین کی سہولت کے لئے عملاً اُس قدر پر اکتفا مناسب ہے جس کو مریض گوارا کر سکے اور جس قدر اس میں نقص ہے تعلیماً اُس پر تنبیہ کر دی جائے تاکہ ایک درجہ تک اس میں تلبیس و خیانت سے بھی صیانت رہے عادتِ عامّہ کی بھی رعایت ہو جائے آگے اپنے نفع نقصان کو وہ خود دیکھ لے۔ اس صورت میں اس طرزِ تربیت کی شان تبلیغ عام کی سی رہ جائے گی جس میں مُبلّغ کے متعلق ارشاد ہے۔ قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَکُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا وَمَا اَنَا عَلَیْکُمْ بِوَکِیْلٍ۔ جیسا طرز سابق کی شان تادیب خاص کی سی تھی جس کے متعلق ارشاد ہے "کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ الحدیث" اور چونکہ عدم التزام کی حالت میں جس کی علامت گرانی ہے" احقر کو طالبین کے ساتھ راعی و رعیت کا سا تعلق نہیں اس لئے مجھ کو یہ دوسرا طرز اختیار کرنا بھی جائز ہے اور چونکہ اس وقت طالبین کا غالب مذاق یہی ہے اس لئے اب اس جائز کو اختیار کر لینے کا ارادہ کر لیا ہے۔ لوگ کڑوی دواؤں سے بچیں گے۔ میں مشقت اور مشقت کے صلہ میں گالیوں سے بچوں گا۔ اگر کسی کا نفع کامل کرنا مطلوب ہو گا اس کے لئے اس نفع ناقص کے ساتھ میری کتابوں کا انضمام انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہو جائے گا۔ میں بلا ضرورت کیوں غم میں پڑا بقول مشہور قاضی جی تم کیوں دُبلے کہنے لگے شہر کے اندیشہ سے۔

باقی اس طرز جدید کی جزئیات و خصوصیات کا انضباط جامع مانع عبارت میں متعسر و متعذر رہے البتہ اجمالی اشارہ ان عنوانات سے ہو سکتا ہے۔ تحمل تامل تجمل تعمل۔ تجمل۔ تمہل تسہل یہ تحریر اسی تبدیل کی اطلاع کے لئے ناظرین کے سامنے لائی گئی ہے۔ اور دو اعتبار سے اس کے دو لقب ہو سکتے ہیں۔ ایک اعتبار تو یہ ہے کہ میرے نزدیک طرز سابق تعدیل تھا اب اُس سے تنزل کر کے زیادہ تخفیف و تسہیل کی گئی۔ اس اعتبار سے تو اس کا لقب "التنزیل من التعدیل الی التسہیل" ہے اور ایک اعتبار یہ ہے کہ معترضین کے نزدیک وہ طرز سابق تشدد اور تثقیل تھا اور دوسرا طرز تعدیل ہے اس اعتبار سے اس کا لقب التبدیل من التثقیل الی التعدیل اور چوں کہ اس تبدیل میں مذاق عامّہ کی رعایت کی گئی ہے اس لئے تسمیہ میں بھی اسی کی رعایت سے دوسرے لقب کو تجویز کرتا ہوں چنانچہ سرنامہ پر آپ کو یہی ملے گا۔ واللہ ھو الھادی فی المقاصد والمبادی۔

اور ہر چند میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بعض معترضین یا ناداں محبین اس پر بھی قناعت نہ کریں گے اس سے بھی تنزل کی رائے دیں گے۔ مگر میں اس سے اس لئے معذور ہوں کہ میرے نزدیک اس سے تنزل تربیت ہی کا کوئی درجہ نہیں بلکہ صاف ترک تربیت ہے۔ البتہ اگر کسی وقت حالات خاصہ مقتضیہ ترک تربیت رونما ہوں گے جیسے خدا کرے قابلین تربیت کا وجدان یا خدا نہ کرے قابلین تربیت کا فقدان اُس وقت اس ترک کو بھی جائز سمجھ کر اختیار کر لوں گا اور یہ ترک عام ہے۔ باقی ترک خاص وہ عدم مناسبت کی صورت میں اب بھی کسی خاص شخص کے لئے تجویز

کیا جا سکتا ہے۔

فی الاول للآیۃ وَلتکُن منکم اُمّۃٌ یدعُونَ الی الخیرِ الخ۔ وفی الثانی للحدیث اذا رأیت شحًّا مطاعًا وھوی متبعا ودنیا موثرۃ واعجاب کل ذی رای برأیہ فعلیک بخاصۃ نفسک ودع امر العامۃ۔

ولیکن ھذا اٰخر الکلام واللّٰہ المستعان۔ وعلیہ التکلان۔ فی کل مرام۔ ثالث جمادی الاول سنہ ۱۳۵۴ھ

ضمیمہ عملیہ

اس تبدیل کی حقیقت تو مشاہدہ پر موقوف ہے مگر رفع انتظار غائبین کے لئے مختصر تنقیح اس کی ماضی وحال کے تقابل کے طور پر بطور نمونہ کے پیش کی جاتی ہے۔

ماضی	حال
۱۔ اس احتمال سے کہ متوسط نقل مضمون میں تغیر وتبدل نہ کر دے (گو بلا قصد ہی ہو) صاحب معاملہ سے خود خطاب کیا جاتا تھا جس سے بعض اوقات مخاطب مغلوب ہو جاتا تھا۔	کسی متوسط کے ذریعہ سے اس کی غلطی پر متنبہ کیا جاتا ہے اور حتی الامکان واسطۂ خطاب ایسے شخص کو تجویز کیا جاتا ہے جس میں احتمال تغیر مضمون کا نہ ہو۔
۲۔ غلطی کے وجوہ خود بیان کئے جاتے تھے جو بصورت دعاوی ہوتے تھے	مقصود کے مبادی ومقدمات بدیہیہ مخاطب سے قبول کرا کے مقصود

اگرچہ یہ دلیل بیان کیئے جاتے تھے مگر طبعاً دعویٰ کا اثر ابا عن القبول ہوتا ہے۔

کو خود مخاطب سے تسلیم کرایا جاتا ہے جس کا حاصل اقرار ہے طبعاً اس کا اثر قبول ہوتا ہے۔

۳۔ خطاب بلا واسطہ میں جب مخاطب بے اصول جواب دے تغیّر میں یا دت ہو کر لہجہ تیز ہو جاتا تھا مگر فہیم مخاطب اس کو ناراضی سمجھ کر رنجیدہ ہو جاتا تھا

اب توسط میں اس کی نوبت ہی نہیں آسکتی اس لئے بجائے رنجیدہ ہونے کے شرمندہ ہوتا ہے۔

۴۔ مکالمت کے ختم پر فیصلہ تجویز کر کے اس کو اطلاع کر دی جاتی تھی جس کی صورت حکومت جیسی ہوتی تھی جو بعض اوقات اس کو ناگوار ہوتا تھا۔

اب غلطی تسلیم کرا کر خود اس سے فیصلہ تجویز کرایا جاتا ہے اگر اس کا فیصلہ ناکافی ہوتا ہے اس کا غلط ہونا ظاہر کر کے دوسرے فیصلہ کے لئے کہا جاتا ہے اور اخیر فیصلہ کے بعد اکثر اپنی طرف سے اس میں تخفیف کر دی جاتی ہے جس کو وہ غنیمت سمجھتا ہے اور خوشی سے قبول کرتا ہے۔

۵۔ چونکہ طبعاً بھی اور بضرورت ہجوم مشاغل بھی اور مخاطب کو کلفت انتظار سے بچانے کے لئے بھی فیصلہ فوراً نافذ کر دیا جاتا تھا اور اس کے بعد

نظر ثانی کی مصلحت کو مصالح مذکورہ پر ترجیح دے کر نفاذ میں کسی قدر توقف کیا جاتا ہے۔

بعض اوقات اس میں نظر ثانی کی گنجائش
محسوس ہوتی تھی۔

اور باوجود اس کے اب بھی اپنی رائے پر نہ وثوق ہے نہ اپنے طرز عمل ماضی یا حال پر ناز ہے۔ بشریت ہے جس کے باب میں خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا اور خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ارشاد ہے جس کا حاصل علم و عمل کا نقص ہے اس لئے ہر حال میں گو نیت یہی ہے کہ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ مگر پھر بھی اس نیت کے متعلق یہی التجا ہے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ ۝ اور صیغۂ استغفار کے ساتھ یہ دعا ہے جو صالح علیہ السلام کے ارشاد سے ماخوذ ہے اَسْتَغْفِرُ رَبِّیْ ثُمَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ط

تنبیہ یہ التزامات اکثری ہیں دلا کثر حکم الکل جس میں کسی معارض قوی مصلحت سے یا ذہول سے استثناء بھی ممکن الوقوع ہے۔ اسی طرح یہ سب مراتب توقع مناسبت تک ہیں ورنہ سنت خضریہ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَ بَیْنِکَ معمول بہا ہے۔

نوٹ اس کے بعد ۱۱- جمادی الاخریٰ ۱۳۵۴ھ کو اُن ہی معترض صاحب کا توبہ نامہ آیا جس کو مع جواب نقل کیا جاتا ہے۔

نقل خط مکرم و محترم حضرت مولانا صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ورضوانہ۔ کچھ عرصہ ہوا یہ بدبخت روسیاہ خدمت والا میں بے اجازت چلا گیا۔ آپ نے اس مستحق کو خوب زجر فرمائی سو آپ حق بجانب تھے۔ میں نے یہاں آکر مصلح بن کر آپ کو خط لکھا کہ اتنا غصہ اور ہتک نہ چاہیے۔

رسول اللہ کا ایسا سلوک نہ تھا اور بہت بے باکانہ الفاظ لکھے۔ سو اب اس نمک حرام نے آپ کی تصنیف تکشف سے متشددین اور معاندین کا بیان پڑھا ہے اور بہت نادم ہے اور شرمسار محروم۔ میں نے خسران دارین لینے میں بڑی جرأت کی۔ کیا آپ مجھے للہ یہ گستاخی معاف فرماتے ہیں یا میرا جرم ناقابلِ تلافی ہے۔ فاعف عنے

نقل جواب السلام علیکم۔ اگر معافی کے یہ معنے ہیں کہ قیامت میں مواخذہ نہ کروں دنیا میں بددعا نہ کروں غیبت نہ کروں تو معاف ہے چنانچہ میں نے کسی کو نام بھی نہیں بتایا بلکہ بستی کا نام بھی نہیں بتایا کہ کسی کے دل میں بغض نہ ہو جائے اور اگر یہ معنٰے ہیں کہ دوستوں کا سا تعلق رکھوں یا خط و کتابت یا ملاقات کی اجازت دوں تو معاف نہیں تاکہ پھر کسی پر ظلم نہ کرو۔

۱۲- ج ۲- ۵۴ھ

قابلِ غور

یہاں ایک امر اور قابلِ غور عرض ہے کہ باوجود ناگواری کے جو معترض کے گستاخانہ لہجہ اور بیہودہ اعتراضات سے پیدا ہوئی تھی حضرت والا نے اتنی رعایت فرمائی کہ نہ معترض کا خط کسی کو سُنایا۔ بلکہ اُسی وقت اُسے چاک فرما دیا جیسا کہ حضرت والا کا معمول ہے اور نہ معترض کا نام اور پتہ کسی کو بتایا بلکہ اس درجہ اہتمام کے ساتھ چھپایا کہ ڈاکخانہ کی مُہر کو بھی قلمزد فرما دیا اور اس طرح کہ کوئی پڑھ نہ سکے۔ اور احقر نے صوبہ کا نام دریافت کیا تو وہ بھی نہ بتایا اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اُس صوبہ سے بھی کسی کو بغض نہ ہو اور وہاں کے رہنے والے محبین کو شرمندگی بھی نہ ہو۔

علاوہ بریں حضرت والا نے معترض کے توبہ نامہ کے جواب میں ایک مسئلہ دقیق کی تعلیم بھی فرمائی کہ معافی اور چیز ہے دل ملنا اور چیز ہے کیونکہ بشاشتِ قلب امر غیر اختیاری ہے جو بعض حالتوں میں فوت ہونے کے بعد پھر عمر بھر بھی پیدا نہیں ہوتی چنانچہ حضرت والا اس کی تائید میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو نقل فرمایا کرتے ہیں جو اس باب میں نص صریح ہے۔ فرمایا کرتے ہیں کہ حضورؐ سے زیادہ کس کا قلب منور و مطہر اور وسیع و عالی ہو سکتا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بھی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کے اسلام لانے کے بعد بھی بشاشت پیدا نہ ہوئی تو ہم لوگ تو چیز ہی کیا ہیں حالانکہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے جرم کی معافی اسلام لانے کے بعد یقیناً ہو چکی تھی۔ کیوں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الاسلام یھدم ما کان قبلہٗ لیکن اس جرم کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ باوجود معافی ہو جانے کے بھی اس کا اثر بشکل رنج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں موجود رہا کیونکہ قبل اسلام لانے کے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو نہایت بیدردی کے ساتھ غزوۂ اُحد میں شہید کیا تھا جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت وحشی رضی اللہ عنہ پر نظر پڑتے ہی استحضار ہو جاتا تھا اور ان کی طرف سے قلب مبارک میں انقباض پیدا ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے صاف فرما دیا کہ هَلْ تَسْتَطِیْعُ اَنْ تُغَیِّبَ وَجْهَكَ عَنِّیْ اور وہ شام تشریف لے گئے اور پھر جیسی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی مبارک تھی کبھی اپنا چہرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دکھایا۔ بمصداق ؎

أُرِيدُ وِصَالَهُ وَيُرِيدُ هَجْرِي
فَأَتْرُكُ مَا أُرِيدُ لِمَا يُرِيدُ

جس کا ترجمہ حضرت حافظؒ نے یوں فرمایا ہے ؎

میل من سوئے وصال وقصد او سوئے فراق
ترکِ کامِ خود گرفتم تا بر آید کامِ دوست

اس واقعہ کو بخاری شریف جلد ثانی غزوۂ احد باب قتل حمزہؓ سے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔
قال وحشی فی حدیث طویل حتٰی قدمت علٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما رانی قال انت وحشی قلت نعم قال انت قتلت حمزۃ قلت قد کان من الامر ما بلغک قال فھل تستطیع ان تغیب وجھک عنی قال فخرجت الخ ف اس واقعہ کے چند ضروری اجزاء فتح الباری سے بھی نقل کئے جاتے ہیں:۔ فی فتح الباری فی روایۃ ابن اسحق فلما فتح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ: ھربت الی الطائف وایضًا فی روایۃ فلما خرج وفد الطائف لیسلموا تغیبت علی المذاھب فقلت الحق بالیمن او الشام او غیرھا وفی روایۃ الطیالسی فاردت الھرب الی الشام فقال لی رجل ویحک واللہ ما یاتی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) احد بشھادۃ الحق الا خلی عنہ قال فانطلقت فما شعربی الا وانا قائم علی راسہ اشھد بشھادۃ الحق وایضًا فی الفتح وعند یونس بن بکیر فی المغازی عند ابن اسحق قال فقیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذا وحشی فقال دعوہ رجل واحد للاسلام احب الی من قتل الف کافر وعند الطبرانی فقال یا وحشی اخرج فقاتل فی سبیل اللہ

لما كنت تصد عن سبيل الله (ج ۸)

اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معافی کے لئے بشاشت لازم نہیں۔

تنبیہ حضرت والا کے اس طریق اصلاح بطرز سیاست کے متعلق ایک ضروری تنبیہ بھی قابلِ عرض اور قابلِ غور ہے وہ یہ کہ اس طریق خاص کے اختیار کرنے کا ہر شخص ہرگز اہل نہیں لہذا تمام مصلحین اس کے اختیار کرنے کی ہرگز جرأت نہ کریں ورنہ وہ کورانہ تقلید کر کے اپنا بھی اور طالبین اصلاح کا بھی ناس کریں گے۔ یہ تو حضرت اُن خاص الخاص حضرات ہی کا منصب ہے جو نفسانیت سے بالکل نکل چکے ہیں اور جو حدود کی حفاظت پر پورے قادر ہیں۔ محض تقلید سے اس منصب خاص کی اہلیت نہیں پیدا ہو سکتی۔

کورانہ تقلید کرنے والوں کے لئے تو حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ قدس سرہٗ کا یہ ارشاد ہے ؎

تو صاحب نفسی اے غافل میانِ خاک خوں میخور
کہ صاحب دل اگر زہرے خورد آں انگبیں باشد

جس کی تفسیر میں حضرت مولانا رومیؒ ارشاد فرماتے ہیں ؎

صاحب دل را ندارد آں زیاں ۔۔۔ گر خورد او زہر قاتل را عیاں
آنکہ صحت یافت از پرہیز رست ۔۔۔ طالب مسکین میانِ تپ درست
ور تو نمرودی ست در آتش مرد ۔۔۔ رفت خواہی اول ابراہیم شو
چوں نۂ سبّاح نے دریائے ۔۔۔ در میفگن خویش از خود رائے
او ز قعر بحر گوہر آورد ۔۔۔ از زیاں ہا سود بر سر آورد

کاملے گر خاک گیرد زر شود | ناقص ار زر برد خاکستر شود
جہل آید پیش او دانش شود | جہل شد علمے کہ در ناقص رود
ہرچہ گیرد علتی علت شود | کفر گیرد کاملے ملت شود

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر | گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
ہر دو گوں زنبور خوردند از محل | لیک شد زاں نیش و زاں دیگر عسل
ہرچہ مردم می کند بوزینہ ہم | آں کند کز مرد بیند دم بدم
او گماں بردہ کہ من کردم چو او | فرق را کے بیند آں استیزہ جو

اسی مضمون کو حضرت عارف شیرازیؒ اس طرح فرماتے ہیں ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند | نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
نہ ہر کہ طرف کلہ کج نہاد و تند نشست | کلاہ داری و آئین سروری داند
ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست | نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

غرض جو حضرت والا کی تقلید کرے وہ پہلے اپنے اندر حضرت والا کا سا سوءِ ظن بنفسہ بھی تو پیدا کر لے جس کی وجہ سے حضرت والا باوجود ہر طرح اہل ہونے کے اپنے اس طرز پر برابر نظر ثانی فرماتے رہتے ہیں پھر حضرت والا کی سی شفقت و رعایت اور حضرت والا کا سا ترحم و رفق بھی تو اپنے اندر دیکھ لے۔ جس کی وجہ سے حضرت والا کی ہر سیاست اہل کے لئے نافع اور موجب برکت ہی ثابت ہوتی ہے اور بجائے وحشت و نفرت کے حضرت والا کی جانب قلوب کو اور بھی زیادہ کشش ہوتی ہے اور طالبین کا ہجوم بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔

اس کے متعلق خود حضرت والا کا ایک ارشاد یاد آیا - ایک مولوی صاحب نے حضرت والا کی سیاست کے متعلق یہ آیت پڑھی وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ اور اس سے استدلال کیا کہ یہ سختی قابلِ ترک ہے - حضرت والا نے فرمایا کہ اس آیت سے تو میری ہی تائید ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ میں فظ اور غلیظ القلب نہیں ہوں ورنہ انفضاض اس کے لئے لازم ہے اور یہاں یہ لازم یعنی انفضاض منتفی ہے پس ملزوم یعنی فظاظت اور غلظت بھی منتفی ہوئی پس اس میں تو میری ہی تائید ہو گئی - نیز حضرت والا کے اس طرزِ سیاست میں اور بھی بہت سی مصلحتیں ہیں خود فرمایا کرتے ہیں کہ اگر میرے یہاں عرفی اخلاق ہوتے تو اس قدر ہجوم ہوتا کہ جو کچھ میں نے دینی خدمت کی ہے اور کر رہا ہوں وہ ہرگز ممکن نہ ہوتی - نیز اس ہڑبونگ میں آنے والوں کو کوئی موقع ہی خاص نفع حاصل کرنے کا نہ مل سکتا - نیز مخلصین و غیر مخلصین میں بالکل امتیاز نہ رہتا - خلط مبحث ہو جاتا - اب جتنے ہیں بفضلہ تعالیٰ وہ قابلِ اطمینان تو ہیں کیوں کہ ایسا ویسا تو میرے یہاں ٹھہر ہی نہیں سکتا -

حضرت والا کی عین سیاست کے وقت بھی انتہا درجہ کی رعایت اور حفظ حدود کے صدہا واقعات ہیں جن میں سے اس جگہ صرف دو واقعے عرض کر کے اس مضمون کو جو طویل ہوتا چلا جا رہا ہے ختم کر دوں گا -

ایک واقعہ تو احقر کا دیکھا ہوا ہے اور ایک خود احقر پر گزرا ہوا ہے دیکھا ہوا واقعہ تو یہ ہے کہ ایک بار حضرت والا نے ایک نو وارد دیہاتی طالب کو اس کی کسی بے عنوانی پر بہت زور سے ڈانٹ کر اپنے پاس سے اٹھا دیا وہ بیچارہ سمجھا کہ میں نکال دیا گیا -

اس لئے خانقاہ سے باہر جانے کے لئے پھاٹک کی طرف جانے لگا۔ حضرت والا نے پھر ڈانٹ کر فرمایا کہ اُدھر کہاں جاتا ہے مسجد کی طرف کیوں نہیں جاتا۔

احقر یہ شفقت دیکھ کر عش عش کرنے لگا کہ سبحان اللہ غصہ کے وقت بھی کس قدر رعایت ہے کہ ڈانٹ بھی رہے ہیں اور اپنے پاس سے اُٹھا بھی دیا ہے لیکن قطع تعلق نہیں کرتے اور خانقاہ سے نہیں جانے دیتے خود روک رہے ہیں لیکن اس شان کے ساتھ کہ سیاست میں بھی فرق نہ آنے پائے۔

اور دوسرا معاملہ جو خود احقر کے ساتھ ہوا وہ یہ ہے کہ ایک بار احقر کو کسی بے عنوانی پر ظہر کے بعد کی مجلس میں ڈانٹا تھا۔ عصر کی جماعت کے بعد لیکن مصلیوں کے منتشر ہونے کے قبل بہ غایت شفقت خاص طور سے احقر سے فرمایا کہ خواجہ صاحب میں ٹہلنے کے لئے جنگل جا رہا ہوں کیا آپ بھی ساتھ چلیں گے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں اس گفتگو کے بعد حضرت والا نے کچھ دیر توقف فرمایا اور خاموش بیٹھے رہے۔ اور مقتدی بھی صف باندھے بدستور بیٹھے رہے۔ پھر حضرت والا اُٹھے اور احقر کو ساتھ لے کر ٹہلنے تشریف لے گئے راستہ میں احقر سے اس اظہار خصوصیت کا یہ منشا ظاہر فرمایا کہ جن لوگوں کے سامنے ڈانٹا گیا تھا اُن کے قلب میں جو بے وقعتی پیدا ہوئی ہو اُس کا تدارک ہو جائے۔ اور کچھ دیر توقف فرمانے کا یہ راز فرمایا کہ جب اس اظہار خصوصیت کا حاضرین پر اچھی طرح اثر ہو چکے تب اُٹھوں ورنہ اگر میں وہ بات کہہ کر فوراً ہی اٹھ بیٹھتا تو نہ کسی کو سوچنے کا موقع ملتا نہ اس کا استحضار اور اثر ہونے پاتا۔ اھ

سبحان اللہ اس واقعہ سے جذبات کی کتنی دقیق رعایت اور نفسیات میں حضرت والا

کی کس درجہ مہارت ثابت ہوتی ہے۔

عود الی السابق

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ میں مدرسہ عالیہ دیوبند کے پچھلے بڑے جلسہ میں حضرت والا کی تشریف آوری اور اپنی حاضری کا حال عرض کر رہا تھا جس کے ضمن میں حضرت والا کی شان جلال کا ذکر استطرادًا چھڑ گیا جس کا احقر کو اوّل بار مشاہدہ اسی جلسہ میں ہوا تھا۔ پھر اس ذکر کے سلسلہ میں بعض بزرگوں کے اندر جو فطری طور پر شان جلال ہوتی ہے استطرادًا ہی اس کی تحقیق بھی شروع ہو گئی جس کی بابت کلام بہت طویل ہو گیا کیوں کہ یہ مسئلہ بہت مہتم بالشان تھا اور چوں کہ اس کے متعلق لوگ بہت غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں اس لئے اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کے سارے پہلوؤں پر مفصل گفتگو کی جائے۔ لہٰذا اس موضوع کے متعلق حضرت والا کی جو جو تقریرات بے تکلف یاد آسکیں اور جو جو تحریرات دفتر پر بسہولت مہیا کی جا سکیں انکو احقر لکھتا چلا گیا جہاں تک کہ بعونہ تعالیٰ اشدہ شدہ ایک بڑا ذخیرہ مجتمع ہو گیا جس کا پہلے سے نہ قصد تھا نہ گمان فالحمد للہ۔

چونکہ حضرت والا کی شان تحقیق و تدقیق بفضلہ تعالیٰ مسلّم طور پر اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ جس مسئلہ پر بھی بحث فرماتے ہیں بالخصوص جو باطنی اُمور کے متعلق ہو اس پر ایسی جامع مانع تقریر فرماتے ہیں کہ اس کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں ہونے پاتا اور پھر اُس کے متعلق کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہتی لہٰذا یہ ذخیرہ بفضلہ تعالےٰ بہت ہی نادر حقائق و دقائق سے مملو اور اس موضوع پر بالکل کافی دوافی وشافی ہے اور اس کے متعلق ہر اشکال کا رافع ہر اعتراض کا قاطع ہر غلط فہمی کا دافع اور

ہر اشتباہ کا نافی ہے۔

گو اس استطرادی مضمون سے بیان سابق تو خوہ ہو گیا لیکن الحمد للہ ایک دوسرا اہم مقصود حاصل ہو گیا جو اس باب ارشاد و افاضۂ باطنی سے بہ نسبت اُس مضمون کے جو بیان کیا جا رہا تھا تعلق بھی زیادہ رکھتا ہے۔

اب میں پھر بیان سابق یعنی تذکرۂ شرکت جلسۂ دیوبند کی طرف عود کرتا ہوں جلسہ ختم ہونے کے بعد احقر حضرت والا کے ہمراہ دیوبند سے تھانہ بھون حاضر ہوا اور یہ احقر کی تھانہ بھون میں سب سے پہلی حاضری تھی اور خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی زیارت کا سب سے پہلا موقع تھا۔ جس کا نظارہ ایک انگریزی پڑھے ہوئے اور کالجوں میں زندگی بسر کئے ہوئے اور تصویر کا صرف ایک ہی رُخ دیکھے ہوئے شخص کے لئے ایک بہت ہی عجیب و غریب اور پُر لطف و پُر کیف نظارہ تھا جس کو دیکھئے ثقہ صورت متشرع لباس کوئی تلاوت کر رہا ہے کوئی نماز پڑھ رہا ہے کوئی ذکر میں مشغول ہے کوئی مراقبہ میں محو ہے۔ کوئی درس دے رہا ہے۔ کوئی تصنیف کر رہا ہے۔ کوئی مطالعۂ کتب میں لگا ہوا ہے۔ بالخصوص پچھلی رات کو تو عجیب ہی سماں ہوتا تھا۔ دورانِ ذکر میں کوئی آہیں کھینچ رہا ہے۔ کسی پر گریہ طاری ہے۔ کوئی بیتاب ہو ہو کر تڑپ رہا ہے۔ کوئی غایت ذوق و شوق میں ہاتھ پاؤں پٹک رہا ہے۔ کوئی چیخ رہا ہے۔ کوئی کیف میں اشعار پڑھ رہا ہے کوئی رو رو کر دعائیں مانگ رہا ہے۔ اور لطف یہ کہ اندھیرے میں ایک کو دوسرے کی خبر نہیں کہ کس پر کون سی کیفیت طاری ہے۔ غرض ہر ذاکر دنیا سے مطمئن ہو کر اور خوب جی کھول کھول کر اپنے دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔ اور احقر بھی ایک گوشہ میں بیٹھا

ہوا مجلس ذکر کی اس مجموعی کیفیّت سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور تمنائیں کر رہا تھا کہ کاش حضرت والا کی نظر توجہ مجھ بے کیف پر بھی ہو جائے اور میرے اندر بھی کیفیات پیدا ہو جائیں۔ گویا بزبان حال یہ کہہ رہا تھا ؎

آں کہ جہاں را بہ نگہ زتن کرد
کاش بما ہم نظرے داشتے

چنانچہ حضرت والا کا تصور کر کے کہ گویا اپنے دولت خانہ ہی میں بیٹھے ہوئے سب خانقاہ والوں کو تڑپا رہے ہیں۔ اور اس منظر سے متاثر ہو ہو کر مجمع ذاکرین میں بیٹھا ہوا میں حسب حال اور مناسب موقع اشعار تصنیف کرتا رہا۔ اور حضرت والا کو خیال میں مخاطب بنا بنا کر نہایت کیف کے ساتھ ان اشعار کو پڑھتا رہا۔ ان اشعار میں سے دو شعر اب تک یاد ہیں جن کو اُس وقت کی کیفیت ظاہر کرنے کے لئے نقل کرتا ہوں ؎

اِک وار ادھر بھی قاتل کر دے ہمیں بھی شامل | مقتل میں تیرے ہر سو بسمل تڑپ رہے ہیں
کبھی آ کے تم بھی دیکھو، سر قتل گہ تماشا | کہیں سر کٹے پڑے ہیں کہیں دل تڑپ رہے ہیں

غرض خانقاہ میں پہنچ کر مجھ کو ایسا معلوم ہوا کہ میں کسی اور ہی دنیا میں پہنچ گیا جس کو روحانی دنیا کہنا زیبا ہے۔ ذکر اللہ کی دلکش صدائیں قلب غافل کو بھی ذاکر بنا بنا دیتی تھیں بقول احقر ؎

دل اینجا میکند اللہ اللہ
کہ ہر دم بشنود اللہ اللہ

اس پر اپنے ایک اہل حدیث عزیز کا جو اہلِ دل بھی تھے اور جو ایک بار

احقر کے ہمراہ خانقاہ میں حاضر ہوئے تھے مقولہ یاد آیا کہ یہاں تو بڑا لطف ہے اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے سوتے جاگتے ہر وقت اور ہر حال میں ذکر اور تلاوت ہی کی آوازیں کانوں میں پڑتی رہتی ہیں۔ میں تو جہاں چاہتا ہوں لیٹ جاتا ہوں اور پڑا ہوا سُنا کرتا ہوں اور مزے لیا کرتا ہوں اور اسی کیف میں سو بھی جاتا ہوں۔ اور جب آنکھ کھلتی ہے اور تو پھر وہی دلکش صدائیں کانوں میں پڑنے لگتی ہیں یہاں تو بڑا مزا ہے! اھ

جلسہ دیوبند کے بعد بہت سے شرکاء جلسہ حضرت والا کے ہمراہ تھانہ بھون بھی حاضر ہوے تھے حاضرین مجلس کی کثیر تعداد کو دیکھ کر حضرت والا نے فرمایا کہ یہاں بھی گویا ایک چھوٹی سی جلسی ہو گئی۔ مہمانوں کی کثرت اور جگہ کی قلت کی وجہ سے حضرت والا کی نشست گاہ کی پشت پر جو بسمت جنوب یعنی شمال رویہ حجرہ ہے وہ احقر کو ایک اور صاحب کی شرکت میں قیام کے لئے مرحمت فرمایا گیا تھا۔

احقر اسی حجرہ میں تھا اور مناجات مقبول کی منزل پڑھ رہا تھا کہ حضرت والا تشریف لا کر بیٹھ گئے اور مہمانوں کو حسب معمول مطلع فرما دیا کہ جس کا جی چاہے وُہ آکر پاس بیٹھ سکتا ہے چنانچہ سب حاضر ہو گئے اور دونوں سہ دری بھر گئیں۔ چونکہ اُس زمانہ میں حضرت والا کی نشستگاہ حجرۂ مذکورہ کے دروازہ سے بالکل ملی ہوئی تھی اس لئے بوجہ حضرت والا کے اپنی نشست گاہ پر تشریف لا کر بیٹھ جانے کے احقر حجرہ سے نکل کر شریک مجلس نہ ہو سکا اور اندر ہی بیٹھا ہوا مناجات مقبول پڑھتا رہا۔ حضرت والا نہایت جوش و خروش کے ساتھ حاضرین مجلس کو ملفوظات سے بہرہ اندوز فرما رہے تھے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ افادات میں اس درجہ منہمک ہیں کہ کسی اور طرف مطلق توجہ ہی نہیں۔ لیکن سینۂ مبارک میں جو عشق حقیقی کی آگ

بھری ہوئی تھی اور قلب مطہر کو جو ہر وقت محبوب حقیقی کی لو لگی ہوئی تھی اس کا مجھ کو کسی قدر اندازہ اُس حالت سے ہوا جو اس وقت بے اختیار احقر پہ طاری ہوئی اور یہ میرا وجدان ہے۔ جو دوسروں پر حجت نہیں ؎

نگہ ناز کی تاثیر مرا دل سمجھا
شمع کے سوز کو پروانۂ محفل سمجھا

تفصیل اُس حالت کی یہ ہے کہ جب حضرت والا حاضرین مجلس سے نہایت شغف کے ساتھ باتیں فرما رہے تھے تو دورانِ گفتگو میں بار بار اس طرح سانس لے رہے تھے جیسے کوئی کسی کیفیتِ غریبہ کے غلبہ کے وقت سانس لیا کرتا ہے۔ یعنی سانس کو کسی قدر جھٹکا دے دے کر نتھنوں سے بار بار باہر کو نکال رہے تھے احقر کو جب حجرہ کے اندر مناجات مقبول پڑھتے پڑھتے اس طرف التفات ہوا تو معاً یہ محسوس ہوا کہ حضرت والا کے اس طرح سانس نکلنے کے وقت فوراً ایک آگ سی میرے سینہ کے اندر بھر جاتی ہے اور دل میں ایک سوزش سی پیدا ہونے لگتی ہے۔ چونکہ احقر فطرۃً بہت وہمی اور تنگی مزاج کا واقع ہوا ہے اس لئے کچھ دیر تک تو اس اثر کو محض خیالی سمجھتا رہا لیکن جب ہر بار یہی کیفیت پیدا ہوتے دیکھی تو یقین ہو گیا کہ جب حضرت والا کے قلب پُر سوز میں آتش عشق زیادہ مشتعل ہونے لگتی ہے تو اس کی ظاہری سوزش کو سانس کے ذریعہ سے فرو کرنے لگتے ہیں بالخصوص جب بعض اوقات بیک وقت دو تین بار اسی طرح سانس کو نتھنوں کے باہر نکالتے تب تو احقر کے قلب میں بہت ہی جلن پیدا ہو جاتی اور ایسا معلوم ہونے لگتا کہ گویا قلب سے اسم ذات جہر و ضرب کے ساتھ دماً دم نکل رہا ہے

جب مجھ کو یہ کیفیت محسوس ہوئی تو میں سمجھا کہ یہ کوئی وقت خاص ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے قلب پر بواسطہ حضرت والا کوئی فیضان خاص ہو رہا ہے۔ لہٰذا میں ہمہ تن اُسی کیفیت کی جانب متوجہ ہو گیا اور مناجات مقبول کا پڑھنا بھی منقطع کر دیا پھر تو یہاں تک اثر بڑھا کہ غایت تاثر کی وجہ سے میں نے بیٹھے بیٹھے اپنی کہنیاں زمین پر ٹیک دیں اور بے اختیار کراہنے کی سی آواز بھی نکلنے لگی لیکن میں ضبط سے کام لیتا رہا کیوں کہ حضرت والا حجرہ کے دروازہ سے بالکل ملے ہوئے ہی تشریف فرما تھے۔ پھر بھی حضرت والا تک تھوڑی بہت آواز پہنچ ہی گئی۔ چنانچہ بعد کو مزاحاً فرماتے تھے کہ مجھے حیرت تھی کہ اس وقت حجرہ کے اندر کون ہے کوئی جن تو نہیں آ گیا۔ اھ

احقر تو اُس وقت قابو سے بھی باہر ہو جاتا لیکن خیریت یہ ہوئی کہ حُسنِ اتفاق سے حضرت والا نے بوجہ جگہ تنگ ہونے کے دستی پنکھا جھلنے والے صاحب کو حجرہ کے دروازہ کے اندر بٹھا دیا ان کی وجہ سے بغرض اخفائے حال میں سنبھل کر بیٹھ گیا لیکن پھر بھی قلب میں وہی کیفیت پیدا ہوتی رہی۔ بہت دیر کے بعد جب مجلس ختم ہوئی تو احقر بھی باہر نکلا۔ اس وقت حضرت والا نے متعجب ہو کر فرمایا کہ اچھا آپ اندر ہی بیٹھے رہے مجھے اندر سے کچھ آواز سی تو سنائی دی تھی لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ آپ بیٹھے ہوتے ہیں مجھے حیرت تھی کہ حجرہ تو خالی ہے پھر یہ آواز کیسی۔ کوئی جن تو نہیں آ گیا۔ اھ

اُس زمانہ میں حضرت والا پر اس قدر سوز و گداز کا غلبہ تھا کہ اُس کا ظاہر پر بھی اثر پڑتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار میں حضرت والا کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میں کسی تنور کے پاس بیٹھا ہوا ہوں۔ باوجود اس کے کہ اس وقت ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی لیکن پیشانی پر پسینہ آ آ جاتا تھا۔ یہاں تک

کہ احقر نے حضرت والا سے بھی اشارۃً عرض کر دیا کہ ہوا تو چل رہی ہے پھر یہ گرمی کیوں محسوس ہو رہی ہے۔ حضرت والا موقع بہ موقع لمبا سانس لے لے کر صمیم قلب سے لفظ اللّٰہ بھی کہتے رہتے تھے جس سے اندرونی سوز و گداز کا پتہ چلتا تھا اور اٹھتے بیٹھتے عجیب عجز و نیاز کے لہجہ میں "اے میرے مالک" بھی کہتے اور یہ دونوں معمول کم و بیش اب بھی جاری ہیں۔

اسی پہلی حاضری خانقاہ میں ایک اور عجیب کیفیت بھی احقر پر طاری ہوئی وہ یہ کہ حضرت والا جس قسم کی بھی گفتگو کسی سے فرماتے یا جو بھی واقعہ بیان فرماتے خواہ کسی موضوع کے متعلق ہو دینی یا دنیوی اس کو میں من و عن خود اپنے ہی کسی نہ کسی حال باطنی پر منطبق پاتا اور ساتھ کے ساتھ اس کے ہر ہر جزو کی توجیہ قریب اور وجہ انطباق بھی ذہن میں خود بخود بلا تکلف آتی چلی جاتی اور میں یہ سمجھتا کہ ان سب حکایات و تقریرات میں حضرت والا کا روئے سخن میری ہی طرف ہے۔ گویا اللہ تعالےٰ نے حضرت والا کو میرے لئے سراپا ہدایت ہی ہدایت بنا دیا تھا۔ مثلاً ایک بار حضرت والا تلاوت فرماتے ہوئے ریل کی پٹڑی پر صبح کی مشی کے لئے تشریف لئے جا رہے تھے اور احقر کو بھی غایت عنایت سے خوشی کے ساتھ ہمراہ چلنے کی اجازت مرحمت فرما دی تھی۔ راستہ میں چند کالی بھجنگ بھینسیں ریلوے لین کو عبور کرتی ہوئی ملیں۔ ان کو دیکھ کر حضرت والا نے احقر سے فرمایا کہ بھینسیں ایسی کریہ صورت ہوتی ہیں کہ اگر ان سے دودھ کی توقع نہ ہوتی تو ان کو کبھی کوئی پالنا گوارا نہ کرتا۔اھ

احقر کو ہجوم وساوس کی ہمیشہ شکایت رہتی ہے احقر یہ سمجھا کہ حضرت والا وساوس کے

متعلق میری تسلی فرمارہے ہیں کہ اس طریق میں بھی ان بھینسوں کی طرح وساوس خطور کرتے ہیں جو بہت ناگوار اور مکروہ معلوم ہوتے ہیں لیکن چونکہ ان سے نفع باطنی حاصل ہوتا ہے اس لئے ان کو گوارا کیا جاتا ہے۔ غرض اسی طرح حضرت والا کے ہر قول کو میں اپنے کسی نہ کسی حال پر منطبق پاتا تھا اور خواہ کوئی مخاطب ہو میں سمجھتا تھا کہ حضرت والا درپردہ مجھی سے خطاب فرما رہے ہیں بقحوائے ؎

خوشتر آں باشد کہ سِرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

بلکہ اس کا اتنا یقین ہوگیا تھا کہ اس قسم کی بعض باتوں کا جواب احقر بھی انھیں اشارات میں عرض کر دیتا تھا اور بظن خود سمجھ لیتا تھا کہ حضرت والا بھی میرے اس اشارہ کو سمجھ گئے ہیں۔

جب احقر نے اپنا یہ سب حال حضرت والا کی خدمت میں عرض کیا تو فرمایا کہ میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں اللہ تعالےٰ نے آپ کو علم اعتبار عطا فرمایا ہے۔ پھر علم اعتبار کی حقیقت بیان فرمائی کہ ایک شئے سے دوسری شئے کی طرف بربنائے مناسبت ذہن کے منتقل ہو جانے کو علم اعتبار کہتے ہیں اور اسی کو علم تعبیر بھی کہتے ہیں جس کو اس علم سے مناسبت ہوتی ہے وہ معبر خواب ہوتا ہے کیونکہ خواب میں حقائق اکثر صور مثالیہ میں متمثل ہوتی ہیں۔ پھر ایک بزرگ کی حکایت بیان فرمائی کہ اُنھوں نے ایک ککڑیاں بیچنے والے کو جو یہ صدا لگاتے سنا کہ الخیار العشرۃ بدانق تو لفظ خیار سُن کر ان کا ذہن بجائے ککڑیوں کے خیار کے دوسرے معنی یعنی اچھے لوگوں کی طرف منتقل ہوگیا اور یہ کہہ کر کہ جب خیار کی اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ قدر و قیمت ہے

کہ ایک دانق میں دس دس تو ہم جیسے اشرار کا کیا حال ہو گا ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو کر گر گئے پھر فرمایا کہ بعض صوفیہ نے جو تفسیرات قرآنیہ لکھی ہیں وہ اسی قسم کی تعبیرات سے مملو ہیں۔ مثلاً سورۂ بقر میں بقر سے مراد نفس لیا ہے۔ اور غضب یہ ہوا کہ بعض جاہل صوفی اس قسم کی تفسیرات کو اصل تفسیر سمجھنے لگے جو ان کی سخت غلطی ہے۔

غرض حضرت والا کی اس بشارت سے کہ احقر کو علم اعتبار عطا ہوا ہے مجھ کو بڑی مسرت ہوئی اور جب کچھ عرصے کے بعد یہ حالت فرو ہو گئی اور احقر نے اس فقدان پر اظہار حسرت کیا تو فرمایا کہ کچھ غم نہ کیجئے۔ دیکھئے درخت پر پہلے چھوٹے پھول آتے ہیں جو جھڑ جاتے ہیں پھر سچے پھول آتے ہیں جن سے پھل پیدا ہوتے ہیں افسوس کی بات نہیں اس قسم کے تغیرات تو اس طریق میں لازم عادی ہیں۔ علم اعتبار کیا چیز ہے آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑھ کر دولتیں عطا ہوں گی کچھ فکر نہ کیجئے۔ اھ

جب کچھ دن حضرات والا کی خدمت بابرکت سے بہرہ یاب اور لطف اندوز ہو کر احقر رخصت ہونے لگا تو کچھ نقد ہدیہ پیش کرنے کے لئے اپنی اچکن کی اوپر والی جیب سے روپیہ نکالنے لگا لیکن چونکہ جیب تنگ تھی اس لئے روپیہ نکالنے میں تکلف ہوا اور کچھ دیر لگی۔ حضرت والا نے مزاحاً فرمایا کہ روپیہ نہیں تو اچکن ہی اتار کر مجھے دے جایئے میں خود نکال لوں گا۔ اس پُر لطف فقرہ نے احقر کے قلب سے اُس کیفیت ہیبت و بستگی کو بالکل زائل کر دیا جو حضرت والا کی شان جلال کے مشاہدہ سے جس کا اتفاق احقر کو پہلی ہی بار ہوا تھا مرعوب ہو کر پیدا ہو گئی تھی۔ اور غالباً اُسی کیفیت کو محسوس فرما کر حضرت والا نے یہ معاملہ بھی فرمایا تھا تاکہ چلتے وقت احقر کی طبیعت منشرح ہو جائے کیوں کہ جذبات پر حضرت والا کی بہت نظر رہتی ہے چنانچہ

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ رخصت کرتے وقت بہت بشاشت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ بجز ان مواقع کے جن میں سیاست کا مقتضا اس کے خلاف ہو۔ ایسے مواقع پر تو رخصت کے وقت بالقصد یاد دلا دیتے ہیں کہ دیکھو تم مجھ کو اپنی حرکتوں سے اذیت دے کر جا رہے ہو اس کو یاد رکھنا تاکہ آئندہ کسی کو نہ ستاؤ۔ اھ

احقر غایت محبت سے وقت بے وقت حضرت والا کے ساتھ ہی لگا رہتا چنانچہ جب مکان تشریف لے جاتے اس وقت بھی ہمراہ ہو لیتا ایک مرتبہ اس پر تنبیہ فرمائی کہ آپ میں غلو بہت ہے اس تنبیہ سے بھی میں مرعوب رہنے لگا تھا۔

مشاہدۂ شانِ جلال کو میں نے اپنے عریضہ میں جس کا کچھ حصہ اب تک پرانے خطوط میں محفوظ ہے واپسی پر عجب عاشقانہ رنگ سے لکھا تھا۔ اقتباس ملاحظہ ہو۔

"اب کی بار حضور کی صفت جمال اور شانِ جلال جو محض تربیت خدام کے لئے تھی دونوں سے مستفید ہوا ورنہ ابھی تک لاڈ ہی لاڈ میں پلا تھا ؎

صفتِ جمال بھی ہے شانِ جلال بھی ہے
تری سادگی کے قربان ترے بانکپن کے صدقے

اگر احقر کی کوئی گستاخی ناگوارِ خاطرِ اقدس ہوئی ہو یا ہو تو للہ معاف فرمایئے گا کیونکہ بطن خود میں حضور کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ سادگی و محبت ناواقفیت و جہالت کی وجہ سے ہوتی ہے۔

رخصت کے وقت حضور کے شفقت بھرے الفاظ نے تمام گرانی جو حضور کی شانِ جلال نے پیدا کر دی تھی قطعاً زائل کر دی اور اب تک اس کا مزا لیتا ہوں اس وقت بیحد انبساط ہوا تھا اور اب بھی جب سوچ لیتا ہوں تو عجیب حظ

حاصل ہوتا ہے۔ انتہی بلفظہ۔

احقر پر جو کیفیت حجرہ میں بیٹھے بیٹھے طاری ہوئی تھی جس کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے احقر نے اس کا بھی مفصل حال تھانہ بھون سے واپس آجانے پر بذریعہ عریضہ عرض کیا تھا کیوں کہ بزمانۂ حاضری تھانہ بھون زبانی عرض کرنے کی جرأت ہی نہ ہوئی تھی۔ اُس کیفیت کا حال لکھنے کے علاوہ احقر نے یہ بھی لکھا تھا کہ افسوس مجھ کو اپنے امراض باطنی کے اظہار کی بھی قابلیت نہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود حضور پُرنور پر میرے امراض روشن فرما دیا کرے تاکہ حضور خود ہی ان کی اصلاح فرماتے رہیں۔ حضرت والا نے اس عریضہ کا جو جواب ارسال فرمایا تھا وہ ایسا پُرکیف اور پُراثر اور رنگین تھا کہ اُس نے مجھ کو بیخود کر دیا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جس وقت وہ جواب مجھ کو ملا ہے میں اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ اس کو دیکھتے ہی وہی کیفیت میرے قلب میں پھر عود کر آئی جو تھانہ بھون میں طاری ہوئی تھی۔ اور جس کے متعلق یہ جواب تھا اور جو مفقود ہو چکی تھی اور جس کے فقدان پر احقر نے اپنے عریضہ میں بہت اظہار حسرت کیا تھا اور استدعائے توجہ کے ساتھ آخر میں یہ شعر بھی غایت شوق میں خود تصنیف کر کے لکھا تھا ؎

بہر حق پھر اک توجہ کی نظر کر دیجئے
عشق حق کی آگ سے سینہ مرا بھر دیجئے

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت والا کا گرامت نامہ دیکھتے ہی پھر ویسی ہی سوزش سینہ میں پیدا ہو گئی اور جب پڑھنا شروع کیا تب تو وہ عود شدہ کیفیت یہاں

تک بڑھی کہ میں کھانا چھوڑ کر مکان کے بالاخانہ پر چلا گیا اور بھائی سے کہہ گیا کہ اوپر نہ آئیں۔ پھر اوپر پہنچ کر تنہائی میں چارپائی پر پڑا ہوا خوب لوٹتا اور تڑپتا رہا۔ اس مزیدار جواب کے مزے لے لے کر اتنی مرتبہ پڑھا اور اتنے لوگوں کو سنایا کہ اس کا اکثر حصہ بلفظہ یاد ہو گیا اور اب تک یاد ہے حالانکہ اس کو پچیس سال سے بھی زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ اور جواب کا پرچہ گم بھی ہو گیا ہے گو خود احقر کے عریضہ کا کچھ حصہ اب تک محفوظ ہے جو ذوق و شوق کے مضامین سے لبریز ہے جس نے بھی وہ جواب سنا وہی تڑپ گیا اور اب بھی جس کو سناتا ہوں عش عش کرنے لگتا ہے بالخصوص حضرت والا کے جوابات کے موجودہ طرز سے موازنہ کرنے کے بعد تو بہت ہی تعجب ہوتا ہے۔

بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں حضرت والا پر عاشقانہ رنگ کا بہت غلبہ تھا اور اب حکیمانہ رنگ غالب ہے جو انفع و اکمل ہے۔ چنانچہ خود حضرت والا نے بھی اس جواب کو ایک بار احقر سے سن کر فرمایا کہ اس زمانہ میں میں خود بھی تو بہت بے چین تھا اور اب تو بالکل روکھا پھیکا ہو گیا ہوں اور پھر یہ مثال دی کہ بعض موسموں میں تو کھچڑی کم کھائی جاتی ہے چٹنی زیادہ مثلاً گرمیوں اور لو دھوپ کے زمانہ میں برخلاف اس کے سردیوں میں کھچڑی زیادہ کھائی جاتی ہے اور چٹنی صرف کبھی کبھی بس ایک دو انگلی چاٹ لی۔ گو کھچڑی چٹنی کے مقابلہ میں بالکل روکھی پھیکی ہوتی ہے لیکن جزو بدن وہی زیادہ ہوتی ہے چٹنی تو محض ایک چاٹ کی چیز ہے۔ اھ

اسی مضمون کو ایک بار اور طرح بیان فرمایا تھا۔ صبح کی مشی کے لئے تلاوت فرماتے ہوئے تشریف لے جا رہے تھے احقر بھی ہمراہ تھا راستہ میں دو کھیت پڑے ایک تو پک چکا تھا اور ایک میں ابھی پھول ہی آ رہا تھا جو پک چکا تھا وہ تو بالکل خشک

تھا اور دوسرا نہایت خوش منظر اور ہرا بھرا - فوراً فرمایا کہ متوسط اور منتہی میں بس ایسا ہی فرق ہوتا ہے جیسا ان دو کھیتوں میں - گو دیکھنے میں تو یہ ہرا بھرا کھیت نہایت خوش منظر ہے لیکن ابھی وہ سوائے اس کے اور کسی کام کا نہیں کہ کاٹ کر بیلوں کو کھلا دیا جائے۔ بس جانوروں کا چارہ ہے اور کچھ بھی نہیں - اور دوسرا گو دیکھنے میں تو بالکل سوکھا ساکھا روکھا پھیکا ہے لیکن اس میں دانہ پڑ گیا ہے اور پک سوکھ کر بالکل تیار ہو گیا ہے جب چاہیں کاٹ کر اس سے غلہ حاصل کر لیں جو انسان کا مدار حیات ہے اور جو کھیت کا اصل مقصود ہے! ھ

اس کی چند مثالیں باب شرف بیعت و استفاضۂ باطنی میں بھی گذر چکی ہیں جن کے اعادہ کی حاجت نہیں۔

غرض حضرت والا کا وہ زمانہ بہت ہی جوش و خروش کا زمانہ تھا اس لئے اس زمانہ کے جوابات خطوط بھی بہت رنگین اور پُر جوش ہوتے تھے چنانچہ احقر کے عریضۂ مذکورہ کا حسب ذیل جواب انعام فرمایا

آپ کا خط آیا حرفاً حرفاً پڑھا بہت لذت آئی پس لکھنے والے کو لکھتے وقت کیا کچھ لذت آئی ہوگی ؎

ساقی ترا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا
جب تو نے یہ مے ظالم شیشہ میں بھری ہوگی

یہ سب نیرنگیاں حضرت عشق طال بقاوہ کی ہیں جن پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں نوشید و خروشید سب فال نیک ہے انشاء اللہ تعالیٰ اسی طرح ؎

تا دم آخر دمے آخر بود ۔ کہ عنایت با تو صاحب سر بود

آپ بیکار فکروں میں نہ پڑئیے ؎

من غم تو میخورم تو غمِ مخور
بر تو من مشفق ترم از صد پدر

کبھی طالب کی توجہ سے اُس کے قلب کو شیخ کے قلب سے اتصال ہو کر شیخ کے قلب کی کیفیات متعدی ہونے لگتی ہیں یہ جو حکایت آپ نے لکھی ہے وہ اسی قبیل سے ہے۔ اھ

حضرت والا کی اس تحقیق سے احقر کے اس گمان کی تصدیق ہے کہ وہ جو مجھ پر اثر ہوا تھا وہ حضرت والا ہی کی کیفیات قلبیہ کا انعکاس تھا۔

حضرت والا نے جو اپنے جواب میں مذکورہ بالا شعر تحریر فرمایا تھا اس نے مجھ کو خاص طور سے کئی دن تک مست رکھا یہاں تک کہ اسی بحر و قافیہ میں خود میں نے بھی حسب حال کچھ اشعار تصنیف کر لئے تھے جن میں سے یہ دو شعر اب تک یاد ہیں ؎

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیئے لاکھوں
اس قلب میں یا اللہ کیا آگ بھری ہوگی

جنت میں ملے گا سب جس میں جسے راحت ہو
ہم کو تو پسند اپنی شوریدہ سری ہوگی

واقعی اُس زمانہ میں شورش و سوزش اس درجہ محبوب تھی کہ جب بعض اوقات کچھ سکون سا محسوس ہونے لگتا تو یہ خیال ہوتا کہ کہیں مطلوب تک جلد رسائی نہ ہو جائے ورنہ پھر یہ شورش طلب کا لطف کہاں رہے گا۔ اس وقت یہ خبر نہ تھی کہ ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست ۔۔۔ ہرچہ بروے می رسی بروے مایست

نہ گردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا
کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

چونکہ احقر ہمیشہ بغرض اصلاح اپنا کچا چٹھا اور خطرات و وساوس تک حضرات والا کے حضور میں عرض کرتا رہتا تھا جیسا کہ حضرت والا کا بھی حضرت حاجی صاحبؒ کے ساتھ یہی طریق عمل خود حضرت والا ہی سے سنا تھا۔ اس لئے میں نے اپنے اس بے تکے خیال کو بھی حضرت والا کی خدمت میں عرض کر دیا اس پر حضرت والا نے ہنس کر فرمایا کہ آپ کا بھی عجیب مذاق ہے۔ چونکہ یہ خیال ناشی تھا لذت اشتیاق سے نہ کہ نعوذ باللہ اعراض سے بقول کسی مغلوب الحال کے ع:۔ من لذتِ دردِ تو بہ درمان نفروشم
نیز محض خطرہ کے درجہ میں تھا اس لئے حضرت والا نے اس پر بجائے اظہار نفرت کے محض اظہار تعجب فرمایا۔

پہلی بار کی حاضری تھانہ بھون کے بعد تو پھر حاضری کا ایسا چسکا لگا کہ تھانہ بھون بقول شخصے گھر آنگن ہو گیا۔ چنانچہ میری واپسی کے بعد کے پہلے عریضہ میں جس کا آخری حصہ اب تک محفوظ ہے یہ جملہ بھی موجود ہے ”حضور کی زیارت اور وہ بھی تھانہ بھون کی زیارت کو بے حد جی ترستا ہے طبیعت سیر ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر اللہ تعالیٰ جلد نصیب کرے آمین“۔ جب کوئی چھٹی پڑتی خواہ دو ہی دن کی ہوتی نہایت اشتیاق کے ساتھ بیتابانہ بلکہ اکثر آخری شنبہ اور اتوار کی چھٹی میں فتح پور جیسے دور دراز مقام سے حاضر ہوتا۔ حالانکہ مشکل سے صرف بارہ گھنٹے ہی خدمت بابرکت میں قیام کے لئے ملتے اور بہت سے روپیہ کرایہ میں صرف ہو جاتے۔

ایک بار تو سہارن پور کے جلسہ میں جہاں حضرت والا بھی تشریف لے گئے تھے اور کچھ بیمار تھے صرف پانچ گھنٹے ہی قیام کے لئے ملے تھے کیونکہ صرف ایک دن یعنی اتوار ہی کی چھٹی تھی لیکن بفضلہ تعالیٰ اس قلیل قیام میں کثیر فیض لے کر آیا کیونکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ احقر کو سب سے پہلے اُسی حاضری میں خاص قوت کے ساتھ حضور مع اللہ کی کیفیت قلب میں محسوس ہوئی تھی جو حضرت والا کی خاص توجہ کی برکت تھی کیونکہ احقر کے اتنے لمبے سفر اور اتنے مختصر قیام سے حضرت والا بہت متاثر ہوئے تھے۔

ہر حاضری میں مجھے حضرت والا کی توجہ کا اس قدر اثر محسوس ہوتا تھا کہ میں لوگوں سے یہ کہا کرتا تھا کہ اگر پچاس روپیہ بھی خرچ ہو جائیں اور صرف اتنا موقع مل سکے کہ ایک نظر حضرت والا مجھے دیکھ لیں اور ایک نظر حضرت والا کو میں دیکھ لوں تب بھی میں اُس ایک نظر کے مقابلہ میں پچاس روپیہ کی کچھ بھی پروا نہ کروں بلکہ اس کو نہایت ارزاں اور بسا غنیمت سمجھوں بقول ائے ؎

ایکہ یک دیدار تو دیدار ہا — اے نثارِ دید تو دنیا رہا

جماعے چند دادم جاں خریدم — بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

چونکہ حضرت والا سے بارہا نہایت شد و مد کے ساتھ صحبت شیخ کے منافع سُنتا رہتا تھا اس لئے اگر کبھی نفس مزاحمت بھی کرتا تب بھی حسب ارشاد حضرت والا کہ نیک کاموں میں دل کے چاہنے نہ چاہنے پر مدار نہ رکھنا چاہیے ہمت اور اختیار سے کام لینا چاہیے۔ ٹکٹ لے کر یہ کہتا ہوا اپنے آپ کو ریل گاڑی کے اندر داخل کر دیتا تھا

دل پہ قابو نہیں تن پر تو ہے قابو اپنا

جب عقلاً اس کا استحسان معلوم ہے پھر پس و پیش کی کوئی وجہ نہیں ٹکٹ خریدنا اختیار میں ہے ریل میں بیٹھ جانا اختیار میں ہے پھر چاہے نفس کچھ ہی کہتا رہے نیز بارہا لمبی لمبی رخصتیں بلا تنخواہ اور نصف تنخواہ پر لے لے کہ حاضر خانقاہ رہا اور اگر کبھی بوجہ فطری تلون اور امور دنیا سے طبعی دلچسپی کے دل اچاٹ ہونے لگتا تو امیر مینائی مرحوم کا یہ شعر پڑھ دیتا ؎

لاکھ ابھارے وحشت دل کوئے جاناں سے امیر
میں نہ صحرا کی طرف جاؤں نہ گلشن کی طرف

نیز حضرت والا کی معیت میں لمبے لمبے سفر بھی کئے۔ کیوں کہ علاوہ قلبی اشتیاق کے حضرت والا سے یہ بھی سن چکا تھا کہ اگر موقع ملے تو طالب کو کبھی کبھی شیخ کے ساتھ سفر بھی کرنا چاہیے۔ کیوں کہ سفر میں زیادہ معیت رہتی ہے اور مختلف قسم کے سابقے پڑتے ہیں جس سے دل کھل جاتا ہے اور رل جاتا ہے اور باہم مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور مناسبت ہی پر فیض کا دارومدار ہے۔ نیز ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ معیت سفر اصلاح میں بھی بہت معین ہوتی ہے کیوں کہ سفر میں شیخ کو طالب کے مختلف قسم کے حالات و معاملات کے مشاہدہ کا موقع ملتا ہے۔ جن پر وہ روک ٹوک کر سکتا ہے یہ موقع حضر میں مستبعد ہے اسی طرح طالب کو بھی شیخ کے بعض ایسے معاملات سے سبق حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے جن کا اتفاق حضر میں نہیں ہوتا۔ اھ

حضرت والا کی معیت سفر تو بالخصوص علاوہ نہایت پر لطف ہونے کے نہایت ہی نافع ثابت ہوتی تھی کیوں کہ اول تو حضرت والا کا ہر معاملہ سبق آموز ہوتا تھا

اور خود بھی مواقع ضرورت میں بکثرت روک ٹوک فرماتے رہتے تھے جس کی کچھ تفصیل باب سفر میں عرض کی جا چکی ہے۔ غرض احقر کو حضرت والا کے اس اٹھائیس ۲۸ سال کے تعلق میں الحمد للہ حضرت والا کے سفر و حضر کے ہزار ہا قسم کے نہایت سبق آموز اور دلچسپ دلچسپ حالات و واقعات و معاملات دیکھنے اور ملفوظات و ارشادات و نصائح سننے کا موقع نصیب ہوا ہے۔ جو احاطۂ بیان سے باہر ہیں۔ بالخصوص اُن کے تاثرات جو قلب میں موجود ہیں وہ تو کسی طرح بیان میں آ ہی نہیں سکتے بقول احقر ؎

زبان بے دل ہے اور دل بے زباں ہے ہائے مجبوری
بیاں میں کس طرح وہ آئے جو دل پر گذرتی ہے

تاہم بطور نمونہ چند مسلسل واقعات کو تو اوپر بیان کیا جا چکا ہے اور چند متفرق واقعات و ملفوظات و مکتوبات کو جو بے تکلف یاد آتے چلے جائیں گے بلا لحاظ اس کے کہ وہ دوسرے رسالوں میں قلمبند کئے جا چکے ہیں یا نہیں ذیل میں بعنوان واقعہ بیان کئے دیتا ہوں بمصداق ؎

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

واقعہ نمبر (۱)

ایک بار کی حاضری میں یہ واقعہ ہوا کہ ایک اہل علم ذاکر شاغل نے جو مقیم خانقاہ تھے اپنے کسی دوست کو اپنے حالات باطنی لکھ کر بذریعۂ ڈاک بھیج دیئے اور لکھا کہ یہاں ایسے ایسے برکات حاصل ہو رہے ہیں تم بھی آکر حاصل کرو۔ اس کی حضرت والا کو اتفاق سے

خبر ہو گئی۔ چونکہ حضرت والا کو طالبین کے اندر سے رذائل نفس کے ازالہ کا بیحد اہتمام رہتا ہے۔ اور اصلاح نفس کو بمقابلہ اذکار و اشغال واجب التقدیم سمجھتے ہیں اس لئے ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے بعد ظہر وہ اتفاقاً حضرت والا کے پاس ہو کر گزرے تو اُس وقت سرسری طور پر چپکے سے تنبیہ فرمائی کہ تمہیں اپنے حالات باطنی جو اسرار ہیں دوسرے پر ظاہر کرتے ہوئے شرم نہ آئی جس میں ایک گونہ دعویٰ بھی ہے۔ پھر بعد عصر انہوں نے بغرض عرض حال پرچہ دینا چاہا تو نہایت غصہ کے لہجہ میں جھڑک دیا اور لینے سے انکار فرما دیا۔ اور فرمایا کہ جناب اب تو آپ ماشاءاللہ کامل ہو گئے ہیں۔ میں کاملین کی اصلاح کرنے کا اہل نہیں ہوں۔ اب آپ کسی اور جگہ تشریف لے جائیے۔ میں آپ کی اصلاح نہیں کر سکتا۔ پھر حضرت والا نے ان کا اسباب نکلوا کر باہر رکھوا دیا اور خانقاہ سے نکل جانے کا حکم صادر فرما دیا۔ اس پر وہ صاحب ڈھاڑیں مار مار کر رونے لگے لیکن چونکہ حضرت والا باوجود انتہا درجہ رقیق القلب ہونے کے کبھی حسب ارشاد خود اپنی طبیعت کو عقل پر غالب نہیں آنے دیتے۔ لہذا باوجود ان کے رونے اور عرض معروض کرنے کے اپنے حکم اخراج کو جو سراسر مصلحت پر مبنی تھا نہیں بدلا۔ چونکہ نماز عصر کے بعد ہی یہ قصہ جھڑ گیا تھا اس لئے سب مقتدی ابھی صف باندھے ہی بیٹھے تھے جس میں احقر بھی شامل تھا۔ حضرت والا وہیں بیٹھے ہوئے دیر تک عبدیت وفنا کے مقصود اصلی ہونے پر نہایت ہی موثر اور پُرجوش تقریر فرماتے رہے۔ سب مقتدیوں پر ایک سکتہ کا عالم طاری تھا اور احقر کو تو اپنی ناکارگی و نااہلی کا اس درجہ استحضار ہوا کہ مارے شرم کے صف سے کسی قدر پیچھے کو ہٹ گیا کیونکہ اپنی گندی حالت پر نظر کر کے اپنے آپ کو اس قابل نہ پایا کہ دینداروں کی صف میں بھی بیٹھ سکوں۔

اسی تقریر میں حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ لوگ کشف کو بڑا کمال سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کوئی چیز نہیں کیوں کہ اس کو قرب میں کچھ بھی دخل نہیں۔ بعضوں کو کشف سے فطری مناسبت ہوتی ہے۔ بعضوں کو نہیں جیسے بعضوں کی نظر پیدائشی طور پر دوربین ہوتی ہے بعضوں کی نزدیک بین۔ پھر مسجد کے سنقاوہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ فرض کیجئے ایک شخص کی نظر تو صرف سنقاوہ ہی تک پہنچتی ہے اور ایک کی باہر سڑک تک تو کیا جس کی نظر سڑک تک پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مقرب ہوگیا۔ یہ تو محض نظر کی ایک قسم ہے اس کو قرب سے کیا علاقہ۔ اسی طرح طبائع مختلف ہوتی ہیں۔ بعضوں کو کشف سے فطرةً ہی مناسبت نہیں ہوتی وہ لاکھ ریاضت و مجاہدہ کریں انہیں عمر بھر بھی کشف نہیں ہوتا بھلا کشف کو بزرگی سے کیا تعلق۔ اصل چیز تو عبدیت ہے۔ واللہ اگر کسی کو لاکھ کشف ہوں اور وہ پھر اپنے وجدان کی طرف رجوع کرے تو وہ محسوس کرے گا کہ میرے قرب میں ذرہ برابر بھی ترقی نہیں ہوئی برخلاف اس کے اگر وہ چار مرتبہ بھی سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھ کر اپنے وجدان کو دیکھے تو اس کو صاف محسوس ہوگا کہ کچھ نہ کچھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب بڑھ گیا۔ اہل ذوق جب چاہیں اس کا تجربہ کر لیں۔ اھ

غرض دیر تک مضمون عبدیت ہی پر تقریر فرماتے رہے۔ احقر پر اُس تقریر کا یہ بھی ایک خاص اثر ہوا تھا کہ تمام وساوس جن کے ہجوم سے میں ہمیشہ نہایت سخت پریشان رہا کرتا تھا بالکلیہ مندفع ہو گئے۔ یہاں تک کہ پھر سوچنے سے بھی نہیں آتے تھے۔ مجھے اُس مُزمن مرض سے شفایاب ہو جانے کی اس درجہ مسرت ہوئی جیسے عین حالت یاس میں دوبارہ زندگی حاصل ہو گئی ہو۔ یا گویا از سر نو ایمان کی دولت

نصیب ہوئی جس پر اگر سلطنت بھی قبضہ میں ہوتی تو نثار کر دینے کو جی چاہتا تھا اور اس وقت نہایت ذوق و شوق کے ساتھ یہ مصرع وردِ زباں تھا ع

بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

وساوس کے لئے مرض کا لفظ میں نے مجازاً استعمال کیا ورنہ حضرت والا تو ہجوم وساوس کو مرض ہی نہیں قرار دیتے کیوں کہ مرض باطنی تو وہی ہوتا ہے جس میں کوئی ضرر دینی ہو اور وساوس میں بنص صریح لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا دینی ضرر مطلق نہیں۔ بلکہ اگر کوئی ہجوم وساوس کی یا محض میلان الی المعاصی بلا عمل و عزم عمل کی شکایت کرتا ہے تو سب سے پہلے یہی ضابطہ کا سوال فرماتے ہیں کہ اس میں دینی ضرر کیا ہے۔

الغرض احقر کو وساوس کی دیرینہ شکایت رفع ہو جانے سے بیحد مسرت ہوئی اور جس وقت حضرت والا مذکورۂ بالا تقریر فرما کر تشریف لے جانے لگے تو احقر نے مجملاً اس اثر کا حال عرض کیا جس پر مسرت کے لہجہ میں فرمایا کہ جی ہاں نافع تقریر تھی۔ حضرت والا تو تشریف لے گئے لیکن احقر پر برابر وہی کیفیت طاری رہی جو حضرت والا کی تقریر دلپذیر سے پیدا ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ میں بعد مغرب حضرت والا کی سہ دری میں تنہا بیٹھا ہوا اسی کیفیت میں سرشار حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی ایک مناجات کا یہ شعر نہایت مزے لے لے کر پڑھنے لگا ؎

تو کر بے خبر ساری خبروں سے مجھ کو
الٰہی رہوں اک خبردار تیرا

پھر تو حضوریٔ حق کا اس قدر غلبہ ہوا کہ اُس کے سرور و کیف نے مجھ کو

پے خود کر دیا یہاں تک کہ میرے ہاتھ پاؤں بھی بے قابو ہو گئے۔ جب یہ کیفیت زیادہ بڑھی تو بے اختیار جی چاہا کہ حضرت والا کی خدمت میں پہنچ کر قدموں پر لوٹنے لگوں چنانچہ فوراً اٹھ کر حضرت والا کے دولت خانہ کی طرف چلا۔ چونکہ ہاتھ پاؤں بالکل بے قابو ہو رہے تھے اس لئے لڑکھڑاتا کانپتا اور دیواروں کا سہارا لے لے کر اپنے آپ کو گرنے سے سنبھالتا ہوا درِ دولت پر پہنچا۔ وہاں حضرت والا کے خادم دیرینہ بھائی نیاز خاں ملے۔ وہ میری حالت کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ پوچھا خیریت تو ہے۔ میں نے کراہتے ہوئے کہا کہ بھائی ذرا حضرت کو بلا دو۔ حضرت والا اندر تشریف فرما تھے۔ انہوں نے فوراً میری اس حالت کی اطلاع کی۔ حضرت والا اُس وقت اتفاق سے ڈھیلہ لئے ہوئے ٹہل ٹہل کر چھوٹا استنجا خشک فرما رہے تھے۔ میری حالتِ غیر سن کر گھبرائے ہوئے اُسی حال میں باہر تشریف لے آئے اور پوچھا خیریت تو ہے کیا حال ہے۔ احقر دیکھتے ہی قدموں پر گر پڑا اور عرض کیا کہ حضرت نے تو آج مجھ کو بڑی دولت عطا فرما دی۔ میں تو پڑا لوٹ رہا تھا اور جوشِ مسرت میں خوشی کے آنسو بہا رہا تھا اور بار بار دیوانہ وار یہی عرض کر رہا تھا کہ حضرت نے تو میرے اوپر آج بڑا ہی احسان کیا۔ بڑے سخت مرض سے نجات بخشی۔ بڑی دولت عطا فرمائی۔ اس وقت مجھ کو نہ پورا ہوش تھا نہ بالکل بیہوشی کچھ بین بین سی حالت تھی۔

حضرت والا کا ایک ہاتھ تو گھرا ہوا تھا صرف ایک ہاتھ خالی تھا اُس سے مجھ کو اٹھایا اور بھائی نیاز خاں کی مدد سے مجھ کو لا کر ایک چارپائی پر جو قریب ہی بچھی ہوئی تھی لٹا دیا اور میرے قلب پر اپنا دست مبارک رکھ رکھ کر بار بار فرمانے لگے کہ ذرا دل کو سنبھالئے ذرا دل کو سنبھالئے چونکہ میرے ہوش اچھی طرح بجا نہ تھے میں

چارپائی پر پڑا ہوا حضرت والا ہی کے ہاتھوں سے اپنے مسرت کے آنسوؤں کو پونچھنے لگا۔ اور بے تکلف ہو ہو کر عرض کرنے لگا کہ آج تو حضرت کو بھی میری اس حالت پر بڑی خوشی ہو رہی ہو گی۔ حضرت والا نے نہایت مسرت کے ساتھ فرمایا کہ جی ہاں کیوں نہیں مجھ کو تو اپنے سب احباب کی خوشحالی سے مسرت ہوتی ہے پھر فرمایا کہ اس حالت کو اصطلاح صوفیہ میں بسط و اُنس کہتے ہیں جو قبض و ہیبت کے مقابل ہے۔ الحمد للہ جو حالات اور جگہ برسوں کے مجاہدوں میں بھی نہیں پیدا ہوتے ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں بفضلہ تعالیٰ ہفتوں میں حاصل ہو جاتے ہیں۔ اھ

ف یہ حضرت والا کا غایت ادب و عقیدت اور انتہائی منت شناسی و ادائے حق محبت ہے کہ اپنے سارے کمالات کو حضرت حاجی صاحبؒ ہی کی طرف منسوب فرماتے ہیں اور نہایت وثوق کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے تو اپنی حالت اچھی طرح معلوم ہے آخر حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کے قبل بھی تو میں تحصیل علوم اور مدرسی کئے ہوئے تھا لیکن وہ باتیں جو حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کے بعد ذہن میں آنے لگیں وہ اس سے پہلے کبھی خواب و خیال میں بھی نہ آتی تھیں لہذا یہ حضرت حاجی صاحبؒ کا فیض نہیں تو اور کیا ہے۔ اھ

اسی مضمون کے متعلق حضرت والا کا ایک اور نہایت کار آمد ملفوظ یاد آیا۔ کسی سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ تکمیل کے بعد بھی بقائے فیض کی شرط یہ ہے کہ اپنے شیخ کے ساتھ عمر بھر اعتقاد اور امتنان کا تعلق قائم رکھا جائے۔ ہاں تکمیل کے بعد تعلیم کی حاجت البتہ نہیں رہتی۔ اھ

اس استطرادی فائدہ کے بعد میں پھر بیان واقعہ کی طرف عود کرتا ہوں حضرت والا

کی توجہ کی برکت سے جب کچھ دیر بعد اُس کیفیت میں جس کا میں ذکر کر رہا ہوں کچھ افاقہ ہوا اور مجھے قدرے سکون ہو گیا تو میں اُٹھ کر ادب سے بیٹھ گیا پھر حضرت والا اندر تشریف لے گئے۔

احقر حضرت والا ہی کا مہمان تھا اور ایک صاحب اور بھی مہمان تھے ہم دونوں کے لئے اندر سے کھانا آیا جس میں پلاؤ بھی تھا۔ گو احقر کو قدرے سکون ہو گیا تھا لیکن ابھی کیفیت بالکل فرو نہ ہوئی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں پلاؤ کو لقموں سے نہ کھا رہا تھا بلکہ مٹھی میں بھر بھر کر کھیل سا کرتا جاتا اور کھاتا جاتا تھا اور جوشِ مسرت میں دیوانہ وار قہقہے لگا رہا تھا۔ دوسرے مہمان صاحب کو میری اس حالت کی تو کچھ خبر بھی نہیں وہ میری اس حرکت پر اعتراض کرنے لگے۔ لیکن بھائی نیاز نے اُن سے کہہ دیا کہ یہ اس وقت معذور ہیں ان سے کچھ نہ کہئے ان کی اس وقت حالت اور ہے اس پر مجھ کو یہ شعر یاد آتے ہیں ؎

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم　　مستِ آں ساقی و آں پیمانہ ایم

مکن عیب درویش حیران و مست　　کہ غرق است ازاں میزند پاؤ دست

یہ تو احقر کی حالت کا بیان ہوا۔ اب ان مولوی صاحب کا بھی حال سنئے جن کی بدولت حضرت والا کی وہ تقریر پُر تاثیر سننے میں آئی تھی جس نے مجھ کو از خود رفتہ کر دیا تھا۔

حضرت والا نے اُن کو تنبیہاً و تہدیداً خانقاہ سے نکال ہی دیا۔ پھر وہ جا کر کسی اور مسجد میں رہے تین چار دن تک سخت پریشانی اُٹھانے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ و استغفار اور گریہ و زاری کرنے کے بعد انہوں نے حضرت والا

کی خدمت میں دوسرے کی معرفت طلب معافی کا پرچہ بھیجا۔ چونکہ اُن کو کافی تنبیہ ہو چکی تھی اور قلب سے عجب و پندار بالکل نکل چکا تھا جس کا احساس حضرت والا کے قلب مطہر کو ہو گیا۔ اس لئے حضرت والا نے معافی عطا فرما دی اور تحریر فرما دیا کہ اب میں آپ کی طرف سے اپنے قلب میں مطلق کدورت نہیں پاتا۔ جو وجدانًا علامت ہے آپ کے قبول توبہ کی لہذا اب آپ کو پھر خانقاہ میں آجانے کی اجازت ہے چنانچہ وہ پھر حاضر خانقاہ ہو کر مشغول ذکر و شغل ہو گئے۔ وہ صاحب حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز سے بیعت تھے اور بعد وفات مولانا حضرت والا سے اصلاح کے طالب ہوئے تھے وہ صاحب خود احقر سے فرماتے تھے کہ مجھ کو ان تین چار دنوں میں بے انتہا منافع حاصل ہوئے پھر تو وہ بفضلہ تعالیٰ صاحب اجازت ہو کر تشریف لے گئے اور ملک بنگال میں اُن سے مخلوق کثیر کو فیض پہنچا پھر انتقال فرما گئے جس کو عرصہ دراز ہو گیا اللہ تعالےٰ بخشے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔

صدہا بار کا تجربہ اور مشاہدہ ہے جس کی بعض نظائر اپنے موقع پر عرض بھی کی جا چکی ہیں کہ حضرت والا کی سیاست بس تنقیہ کا خاصہ رکھتی ہے جس سے آن کی آن میں کامل تصفیہ ہو جاتا ہے اور وہ سیاست بس اس آیت کی مصداق ہوتی ہے۔ عَسٰۤی اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـئًا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ‌ۚ جس کی تصدیق طالب کو بعد میں ہوتی ہے جب وہ اس کے نتائج نافعہ مشاہدہ کرتا ہے۔

ف اس کل واقعہ سے حضرت والا کی شان ارشاد اور قوت افاضہ ظاہر و باہر ہے۔

واقعہ نمبر ۲

ایک بار حضرت والا بعزم سفر ریلوے اسٹیشن تھانہ بھون پر ریل کے انتظار میں تشریف فرما تھے۔ احقر بھی حاضر تھا کیوں کہ حضرت والا کے ہمراہ سفر میں رہنے کا قصد تھا۔ چوں کہ حضرت والا حسب معمول احتیاطاً ریل کے وقت سے پہلے اسٹیشن پہنچ لئے تھے اس لئے کچھ دیر انتظار کرنا پڑا۔ اور چونکہ حسب عادت بہت سے حضرات حضرت والا کو رخصت کرنے اسٹیشن تک آئے تھے اس لئے حضرت والا سب کو اپنے ملفوظات سے مستفیض اور لطف اندوز فرما رہے تھے۔ چنانچہ ایک صاحب کا تذکرہ فرمایا جو قاری تھے اور حضرت والا کے مدرسہ میں مدرس تھے کہ وہ اکثر لٹھ کندھے پر رکھے ہوئے اور ایک پائینچہ پنڈلیوں تک چڑھائے ہوئے مدرسہ میں ٹہلا کرتے۔ میں نے جو انہیں ایک بار اس حال میں دیکھا تو میں نے کہا کہ ہاں قاری صاحب ذرا یہ مصرعہ بھی گنگنانے جایئے ع

ان دنوں جوشِ جنوں ہے ترے دیوانے کو

اُس وقت حضرت والا نے نہ معلوم کس کیفیت سے متاثر ہو کر یہ مصرعہ پڑھا تھا کہ سنتے ہی بس میرے اندر بھی ایک جوشِ جنوں ہی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی مجھے اس وقت پانی کی ضرورت تھی پانی لینے کے واسطے لوٹہ ہاتھ میں لئے چلا جا رہا تھا اور اسی مصرعہ کو نہایت کیف کے ساتھ مزے لے لے کر گنگناتا جاتا تھا۔ واپسی تک یہی مصرعہ ورد زبان رہا۔

جب حضرت والا سے آنکھیں دوچار ہوئیں تو حالت کا ایسا غلبہ ہوا کہ میرے

ہاتھ پاؤں قابو سے باہر ہونے لگے۔ اور میں گرنے کے قریب ہو ہو گیا۔ اس وقت مجھ کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی کہ اگر مجمع عام کے سامنے زمین پر گر گیا تو بڑی ہنسائی ہو گی۔ لہذا خاص اہتمام کے ساتھ بمشکل اپنے آپ کو سنبھالے رہا یہاں تک کہ ریل آگئی اور حضرت والا مع اپنے رفقاء کے ایک ڈبہ میں بیٹھ گئے۔ جناب حافظ عبداللطیف صاحب مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور جناب حافظ عبدالمجید صاحب تھانوی بھی رفیق سفر تھے۔ احقر مہتمم صاحب سے ملا ہوا بیٹھا تھا۔ ریل میں بیٹھ کر بھی حالت کا غلبہ بدستور باقی رہا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں بیٹھا ہوا بے قابو ہو کر مہتمم صاحب کی طرف جھک جھک پڑتا تھا اور اُن کے اوپر گر گر پڑتا تھا۔ اور ڈر ڈر کر اپنے دل میں بلکہ چپکے چپکے زبان سے بھی کہہ رہا تھا کہ اگر یہ حالت بڑھی تو لوگ کیا کہیں گے۔ جب کسی طرح یہ حالت فرو نہ ہوئی تو اپنی جیب میں سے ایک مستعمل لفافہ نکال کر اس کو پھاڑ کر پشت کی طرف جہاں کچھ لکھا ہوا نہ تھا یہ شعر لکھ کر حضرت والا کی خدمت میں پیش کر دیا ؎

دل میرود ز دستم صاحب دلاں خدا را
دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

کیونکہ یہ شعر اس وقت بالکل احقر کے حسبِ حال تھا۔ حضرت والا نے اُس پرچہ کو پڑھ کر عجیب انداز کے ساتھ فرمایا کہ کیا میں اس کو اپنے پاس تعویذ بنا کر رکھ لوں۔ اس پر لطف ارشاد سے اُس کیفیت میں بجائے سکون ہونے کے اور ترقی ہو گئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد حافظ عبدالمجید صاحب سے فرمایا کہ اچھا حافظ جی ذرا پنسل تو دیجئے۔ لائیے خواجہ صاحب کو اس پرچہ کا جواب ہی لکھ دوں پھر حافظ جی سے

پنسل لے کر میرے شعر کے نیچے یہ شعر تحریر فرمادیا ؎

گرچہ بدنامیست نزدِ عاقلاں

مانمی خواہیم ننگ و نام را

اور پھر میرا پرچہ مجھ کو واپس فرمادیا مجھے حیرت ہوگئی کہ ہنسائی اور بدنامی کا تو میں اندیشہ کر رہا تھا اور اسی کے متعلق حضرت والا نے جواب میں شعر تحریر فرمادیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت والا کو میری اس کل حالت کا اچھی طرح احساس اور انکشاف ہوگیا ہے۔ پھر کچھ دیر بعد حضرت والا کی توجہات کی برکت سے اور احقر کی جانب بار بار نظر فرمانے کے اثر سے مجھ کو الحمدللہ سکون ہوگیا بمصداق قول احقر ؎

جادو سا کیا یہ اے نگہِ یار کر دیا

مجذوبؔ سے بھی مست کو ہشیار کر دیا

ف۔ اس واقعہ سے بھی حضرت والا کی قوت افاضہ اور اس زمانہ کا غلبۂ ذوق و شوق اور جوش و خروش ظاہر و باہر ہے۔

واقعہ نمبر ۳

حضرت والا طالب کی تسلی ایسے موثر اور دل پذیر عنوان سے فرماتے ہیں کہ عین یاس کی حالت میں بھی فوراً ڈھارس بندھ جاتی ہے اور تسلی محض الفاظ ہی کی نہیں ہوتی بلکہ تسلی کا جو مضمون یا بشارت تقریراً یا تحریراً ارشاد فرماتے ہیں اس کو سنتے ہی اور دیکھتے ہی مخاطب اپنے اندر حالاً بھی محسوس کرنے لگتا ہے اور حضرت مولانا رومیؒ کے ارشاد ع

وعدہا باشد حقیقی دلپذیر

کا فوراً ہی ظہور اور مشاہدہ ہو جاتا ہے - اس امر کا کہ حضرت والا کے یہاں طالبین کی بڑی تسلی ہوتی ہے موافقین اور مخالفین منتسبین اور غیر منتسبین سب کو اقرار ہے چنانچہ حال میں ایک اپنے ہی حضرات کے سلسلہ کے ایک شیخ نے اپنے کچھ اُلجھے ہوئے حالات ایک دوسرے ہم شیخ کے پاس استعلاجاً پہنچائے تو موخرالذکر شیخ نے باوجود حضرت والا سے بعض امور میں سخت اختلاف ہونے کے فرمایا کہ ایسے اُلجھے ہوئے حالات کا حل تو بس تھانہ بھون ہی میں ہو سکتا ہے - اھ سچ ہے الفضل ما شهدت به الاعداء

دیگر

ایک اور شیخ کے مرید نے حال ہی میں حضرت والا کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ مجھ کو اپنے حالات عرض کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے کیونکہ مجھ کو حضرت کے مواعظ پڑھ کر بہت تسلی ہوتی ہے بالخصوص وساوس تو محض حضور کے تصور ہی سے دفع ہو جاتے ہیں یہ بھی لکھا کہ گو مجھ کو اپنے شیخ سے عقیدت ہے لیکن حضور کی عقیدت غالب ہے اور یہ بھی لکھا کہ میری پریشانی کا سبب یہ ہے کہ میں نے بیعت میں عجلت کی - اھ - اس پر حضرت والا نے فرمایا دیکھئے بیعت میں عجلت کرنے کے یہ نتائج ہیں جو بیعت میں عجلت سے منع کیا کرتا ہوں اور دیر کیا کرتا ہوں اسکی یہی وجہ ہے -

حضرت والا کی خدمت میں دوسرے شیوخ کے مریدین کے اکثر اسی قسم کے خطوط آتے رہتے ہیں اور حضرت والا بضرورت اس شرط پر کہ اپنے پیر سے

سوء ظن نہ رکھیں محض تعلیم حاصل کرنے کی اجازت مرحمت فرما دیتے ہیں۔

ایک انگریزی کے طالب علم کو دفعۃً منجانب اللہ مطلوب حقیقی کی ایسی طلب دامنگیر ہوئی کہ وہ انگریزی چھوڑ چھاڑ کر پیر کی تلاش میں نکلے۔ اتفاق سے اُن کے قریب ایک بدعتی پیر تھے جو بہت مشہور تھے اُن سے جا کر مشورہ لیا تو خدا کی شان کہ باوجود اختلاف مشرب اُنھوں نے بھی اُن کو حضرت والا ہی سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا لیکن حضرت والا نے اُن صاحب کو دیوبند میں تحصیل علوم کرنے اور بغرض سہولت وہیں حضرت مولانا دیوبندی رح سے بیعت ہو جانے کا مشورہ دیدیا چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا ف واقعات مذکورہ میں اہل واقعات کے نام قصداً نہیں ظاہر کئے گئے تاکہ کسی کو ناگواری نہ ہو اور صرف انہیں واقعات میں نہیں بلکہ اس رسالہ اشرف السوانح کے اکثر واقعات میں ایسا ہی کیا گیا ہے۔

اب اس مضمون تسلی کے متعلق احقر اپنے بھی چند خاص واقعات عرض کرتا ہے اور چونکہ وہ سب ایک ہی باب کے واقعات ہیں اس لئے ان سب کو ایک واقعہ قرار دیکر واقعہ نمبر ۳ ہی کے ذیل میں مجتمعاً تحریر کئے دیتا ہے۔

ایک بار احقر نے نہایت حسرت کے ساتھ عرض کیا کہ حضرت جو کچھ صفائی باطن حضور کی صحبت بابرکت سے حاصل ہوتی ہے وہ حضرت سے جدا ہونے کے بعد مکروہات دنیا میں پھنس کر رفتہ رفتہ سب غت ربود ہو جاتی ہے یہ سن کر فوراً نہایت تسلی بخش لہجہ میں فرمایا کہ جی پھر مضائقہ ہی کیا ہے آپ اپنے کپڑے میلے کر ڈالتے ہیں دھوبی ان کو دھو دیتا ہے۔ آپ پھر میلے کر ڈالتے ہیں دھوبی پھر دھو دیتا ہے۔

دیگر

ایک بار میں نے عرض کیا کہ حضرت ایک تو معمولی مریض ہوتا ہے. کھانسی زکام یا جاڑہ بخار کا اور ایک مریض ہوتا ہے تپ دق کا۔ میں تپ دق کا مریض ہوں لہذا بہت زیادہ محتاج توجہ ہوں۔ فرمایا مبارک ہو یہ تو علامت ہے نسبت باطنی کی کیونکہ نسبت باطنی بھی تپ دق کی طرح رگ رگ میں سرایت کر جاتی ہے اور کبھی زائل نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ جس کیفیت کو آپ مرض سمجھ رہے ہیں وہ مرض ہی ہے بعضے آثار مشترک ہوتے ہیں مرض میں اور حال محمود میں جیسے سرایت۔

دیگر

ایک بار عرض کیا کہ حضرت میرے قلب کی بھی عجیب ڈانوا ڈول حالت ہے فرمایا کہ اصلی قلب تو آپ ہی کا ہے کیوں کہ قلب کے معنی ہی یہ ہیں کہ جو ایک حالت پر نہ رہے منقلب ہوتا ہے۔

دیگر

ایک بار احقر نے اپنی کسی باطنی پریشانی کے متعلق لکھا کہ سخت الجھن میں ہوں تحریر فرمایا کہ یہ الجھن مقدمہ ہے سلجھن کا ان مع العسر یسرا ؏

چونکہ قبض آید تو در وے بسط بیں۔

یہ جواب لطائف کے تذکرہ میں بھی اوپر نقل کیا جا چکا ہے

دیگر

اسی طرح ایک عریضہ کے جواب میں جس میں ظاہری و باطنی پریشانیوں کا حال عرض کیا گیا تھا تحریر فرمایا کہ انشاءاللہ تعالیٰ فلاح دارین حاصل ہو گی دل یہی گواہی دیتا

ہے۔ یہ جواب بھی اوپر بہ سلسلہ واقعہ ترک ڈپٹی کلکٹری نقل کیا جا چکا ہے۔

دیگر

ایک مرتبہ احقر نے اپنے حالات کا عریضہ لکھا جس میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ حضور کے تذکرہ کا شوق اس درجہ غالب ہے کہ جوش میں آ کر بعض اوقات اوروں کے سامنے اپنے مخفی حالات کا بھی ضمناً ذکر کر ڈالتا ہوں حالانکہ مبتدی کے لئے اظہار اسرار بوجہ مضر ہونے کے ممنوع ہے۔ جواب تحریر فرمایا کہ سب حالات محمود ہیں صرف تلوین کا تمکین سے تبدیل ہونا باقی ہے سو انشاء اللہ تعالیٰ اسی طرح ہو رہے گا۔ ہانڈی میں کیسے کیسے جوش اٹھتے ہیں اور یہ سب علامت ہیں اس کے قطع منازل کی تکمیل کی طرف پھر آخر میں خود کیسا سکون ہو جاتا ہے یہ اس کی تمکینی حالت ہے: ع

کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

خالی گانا بطور خود تنہائی میں جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کچھ مضائقہ نہیں ع

کہ نوشید و جوشید و مستی کنید

کسی ناکارہ کے تذکرہ میں اگر اپنا اظہار حال ہو جائے تو چونکہ بقصد نہیں اس لئے مذموم نہیں ع

کہ عشق و مشک را نتواں نہفتن

دیگر

ایک عریضہ میں احقر نے عدم انضباط اوقات کی شکایت لکھی۔ بتحریر فرمایا کہ میں حالت موجودہ ہی میں آپ کو کامیابی کی بشارت دیتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ آپ ہرگز محروم نہ رہیں گے میرے اس قول کی دلیل ہے

اندریں رہ می تراش و می خراش | تا دم آخر دمے فارغ مباش
تا دم آخر دمے آخر بود | کہ عنایت با تو صاحب سر بود
کوئے نومیدی مرو کامیدہاست | سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

دیگر

اسی طرح ایک عریضہ میں احقر نے یہ شکایت لکھی تھی کہ انضباط اوقات کا پختہ عزم کرلیا تھا لیکن پھر ٹوٹ گیا اس مضمون کے جواب میں یہ تحریر فرمایا کہ خیر اضاعت وقت میں بھی اطاعت بخت کا مسئلہ حل ہوا کہ انسان تقدیر حق کے سامنے عاجز ہے کہ ارادہ تو کیا تھا ضبط اوقات کا اور ہوگیا خبط اوقات انشاء اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کا منکشف ہونا بھی ترقی کا زینہ ہوگا ف اس عریضہ کا پورا جواب اپنی بیعت کے واقعات میں ضمناً نقل کیا جاچکا ہے۔

دیگر

ایک بار احقر نے عریضہ لکھا کہ اب کی بار کی حاضری میں حضرت والا کے فیض صحبت سے بفضلہ تعالیٰ قلب میں ایک ایسی اچھی کیفیت پیدا ہوگئی تھی کہ اُس قسم کی کیفیت اس سے پہلے کبھی پیدا نہ ہوئی تھی لیکن افسوس کہ واپسی کے بعد کچھ دن باقی رہ کر رفتہ رفتہ بالکل زائل ہوگئی۔ اس پہ ایک ایسی لطیف تحقیق تحریر فرمائی کہ جو ہمیشہ کے لئے گویا مشعلِ راہ ہوگئی اور اگر طالبین ہمیشہ اس کو اپنے پیش نظر رکھیں تو تقلبات طریق سے کبھی پریشان نہ ہوں۔ تحریر فرمایا کہ کسی کیفیت کا طاری ہونا اور چندے جاری رہنا یہ بھی بسا غنیمت ہے ہمیشہ رہنے کی چیز تو صرف عقل اور ایمان ہے۔ باقی سب ہیں آمد و رفت رہتی ہے اھ۔ اس جواب سے احقر کو بیحد نفع ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا

کہ گویا باب حقیقت مفتوح ہو گیا۔

دیگر

احقر ہجوم وساوس سے بہت پریشان رہا کرتا تھا جن سے اپنے ایمان کے متعلق بھی تردد پیدا ہو گیا تھا بالآخر گھبرا کر ایک عریضہ میں اپنے سب وساوس تحریر کر دیئے اور عرض کیا کہ اب حضرت والا ہی ایسے حالات میں تحریر فرمائیں کہ مجھ میں ایمان ہے یا نعوذ باللہ خدانخواستہ میں اس دولت سے محروم ہی ہوں۔ لیکن یہ ملحوظِ خاطر رہے کہ یہ فیصلہ ایک مجدد اور قطب الارشاد کے یہاں سے ہو گا اگر وہاں سے بھی مایوسی ہوئی تو پھر میرا کہیں ٹھکانا نہیں بڑی جرائت کر کے توکلاً علی اللہ یہ سوال کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ہی خیر رکھے۔ اھ

اس پر حضرت والا نے ایمان کی بشارت دے کر یہ شعر تحریر فرمایا ؎

کوئے نومیدی مرو کامیدہاست
سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

احقر نے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر میرے یہ ناگفتہ بہ حالات معلوم فرما کر حضور نے مجھ کو چھوڑ دیا اور نظر توجہ ہٹالی تو پھر یہ سمجھ لیجئے کہ سوائے جہنم کے میرا کہیں ٹھکانا نہ ہو گا۔ اس پر تحریر فرمایا کہ خدا نہ کرے توجہ کیوں ہٹانے لگا پھر یہ شعر تحریر فرمایا ؎

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است
زانکہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

دیگر

ایک بار احقر خدمت فیض درجت سے رخصت ہوتے وقت بہت دلگیر ہونے لگا

تو نہایت شفقت کے لہجہ میں فرمایا کہ دلگیر ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیوں کہ الحمدللہ سرمایہ تسلی ہر وقت پاس ہے یعنی تعلق مع اللہ۔

دیگر

ایک بار احقر معتد بہ رخصت لے کر بغرض اصلاح حاضر خانقاہ ہوا تو آتے ہی ایک پرچہ پر اپنا تصنیف کردہ یہ شعر لکھ کر پیش کیا ؎

نہیں کچھ اور خواہش آپ کے در پر میں لایا ہوں
مٹا دیجیے مٹا دیجیے یہاں مٹنے کو آیا ہوں

فوراً نہایت وثوق کے لہجہ میں فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا۔اھ

دیگر

ایک بار احقر نے اپنے بہت سے امراض باطنی لکھ کر پیش کئے اور اپنی اصلاح سے مایوسی ظاہر کی کہ ع

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

اور لکھا کہ اتنے سارے امراض سے کیوں کر نجات ممکن ہے۔ تحریر فرمایا کہ کچھ بھی مشکل نہیں صرف دو چیزوں کا التزام کر لیجئے استحضار اور ہمت۔اھ

سبحان اللہ سبحان اللہ کیا مختصر اور جامع مانع گر تعلیم فرما دیا جو تمام اصطلاحات کو حاوی ہے اور یہ وہ کلی ہے جس کے اندر اصلاح کی ہر چھوٹی سے چھوٹی جزئی داخل ہے جس کو تمام اصطلاحات کی گویا میزان الکل کہنا چاہیئے۔ احقر پر تو اس جواب کو پڑھ کر حال طاری ہو گیا تھا اور ان دو لفظوں کے متعلق اس کثرت سے مضامین کا ورود ہوا تھا کہ اگر اُس وقت لکھنے بیٹھ جاتا تو ایک رسالہ کا رسالہ تصنیف ہو جاتا اسکا

ارادہ بھی ہوا لیکن افسوس کہ تساہل نے پورا نہ ہونے دیا پھر وہ سب مضامین ہی ذہن سے نکل گئے۔ البتہ اس گُر کو سہولت استحضار کے لئے ایک شعر میں محفوظ کر لیا تھا جو اب تک یاد ہے۔ وہ یہ ہے ؎

بتایا ہے جو گُر حضرت نے استحضار و ہمّت کا
عجب یہ نسخۂ اکسیر ہے اصلاحِ اُمّت کا

واقعی اگر اپنے عیوب کا استحضار رکھا جائے اور وقت پر ہمّت سے کام لیا جائے تو کسی گناہ کا صدور ہی نہ ہو۔ اور ہمت کے متعلق حضرت والا نے فرمایا ہے کہ جس ہمت کے بعد کامیابی نہ ہو وہ ہمّت ہی نہیں بلکہ ہمّت کی محض نیت ہے ف سبحان اللہ ہمّت کی کیا نفیس اور قابل استحضار حقیقت ظاہر فرمائی ہے۔

دیگر

چونکہ احقر بہت ہی بے تکا اور بد انتظام واقع ہوا ہے اور ادھر حضرت والا نہایت درجہ منتظم بقول احقر ؎

ان کو ملی فرزانگی ہم کو ملی دیوانگی
مجذوبِ ہم وہ ہوشیار ایک اِس طرف ایک اُس طرف

اِس لئے اِس ناکارہ سے حضرت والا کو اکثر اذیت پہنچتی رہتی تھی اور اب بھی بکثرت پہنچتی رہتی ہے لہذا ایک بار احقر نے معذرت چاہی خود اگر نہایت شفقت سے فرمایا کہ اگلی پچھلی سب کوتاہیاں معاف ہیں بے فکر رہئے پھر یہ آیت پڑھی لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ اللہ تعالیٰ مجھے فہم سلیم اور توفیق ادب عطا فرمائے تاکہ مجھ سے کبھی حضرت والا کو کسی قسم کی ایذا نہ پہنچے۔ آمین ثم آمین

مضمون تسلی کے متعلق استطراداً دیگر طالبین کے بھی بعض واقعات اس مقام پر عرض کیے جاتے ہیں۔

ایک صاحب نے لکھا کہ معمولات تو بفضلہ تعالیٰ جاری ہیں لیکن قلب میں فرحت نہیں پیدا ہوتی۔ تحریر فرمایا کہ خدا کا شکر کیجیے رحمت تو ہے فرحت نہیں ہے نہ سہی فرحت تو محض اُس کی ایک لونڈی ہے انشاء اللہ وہ بھی اپنی باری میں حاضر ہو جائے گی۔ اھ حضرت والا کی برکت سے اس لطیف اور دلپذیر جواب کو پڑھتے ہی ان کی طبیعت فوراً منشرح ہو گئی چنانچہ انہوں نے دوبارہ حضرت والا کو لکھا کہ حضرت والا کی دعا کی برکت سے الحمدللہ وہ لونڈی بھی حاضر ہو گئی۔

اُن صاحب کے والد بزرگوار جو ریاست کدورہ کے دیوان رہ چکے تھے اور بہت اچھا ذوق ادب رکھتے تھے اس جواب پر عش عش کرنے لگے اور حیرت کرتے تھے کہ مولانا کو یہ نوابوں اور بیگمات کی اصطلاحیں کہاں سے معلوم ہو گئیں۔ فرحت عموماً لونڈیوں کا نام بھی ہوا کرتا ہے اور لونڈیوں کی باریاں بھی مقرر رہتی ہیں۔ احقر ان کو حضرت والا کے مطبوعہ مواعظ بہت سنایا کرتا تھا۔ ایک دن فرمانے لگے کہ مولانا تو نثر میں شاعری کرتے ہیں۔

دیگر

ایک بار احقر نے حضرت والا کے حسن تعلیم اور مضمون تسلی کے تذکرہ میں حضرت والا سے عرض کیا کہ ایک مرتبہ احقر کی والدہ صاحبہ نے بواسطہ احقر حضور سے شکایت کی تھی کہ دوران ذکر میں ادھر اُدھر کے فضول فضول خیالات بہت پریشان کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بچپن تک کے واقعات بھی خواہ مخواہ یاد آنے لگتے ہیں تو حضور نے فرمایا

تھا کہ ایسے خیالات کا کچھ غم نہ کریں بلکہ مباح خیالات کو غنیمت سمجھیں کیوں کہ وہ دفایہ ہو جاتے ہیں معاصی کے خیالات کے۔ اگر اُن سے دل بالکل خالی ہو جائے تو پھر معاصی کے خیالات آنے لگیں۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ اپنے ذکر کا غلبہ نصیب فرما دیں گے تب یہ بھی جاتے رہیں گے۔

احقر سے اس واقعہ کا ذکر سن کر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ جو کچھ میں مباح خیالات یا وساوس کے متعلق کہا کرتا ہوں وہ سب اپنی ہی گذری کہا کرتا ہوں۔ استدلالی طور پر نہیں بلکہ اپنا مشاہدہ بیان کیا کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ سب حالتیں خود مجھ پر بھی گذر چکی ہیں ورنہ محض تحقیق کے طور پر کہتا تو مبتلا کو تسلی ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ اُس وقت تو بڑی کلفتیں اُٹھائیں لیکن اب تو میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ اُسنے مجھ کو سارے عقبات کی سیر کرا دی۔ ایک مخالف سے ایک شخص نے باطن کے متعلق مشورہ لیا تو اس نے میرا نام لیکر کہا کہ تسلی اگر چاہتے ہو تو وہاں جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تسلی دینے میں اُس شخص کو خاص مہارت عطا فرمائی ہے ویسے محض تحقیق کرنا چاہو تو جا ہے جہاں جاؤ۔ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ سب حضرت حاجی صاحبؒ کا رنگ ہے وہاں کی برابر کہیں تسلی دیکھی ہی نہیں۔ اور واقعی اس سے جس قدر سلوک طے ہوتا ہے کسی سے نہیں ہوتا کیوں کہ اس سے حق تعالےٰ کے ساتھ محبت کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور محبت ہی اقرب طرق ہے۔ اسی لئے مجھ کو اس کا بڑا اہتمام رہتا ہے کہ طالبین کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کی جائے۔ اھ یہ واقعہ حسن العزیز جلد اول میں بھی مذکور ہے۔

دیگر

ایک صاحب سے جو وساوس سے سخت پریشان تھے مفصل مضامین تسلی بیان

فرما کر آخر میں فرمایا کہ میاں بھلا جس کے سر پر اللہ ہو پھر اس کو کیا فکر۔ شیطان اُس کا کیا بگاڑ سکتا ہے ع

دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی تر است

خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطَانٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّہِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۔اھ

دیگر

ایک مخلص دیندار نے جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ العزیز سے بیعت ہیں مدرسہ دیوبند کے موجودہ فتنہ وفساد کے سلسلہ میں بعض علماء وممبران مدرسہ کے خلاف بدظنی کے وساوس پیدا ہونے کی بہت طویل داستان لکھی اور لکھا کہ چونکہ ان سب حضرات سے بوجہ خاص دیوبندی خیال اور سلسلۂ امدادیہ میں داخل ہونے کے پختہ عقیدت مندی ہے اس لئے کسی صاحب کی طرف بھی بدگمانی کا خیال نہیں ہو سکتا اور گو یہ سیہ کار اس قابل کہاں جو بزرگانِ دین کی رائے اور مصلحت میں داخل دے سکے۔ لیکن میرا ناقص خیال جس طرف یقین کے ساتھ جھکتا ہے اس طرف سے ہٹنا دشوار ہو جاتا ہے لہٰذا مجبوری ہے اور سخت خلجان میں ہوں احقر کا اطمینان فرمایا جائے الخ

حضرت والا نے اس کا حسب ذیل بہت مختصر مگر نہایت تسلی بخش اور جامع مانع جواب ارقام فرمایا جو یہ ہے:

آپ نے اپنے دین کی درستی کے لئے بہت محنت کی انشاء اللہ تعالیٰ اس کا اجر ملے گا چونکہ ہر مریض کے لئے جدا نسخہ نافع ہوتا ہے اس لئے جو نسخہ آپ کے لئے نافع ہے لکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ ع

کارِ خود کن کارِ بیگانہ مکن

زبان و قلم و قلب سے سکوت رکھیں پریشانی پر صبر کریں نہ کسی کے معتقد رہیں نہ کسی سے بد اعتقاد کیوں کہ یہ دونوں چیزیں ایذادہ ہیں۔ قیامت میں اس کی پوچھ بھی آپ سے نہ ہوگی والسّلام۔

دیگر

ایک صاحب نے علیہ خشیت میں لکھا کہ مجھ کو بڑا خطرہ ہے۔ تحریر فرمایا کہ یہ خطرہ تو بحرِ معرفت کا قطرہ ہے اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر دریا کر دے۔ اھ

دیگر

ایک صاحب نے لکھا کہ کبھی قبض ہے کبھی بسط کبھی غم ہے کبھی خوشی عجیب حالت ہے۔ اھ خط بہت طویل تھا لیکن حضرت والا نے صرف اس کے ایک گوشہ پر بہت ہی مختصر سا جواب لکھ کر بھیج دیا جس پر بلا مبالغہ دریا کو کوزہ میں بند کرنا صادق آتا ہے۔ تحریر فرمایا کہ مجموعی حالت قابلِ شکر ہے جس کے سب اجزاء ایک ہی دریائے محبت کی موجیں ہیں جن کی حرکت بھی پر بہار اور سکون بھی موجب قرار۔ مبارک۔ اطمینان سے اپنے کام میں لگے رہیئے میں بھی دعا میں مشغول ہوں۔ اھ

دیگر

ایک صاحب جائداد رئیس وساوس کفریہ میں مبتلا تھے۔ انھوں نے اپنا مفصل حال لکھ کر پیش کیا اور آخر میں عرض کیا کہ اگر حضور یہ اطمینان دلا دیں گے کہ وجودِ باری تعالیٰ دلائلِ عقلیہ قطعیہ سے ثابت ہے تو مجھے بلا دلائل معلوم کیے ہی اطمینان ہو جائے گا۔ کیوں کہ میں حضور کی عقل کا بیحد معتقد ہوں۔ اس پر حضرت والا نے غایت وثوق اور

نہایت شد و مد کے ساتھ تحریر فرمایا کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کا وجود ایسے دلائل عقلیہ قطعیہ سے ثابت ہے کہ بڑے بڑے فلسفی منکر کو بھی ساکت کیا جا سکتا ہے ذرا بھی گنجائشِ انکار نہیں ۔اھ

اس جواب کو پڑھتے ہی صاحب موصوف کی ساری پریشانی دفع ہو گئی اور یہاں تک مسرت کا جوش بڑھا کہ اس خوشی میں حضرت والا سے بے ساختہ یہ اجازت طلب کی کہ میں اپنی سب جائداد حضور کے نام ہبہ کر دوں لیکن حضرت والا بھلا اس کو کیوں قبول فرمانے لگے تھے ۔

دیگر

کل ہی کی بات ہے یعنی ۵ ؍ رجب ۱۳۵۴ھ کو جمعہ کے بعد کی مجلس میں ایک بہت مقتدر اور نہایت دیندار وکیل صاحب کے خط کے بعض فقرے اور ان فقروں کے متعلق اپنے جوابات سُنائے ۔ وہ وکیل صاحب حضرت والا کی خدمت میں بیس بائیس روز قیام کر کے حال ہی میں واپس گئے ہیں ۔ انہوں نے لکھا کہ حضرت یہاں کی تو دنیا ہی بدلی ہوئی ہے ۔ حضرت نے اس کا جواب ارقام فرمایا ۔ کہ خیر الحمد للہ دین تو بدلا ہوا نہیں ۔اھ

یہ بھی ان وکیل صاحب نے لکھا کہ وہاں ہر بات میں انوار معلوم ہوتے تھے یہاں نہیں معلوم ہوتے ۔ تحریر فرمایا کہ وہ (یعنی عدم انوار ۱۲) بھی خیر ہے ع

کہ آبِ چشمۂ حیواں درون تاریکیست ۔اھ

پھر اس جواب کے متعلق زبانی فرمایا کہ یہ محض شاعری نہیں بلکہ حقیقت ہے کیونکہ ایسی حالت میں اگر کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اس کو اجر زیادہ ملتا ہے چنانچہ حدیث

شریف میں ہے کہ اخیر زمانہ میں دین کا سنبھالنا ایسا مشکل ہوگا جیسا کہ چنگاری کو ہاتھ میں پکڑنا۔ اُس زمانہ میں اگر کوئی ایک عمل نیک کرے گا تو اس کو پچاس عاملوں کا ثواب ملے گا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ منا او منہم یعنی ہم میں کے پچاس یا اُن میں کے پچاس ارشاد فرمایا کہ منکم یعنی تم میں سے کے پچاس۔ اھ

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ اگر اس وقت کوئی ایک نیک کام کرے اس کو پچاس ابوبکرؓ کے برابر ثواب ملتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ ہے بایکی اس تاریکی میں

ف سبحان اللہ حضرت والا کے بھی کیا پُرلطف الفاظ ہوتے ہیں اور کیسے اعلیٰ معانی ہوتے ہیں۔ بس بالکل یہ شعر صادق آتا ہے ؎

بہارِ عالم حُسنش دل وجاں تازہ میدارد
برنگ اصحاب صورت را بہ بو ارباب معنی را

اُن وکیل صاحب نے یہ بھی لکھا کہ وہاں سے آنے کے بعد ابھی تک طبیعت متوحش ہے۔ اس کا جواب حضرت والا نے یہ ارقام فرمایا کہ یہ نور رحمت ہے اگر اگر مانوس ہوجاتی تو یہ علامت تھی عدم احساس کی۔ اھ

غرض نہایت تسلی بخش جوابات تحریر فرمائے جو حقیقت کے بھی بالکل مطابق تھے۔

دیگر

ایک طالبِ اصلاح نے کشاکش نفس کی شکایت کی تو نہایت شفقت کے ساتھ فرمایا کہ بھائی جب دو پہلوانوں میں کشتی ہوتی ہے تو یہ نہیں ہوتا کہ ایک تو زور لگائے جائے اور دوسرا اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہی ڈال دے اور اپنے مقابل کو خود موقع دے دے کہ وہ اُس کو آسانی سے پچھاڑ سکے۔ یہ تو نفس سے کشتی ہے اپنا

سارا زور لگانا چاہیئے پھر اگر پورا غلبہ نہ حاصل ہو تو کم از کم یہ تو ہو کہ کبھی تم نے اس کو پچھاڑ دیا کبھی اُس نے تم کو پچھاڑ دیا، لیکن ہمت کسی حال میں نہ ہارنا چاہیئے پھر جب اللہ تعالیٰ دیکھیں گے کہ یہ بیچارہ اپنا سارا زور لگا رہا ہے تو غلبہ بھی عطا فرما دیں گے۔ غرض ہمت نہ ہارنا چاہیئے اور مایوس نہ ہونا چاہیئے۔

دیگر

ایک صاحبِ اجازت نے گھر پہنچ کر عریضہ لکھا کہ وہ حالتِ قلب کی جو خانقاہ میں تھی وہ رخصت ہوتی جاتی ہے اس کے بقا کی اگر کوئی صورت ہو تو فرمائی جائے حضرت والا نے اس کا جواب تحریر فرمایا کہ اگر ایسا ممکن ہوتا تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے یوں نہ فرماتے ولکن یا حنظلۃ ساعۃ وساعۃ اھ

اُنہیں نے یہ بھی لکھا تھا کہ قلب کی حالت نہایت خراب ہے غفلت قلب میں گھر کر گئی دعا بھی علاج بھی فرمایا جائے اس کا جواب تحریر فرمایا کہ العلاج بالضد وھو محل الاختیار والجد۔

دیگر

ایک صاحب نے لکھا کہ اپنا حال ابتر ہی پاتا ہوں سوائے اُدھیڑ بن کے اور کچھ نہیں اس کا جواب ایسا جامع مانع تحریر فرمایا کہ جو عمر بھر کے لئے دستور العمل بنانے کے قابل ہے اور چونکہ وہ بہت مہتم بالشان مضمون ہے اس لئے احقر کی درخواست پر حضرت والا نے اس کا تسہیل الطریق نام بھی رکھ دیا ہے جس کو تربیت السالک سے نقل کیا جاتا ہے۔

مکتوب ملقب بہ تسہیل الطریق

خود مشقت میں پڑنے کا شوق ہی ہو تو اس کا تو علاج ہی نہیں باقی راستہ بالکل صاف ہے کہ غیر اختیاری کی فکر میں نہ پڑیں اختیاری میں ہمت سے کام لیں اگر کوتاہی ہو جاوے ماضی کا استغفار سے تدارک کر کے مستقبل میں پھر تجدید ہمت سے کام لینے لگیں اور استعمال ہمت کے ساتھ دعا کا بھی التزام رکھیں اور بہت لجاجت کے ساتھ۔ اھ

ف سبحان اللہ سبحان اللہ سبحان اللہ سارا طریق اس مختصر سے جواب میں آگیا۔ دریا کو کوزہ میں بھر دیا ہے کوئی اس زریں دستور العمل کی قدر کام کرنے والوں سے پوچھے اور ان سے جن کا اس پر عملدر آمد ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے طفیل سے اس ناکارہ کو بھی اس پر سختی کے ساتھ کاربند ہونے کی توفیق بخشے اور حضرت والا کے درجات اور علوم و معارف کو روز افزوں ترقی بخشے اور ہمیشہ سلامت با کرامت رکھے آمین آمین آمین۔

دیگر

ایک صاحب نے جن کے شیخ حج کو گئے ہوئے تھے ہجوم وساوس سے پریشان ہو کر حضرت والا کی خدمت میں نہایت پُر درد عریضہ لکھا۔ حضرت والا نے جواب میں ایسا تسلی بخش مضمون تحریر فرمایا کہ اس کو پڑھتے ہی اُن کے سارے وساوس دُور ہو گئے اور ساری پریشانی کافور ہو گئی چنانچہ انہوں نے پھر دوسرا عریضہ ارسال خدمت

کیا جو تبویب تربیت السالک باب ہشتم کے پہلے صفحہ کے حاشیہ سے لفظاً لفظاً نقل کیا جاتا ہے۔

الحمد للہ اب نہ وساوس کا ہجوم ہے نہ اوہام وہواجس کا تلاطم قطعی طور سے نیست و نابود ہو گئے۔ حضور کا کس زبان سے اور کیسے شکریہ ادا کیا جائے جو اس آڑے وقت میں اس ناچیز اور سراپا قصور کی دستگیری فرمائی گئی ہے۔ آفتاب عالم ذات بابرکات کو باین فیوض وخیرات ہمیشہ ہمیشہ تا قیام قیامت قائم رکھیں اور نظر توجہ وشفقت کی بجانب بیچارہ مبذول آمین"

احقر جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ ایک انہیں صاحب کا کیا ہزاروں سرگشتگان طریق کا مشاہدہ ہے کہ حضرت والا سے رجوع کرتے ہی ساری حیرانی و پریشانی دور ہو جاتی ہے اور گویا منزل مقصود قریب ہی نظر آنے لگتی ہے اور یہ محض مضامین کا اثر نہیں بلکہ حضرت والا کی دعا وتوجہ اور مقبولیت عند اللہ کی برکت ہے۔ ورنہ محض الفاظ میں اس درجہ اثر کہاں بفحوائے ارشاد حضرت مولانا رومیؒ ؎

گر نبودے نالۂ نے را ثمر

نے جہاں را پُر نہ کردے از شکر

خود حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ گو میرے جواب بہت مختصر ہوتے ہیں لیکن مبتلا کے اس قدر حسب حال ہوتے ہیں کہ اگر کوئی میرا خط پہنچنے کے وقت وہاں موجود ہو تب مکتوب الیہ پر ان جوابوں کا اثر دیکھے۔ بعضے تو بالکل خودکشی پر آمادہ ہو گئے تھے لیکن میرا خط پہنچتے ہی بفضلہ تعالیٰ اُن کی پوری تسلی ہو گئی اور وہ اپنے اس ارادہ سے باز آ گئے۔

دیگر

حسنِ اتفاق سے اسی وقت اس کی نظیر میں ایک طالب کا خط اور حضرت والا کا جواب قسلی مآب تبویب تربیت السالک حصۂ ہشتم میں نظر سے گزرا جس کو مناسب موقع خیال کر کے یہاں نقل کیا جاتا ہے گو ضعیف سا احتمال ہے کہ محض حضرت والا کا جواب باب شرفِ بیعت و استفاضۂ باطنی میں حضرت والا کی تحریرات متعلقہ رسالہ کے ضمن میں بھی نقل کیا جا چکا ہے لیکن ایسے مکررات سے اتنی طویل تصنیف میں بچنا مشکل ہے۔ بہرحال ایسے مفید مضامین کی تکرار بھی نفع سے خالی نہیں بلکہ زیادت نفع متصور ہے (اور تضاعف حظ میں گویا تعدد مکرر ہے) چنانچہ بلا قصد تشبیہ عرض ہے کہ قرآن مجید کے مکررات کا بھی یہی منشاء ہے کہ تکرار موجب ازدیاد استحضار ہو۔ لہٰذا ناظرین کرام سے بادب عرض ہے کہ اس تصنیف میں اگر کہیں شاذ و نادر مکررات نظر سے گذریں احقر کو معذور تصور فرمائیں۔ اس مختصر مگر ضروری تمہید کے بعد وہ خط مع جواب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے وھو ہذا۔

حال علاوہ ازیں ایک مرض صعب کا نہایت شاکی ہوں حتی الوسع اس کے دفعیہ کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ وہ مرض یہ ہے کہ بعض وقت وساوس و خطرات کا اپنے دل میں نشان بھی نہیں پاتا اور بعض وقت وساوس و خطرات کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے اور وہ وساوس و خطرات بھی وہ کہ شاید کسی دہریہ کو بھی نہ آتے ہوں اس وقت دل چاہتا ہے کہ کسی ترکیب سے خودکشی کر لوں تاکہ خس کم جہاں پاک کا مصداق ہو جائے۔ ایسے نالائق و ناہنجار کو دنیا میں رہنا ہی نہیں چاہئے۔ اس لئے خدمت والا میں عرض پرداز ہوں کہ اس کے لئے خاص توجہ مبذول فرمائیں اور

دعا سے امداد فرمائیں۔

تحقیق دعا سے کیا عذر ہے مگر یہ حالت خود مذموم ہی نہیں جس کو ایسا مہتم بالشان سمجھا جائے۔ صحابہؓ سے اکمل وافضل تو کسی کی حالت نہ تھی۔ حدیثوں میں مصرح ہے کہ ان کو ایسے وساوس آتے تھے کہ وہ جل کر کوئلہ ہو جانا زیادہ محبوب سمجھتے تھے ان کو زبان پر لانے سے اور طبیب کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان کے صریح ایمان کی علامت قرار دیا۔ پس جو امر علامت ایمان ہو اس پر اگر مسرت نہ ہو تو غم کے بھی کوئی معنی نہیں والسلام

ف جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ حضرت والا جذباتِ انسانی کے ایسے ماہر اور امراض روحانی کے علاج میں ایسے حاذق ہیں کہ طالب مذکور کو جو اس درجہ غم میں مبتلا تھے کہ خودکشی پر آمادہ تھے اس کا مشورہ نہیں دیا کہ اس حالت پر مسرور ہوں کیونکہ یہ تکلیف مالا یطاق ہوتی اور مشورہ مفید نہ ہوتا۔ سبحان اللہ حکیم الامۃ کی یہی شان ہونی چاہئے۔

اسی طرح حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ جب کسی کے یہاں کوئی موت ہو جاتی ہے اور وہاں ضرورت وعظ کی سمجھتا ہوں تو معتدبہ زمانہ گزرنے کے بعد کہتا ہوں ورنہ تازہ تازہ غم میں اگر وعظ کہا جائے تو بالکل بیکار جائے۔ اھ

دیگر

مضمون تسلی کے متعلق اتفاقاً ایک اور واقعہ بھی یاد آگیا گو وہ باطن کے متعلق نہیں لیکن اس کا ذکر بھی اس جگہ بے موقع نہ ہوگا۔ احقر کی اہلیہ کا ایک ایسا آپریشن ہونے والا تھا جس میں جان کا خطرہ تھا۔ اور ہم سب لوگ نہایت درجہ پریشان تھے۔

انہوں نے حضرت والا کو نہایت مایوسی کا عریضہ لکھوایا اور دعا کی درخواست کی عین آپریشن کے دن حضرت والا کا جواب پہنچا کہ دل و جان سے دعا کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ آپریشن کامیاب ہوگا اور انشاء اللہ تعالیٰ تم اچھی ہو کر یہاں آؤ گی۔ اھ

اس بشارت نے ہم مردہ دلوں کو زندہ کر دیا اور گویا از سر نو حیات بخشی۔ اور پریشانی میں بہت کچھ کمی ہو گئی اور بجائے یاس کے امید غالب ہو گئی۔ مریضہ کو بھی بہت کچھ سکون ہو گیا اور ایک گونہ اطمینان کے ساتھ آپریشن کے کمرہ میں قدم رکھا اس قسم کی پیشینگوئی کرنا حضرت والا کا معمول نہیں لیکن مریضہ کی تقویت ہمت کے لئے جس کی اُس وقت سخت ضرورت تھی احتمالاً اور توکلاً علی اللہ ایسا لکھ دیا چنانچہ بمصداق اس حدیث قولی کے کہ میرے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ میرے اعتماد پر کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو میں ان کی قسم کو سچا کر دوں۔

آپریشن نہایت کامیاب ہوا اور مریضہ بالکل اچھی ہو گئی اور پھر حضرت والا کی خدمت میں حاضری کا اتفاق بھی ہوا چنانچہ دو برس سے احقر کے ساتھ تھانہ بھون میں مقیم ہے فالحمد للہ۔ سچ ہے ع

می دہد یزداں مراد متقین

دیگر

ایک طالب کچھ دن کے لئے آکر مقیم خانقاہ ہوئے تھے۔ انہوں نے کبھی حضرت والا کو کسی گفتگو کے سلسلہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کا یہ ارشاد نقل فرماتے سن لیا کہ ایسی ہجرت سے کہ جسم تو مکہ میں ہو اور دل ہندوستان میں یہ اچھا ہے کہ

جسم تو ہندوستان میں ہو اور دل مکہ میں اس کو انہوں نے اپنے قیام خانقاہ کی حالت پر منطبق کیا تو یہ سوچ کر بہت پریشان ہوئے کہ مجھ کو تو بیوی بچے بہت یاد آتے ہیں اور خیال لگا رہتا ہے کہ آج سے گھر جانے کے اتنے دن باقی ہیں اس خیال لگے رہنے کی انہوں نے حضرت والا کو بذریعہ عریضہ اطلاع کی اور انا للہ کے ساتھ یہ لکھا کہ کیا اس خیال کی بنا پر بفحوائے ارشاد حضرت حاجی صاحبؒ میرا یہاں خانقاہ میں حاضر ہونا ہی اکارت گیا۔ حضرت والا نے نہایت تشفی بخش اور تحقیقی جواب ارقام فرمایا جو تربیت السالک سے نقل کیا جاتا ہے۔

"یہ یاد آنا اور خیال لگا رہنا امور طبعیہ اور عیال کے حقوق شرعیہ سے ہے اور محمود ہے جو مرتبہ مذموم ہے وہ یہ ہے کہ ہجرت پر ایک گونہ تاسف ہو کہ میں سب کو چھوڑ کر یہاں چلا آیا۔ غرض تمنا اور چیز ہے جو مضر ہے اور شوق اور چیز ہے جو مضر نہیں۔ روزہ میں کھانے پینے کا شوق ہوتا ہے کہ کب وقت آئے گا اور تمنا نہیں ہوتی کہ میں روزہ نہ رکھتا تو اچھا ہوتا۔"

ف: سبحان اللہ کیا تحقیق و تدقیق ہے۔ تمنا اور شوق میں کیا باریک فرق نکالا ہے جہاں فلاسفہ اور جن کو آج کل بڑا ماہر نفسیات سمجھا جاتا ہے اُن کا ذہن بھی نہیں پہنچ سکتا یہ حقائق حضرات حکماء امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ ہی پر منکشف ہوتے ہیں۔

دیگر

ایک طالب نے شدید میلان الی الغنا کی شکایت لکھی اور لکھا کہ کبھی کبھی کسی بانسری بجانے والے کو بلوا کر بانسری بھی سُنی ہے ہدایت فرمائی جائے اس کا جواب بھی تربیت السالک سے نقل کیا جاتا ہے جو لاجواب ہے ملاحظہ ہو:۔

کشش اور میلان کا بالکلیہ زائل ہوجانا تو عادۃً ممتنع ہے البتہ تدبیر سے اُس میں ایسا ضعف اور اضمحلال ہوجاتا ہے کہ مقاومت صعب نہیں رہتی اور وہ تدبیر صرف واحد یہی منحصر ہے کہ عملاً اس کشش کے مقتضا کی مخالفت کی جائے گو کلفت ہو اس کو برداشت کیا جائے اسی سے کسی کو جلدی کسی کو دیر میں علیٰ اختلاف الطبائع اُس کشش میں ضعف و اضمحلال ہوجاتا ہے اور کف کے لئے قصد وہمت کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے مگر اُس ضعف کے سبب اس قصد میں بسہولت کامیابی ہوجاتی ہے۔ اور اس سے زیادہ توقع رکھنا اُمنیۂ محضہ ہے الا ان یکون من الخوارق۔ اس اصل سے تمام فطریات میں کام لینے سے پریشانی ھباءً منثوراً ہوجاتی ہے فتبصر و تشکر۔

ف سُبحان اللہ تمام فطریات کے متعلق جن سے ساری دنیا عاجز اور پریشان ہے اور لاکھ تدبیریں کرتے ہیں مگر کامیابی نہیں ہوتی کیسا جامع مانع بے نظیر اور سہل کلیہ ارشاد فرمایا ہے اور تعدیل کی کیسی نافع اور یگانہ تدبیر تعلیم فرمائی ہے۔

دیگر

احقر نے یہ بھی ہمیشہ تجربہ کیا جس کی تصدیق اپنے اور پیر بھائیوں سے بھی ہوئی کہ ادھر حضرت والا کو عریضہ لکھا نہیں اور اُدھر پریشانیوں میں کمی واقع ہونا شروع ہوگئی اور کرامت نامہ پہنچنے کے بعد تو بالکل ہی رفع ہوگئیں۔ بلکہ احقر کو تو اپنے گمان میں اکثر یہ بھی احساس ہوجاتا تھا کہ فلاں وقت حضرت والا کی خدمت میں عریضہ پہنچا کیوں کہ اس وقت حضرت والا کی توجہ کی برکت سے حضرت والا کی جانب ایک پرزور کشش محسوس ہونے لگتی تھی۔ اور اس کا تجربہ تو اب بھی بحالت

قیام خانقاہ گاہ گاہ ہوتا رہتا ہے۔ کہ اگر احقر کی عدم موجودگی مجلس میں کبھی حضرت والا کو احقر سے کوئی کام ہوتا ہے تو حضرت والا کے یاد فرمانے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ احقر کے قلب میں دفعتاً اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ایک خاص کیفیت توجہ الی اللہ کی محسوس ہونے لگتی ہے۔ جس سے میں اپنے گمان میں سمجھ لیتا ہوں کہ غالباً اس وقت حضرت والا مجھے یاد فرما رہے ہیں اور میری طرف متوجہ ہیں لیکن چونکہ یہ گمان یقین کے درجہ کا تو ہوتا نہیں اس لئے محض اس انجذاب کی بنا پر اپنا کام چھوڑ کر حاضر خدمت نہیں ہوتا۔

ابھی دو تین دن ہی کا واقعہ ہے۔ احقر نے حضرت والا سے ایک شعر جو احقر کو بالکل ناتمام یاد تھا پوچھا تھا اس وقت حضرت والا نے اس کا صرف ایک یہ مصرعہ فرمایا ع

گر از چشم دوری بدل حاضری

اور فرمایا کہ صرف یہی مصرعہ یاد ہے۔ پھر ظہر کے بعد کی مجلس کے وقت جب کہ احقر اپنے حجرہ میں جو حضرت والا کی نشستگاہ سے بہت فصل پر ہے بیٹھا اسی رسالہ اشرف السوانح کے کام میں مشغول تھا۔ حضرت والا نے ایک پرچہ پر پورا شعر لکھ کر احقر کے پاس بھیجا وہ پورا شعر یہ ہے ؎

سلامٌ علیکم چو در خاطری
گر از چشم دوری بدل حاضری

اُدھر تو حضرت والا اس شعر کو لکھ کر احقر کے پاس بھیج رہے تھے اور ادھر احقر کے قلب میں وہی انجذابی کیفیت جسکا اوپر ذکر کیا گیا اس قدر شدت کے ساتھ

محسوس ہوئی کہ واقعی میرا قصد ہو گیا کہ اسی وقت حاضر خدمت ہو جاؤں کیوں کہ مجھکو غالب گمان ہو گیا کہ حضرت والا اس وقت احقر کو ضرور یاد فرما رہے ہیں لیکن چونکہ کام میں بہت مشغول تھا اس لئے اپنے گمان پر اعتماد نہ کر کے بیٹھا لکھتا رہا۔ جب پرچہ پہنچا تب اپنے گمان کا قریب بہ یقین ہونا معلوم ہوا۔ اور لطف یہ ہے کہ شعر مذکور کا مضمون بھی اسی قسم کا تھا اور اس حالت پر بالکل صادق آ رہا تھا۔ اس سے اور بھی گمان ہوتا ہے کہ ممکن ہے حضرت والا کے قلب میں بھی لکھتے وقت اس کے مضمون کا استحضار ہو اور اس کا انعکاس احقر کے قلب پر بھی ہو گیا ہو۔ میں نے تو اس شعر کا یہ مطلب سمجھ کر بڑا لطف لیا کہ گویا حضرت والا خود اس احقر ناکارہ ہی کو اس شعر سے خطاب فرما رہے ہیں۔ کیونکہ میرے گمان میں اس وقت حضرت والا احقر کو گویا واقعی یاد فرما رہے تھے۔

اسی طرح کچھ عرصہ ہوا ایک بار احقر اوپر ایک صاحب کے حجرہ میں تھا اسوقت بھی احقر کو ایسی ہی کشش محسوس ہوئی تو فوراً مجھ کو وہی گمان ہوا کہ غالباً حضرت والا احقر کو یاد فرما رہے ہیں۔ اور چونکہ احقر اس وقت فارغ تھا اس لئے حاضر خدمت ہونے کے لئے فوراً نیچے اُترا تو دیکھا کہ واقعی حضرت والا ایک پرچہ ہاتھ میں لئے ہوئے اس انتظار میں تھے کہ کوئی ملے تو احقر کو طلب فرمائیں۔ اتنے میں میں خود ہی پہنچ گیا۔ فرمایا کہ میں تو اس وقت آپ کو بلانے ہی والا تھا۔ احقر نے اپنی اُس قلبی کشش کا حال عرض کیا تو حضرت والا تبسم فرمانے لگے۔ حضرت والا ایسے امور کو قابل التفات نہیں سمجھتے اور اکثر محض خیال کا اثر قرار دیدیا کرتے ہیں۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جب کبھی اس قسم کی کشش احقر کو محسوس ہوتی ہے ہمیشہ حضور مع اللہ کی صورت میں ہوتی ہے یعنی فوراً حضور مع اللہ کی کیفیت قوت کے ساتھ محسوس ہونے لگتی ہے جس کو

میں حضرت والا کی توجہ قلبی کا اثر سمجھ کر یہ گمان کرنے لگتا ہوں کہ اس وقت حضرت والا احقر کی طرف متوجہ ہیں اور یاد فرما رہے ہیں۔

اس کشش کے متعلق مجھے اپنے پرانے زمانہ کے تاثرات بھی اچھی طرح یاد ہیں جب کبھی حضرت والا کا کوئی گرامت نامہ پہنچتا محض حضرت والا کی تحریر کے نقوش ہی کو دیکھ کر قلب میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی خواہ اُس وقت میں کسی شغل میں ہوتا چنانچہ ایک دفعہ عین سرکاری دربار کے موقع پر بھی اثر محسوس کرنا اب تک یاد ہے۔

جب کبھی حاضری خدمت کے بعد رخصت ہو کر جاتا تو بفضلہ تعالیٰ و بتوجہات حضرت والا راستہ میں قلب کے اندر حضوری حق کی ایسی پُرلطف اور پُرزور کیفیت محسوس ہوتی کہ جس سے راستہ بھر سرشار رہتا۔ یہاں تک کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار حضوری حق کا اتنا غلبہ ہوا کہ میں دیوانہ وار اپنے دونوں ہاتھوں سے بار بار مشتاقانہ اس طرح حلقہ باندھنے لگا جیسے کوئی اپنے محبوب سے بغل گیر ہو رہا ہو۔

ایک بار راستہ ہی میں حضرت حافظ شیرازیؒ کے اس شعر کو پڑھتے پڑھتے بے اختیار ہو گیا اور ہچکیاں لے لے کر رونے لگا ؎

تو دستگیر شو اے خضرِ پے خجستہ کہ من
پیادہ میروم و ہمرہاں سوار انند

ایک بار حضرت والا کی خدمت بابرکت میں ایک ماہ قیام کر کے رخصت ہوا تو قلب میں نہایت کیف لے کر رخصت ہوا جس سے متاثر ہو کر راستہ ہی میں بے اختیار کچھ اشعار بھی ہو گئے جن میں سے بعض اب تک یاد ہیں جن کو اس غرض سے عرض کیا جاتا ہے کہ ناظرین کرام کو بھی اُس کیفیت کا کسی قدر اندازہ ہو جائے وہ اشعار

یہ ہیں ؎

مجھ پہ یہ لطفِ فراواں ہیں تو اس قابل نہ تھا
تیری اس رحمت کے قرباں میں تو اس قابل نہ تھا
یہ ہی دستِ ازل بھی تیرے در سے اے کریم
لے چلا ہے بھر کے داماں میں تو اس قابل نہ تھا
ہے احد معبود اپنا اور نبی خیر الورے
شیخ بھی ہے قطبِ دوراں میں تو اس قابل نہ تھا

جس طرح خدمت فیض درجت سے رخصت ہونے کے بعد کی بعض کیفیات عرض کی گئیں اسی طرح جس ذوق و شوق کے ساتھ حاضری ہوتی تھی اس کا بھی تھوڑا بہت ذکر مناسب مقام ہوگا۔

یہ تو عرض ہی کیا جا چکا ہے کہ کثیر اخراجات برداشت کر کے چند گھنٹوں کے قیام کی مہلت ملنے پر بھی دور دراز مقامات سے حاضر ہوا کرتا تھا۔ نیز لمبی لمبی رخصتیں نصف تنخواہ اور بلا تنخواہ تک کی لے لے کر مہینوں بلکہ بعض مرتبہ برسوں خدمت بابرکت میں مقیم رہنا تھا چنانچہ اب بھی بعون اللہ تعالیٰ دو برس چار ماہ کی رخصت لے کر حاضر خدمت ہوں اور جب کبھی حاضر ہوا نہایت ذوق و شوق اور جوش و خروش کے ساتھ حاضر ہوا اور اکثر فرطِ مسرت میں حسبِ حال اشعار بھی بے اختیار کہنے لگتا تھا اور ہر حاضری گویا اس شعر کی مصداق ہوتی تھی ؎

اے آتشِ فراقت دل ہا کباب کردہ
سیلابِ اشتیاقت جاں ہا خراب کردہ

ایک بار بہت دن بعد حاضری کا اتفاق ہوا تھا اُس موقع پر بہت سے اشعار لکھے تھے جن میں سے چند اشعار بطور نمونہ حالت کے اندازہ کے لئے ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں ؎

نہیں جانا ہوا ہے جانبِ میخانہ برسوں سے
بھرا ہے دل میں شوقِ نعرۂ مستانہ برسوں سے

کبھی کعبہ تھا دل اب تو یہ ہے بتخانہ برسوں سے
ترستا ہوں تجھے اے جلوۂ جانانہ برسوں سے

ہے برگشتہ کسی کی نرگسِ مستانہ برسوں سے
لئے پھرتا ہوں میں اپنا تہی پیمانہ برسوں سے

دلِ پُرشوق رو رہا اُس بزم میں اسطرح جاتا ہے
کہ دیکھی ہو نہ جیسے صورتِ جانانہ برسوں سے

ترک ڈپٹی کلکٹری سے قبل احقر نے لمبی رخصت بلا تنخواہ لے لی تھی اور قصد کر لیا تھا کہ جب تک محکمۂ تعلیم میں جگہ نہ ملے گی جس کی درخواست پیش کر رکھی تھی اس وقت تک ملازمت پر نہ جاؤں گا۔ اس موقع پر بہت سے اشعار لکھے تھے مثلاً ؎

جو ہم ترکِ علائق کر کے کوئے یار میں آئے
تو خارستاں سے گویا گلشنِ بے خار میں آئے

دکایک کھل گئیں آنکھیں جو بزمِ یار میں آئے
اُٹھے پردے مٹیں تاریکیاں انوار میں آئے

غزل خواں شاد ماں رقصاں کہیں گریاں کہیں خنداں
عجب انداز سے ہم کوچۂ دلدار میں آئے

مقامِ وجد ہے اے دل مگر جائے ادب بھی ہے
بڑے دربار میں پہنچے بڑی سرکار میں آئے

چھڑا کر جان اپنی بے طرح مجذوب بھاگا ہے
خدا ہی ہے جو وہ اب لوٹ کر گھر بار میں آئے

اسی موقع پر حضرت والا سے یہ معلوم کر کے کہ احقر کے قیام کے لئے اُن دو حجروں میں سے ایک حجرہ مرحمت فرمایا گیا ہے جو خانقاہ کے پھاٹک کے اوپر ہیں اور جن میں سے دوسرا اُس زمانہ میں خود حضرت والا کے استعمال میں تھا تو غایت مسرت میں اس کے متعلق بھی کچھ اشعار لکھے جن میں سے بعض عرض کئے جاتے ہیں ؎

قلب و جگر ہیں داغدار ایک اس طرف ایک اس طرف
پہلو میں ہیں دو گلعذار ایک اس طرف ایک اس طرف

وہ نشر ہیں انوار کے ہم کسب ہیں انوار کے
ہیں مہر و مہ مشغولِ کار ایک اس طرف ایک اس طرف

سیدھی نظر بھی ہے غضب ترچھی نظر بھی ہے ستم
یہ تیغ دو رکھتی ہے دھار ایک اس طرف ایک اس طرف

وہ جا رہے ہیں دیکھئے گا ہے ادھر گا ہے ادھر
چلتے ہوئے کرتے ہیں وار ایک اس طرف ایک اس طرف

ہمکو ملی دیوانگی اُن کو ملی فرزانگی
مجذوب ہم وہ ہوشیار ایک اس طرف ایک اس طرف

غرض جب حاضر ہوتا نہایت ذوق و شوق کے ساتھ حاضر ہوتا اور راستہ بھر نہایت جوش و خروش کا عالم طاری رہتا چنانچہ ایک بار ریل میں چند ہم مذاق احباب کا ساتھ تھا جو پیر بھائی تھے تو راستہ بھر حضرت والا کے تصور میں نہایت کیف کے ساتھ اس شعر کو پڑھتا رہا ؎

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق
عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

چونکہ رفیق سفر اپنے ہی پیر بھائی تھے اور پرانے بے تکلف دوست بھی تھے اور پھر پُر سوز و گداز شاعر بھی تھے اس لئے کیف بڑھتا ہی چلا گیا۔ یہاں تک کہ ریل کے ڈبہ میں جس میں سوائے ہم لوگوں کے اور فوجی نیپالیوں کے اور کوئی نہ تھا نیپالی

لوگ ہم لوگوں کے اس کیف سے متاثر ہو کر خود بھی گانے بلکہ بعض ناچنے بھی لگے ان کی یہ حالت دیکھ کر ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ دیکھئے یہ لوگ بھی آپ کے جوش و خروش سے متاثر ہو گئے ہیں

خلاصہ یہ ہے کہ حاضر ہوتے ہوئے بھی اور رخصت ہوتے ہوئے بھی راستہ بھر نہایت کیف کا عالم طاری رہتا تھا لیکن حضرت والا کی خدمت اقدس میں پہنچ کر سکون ہو جاتا تھا بمصداق شعر حضرت شیفتہؒ

زپیش تو فرزانہ دیوانہ خیزد
بہ بزم تو دیوانہ عاقل نشیند

استفسار پر حضرت والا نے اس کی وجہ بھی ارشاد فرمائی کہ بُعد میں شوق کا غلبہ ہوتا ہے اور قرب میں اُنس کا۔ شوق میں جوش و خروش ہوتا ہے اور انس میں سکون۔ اھ

جامع عرض کرتا ہے کہ اس سکون کی وجہ سے بعض اوقات طالب غلطی سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں بالکل کورا ہو گیا چنانچہ ایک صاحب اجازت نے اپنے دوران قیام خانقاہ میں اپنے آپ کو کورا سمجھ کر اس کی شکایت لکھی اور حضرت حافظؒ کا یہ شعر بھی نہایت حسرت کے ساتھ لکھا ؎

شراب لعل و جائے امن و یار مہرباں ساقی
دلا کے بہ شود کارت اگر اکنوں نخواہد شد

حضرت والا نے ان کی اس عنوان سے تسلی فرمائی کہ آفتاب کے سامنے چاند بے نور معلوم ہوتا ہے مگر دراصل وہ بے نور نہیں ہوتا بلکہ وہ آفتاب سے برابر کسب نور کرتا رہتا ہے البتہ آفتاب کے سامنے اس کو اپنا نور محسوس نہیں ہوتا

کورا ہو جانے پر حضرت والا کا ایک لطیفہ بھی یاد آگیا جس کو لطائف میں بھی عرض کیا جا چکا ہے اور یہاں یہاں بھی بمناسبت مقام تجدید نشاط کے لئے عرض کیا جاتا ہے۔ ایک صاحب نے شکایت کی کہ میں تو بالکل کورا ہو گیا یعنی کیفیات سے فرمایا کورا ہونا بُرا نہیں کور ہونا بُرا ہے۔ بلا سے کورا ہو لیکن کور نہ ہو۔

احقر جس جوش و خروش کے عالم میں حاضر خدمت سراپا برکت ہوا کرتا تھا اور بفیض تو جہات حضرت والا جس درجہ سکون و طمانیت اپنے قلب میں لے کر رخصت ہوتا تھا اس کا حال سطور بالا میں لکھتے وقت ان دونوں کیفیات کا گویا پھر علی التعاقب وُرود ہوا جس سے متاثر ہو کر ببرکت انفاس حضرت والا محض اتفاق سے اِن ہر دو کیفیات کے متعلق کچھ فارسی اشعار ہو گئے جن کو مناسب مقام سمجھ کر اور اس خیال سے کہ شاید طالبین کے لئے نافع ہوں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اتفاق کا لفظ میں نے اس لئے عرض کیا کہ پیشتر صرف حاضری کے متعلق ایک صاحب کیف کی ایک پُر کیف غزل کی طرف ذہن منتقل ہوا جس کا صرف ایک مصرعہ اور ایک شعر یاد رہ گیا تھا اس کو جو پڑھنا شروع کیا بالخصوص اس قصد سے کہ جس شعر کا صرف ایک مصرعہ یاد تھا اس پر مصرعہ لگا دیا جائے تو پھر اُسی بحر و قافیہ میں اشعار کی آمد شروع ہو گئی یہاں تک کہ دونوں کیفیات کے متعلق دو بڑی بڑی غزلیں ۳۳، ۳۴۔ اشعار کی تیار ہو گئیں طبیعت تو بہت طرارے بھر رہی تھی لیکن میں نے بہ جبر ۳۳ کے مُبارک عدد پر جو تسبیح فاطمی رضی کے اجزاء کا عدد ہے اپنے قلم کو روک دیا اور ہر دو قسم کے اشعار کو اسی عدد پر ختم کر دیا تاکہ اصل مقصود کے لکھنے میں زیادہ حرج واقع نہ ہو۔

حاضری کے متعلق جو اشعار ہیں ان کا عنوان "سفر تھانہ بھون" ہے اور رخصت کے

متعلق جو اشعار ہیں - ان کا عنوان " واپسی از تھانہ بھون " ہے چونکہ سفر تھانہ بھون کے اشعار تلوین پر دلالت کرتے ہیں اور واپسی از تھانہ بھون کے اشعار تمکین پر اس لئے حضرت والا نے اس مجموعہ کا نام "تمکین بعد التلوین" تجویز فرمایا ہے جو نہایت ہی موزوں ہے۔ اب اشعار ملاحظہ ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تمکین بعد التلوین

سفر تھانہ بھون

بحالتِ تلوین

در ہوائے کوئے جاناں میروم — ہمچو خس اُفتاں و خیزاں میروم
وہ چہ با شوق فراواں میروم — مست و سرشار و غزلخواں میروم
گو دریدہ جیب و داماں میروم — بیں مرا چوں گل چہ خنداں میروم
گو بایں حالِ پریشاں میروم — سرخوش و شاداں و فرحاں میروم
سوئے آں رشکِ گلستاں میروم — سر بصحرا پا بہ جولاں میروم
گو بیاباں در بیاباں میروم — شادماں در پرگلستان میروم
ہست گو اندیشۂ جاں میروم — می روم ہاں می روم ہاں میروم

سر بکف آتش بہ داماں میروم ‏ ‏ ‏ ‏ در تلاشِ آبِ حیواں میروم

مست چوں ابرِ بہاراں میروم ‏ ‏ ‏ ‏ گاہ خنداں گاہ گریاں میروم

در عجب انوارِ عرفاں میروم ‏ ‏ ‏ ‏ بیخود و مبہوت و حیراں میروم

سوئے کعبہ می رود ہر زاہدے ‏ ‏ ‏ ‏ من بسوئے کعبۂ جاں میروم

می روم چوں مہر نے مثلِ قمر ‏ ‏ ‏ ‏ بر سرِ اعدا نمایاں میروم

نزدِ آں کز وے شدہ تجدیدِ دین ‏ ‏ ‏ ‏ از پئے تجدیدِ ایماں میروم

او حکیم الامت و من جاں بلب ‏ ‏ ‏ ‏ در حضورش بہرِ درماں میروم

آنکہ مے از ساقیِ کوثر بیافت ‏ ‏ ‏ ‏ پیش او اے مے فروشاں میروم

کام و لب خشک و خم خالی بدوش ‏ ‏ ‏ ‏ بیں چہ پُر شوق و پُر ارماں میروم

کاسۂ در دست و زنبیلے بہ بر ‏ ‏ ‏ ‏ بے سر و ساماں بہ سلطاں میروم

گو منم یک بلبلِ بے بال و پر ‏ ‏ ‏ ‏ در ہوائے شوق پرّاں میروم

گو منم مورِ ضعیف و ناتواں ‏ ‏ ‏ ‏ بیں کہ بر تختِ سلیماں میروم

از وفورِ شوقِ او در دشتہا ‏ ‏ ‏ ‏ تیز تر ہم از غزالاں میروم

بیں چساں پروانہ وار آتش بجاں ‏ ‏ ‏ ‏ سُوئے آں شمعِ فروزاں میروم

چنگ و عُود و مطرب و ساقی و خم ‏ ‏ ‏ ‏ با چگونہ ساز و ساماں میروم

جام در دست و صراحی در بغل ‏ ‏ ‏ ‏ در گروہِ پاک بازاں میروم

ہست روحم در عجب وجد و طرب ‏ ‏ ‏ ‏ وہ چہ شوقست اینکہ رقصاں میروم

آتشِ عشق افگنم در سینہ ہا ‏ ‏ ‏ ‏ الحذر با سوزِ پنہاں میروم

گریۂ شوق است ایں از درد نیست ‏ ‏ ‏ ‏ دُر فشاں چوں ابرِ نیساں میروم

محو و مستغرق بیادِ جانِ جاں — غافل از احباب و خویشاں میروم
چیست مال و زر چہ باشد خانماں — من زجاں ہم دست افشاں میروم
دارم از فضلِ خدا اُمیدہا — گو بزیرِ چرخ گرداں میروم
باز سودا شد منِ مجذوبؔ را — باز سوئے کوئے جاناں میروم
برلبِ مجذوبؔ ایں ورد است و بس — باز سوئے کوئے جاناں میروم
ہستم آں مجذوبؔ دیوانہ کہ من — باخودی دست و گریباں میروم
جذبِ دلبر کار فرما در دل است — زاں منِ مجذوبؔ زنیساں میروم

واپسی از تھانہ بھون

بحالتِ تمکین

از درِ تو باچہ عنواں میروم — خار در دل گُل بداماں میروم
آمدہ بودم بتو چوں سائلے — از درِ دولت چو سلطاں میروم
آمدہ بودم بتو بے برگ و بار — سبز و شاداب و گل افشاں میروم
آمدہ بودم بتو بے مایۂ — از درت با گنج پنہاں میروم
آمدہ بودم بتو ناکام عشق — کامراں در عین حرماں میروم
آمدہ بودم بتو جویانِ یار — یار در پہلو و جویاں میروم
آمدہ بودم بتو من باہمہ — بے ہمہ از راہ پنہاں میروم

آمدہ بودم بتو با صد تعب — از رہِ نزدیک آساں میروم
آمدہ بودم بتو با صد ہجوم — یا ہم از سایہ گریزاں میروم
آمدہ بودم بتو بُت در بغل — از درِ فیضت مسلماں میروم
آمدہ بودم بتو با جام و صنم — یا باین تسبیح و قرآں میروم
آمدہ بودم بتو سوزاں چو برق — یا خنک چوں ماہ تاباں میروم
آمدہ بودم بتو پا در ہوا — صد سکوں در دل خراماں میروم
آمدہ بودم بتو سودا بسر — بار در دل سر بہ ساماں میروم
آمدہ بودم بتو نعرہ زناں — دم بخود سر در گریباں میروم
آمدہ بودم بتو نالہ کناں — مہر برلب دل بہ افغاں میروم
آمدہ بودم بتو در شوقِ دید — از وفورِ جلوہ حیراں میروم
آمدہ بودم بتو پروانہ وار — سر بسر شمعِ شبستاں میروم
آمدہ بودم بتو ظلمت نشاں — ضو فگن چوں مہر رخشاں میروم
آمدہ بودم بتو سرشار و مست — محترز از مے پرستاں میروم
آمدہ بودم بتو با چنگ و عود — خود سراپا ساز و الحاں میروم
آمدہ بودم بتو تر دامنے — پاک بازو پاک داماں میروم
آمدہ بودم بتو نالان و زار — خندہ زن بر نفس و شیطاں میروم
آمدہ بودم بتو سر بر فلک — سر بسجدہ زیرِ فرماں میروم
آمدہ بودم بتو نازاں بہ علم — با ہمہ دانی چو ناداں میروم
آمدہ بودم بتو در جہل غرق — نکتہ چیں بر اہلِ یوناں میروم

آمدم بودم بتو چوں وحشیاں یافتم تہذیبِ انساں میروم
آمدم بودم بتو زاغاں شعار ہمنوائے عندلیباں میروم
آمدم بودم بتو مثل زناں سر بکف مانندِ مرداں میروم
آمدم بودم بتو من پا بہ گل ایعجب سروِ خراماں میروم
آمدم بودم بتو من بدترین بہترین از صد ہزاراں میروم
گو بدم مجذوب من ننگ زماں شکر آں اشرف فخرِ دوراں میروم
شاکرم اے مدعی نے لافِ آں ہاں نہ پنداری کہ نازاں میروم

یہاں تک جو تسلی کے متعلق واقعات عرض کئے گئے وہ ایسے تھے جن میں حضرت والا نے طالبین کی تسلی فرمائی تھی اب ایک واقعہ ایسا بھی عرض کیا جاتا ہے جس میں حضرت والا نے خود اپنے آپ کو تسلی دی ہے۔ ایک سخت ناگوار واقعہ کے موقع پر فرمایا کہ الحمد اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حاکم اور حکیم ہونے کا مراقبہ قلب میں ایسا پختہ کر دیا ہے کہ بڑے سے بڑے حادثہ کے وقت بھی خواہ وہ ظاہر کے متعلق ہو یا باطن کے جس کو پریشانی کہتے ہیں وہ لاحق نہیں ہوتی۔ بس بفضلہ تعالیٰ یہ اچھی طرح ذہن نشین ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی حاکم ہونے کی حیثیت سے تو انہیں پورا اختیار حاصل ہے کہ اپنی مخلوق میں جس وقت چاہیں اور جس قسم کا چاہیں تصرف فرمائیں ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی ہر قسم کے تصرف کا ہر وقت پورا اختیار اور حق حاصل ہے کسی کو ذرا بھی مجال چون و چرا نہیں۔ اور حکیم ہونے کی بنا پر یہ اطمینان ہے کہ اُن کا جو بھی تصرف ہو گا وہ سراسر حکمت

ہی ہو گا پھر پریشانی کی کوئی وجہ نہیں اھ ف سبحان اللہ کیا اعلیٰ درجہ کا مراقبہ ہے۔ اگر اس کو پختہ کر لیا جائے تو ظاہری یا باطنی کسی قسم کی بھی پریشانی لاحق نہ ہو۔

اب اسی متبرک واقعہ پر احقر اس مضمون تسلی کو جو بلا قصد بڑھ گیا ختم کرتا ہے اور اپنے چند اور متفرق واقعات دوسرے مضامین کے متعلق عرض کر کے اپنی اس کپاس کہانی ہی کو ختم کر دے گا اور پھر انشاء اللہ تعالیٰ بعض ارشادات عامہ نیز تربیت باطن کے متعلق حضرت والا کے بعض طرق خاصہ کے قلمبند کرنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيْبُ ط

واقعہ نمبر ۴

احقر اُن گناہوں کے باب میں جو محض خیال کے متعلق ہیں سخت خلجان میں رہتا تھا۔ یہاں تک کہ اپنے کو قریب قریب مردود ہی سمجھ لیا تھا۔ اور خیالات فاسدہ کے ہجوم نے زندگی تلخ کر رکھی تھی۔ اور اپنی اصلاح سے قریب قریب مایوس ہی ہو چکا تھا کیوں کہ خیال ایک ایسی چیز ہے کہ غیر محسوس طور پر نہایت سُرعت کے ساتھ آن کی آن میں کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے اور وقت پر پریشانی میں یہ امتیاز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ اس کے حدوث یا بقاء کا کون سا درجہ تو اختیاری ہے اور کون سا غیر اختیاری نیز خیال کا دفعیہ بھی نہایت دشوار ہوتا ہے۔ غرض عملی گناہوں سے بچنا جن کا جوارح سے تعلق ہے اُن گناہوں کی نسبت کہیں زیادہ سہل ہے جن کا تعلق خیال سے ہے اوّل الذکر کی تشخیص بھی سہل علاج بھی آسان۔ ثانی الذکر کی بوجہ غیر مرئی اور محل خلط ہونے کے تشخیص بھی دشوار اور علاج بھی مشکل۔

حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کی خدمت میں انتہائی پریشانی کی حالت میں عریضہ تحریر کیا گیا تو حضرت والا نے باوجود نہایت پیچیدہ حالت ہونے کے قلم برداشتہ ایسا اکسیر علاج تجویز فرمایا کہ جس مرض کو پہاڑ سمجھ لیا گیا تھا وہ ھبآءً منثورًا ہو گیا اور جو زندگی بالکل تلخ نظر آ رہی تھی اُس خلجان کے دور ہو جانے سے بفضلہٖ تعالیٰ گویا ہمیشہ کے لئے خوشگوار نظر آنے لگی۔ کیونکہ ایسا سہل جامع اور کلی علاج تحریر فرمایا جس کو ہمیشہ کے لئے بآسانی دستور العمل بنایا جا سکتا ہے اور تمام خیالی گناہوں مثلاً۔ کبر عُجب۔ سوء ظن خیالات شہوانی، حسد، کینہ، بغض وغیرہ وغیرہ سب سے بشرط استحضار نہایت سہولت کے ساتھ اپنے آپ کو بچایا جا سکتا ہے۔

ارشاد فرمودہ علاج میں یہ بھی خُوبی ہے کہ علاج بھی ہے اور اختیاری یا غیر اختیاری ہونے کا معیار تشخیص بھی۔ حضرت والا کی دعا و توجہ و برکت سے عریضہ کے جواب کو جس میں علاج تحریر فرمایا گیا تھا پڑھتے ہی احقر کے تخیلات ایسے زائل ہو گئے جیسے تھے ہی نہیں۔ اُمید قوی ہے کہ جس کو ذرا بھی طریق سے مناسبت ہو گی۔ وہ حضرت والا کے ارشاد فرمودہ کلیہ سے جو ذیل میں تربیت السالک سے نقل کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ اپنے جملہ امراض باطنیہ خیالیہ کا بسہولت علاج کر سکے گا۔ اس جواب باصواب کی نافعیت اور جامعیت پر نظر فرما کہ حضرت والا نے اس کا ایک مستقل نام بھی تجویز فرما دیا ہے جو اسم بامسمّٰی ہے یعنی علاج الخیال احقر سے سن کر بہت سے طالبین نے اس کی نقلیں لیں جس سے اس کی نافعیت اور ضرورت عامہ ظاہر ہوتی ہے وہ جواب یہ ہے۔

اس کا تو سہل علاج یہ ہے کہ جب ایسے تخیلات کا ہجوم ہو اپنے قصد و اختیار سے کسی نیک خیال کی طرف فوراً متوجہ ہو جانا اور متوجہ رہنا چاہیے۔ اس کے بعد بھی اگر

تخیلات باقی رہیں یا نئے آویں اُن کا رہنا یا آنا یقیناً غیر اختیاری ہے کیونکہ مختلف قسم کے دو خیال ایک وقت میں اختیاراً جمع نہیں ہو سکتے۔ بس اشتباہ رفع ہوگیا اور اگر بالاختیار اچھے خیال کی طرف توجہ کرنے میں ذہول ہو جائے تو جب تنبہ ہو ذہول کا تدارک تو استغفار سے اور پھر اُسی تدبیر استحضار سے کام لیا جائے۔

یہ طریق عمل اس قدر سہل ہے کہ اس سے سہل کوئی چیز ہی نہیں بس اس کو دستور العمل بنا کے بے فکر ہو جانا چاہئے انتہیٰ بلفظہ

واقعہ نمبر ۵

احقر ایک بار سفر دھلی میں حضرت والا کے ہمرکاب تھا۔ ایک روز حسب معمول صبح کی مشی کے لئے تلاوت فرماتے ہوئے تشریف لے گئے۔ جو صاحبان ساتھ ہو لئے تھے ان کو ساتھ چلنے سے ممانعت فرمادی کیوں کہ جن لوگوں سے پوری طرح دل نہ کھلا ہوا ہو اُن کے ساتھ رہنے سے توجہ بٹتی ہے سب کے ہمراہ احقر بھی واپس جانے لگا تو مجھ کو بُلا لیا۔ پھر راستہ میں فرمایا کہ ممانعت تو ان کے لئے تھی جن سے بے تکلفی نہیں۔ پھر فرمایا کہ اگر ہر عورت یہ چاہنے لگے کہ میرے ساتھ بی بی کا سا تعلق رکھا جائے تو یہ اس کی حماقت ہے۔

حضرت والا اس کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ پہلے مدتوں میں اس غلطی میں رہا کہ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہئے جس کی وجہ سے بہت تنگیاں اُٹھائیں لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ حقیقت منکشف فرمادی کہ اس کی ضرورت نہیں کیونکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جو معاملہ خصوصیت کا حضرات شیخین کے ساتھ تھا وہ دوسرے

حضرات صحابہ کے ساتھ نہ تھا چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو اپنی مجلس شریف میں دیکھ دیکھ کر خوش ہوا کرتے تھے اور تبسم فرمایا کرتے تھے اور اسی طرح وہ دونوں حضرات بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے اور تبسم فرماتے اس سے ثابت ہوا کہ واجبات میں یکساں برتاؤ ضروری ہے مستحبات میں نہیں۔ اھ

واقعہ نمبر ۶

احقر کو آج تک اپنا وہ زمانہ ذوق وشوق کا یاد ہے جب کہ احقر ایک بار نہایت کیف کے ساتھ حضرت والا کو دیکھ دیکھ کر یہ مصرعہ دیر تک پڑھتا رہا ؂

او درمن ومن در وے چوں بو یہ گلاب اندر

اور نہایت قوت کے ساتھ ہر بار یہ تصوّر بندھ جاتا تھا کہ گویا حضرت والا سر تا سر میرے اندر سما گئے ہیں اور میں سر تا سر حضرت والا کے اندر سما گیا ہوں جس سے دیر تک بہت ہی لطف اندوز ہوتا رہا اس پر حضرت والا کا ملفوظ یاد آیا کہ اگر بے اختیار تصوّر شیخ بندھ جائے تو مضائقہ نہیں بلکہ نافع ہے ورنہ حق تعالیٰ ہی کا تصوّر رکھے کیونکہ وہی مطلوب و مقصود اصلی ہے حضرت حاجی صاحبؒ کی یہی تعلیم تھی۔ اھ

واقعہ نمبر ۷

ایک بار حضرت والا کے ہمراہ احقر بھی صبح کی مشی میں موجود تھا۔ راستہ میں دائیں بائیں دو کھیت ایسے ملے جن میں سے ایک تو پک کر بالکل خشک ہو گیا تھا اور دوسرے میں ابھی پھول ہی آرہا تھا اور وہ نہایت ہرا بھرا خوش منظر اور پُر بہار تھا۔ حضرت والا کے تو

دل میں بس ایک ہی چیز بسی ہوئی ہے اور وہی ہر وقت ہر حال میں پیشِ نظر رہتی ہے اور ادنیٰ مناسبت سے اسی کی طرف ذہن فوراً منتقل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ان دونوں کھیتوں کو ملاحظہ فرماتے ہی احقر سے فرمایا کہ دیکھئے بس یہی فرق متوسط اور منتہی کی حالتوں میں ہوتا ہے جو ان دو کھیتوں میں ہے۔ متوسط کی حالت تو اس ہرے بھرے کھیت کی سی ہے جو دیکھنے میں تو نہایت خوش منظر ہے۔ لیکن حالت موجودہ میں وہ سوائے اس کے اور کسی کام کا نہیں کہ بس کاٹ کر بیلوں کو کھلا دیا جائے۔ صرف مویشیوں کا چارہ ہے اور بس برخلاف اس کے یہ گیہوں کا کھیت جو پک کر خشک ہو گیا ہے دیکھنے میں تو بالکل بے رونق روکھا پھیکا سوکھا ساکھا ہے لیکن اس میں دانہ پڑا ہوا اور غلہ بھرا ہوا ہے جو کاشت کا اصلی مقصود ہے جب چاہو اس سے غلہ حاصل کر لو اور غذا کے کام میں لے آؤ۔ غرض ایک تو محض مویشیوں کا چارہ ہے اور دوسرا انسان کی غذا۔ اسی طرح متوسط میں محض کیفیات ہی کیفیات ہوتی ہیں جو عام نظر میں بہت باوقعت ہوتی ہیں اور بزرگی کی علامات میں سے سمجھی جاتی ہیں۔ برخلاف اس کے منتہی گو کیفیات سے بظاہر بالکل خالی نظر آتا ہے۔ لیکن وہ اصلی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ اھ

ف سبحان اللہ کیسی منطبق مثال ہے۔ اس واقعہ کا اجمالی ذکر اوپر بھی ضمناً آچکا ہے۔

واقعہ نمبر ۸

ایک بار احقر کی موجودگی میں جانمازوں کے منقش ہونے کی مذمت فرما رہے تھے کہ نقش و نگار سے نماز میں دل بٹتا ہے۔ پھر فرمایا کہ میں تو پھول دار کپڑے بھی پسند

نہیں کرتا گو میں خود اس میں مبتلا ہوں لیکن الحمدللہ میں اپنے ابتلاء کی وجہ سے اس کو اچھا نہیں بتلاتا ۔ پھر فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پھول دار چادر ہدیۃً آئی آپ نے نماز کے بعد اُس شخص سے دوسری سادہ چادر منگوائی اور اس کو علیحدہ کر دیا اور فرمایا کہ قریب تھا کہ اس کے نقش و نگار میرے قلب کو مشغول کر لیتے ۔ جب نبی کو مشغولی کا احتمال ہوا تو آج ہم میں ایسا کون ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ ہمارا قلب نقش و نگار میں مشغول نہیں ہو سکتا ۔ پھر فرمایا کہ کپڑوں پر تو نقش و نگار کیا پسند ہوتے جو محققین ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ قلب بھی بے نقش و نگار ہونا چاہیئے ۔ اور قلب کے نقش و نگار وہ ہیں جن کا نام مواجید و احوال ہے ۔ قلب ان سب قصوں سے علی الاطلاق خالی ہونا چاہئے ۔ بس عبدیت محضہ خالصہ ہونا چاہیئے پھر فرمایا کہ مبتدیوں کو مواجید و احوال سے بہت رغبت ہوتی ہے اور محققین کو ان سے نفرت ہوتی ہے ۔ لیکن یہ خود ایک حال ہے بیان کرنے سے تھوڑا ہی سمجھ میں آ سکتا ہے بلا خود پیش آئے یہ سمجھ میں نہیں آ سکتا پھر فرمایا کہ مولاناؒ مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

دل کہ او بستہ غم و خندیدن است — تو بگو کے لائق آں دیدن است

عاشقی زیں ہر دو حالت برتر است — ایں نہ آں عشق است کہ خشک و تر است

ان اشعار پر فرمایا کہ مولاناؒ کا ارشاد اپنی تائید میں یاد آ گیا اس سے جی خوش ہوا کیونکہ ظاہر میں یہ ایک نئی سی بات معلوم ہوتی ہے جو میں کہہ رہا تھا لیکن اب ثابت ہو گیا کہ یہ نئی بات نہیں ہے بلکہ پرانے محققین کے ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے

ایک بار احقر کو بھی حضرت والا نے میرے ایک عریضۂ حالات کے جواب میں یہی اشعار تحریر فرمائے تھے اور ان کے علاوہ یہ بھی شعر تھا ؎

باغ سبز عشق کو بے منتہا است
جز غم و شادی در و بس میوہ ہا است

احقر نے اس موقع پر حضرت والا کو یہ شعر بھی یاد دلا دیا اور عرض کیا کہ حضرت والا نے ان اشعار کو احقر کے عریضہ کے جواب میں بھی تحریر فرمایا تھا اس پر حضرت والا نے تبسم فرما کر فرمایا کہ آپ کے پاس یہ شیر ہیں پھر بھی آپ بھیڑیوں سے ڈرتے ہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ احقر اکثر حضرت والا سے ہجوم وساوس کی شکایت کرتا رہتا تھا

ف یہ واقعہ حسن العزیز جلد اول میں بھی مذکور ہے جو احقر ہی کے قلمبند کئے ہوئے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔

واقعہ نمبر ۹

ایک بار احقر سے یا عام گفتگو کے سلسلہ میں فرمایا کہ ذکر کے وقت ثمرات کا منتظر نہ رہے نہ کوئی کیفیت یا حالت اپنے لئے ذہن میں تجویز کرے بس ایسی تجویز کو مطلق دخل ہی نہ دے۔ سارے احوال کو حق تعالےٰ کے سپرد کر دے۔ پھر جو اس کے حق میں بہتر اور اس کی استعداد کے مناسب ہو گا وہ خود عطا فرمائیں گے

ع کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

بس ذکر کے وقت معتدل توجہ ذکر کی طرف یا اگر آسانی سے ہو سکے تو مذکور کی طرف کافی ہے اور معتدل کی قید اس واسطے لگائی گئی کہ توجہ میں زیادہ مبالغہ کرنے سے قلب و دماغ ماؤف ہو جاتے ہیں جس سے پھر ضروری توجہ میں بھی خلل پڑنے لگتا ہے۔ اس کے متعلق ایک اور بات بھی بہت ضروری ہے وہ یہ کہ طبیعت میں

ثمرات کا تقاضا نہ پیدا ہونے دے کیونکہ اس سے علاوہ تشویش کے جو مُخل جمعیت ہے اور جمعیت ہی اس طریق میں مدار نفع ہے بعض اوقات یاس تک نوبت پہنچ جاتی ہے مجھے خود اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ میری طبیعت میں فطری طور پر تقاضا اور جلدی بہت ہے اور یہ خدائے تعالیٰ کی رحمت ہے ورنہ مجھ سے اتنی خدمت دین کی نہ ہو سکتی۔ اسی تقاضا اور عجلت کی وجہ سے یہاں تک پریشانی کی نوبت پہونچی تھی کہ مجھ کو خودکشی تک کے وساوس آنے لگے تھے۔ بس ہر وقت طبیعت میں یہی تقاضا رہتا تھا کہ جو کچھ حاصل ہونا ہے جلد حاصل ہو جائے دیر کیوں ہو رہی ہے۔ اھ

واقعہ نمبر ۱

ایک بار بہ سلسلہ گفتگو احقر کی موجودگی میں فرمایا کہ میں تو بعض احوال میں رخصت پر عمل کرنے کو بہ نسبت عزائم پر عمل کرنے کے اصلح سمجھتا ہوں کیونکہ جو شخص ہمیشہ عزائم پر عمل کرتا ہے اُس کو ہمیشہ اپنے عمل پر نظر ہوتی ہے اور جو کچھ عطا ہوتا ہے اُس کو بمقابلہ اپنے عمل کے کم سمجھتا ہے۔ اس کے دل میں یہ شکایت پیدا ہوتی ہے کہ دیکھو میں اتنے دن سے ایسی مشقت زہد وتقویٰ کی اٹھا رہا ہوں اور اتنا عرصہ ذکر وشغل کرتے ہو گیا اور اب تک کچھ بھی نصیب نہ ہوا یہ کس قدر گندہ خیال ہے۔ برخلاف اس کے جو بعض دفعہ رخصتوں پر بھی عمل رکھتا ہے اس کو اپنے عمل پر نظر کبھی ہو ہی نہیں سکتی وہ اپنے ذکر وشغل کو بھی یوں ہی گِٹر پِٹر سمجھتا ہے۔ اُس کو جو کچھ بھی عطا ہوتا ہے اُسے بمقابلہ اپنے عمل کے ہمیشہ زیادہ سمجھتا ہے۔ اور درصورت عدم ورود کیفیات وغیرہ کے بھی اس کو کبھی شکایت نہیں پیدا ہو سکتی کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ

میں عمل ہی کیا کر رہا ہوں جو ثمرات کا مستحق ہوں اور سابق الذکر شخص ہمیشہ ثمرات عظیمہ کا منتظر رہتا ہے اور درصورت عدم عطا اس کو شکایت پیدا ہوتی ہے بہرحال رخصت پر عمل کرنے والے کی نظر میں ہمیشہ حق تعالیٰ کی عطاؤں کا پلہ بمقابلہ خود اس کے اعمال کے بھاری رہتا ہے جس سے اس کو طبعاً حق تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔

بات یہ ہے کہ ہمارے قلوب بالخصوص اس زمانہ میں ایسے ضعیف ہیں کہ بلا مشاہدہ رحمت کے حق تعالیٰ سے محبت کا تعلق پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ تقریر عام طور سے تو کہنے کے قابل بھی نہ تھی کیونکہ لوگ عمل میں سست ہو جائیں گے لیکن چونکہ اس کے عدم اظہار میں اس سے زیادہ اندیشہ ضرر تھا اس لئے کہہ دی گئی اور پھر جب یہ ظاہر کر دیا گیا کہ یہ تقریر عام طور سے کہنے کے قابل نہیں ہے تو اس سے معلوم بھی ہو گیا کہ اس مضمون میں غلط فہمی کا اندیشہ ہے گویا یہ تنبیہ ہے کہ اگر غلط فہمی ہونے لگے تو کسی محقق سے رجوع کرے از خود کوئی غلط معنی نہ سمجھ لے۔ چنانچہ غلط فہمی ہی کے دفعیہ کے لئے میں نے شروع میں یہ قید لگائی تھی کہ میں صرف بعض احوال میں رخصت پر عمل کرنے کو اصلح سمجھتا ہوں باقی فی نفسہ عزائم پر عمل کرنا ہی افضل ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

اسی گفتگو کے سلسلہ میں ایک اہل علم نے سوال کیا کہ زہد کی تو بڑی فضیلت ہے۔ فرمایا کہ زہد ترک لذات کا نام نہیں بلکہ محض تقلیل لذات زہد کے لئے کافی ہے یعنی لذات میں انہماک نہ ہو کہ رات دن اسی کی فکر رہے کہ یہ چیز پکنی چاہیئے وہ چیز منگانی چاہیئے کہیں کے چاول اچھے ہیں تو وہاں سے چاول آ رہے ہیں کہیں کی

بالائی مشہور ہے تو کہہ رہے ہیں کہ بھائی وہاں سے بالائی لیتے آنا نفیس نفیس کپڑوں اور کھانے ہی کی فکر میں لگے رہنا البتہ یہ زہد کے منافی ہے۔ ورنہ اگر بلا تکلف اور بلا اہتمام خاص کے لذات میسر آجائیں تو یہ حق تعالیٰ کی نعمت ہے شکر کرنا چاہیئے۔ اسی طرح بہت کم کھانا بھی زہد نہیں ہے نہ یہ مقصود ہے۔ کیونکہ ہمارے کم کھانے سے نعوذ باللہ کوئی خدا تعالےٰ کے خزانہ میں تو خیر تھوڑا ہی جمع ہو جائے گی یہ تھوڑا ہی سمجھا جائے گا کہ بڑے خیر خواہ سرکار ہیں۔ پوری تنخواہ بھی نہیں لیتے۔ وہاں ان باتوں کی کیا پرواہ ہے۔ لیکن ہاں اتنا بھی نہ کھائے کہ پیٹ میں درد ہو جائے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کا تو یہ مذاق تھا کہ نفس کو خوب آرام سے رکھے لیکن اُس سے کام بھی لے۔ میرا تو یہ خیال ہے ؂

کہ مزدور خوش دل کند کار بیش

جس دن معلوم ہوتا ہے کہ اچھی چیز پکی ہے اُس دن کام کرتے وقت یہ خوشی رہتی ہے کہ فارغ ہو کر اچھی چیز کھانے کو ملے گی۔ نفس کے واسطے کوئی اُبھارنے والی چیز ضرور ہونی چاہیئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک روز فرمایا کہ میاں اشرف علی پانی ہمیشہ ٹھنڈا پینا چاہیئے کہ ہر بن مو سے الحمدللہ نکلے ورنہ گرم پانی پی کر زبان تو الحمدللہ کہے گی لیکن دل شریک نہ ہوگا۔

واقعہ نمبر ۱۱

ایک بار حضرت والا مسجد کے سقاوہ سے گرم پانی لینے کے لئے خود تشریف لے گئے کیوں کہ حضرت والا کسی ایسے شخص سے کوئی کام نہیں لیتے جس سے

دل کھلا ہوا نہ ہو۔ اور اس وقت کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا۔ جب سقاوہ کا ڈھکن کھولا تو اندر سے نہایت لطیف بھاپ نکلی جو بہت بھلی معلوم ہوئی۔ اور ساتھ ہی نیچے سے ایندھن کا دھواں بھی اُٹھا جس نے آنکھوں میں سوزش پیدا کر دی۔ بعد کو اس واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کہ یہی فرق متوسط اور منتہی کی کیفیات میں ہوتا ہے۔ کیفیات سے خالی تو منتہی بھی نہیں ہوتا لیکن اُس کی کیفیات میں نہایت لطافت ہوتی ہے جیسی بھاپ میں اور لطافت اس لئے ہوتی ہے کہ وہ روحانیت سے ناشی ہوتی ہیں۔ برخلاف اس کے متوسط کی کیفیات میں شورش اور سوزش ہوتی ہے لطافت نہیں ہوتی جیسے دھوئیں میں کیوں کہ وہ نفسانیت بمعنی طبیعت نہ بالمعنی العرفی سے ناشی ہوتی ہیں۔

واقعہ نمبر ۱۲

ایک بار ہوا بالکل بند تھی اور سخت حبس ہو رہا تھا۔ پسینے چل رہے تھے۔ بعد نماز فرض خدام چاروں طرف کھڑے ہو کر حضرت والا کو پنکھا جھلنے لگے اور چونکہ حضرت والا کو سنتیں پڑھنی تھیں حضرت والا بھی پسینہ خشک کرنے کے لئے تھوڑی دیر کھڑے رہے کیونکہ نماز پڑھنے کی حالت میں تو حضرت والا کسی کو پنکھا جھلنے ہی نہیں دیتے جس کی وجہ یہ ہے کہ نماز میں بھی مخدومیت کی شان بنانا حضرت والا کو غلبۂ عبدیت کے اثر سے طبعاً سخت گراں ہوتا ہے غرض سب لوگ پنکھا جھل ہی رہے تھے کہ اتنے میں دفعتہً ہوا کا ایک ٹھنڈا جھونکا آیا اور روح کو تر و تازہ کر گیا۔ حضرت والا نے فوراً پنکھے رکوا دیئے اور فرمایا کہ سبحان اللہ

اس قدرتی ہوا کے ایک جھونکے سے جو فرحت بخشی وہ اتنے پنکھوں میں بھی حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ واقعی ہزار پنکھے ایک طرف اور قدرتی ہوا کا ایک ٹھنڈا جھونکا ایک طرف۔

پھر فرمایا کہ بس اسی طرح ہزار ریاضات و مجاہدات سے بھی وہ بات پیدا نہیں ہوتی جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک جذبہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ ہزار ریاضات و مجاہدات ایک طرف اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک جذبۂ غیبی ایک طرف۔ اھ

ف بس احقر حضرت والا کے اسی جذب خداوندی کے مضمون پر اپنی اس طویل داستان کو ختم کرتا ہے ورنہ احقر کے سنے اور دیکھے ہوئے تو ہزارہا ملفوظات و واقعات ہیں کہاں تک بیان کئے جائیں اگر مزید شوق ہو تو حسن العزیز جلد اوّل ملاحظہ فرمائی جائے جس میں احقر نے اپنے سنے ہوئے ملفوظات اور دیکھے ہوئے واقعات کی ایک معتدبہ مقدار قلم بند کر لی ہے۔

تنبیہ ضروری

احقر نے جو اپنے واقعات و حالات باب ہذا میں عرض کئے ہیں اُن سے صرف حضرت والا ہی کی قوت فیضان اور شانِ ارشاد کا ظاہر کرنا مقصود تھا کیوں کہ اگر واقعات کے ضمن میں اور پھر وہ بھی خود کاتب سوانح کے واقعات کے ضمن میں حضرت صاحب سوانح کے حالات و ارشادات تعلیمیہ بیان کئے جائیں تو وہ زیادہ اوقع فی النفس اور منقفع ہوتے ہیں۔ غرض یہ احقر کے واقعات محض

حضرت مولانا رومیؒ کے اس شعر کے مصداق تھے ؎

خوشتر آں باشد کہ سرّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

ورنہ اپنے ذاتی حالات کا لکھنا میرے لئے واقعی سخت موجب خجلت تھا بلکہ اب بھی ہے یہاں تک کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ ان سب حالات کو حذف کر دیا جائے لیکن اب جب کہ مسودہ مبیضہ کی صورت میں بھی آچکا ہے ایسا کرنا نہایت دشوار ہے۔ نیز اتنا وقت بھی نہیں کہ جو مضامین ان حالات کے ضمن میں حضرت والا کے متعلق معرض تحریر میں آچکے ہیں اُن کو از سر نو لکھا جائے لہٰذا ناظرین کرام سے استدعا ہے کہ مقصود اصلی یعنی حضرت والا کے حالات مبارکہ کو پیش نظر رکھیں اور اس ناکارہ کے ناگفتہ بہ حالات سے قطع نظر فرمائیں اور میری اصلاح حال اور حصول مقصود کے لئے حسبۃً للہ دعا فرمائیں۔

اب آخر میں احقر تائیداً حضرت والا کا وہ جملہ نقل کرتا ہے جو خود حضرت والا نے احقر کے ایک عریضہ کے جواب میں تحریر فرمایا تھا جس کی پوری نقل اوپر گزر چکی ہے۔ وہ جملہ یہ ہے کہ اگر کسی ناکارہ (یعنی خود حضرت والا) کے تذکرہ میں اپنا اظہار حال ہو جائے تو چونکہ بقصد نہیں اس لئے مذموم نہیں۔ اھ

غرض حضرت والا کے تذکرہ میں خود اپنے بھی حالات کے اظہار کی احقر کو بہت پرانی اجازت ملی ہوئی ہے۔

بعض ارشادات و افاضات حکمت آیات

حضرت حکیم الامت دامت فیوضہم العالیہ

از تربیۃ السالک قسم زدہ حضرت ممدوح بقلم فیض رقم خود

اب حسب وعدہ حضرت حکیم الامت کے بعض ارشادات وافاضات حکمت آیات تربیت السالک مطبوعہ وغیر مطبوعہ سے نقل کئے جاتے ہیں اور وہ خاص حضرت والا کے قلم فیض رقم کے تحریر فرمائے ہوئے ہیں تربیت السالک حضرت حکیم الامت کے مطب روحانی کے تیر بہدف معالجاتِ امراض نفسانی کا مجموعہ ہے جس کو ایک مکمل قرابادین کہنا زیبا ہے۔ اس میں صدہا طالبینِ اصلاح کے خطوط مع حضرت والا کے جوابات کے درج ہیں اور بحمد اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ برابر جاری ہے اللھم زد فزد ثم زد فزد اس میں سے سو مختلف احوال باطنی کے متعلق ارشادات کیفما اتفق طور پر منتخب کر کے ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں اور چونکہ یہ مجموعہ سر بسر حکمت سے لبریز ہے اس لئے بہ مناسبت صد پند لقمان ان کو صد پند اشرف سے ملقب کیا جاتا ہے۔ ہر پند ایک جداگانہ موضوع کے متعلق ہے۔ اور بعض نمبروں میں ایک ہی موضوع کے متعلق متعدد ارشادات بھی مناسبت کی بنا پر بمصلحت توضیح شامل کر دیئے گئے ہیں۔ بخوف تطویل طالبین کے خطوط کا تو محض خلاصہ بطور روایت بالمعنی کے درج کیا گیا ہے لیکن اس طور پر کہ ان کا حاصل بعینہ محفوظ رکھا گیا ہے اور حضرت والا کے ارشادات کو بالفاظہا نقل کیا گیا ہے

کیوں کہ یہاں پر زیادہ تر انہیں کا قلمبند کرنا مقصود تھا۔

تربیت السالک تمام تر عجیب و غریب حقائق باطنی سے لبریز ہے جس کو بلا مبالغہ ایک گنجینۂ جواہرات کہا جا سکتا ہے۔ احقر نے بخوف تطویل بہت قلم روک کر اور اپنے دل کو مار کر صرف سو کے عدد پر اکتفا کیا ورنہ جس ارشاد پر بھی نظر پڑتی تھی بس یہی جی چاہتا تھا اس کو بھی اپنے انتخاب میں شامل کر لوں اور یہ شعر ہو بہو صادق آ رہا تھا ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

جن صاحبوں کو مزید ارشادات کے مطالعہ کا شوق ہو وہ اصل تربیت السالک کو ملاحظہ فرمائیں دورانِ انتخاب میں بنظر اصلاح جب احقر منتخب کردہ ارشادات کو حضرت والا کے سامنے پڑھتا تو نہ صرف حاضرین مجلس بلکہ خود حضرت والا بھی متاثر ہو ہو جاتے اور بے اختیار فرماتے کہ بھلا یہ مضامین میں اپنی معلومات سے لکھ سکتا تھا ہرگز نہیں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ طالبین کی اصلاح کے لئے میرے قلم سے بوقت ضرورت ایسے مضامین نافعہ لکھوا دیئے۔ چنانچہ اس وقت جب میں سوالات کو سنتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ ان کا جواب کیا ہونا چاہیئے تو بالکل سمجھ میں نہیں آتا اور ہر سوال کو سنکر تحیر ہوتا ہے کہ ایسے مشکل سوال کا کیا جواب دیا ہو گا اور جب جواب سنتا ہوں تو تعجب ہوتا ہے کہ کیا یہ میرا ہی لکھا ہوا جواب ہے کیوں کہ ایسے جوابات واقعی میری معلومات سے کہیں زیادہ بالاتر ہیں۔ اگر یہ جوابات میری معلومات کا نتیجہ ہوتے تو میری معلومات تو اس وقت بھی وہی ہیں۔ اس وقت کیوں جوابات ذہن میں نہیں آتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی تائید تھی ورنہ میری کیا حقیقت ہے کہ میں ایسے

جوابات لکھ سکوں۔

یہ بھی تحدثاً بالنعمۃ نہ کہ فخراً ارشاد فرمایا کہ اگر انہیں سوالات کو دوسرے حضرات اہل طریق کی خدمت میں پیش کر کے جوابات حاصل کئے جائیں تب ان جوابات کی قدر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ فن کے تمام ضروری مسائل کی تحقیق و تدوین کئی صدی تک کے لئے ہوگئی ہے اور ایسی تعمیم کے ساتھ کئی صدی سے نہ ہوئی تھی۔ یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور بڑے میاں یعنی (حضرت حاجی صاحبؒ) کی برکت ہے اھ

اس ضروری تمہید کے بعد ارشادات منتخبہ کا مذکورہ بالا مجموعہ ملقب بہ ضد پند اشرف پیش کیا جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق وھو خیر رفیق

صد پند اشرف

یعنی بعض ارشادات و افاضات حکمت آیات حضرت حکیم الامت دامت فیوضہم العالیہ

(منتخب از تربیت السالک)

نمبر ۱ ایک طالب نے لکھا کہ میری تمنا ہے کہ شبہے نہ آئیں تحریر فرمایا کہ کل کو یہ تمنا کرنا کہ بخار نہ آئے۔ اھ۔ اس سے پہلے یہ تحریر فرما چکے تھے کہ بلا اختیار شبہ آنا خدا و رسول کو سچا سمجھنے کے منافی نہیں اھ

نمبر ۲ ایک طالب نے لکھا کہ مجھ کو موت سے بہت وحشت و نفرت ہے حالانکہ وہی ذریعہ ہے خدا تعالےٰ سے ملاقات کا اور صوفیائے کرام کے نزدیک تو موت سے زیادہ محبوب کوئی چیز ہی نہیں تحریر فرمایا کہ یہ غلط ہے بعض مسلم بزرگوں کو میں نے موت سے ایسا ہی ڈرتا ہوا دیکھا ہے۔ منشا اس کا ضعف قلب ہے جو بالکل مذموم نہیں اھ۔ انھیں طالب نے یہ بھی پوچھا کہ صوفیائے کرام نے کیا ذرائع حاصل

گئے جن کی وجہ سے اُن کو موت سے نفرت یعنی کراہت بالکل جاتی رہی۔ جواب تحریر فرمایا کہ ان کی قوت قلب ہے یا قوت دارد ادر دونوں غیر مطلوب ہیں محض موہوب ہیں ۱ھ

نمبر ۳ ایک طالب کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ بدعتی سے نفرت کبر نہیں البتہ اگر وہ توبہ کر لے اور پھر بھی اُس سے نفرت رہے یہ کبر ہے ورنہ بغض فی اللہ ہے ۱ھ

نمبر ۴ ایک طالب نے کلام مجید کی تلاوت کے فضائل دیکھ کر چاہا کہ سوائے تلاوت کے اور سب وظائف واوراد ترک کر دوں۔ تحریر فرمایا کہ یہ بھی خبر ہے کہ کسی چیز کی طرف زیادہ کشش اسی وقت ہوتی ہے جب دوسری چیزیں بھی ہوں ورنہ اُس سے طبیعت اُکتا جاتی ہے ؎

گر نبستے غیبتے نہ دہد لذتے حضور

اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ سلف نے ایسا نہیں کیا۔ ۱ھ

نمبر ۵ ایک خلیفۂ خاص نے دریافت فرمایا کہ حصول نسبت کے آثار غیر متخلفہ کیا ہیں نیز زوال کبر کے بھی آثار غیر متخلفہ پوچھے تھے۔ تحریر فرمایا کہ یہ سب امور ظنیہ ہیں جیسی صحت بدنیہ ظنی ہے مگر اقناع ہی کو اس باب میں مثل یقین کہا جاتا ہے سو امر اول میں آثار دوام اطاعت و مشابہت اعمال اختیاریہ بہ امور طبعیہ و شدت ذ مخالفت اور بعد مخالفت اتفاقیہ قلق شدید و تدارک بلیغ اور غلبہ ذکر لسانی و قلبی یعنی استحضار۔ اور امر ثانی میں اصل وجدان ہے معالج کا اور آثار سے اس کی تائید ہو جاتی ہے یعنی واقعات کبر کا عدم صدور و غلبہ آثار شکستگی و ندامت شدید بر صدور افعال موہمۂ کبر۔ ۱ھ

نمبر ۶ ایک طالب نے لکھا کہ زبان پر ذکر اللہ ہے اور اندر خاک بھی اثر نہیں

بفضلہ تعالیٰ اعمال میں تو فرق نہیں آتا مگر ظاہر ہوتا ہے کہ دل محبت سے خالی ہے اھ۔
جواب تحریر فرمایا کہ کون سی محبت سے دل خالی ہے اعتقادی وعقلی سے یا انفعالی اور طبعی سے اگر شق ثانی ہے تو مضر نہیں اگر شق اول ہے تو اُس میں خالی ہونے کا افسوس نہیں ہوا کرتا آپ کو افسوس کیوں ہے یہ افسوس خود دلیل ہے کہ آپ اُس سے خالی نہیں اھ۔ اُنہیں طالب نے یہ بھی لکھا تھا کہ یہ تو یقینی ہے کہ حالت جیسی چاہیئے ویسی بالکل نہیں ہے اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ وہ دن ماتم کا ہوگا جس دن یہ سمجھ گئے کہ جیسی حالت چاہیئے تھی ویسی ہوگئی کیوں کہ اُس درگاہ میں تو حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اپنی حالت کے متعلق یہی فیصلہ کرتے ہیں کہ جیسی حالت چاہیئے تھی ویسی نہیں ہے۔ ما عبدناک حق عبادتک کا حال ہوتا ہے! اھ

نمبر ۷ ایک طالب نے لکھا کہ نظر بد کے تقاضہ کے وقت بندہ دل کو یہ بھی تسلی دیتا ہے کہ جس گناہ سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہو اس کو کرنے سے کیا حاصل۔ تحریر فرمایا کہ نہایت نافع اور موثر مراقبہ ہے۔ اھ

نمبر ۸ ایک طالب نے لکھا کہ چلتے پھرتے اگر کسی لڑکے یا عورت پر نظر پڑ جاتی ہے تو بندہ فوراً نظر کو ہٹا لیتا ہے اب دریافت کرتا یہ ہے کہ نظر اول معصیت کا سبب ہے یا نہیں اھ حضرت والا نے ذیل کا جواب تحریر فرمایا:
اُس نظر اول میں قصد ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر حدوث میں قصد نہ ہو تو اُس کے ابقاء میں قصد ہوتا ہے یا نہیں اگر ابقاء میں بھی قصد نہ ہو تو اُس نظر سے جو صورت ذہن میں پیدا ہوتی ہے اس کے ابقاء یا اُس سے التذاذ میں قصد ہوتا ہے یا نہیں۔ اھ
اُنھوں نے یہ بھی لکھا کہ نظر ہٹانے کے بعد اس کی صورت ذہن میں ایک قسم کی تصویر

ہو جاتی ہے مگر بعض وقت اُس صورت کو ذہن میں آتے ہی فوراً دفع کرنا یاد نہیں رہتا اھ

اِس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ یاد رکھنے کا اہتمام ضروری ہے اگر ویسے یاد نہ

رہے تو ایک پرچہ پر اُس کی وعید لکھ کر وہ پرچہ اپنی کلائی یا بازو پر باندھ لیا جائے۔ اھ

نمبر ۹ ایک طالب نے حضرت والا کے اس استفسار پر کہ جھوٹ اختیار سے بولتے ہو یا بالاضطرار یہ لکھا کہ یہ جھوٹ بولنا ہے تو اختیاری

لیکن اکثر انہماک سے اضطراری جیسا ہو چکا ہے حضرت اس کا علاج فرمائیں۔ اھ اس

پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ جب ہمت و اختیار سے چھوڑ دو گے اور بہ تکلف اس کی

عادت کر لو گے تو اسی طرح عدم صدور اضطراری جیسا ہو جائے گا یہی علاج ہے۔ اھ

نمبر ۱۰ ایک صاحب فضل ایک دوسرے شیخ سے مُرید ہیں اُن کو بسلسلہ انگریزی ترجمۂ قرآن مجید معاندین کے اعتراضات کے جواب دینے کے لئے

معاندین کی کتابیں پڑھنے میں مشغولی رہتی ہے۔ اُنہوں نے حضرت والا کو لکھا کہ ایک

معاملہ اپنے قلب کا عرض کرتا ہوں جس زمانہ میں کتب تصوف کا مطالعہ زیادہ رہتا ہے۔

خصوصاً مثنوی و کلید مثنوی (یعنی شرح مثنوی مصنفہ حضرت والا) احیاء العلوم وغیرہ کا

اس زمانہ میں قلب میں ایک خاص انشراح محسوس ہوتا ہے اور طبیعت میں کیفیت و

رقت اور خواب بڑے بڑے پاکیزہ نظر آنے لگتے ہیں۔ اب جب سے انگریزی ترجمہ قرآن

میں اور معاندین کے اعتراضات کے جواب میں مشغولی ہے اس حالت میں نمایاں کمی

پاتا ہوں۔ اب کتب تصوف کا مطالعہ بالکل ترک ہے اور بجائے اس کے ہزار ہا ہزار

صفحات عقائد مشرکین و معاندین اسلام کے پڑھ رہا ہوں کہیں یہ ظلمت و قساوت اسی

کا نتیجہ تو نہیں۔ اھ

حضرت والا نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

اس تفاوت کا یہی سبب ہے مگر اس کی حقیقت قساوت یا ظلمت نہیں کیونکہ حقیقی قساوت یا ظلمت ہمیشہ اعتقادی ہوتی ہے اور یہ کیفیت اور اثر طبعی ہے۔ جیسا ایک انقباض اور تکدر گوہ کھانے سے ہو یہ مشابہ ہے حقیقی قساوت و ظلمت کے اور ایک انقباض ہاتھ یا پاؤں میں نجاست لگ جانے سے ہو یہ مشابہ ہے اس کیفیت و اثر زیر بحث کے اور ظاہر ہے کہ گوہ کھانا بوجہ معصیت ہونے کے مضر باطن ہوتا ہے اور نجاست بدن کو لگ جانا مضر باطن نہیں ہوتا بلکہ اگر بقصد تطہیر اپنے جسد کے ہاتھ لگانا پڑے تو بوجہ طاعت ہونے کے باطن کو زیادہ نافع ہوگا۔ اور اس میں جو طبعی کدورت و کلفت ہوئی ہے وہ بوجہ مجاہدہ ہونے کے موجب اجر و قرب ہوگا اور اس کے بعد جو مٹی سے صابون سے رگڑ رگڑ کر ہاتھ دھویا جائے گا۔ پہلے سے زیادہ پاک صاف ہو جائے گا آپ ماشاء اللہ تطہیر میں مشغول ہیں آپ کی طہارت اور نورانیت میں اضافہ ہو رہا ہے البتہ ساتھ کے ساتھ صابون بھی استعمال میں رہے تو بہتر ہے یعنی کسی قدر مطالعہ تصوف و ذکر اللہ۔

نمبر ۱۱ ایک طالب نے شکایت لکھی کہ ناظرہ قرآن شریف ایک پارہ بھی پڑھنا مشکل معلوم ہوتا ہے بلکہ اکثر ناغہ ہو جاتا ہے اور دیگر اذکار اور زبانی قرآن شریف دن بھر پڑھا کرے تو کوئی گرانی نہیں ہوتی اھ۔

اس پر حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

اگر قرآن حفظ نہیں تو نفس پر جبر کر کے زیادہ پڑھنا چاہیئے اور برابر اس کا تصور رکھنا چاہیے کہ ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں نامۂ اعمال میں ساتھ ساتھ درج

ہو رہی ہیں اور ایسی دولت اور کس چیز سے نصیب ہو سکتی ہے ۔ اور یہ تصور ہے بھی امر واقعی کا کیوں کہ حدیث میں یہ مضمون تصریحاً موجود ہے اس کے ساتھ ہی یہ مراقبہ بھی رکھنا چاہیئے کہ حروف قرآن کی زیارت پر ثواب ملتا ہے اس مجموعی تصور سے وہ گرانی کم ہو جائے گی اور شدہ شدہ ناظرہ زیادہ تلاوت کرنا آسان ہو جائے گا اور اگر قرآن آپ کو حفظ ہے اور زبانی بھی صحیح یاد ہے تو پھر حفظ پڑھنے سے بھی ثواب جو کہ اصل مقصود ہے حاصل ہے زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں ۔ اھ

نمبر ۱۲ ایک طالب نے لکھا کہ ان دنوں میری عجیب کیفیت ہے ہر وقت جی چاہتا ہے کہ بس اللہ اللہ کرتا رہوں سوائے ذکر اسم ذات کے کسی چیز میں جی نہیں لگتا۔ حد یہ ہے کہ درس حدیث و تلاوت قرآن میں بھی جیسے پہلے جی لگتا تھا اب ویسا نہیں لگتا ۔اھ

حضرت والا نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

ابتدا میں ایسا ہی ہوتا ہے جیسا بچہ کو ہر وقت دودھ ہی مرغوب ہوتا ہے پھر ہر وقت پر اس کے مناسب اشیاء مرغوب ہونے لگتی ہے ۔ اھ

ف از جامع اوراق۔ ایک اور طالب کو اسی قسم کی شکایت پر یہ تحریر فرمایا تھا کہ ابتدا میں ایسا ہی ہوتا ہے بعض کو انتہا میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے اور اکثر اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ذکر میں ایک گونہ بساطت ہے اور قرآن و حدیث میں ایک گونہ ترکیب ہے اور بساطت یکسوئی سے اقرب ہے اور ترکیب بوجہ اختلاف اجزاء تشویش سے قریب ہے ۔

نمبر ۱۳ ایک طالب نے جو حاضر خانقاہ ہوئے تھے لکھا کہ فی الحال کبر نہیں

معلوم ہوتا۔ دوچار باتیں حضرت بتلا دیں تاکہ امتحان کروں کہ کبر باقی ہے یا جاتا رہا اھ

اس پر تحریر فرمایا کہ دوچار جزئیات امتحان کے لئے کافی نہیں بعض طبائع کی خاصیت یہ ہے کہ بعض معاملات میں کبر پیدا نہیں ہوتا بعض میں ہوتا ہے اس لئے اس امتحان کی فکر میں نہ پڑیے اگر کسی خاص واقعہ میں شبہ پیش آئے گا اس کی اطلاع کر کے مشورہ مناسب ہوگا اھ

انہیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت والا کی محبت کا غلبہ بہت ہے نماز میں بھی اکثر خیال ہوتا ہے اور کبھی کبھی خشوع کے لئے خیال کر لیتا ہوں اھ۔ اس پر فرمایا کہ نماز میں قصداً نہ کیا جائے اھ۔ انہیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ جانے کو جی نہیں چاہتا مگر مدرسہ کی وجہ سے کل جانے کا ارادہ ہے اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ بعض بُعد قرب سے زیادہ نافع ہوتا ہے اھ انہیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت کا خوف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ بولنے کی ہمت نہیں ہوتی اھ۔ تحریر فرمایا کہ اس کا منشا محبت مشوب بہ عظمت ہے جو طریق میں نہایت نافع ہے۔ اھ

نمبر ۱۴ ایک طالب نے لکھا کہ بدنظری سے نفرت اپنے اندر نہیں پاتا نفس کو روکنے میں مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اھ تحریر فرمایا کہ نفرت مامور بہ ہے یا رغبت کے مقتضا پر عمل نہ کرنا۔ اھ

نمبر ۱۵ ایک صاحب اجازت نے لکھا کہ اگر کوئی میرے پاس بیعت ہونے کو آتا ہے تو بے حد شرم آتی ہے کہ یہ تو مجھ سے ہر طرح اچھا ہے میں اس کو کیا بیعت کروں اھ۔ تحریر فرمایا کہ مرید کر لیا کریں تاکہ یہ تواضع اور زیادہ بڑھے۔ اھ

نمبر ۱۶ ایک صاحب نے جو ایک دوسرے شیخ سے بیعت ہیں لکھا کہ دین اور دنیا دونوں قسم کے معاملات میں بعض دفعہ سخت مزاجی کا ظہور نہایت شدت سے ہوتا ہے اور طبیعت بے قابو ہوجاتی ہے اھ۔ تحریر فرمایا کہ استحضار و عمل بتکلف کا تکرار یہی علاج ہے اس سے عادت ہوجائے گی۔ اھ

انہیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ نماز وغیرہ کے بارہ میں جب بار بار کہنے سے بھی لوگ نہیں مانتے اور غصہ آتا ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ غالباً یہ غصہ اپنے نفس کیلئے ہے کہ میرا کہا ان لوگوں نے کیوں نہیں مانا۔ اھ۔ اس پر تحریر فرمایا کہ اس کا امتحان سہل ہے ٹٹول کر دیکھا جائے کہ اگر دوسرے واعظ کے ساتھ یہی معاملہ کریں تب بھی اتنی ہی یا اس کے قریب قریب ناگواری ہوتی ہے یا نہیں۔ اھ

نمبر ۱۷ ایک طالب نے لکھا کہ مجھے اصلاح کا طریق نہیں معلوم۔ طریق اصلاح تجویز فرمائیں۔ اھ۔ تحریر فرمایا کہ طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے نفس کا ایک ایک عیب ظاہر کرو اور مجھ سے اس کا علاج پوچھو اور میں جو بتاؤں اس پر عمل کرو اور عمل کر کے اطلاع دو۔ اھ

نمبر ۱۸ ایک طالب نے لکھا کہ نماز و تلاوت میں طبیعت پر جبر کرنا پڑتا ہے۔ کوئی شاہراہ عمل ایسا تجویز فرما دیجئے کہ یہ جبر مبدل بمسرت و آسانی ہوجائے اھ تحریر فرمایا کہ اس کی کوئی تدبیر نہیں یہ امر نہ شیخ کے اختیار میں ہے نہ طالب کے اھ۔

اسی طرح ایک بی۔ اے پاس طالب نے لکھا کہ نماز کو ضروری سمجھتا ہوں لیکن طبیعت ادھر نہیں آتی اور اگر آتی بھی ہے تو نماز میں کوئی لطف نہیں آتا اھ۔

پہلی بات کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ طبیعت کا آنا ضروری ہے یا لانا اھ اور دوسری بات کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ لطف ضروری ہے یا عمل اھ۔

اسی طرح ایک طالب نے لکھا کہ معمولات میں سرور نہیں پیدا ہوتا۔ تحریر فرمایا کہ سرور مقصود ہے یا حضور اور حضور بھی اختیاری یا غیر اختیاری اھ

نمبر ۱۹ ایک طالب نے عُجب کی چند مثالیں لکھ کر علاج پوچھا۔ تحریر فرمایا کہ اگر استحضار نعم کے ساتھ اس کا استحضار بھی کر دیا جائے کہ یہ نعمتیں میرے استحقاق کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ موہبت الٰہیہ ہیں وہ اگر چاہیں ابھی سلب کر لیں اور یہ ان کی رحمت ہے کہ بلا استحقاق عطا فرما رکھی ہیں اور دوسرے کے متعلق اس کا استحضار کر دیا جائے کہ اگرچہ یہ لوگ اِن خاص فضیلتوں سے خالی ہوں لیکن ممکن ہے کہ ان کو ایسی فضیلتیں دی گئی ہوں کہ ہم کو ان کی خبر نہ ہو اور ان کی وجہ سے ان کا رتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہو تو ان دونوں استحضار کے بعد جو سرور رہ جائے گا وہ عُجب نہ ہوگا یا تو فرحت طبعی ہوگی جو مذموم نہیں اور یا شکر ہوگا جب منعم کے احسان کا بھی استحضار ہو جس پر اجر ملے گا اھ۔

نمبر ۲۰ ایک استفسار کے جواب میں حضرت والا نے رذائل کے علاج میں رُسوخ پیدا ہو جانے کی علامت یہ تحریر فرمائی کہ جب غفلت و ذہول نہ ہو اور ہمت میں تخلّف نہ ہو یہی رُسوخ ہے۔ اھ

اور ایک استفسار کے جواب میں جو بزبان فارسی تھا حصول رُسوخ کا طریقہ یہ تحریر فرمایا: تکرار و استحضار و اعتیاد دائم و تدارک وقت کوتاہی بمخالفت نفس بنوعے عبادت خاصہ مالیہ یا بدنیہ مثل انفاق چہار آنہ کہ بر نفس قدرے شاق باشد یا ادائے نفل

بمقدار معتد بہ کہ بر نفس قدرے گراں باشد و علامت رسوخ آنست کہ ملکہ میسر شود کہ در صدور تکلف نباشد۔ اھ

نمبر ۲۱ ایک طالب نے لکھا کہ قبل بیعت حضرت سے محبت تھی مگر رعب معلوم ہوتا تھا اور اب بعد بیعت محبت تو الحمد للہ بہت ہے مگر رعب مطلق نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اھ جواب تحریر فرمایا کہ مبارک حالت ہے وہ پہلی حالت بھی مبارک تھی۔ اس طریق میں جو حالت غیر اختیاریہ بھی پیش آئے خیر محض ہے اور اس میں بیحد مصالح و منافع ہوتے ہیں جو اس وقت تو سمجھ میں نہیں آتے مگر آگے چل کر ایک وقت میں سب خود بخود سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔ اھ

نمبر ۲۲ ایک مبتدی طالب نے نماز میں خطرات آنے کی شکایت لکھ کر اس کی تدبیر پوچھی۔ جواب تحریر فرمایا کہ اپنی طرف سے کلمات و اذکار کی طرف توجہ رکھنا چاہیئے پھر اگر آئیں مضر نہیں اگر وہ توجہ ہٹ جائے تجدید کر لی جائے اور اس توجہ کے ہٹ جانے پر افسوس نہ کرنا چاہیئے اھ

نمبر ۲۳ ایک طالب نے لکھا کہ حضور کے ساتھ غلبۂ محبت کا آج کل یہ حال ہے کہ معلوم ہوتا ہے دل میں سوائے آپ کی محبت کے اور کوئی محبت نہیں ہے اور نہ کسی دیگر شخص کا خیال ہے آپ کو بحیثیت اپنے شیخ کے صاف لکھنا زیادہ بہتر ہوگا یعنی ان دنوں اللہ تعالیٰ کی محبت بھی کم محسوس کرتا ہوں اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ یہ شبہ صحیح نہیں حق تعالیٰ کی محبت میں شان عقلیت غالب ہوتی ہے اور اپنے مجانس کی محبت میں شان طبیعت غالب ہے۔ اور سرسری نظر میں محبت عقلی محبت طبعی کے سامنے ضعیف و مضمحل معلوم ہوتی ہے اس سے وہ شبہ

ہوجاتا ہے حالانکہ امر بالعکس ہے چنانچہ اگر اُسی محبوب طبعی سے نعوذ باللہ حق تعالےٰ کی شان کے خلاف کوئی معاملہ قولی یا فعلی صادر ہو تو وہی محبوب فوراً مبغوض ہوجائے جس سے ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ ہی کی محبوبیت غالب ہے۔ اھ

نمبر ۲۴ ایک نظر بد کے مریض کے استفسار پر تحریر فرمایا کہ بجز ہمت کے کوئی علاج نہیں۔ اھ

نمبر ۲۵ ایک طالب کو اپنے ایک شاگرد سے نفسانی محبت ہوگئی اُنہوں نے لکھا کہ اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ سلسلۂ تعلیم باقی رہے اور کیفیت نفسانیہ منعدم ہوجائے تو ارشاد فرمایا جائے اھ۔ تحریر فرمایا کہ مجھ کو ایسی ترکیب نہیں آتی کہ ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ
بازمی گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

نمبر ۲۶ ایک طالب نے لکھا کہ میں لوگوں کے اصرار سے لمبی سورتیں پڑھتا ہوں۔ کبھی کبھی بعد نماز جی خوش ہوتا ہے کہ قرآن مجید بہت اچھا پڑھا دل میں یہ سوچ لیتا ہوں کہ یہ میرا کمال نہیں محض انعام الٰہی ہے کیا یہ اصلاح نفس کے لئے ٹھیک ہے اھ۔ تحریر فرمایا کہ مسنون سورتوں میں جو چھوٹی ہوں وہ پڑھا کرو اور بہت جوش سے مت پڑھا کرو یہ عملی اصلاح ہے اور لفظی اصلاح کافی نہیں اھ

نمبر ۲۷ ایک بیوہ نے لکھا کہ شوہر مرحوم کے غم کی وجہ سے باوجود ڈیڑھ سال گزر جانے کے اس قدر تڑپ ہے کہ ہرچند قلب کو راجع الی اللہ کرتی ہوں لیکن یکسوئی نہیں پیدا ہوتی۔ میری قلبی خواہش یہ ہے کہ حقیقی صبر و رضا

کے ساتھ محبوب حقیقی ربّ العزت کی یاد میں دلجمعی سے عبادت میں گزار دوں۔ اھ۔
جواب تحریر فرمایا کہ برخورداری سکون مطلوب ہی نہیں عمل مطلوب ہے ظاہری بھی باطنی بھی ظاہری کو جانتی ہو باطنی ہر وقت کے واسطے وہ عمل جو اختیار میں ہو مثلاً صبر اختیار میں ہے وہی مطلوب ہوگا سکون و دلجمعی اختیار میں نہیں وہ مطلوب نہ ہوگا اھ

نمبر ۲۸ ایک طالب کے استفسار پر غیبت کا یہ علاج تحریر فرمایا (نمبر ۱) استحضار عقوبت وقت غیبت (نمبر ۲) تامل قبل تکلم (نمبر ۳) معافی چاہنا بعد صدور غیبت (نمبر ۴) کچھ جرمانہ اپنے اوپر نقد کا یا نوافل کا۔ اھ

کچھ دن بعد پھر انہیں صاحب نے لکھا کہ ابھی یہ علاج پوری طرح راسخ نہیں ہوا تحریر فرمایا کہ بتدریج راسخ ہو جائے گا لگا رہنا چاہیئے۔ اھ

نمبر ۲۹ حضرت والا کے ایک صاحب اجازت کو لوگوں نے زبردستی میونسپلٹی کا ممبر تجویز کر دیا۔ انہیں سخت وحشت ہوئی۔ بالآخر یہ طے ہوا کہ اپنے پیر و مرشد سے پوچھ لو۔ چنانچہ انہوں نے حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت اقدس کچھ تحریر فرمائیں تاکہ گلو خلاصی ہو اس پر حضرت والا نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔
جب تک نسبت مع الخالق راسخ نہ ہو تعلق مع الخلائق بلا ضرورت سراسر مضرت ہے اور جو منفعت سوچی جاتی ہے کہ ادائے حق خلق ہے وہ حق خلق بھی جب ہی ادا ہوتا ہے کہ نسبت مع الخالق راسخ ہو جائے ورنہ نہ حق خالق ادا ہوتا ہے نہ حق خلق یہ تجربہ ہے اور ایک کا نہیں بلکہ ہزاروں اہل بصیرت کا۔ ہم سے اور آپ سے زیادہ اہل تمکین نے ایسے تعلقات کو چھوڑ دیا ہے حضرت ابراہیم بن ادہم بلخیؒ۔ حضرت شاہ شجاع کرمانیؒ کے واقعات معلوم ہیں اور حضرات خلفائے راشدینؓ پر اپنے کو

قیاس نہ کیا جائے ع

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

نمبر ۳۰ ایک طالب نے اپنے تقلبات لکھے تھے۔ تحریر فرمایا کہ دل سے دعا ہے اور حالات کے انقلاب سے متعلق اکابر کی یہ تحقیق ہے ؎

در بزم عیش یک دو قدح نوش کن برو

یعنی طمع مدار وصال دوام را

نمبر ۳۱ ایک طالب نے حسن کے دیکھنے کا مرض لکھا تھا۔ حسب معمول استفسار فرمایا کہ حسن کا دیکھنا اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ انھوں نے جواب میں لکھا کہ بندہ کا دیکھنا اختیاری ہے مگر اس سے بچنے کے لئے استعمال اختیار دشوار معلوم ہوتا ہے۔ تنبیہاً تحریر فرمایا کہ کیا دشوار ہے کیا نفس کے روکنے سے کوئی بیماری ہو جاتی ہے یا سانس گھٹنے لگتا ہے یا اور کوئی تکلیف ناقابل برداشت ہو جاتی ہے اھ۔

نمبر ۳۲ ایک طالب نے لکھا کہ جی چاہتا ہے کہ گاؤں کو بیچ کر کاشتکاری دوسروں کے سپرد کر کے اور قطع تعلق کر کے اپنی اوقات کو عمل کے لئے مقصود کر دوں۔ تحریر فرمایا کہ کیا گاؤں اور زمین اور کاشت وغیرہ عمل سے مانع ہیں اھ۔

انھوں نے یہ بھی لکھا کہ والدہ صاحبہ مخالف ہیں لیکن جناب شیخ سعدیؒ کے قول "تعلق حجاب است" کو اختیار کروں اور والدہ صاحبہ کی رائے کے خلاف کروں۔ اس پر تحریر فرمایا کہ پھر اس آیت کے کیا معنی ہیں۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ

جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً - خلاصہ یہ ہے کہ کیا اس سے ہر تعلق اور ہر حالت میں مراد ہے جو کام کرو سمجھ کر کرو۔ اھ

نمبر ۳۳ ایک طالب نے لکھا کہ مروّت مجھ کو بہت ہے جس سے بعض دفعہ خلاف شرع کام بھی سرزد ہو جاتے ہیں محض اس خیال سے کہ دوسرے کا دل نہ دکھے انکار اس قدر دشوار معلوم ہوتا ہے کہ پسینہ آجاتا ہے اھ جواب تحریر فرمایا کہ دشوار ہونے سے غیر اختیاری ہونا لازم نہیں آتا۔ جہاں مروّت کرنا خلافِ شرع نہ ہو اُس مروّت پر عمل جائز ہے اور جہاں خلاف شرع ہو۔ وہاں جائز نہیں گو دشواری اور تکلیف ہو اُس تکلیف کو برداشت کرو اس کے سوا کوئی علاج نہیں اھ

نمبر ۳۴ ایک طالب کے خط کے مختلف اجزاء مع حضرت والا کے جوابات کے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں کیونکہ اُس سے بہت سے فوائد مستفاد ہوتے ہیں۔

حال نا بحد ار معمولات ادا کئے جاتا ہے مگر قلب کی حالت بدستور ہے۔

تحقیق کیا یہ نعمت نہیں کہ دو وقت روٹی ملے اور صحت و قوت بحال رہے گو اس میں ترقی نہ ہو۔

حال کوئی خاص حالت ایسی نہیں ہے جس کو حضور میں عرض کروں

تحقیق یہ حالت بھی تو قابل اطلاع کے تھی چنانچہ اطلاع پر ایک منفعہ بات معلوم ہو گئی گر اُس کا یاد رکھنا شرط ہے۔

حال نہ اپنے کو اس قابل پاتا ہوں کہ کچھ عرض معروض کر سکوں۔

تحقیق ناقابلی کا اعتقاد اس طریق میں ہی قابلی ہے۔

حال | اس راہ سلوک میں اپنے کو ہیچ محض سمجھتا ہوں۔

تحقیق | مبارک سمجھنا ہے۔

حال | جو کچھ معمولات ادا کرتا ہوں محض عادۃً ادا کرتا ہوں۔

تحقیق | کیا اچھے کام کی عادت نعمت نہیں۔

حال | کچھ تو سونے والوں کی وجہ سے اور کچھ رفع تکان کے سبب سے چند روز سے بجائے جہر کے خفی کر لیا کرتا ہوں کوئی حرج تو نہیں۔

تحقیق | بلکہ افضل وانفع ہے۔

حال | اب میرا وقت اخیر آ پہنچا اب تک اپنے کو محض کورا سمجھتا ہوں۔

تحقیق | مگر کورا تو نہیں۔

حال | بغیر حاضری حضور کے اور کوئی صورت کامیابی کی نظر نہیں آتی۔

تحقیق | اطلاع بھی صورت کامیابی کی ہے۔ اھ

نمبر ۳۵ | ایک طالب نے لکھا کہ حضور والا کے ارشاد کے موافق بدنظر اور بدخیال کو اختیار سے چھوڑ دیا۔ لیکن دل کی کمزوری کی وجہ سے ہمیشہ ثابت قدم رہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اس پر تحریر فرمایا کہ اپنی طرف سے ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ سے دعائے استقامت کرتے رہو۔ اھ اسی خط میں خواہش نفسانی سے نجات پانے کا علاج بھی پوچھا تھا۔ تحریر فرمایا کہ کل کو حرام غذا سے توبہ کر کے دعا کرنا کہ بھوک ہی سے نجات ہو جائے۔ اھ

نمبر ۳۶ | ایک طالب نے شکایت لکھی کہ بوجہ گرمی کی شدت کے نماز وغیرہ میں پہلا سا خشوع وخضوع نہیں ہوتا جواب تحریر فرمایا کہ معذوری ہے۔

نمبر ۳۷ ایک صاحب اجازت نے اپنے مفصل حالات لکھے جن میں یہ حال بھی تھا کہ اب اللہ میاں کا خیال بالکل بے کیف دل میں آتا ہے اور اس سے اس قدر انشراح قلب میں ہوتا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا لیکن دریافت طلب یہ امر ہے کہ میری اعمالی کوتاہیوں کے ہوتے ہوئے یہ انعامات الٰہی اور حضور کے فیوض نامتناہی میرے شامل حال ہو سکتے ہیں یا میرے نفس نے یہ خیالات تراشے ہیں۔ اس کا جواب تحریر فرمایا کہ قلب میں دونوں احتمالوں کا جمع ہونا ہی بڑی دولت ہے جس کا حاصل الایمان بین الخوف والرجا ہے مبارک ہو۔ اھ

نمبر ۳۸ ایک طالب نے لکھا کہ میری والدہ ہر بات پر طعن و تشنیع کرتی ہیں جس میں غصہ کرنے لگتا ہوں اور جھگڑنے لگتا ہوں علاج مرحمت فرمائیں۔ تحریر فرمایا کہ علاج یہ ہے کہ جواب مت دیا کرو باہر چلے جایا کرو۔ اھ

نمبر ۳۹ ایک مبتدی طالب نے لکھا کہ حضور سے دور ہوں اذکار صحیح طریقہ سے کیونکر کروں۔ جواب تحریر فرمایا کہ یہ معلوم کرنا کیا مشکل ہے قلب اور زبان دونوں کو شریک رکھنا ہی طریق صحیح ہے۔ اھ

انہیں صاحب نے یہ بھی درخواست کی تھی کہ اپنے فلاں مجاز سے فرما دیں کہ مجھے دو ایک مرتبہ دوازدہ تسبیح کا ورد کرا دیں اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اس کی حاجت نہیں یہ قیود غیر مقصود ہیں مقصود صرف ذکر ہے۔ اگر کوئی نہایت موزوں رفتار سے چلتا ہو اور دوسرا غیر موزوں تو اصل مقصود منزل پر پہنچنا ہے جو دونوں رفتار سے حاصل ہو جاتا ہے آگے رہی موزونیت اس میں اور مصالح زائدہ ہیں جن پر منزل کی رسائی موقوف نہیں۔ اھ

انہیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ صحیح طریقہ اذکار کا معلوم ہو جائے تاکہ اُن کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہوں۔ تحریر فرمایا کہ ثمرات کی رُوح اجر و قرب ہے اھ۔

انھوں نے لطائف ستّہ کی کوشش کرنے کا بھی حال لکھا تھا حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ حقائق مقصود ہیں لطائف مقصود نہیں اھ

نمبر ۱۴۰ ایک طالب نے لکھا کہ ضعف قلب کی وجہ سے تہجد اور ذکر میں عجیب عجیب واہیات خیالات کا ہجوم ہوتا ہے کہ کہیں شیطان کسی شکل میں میرے سامنے نہ آجائے کوئی جن آکر میرے ساتھ نماز نہ پڑھنے لگے۔ حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ ایسی حالت میں اپنے شیخ کا تصوّر ان پریشان خیالات کا دافع ہو جاتا ہے مگر شیخ کو حاضر ناظر نہ سمجھے۔ اھ

نمبر ۱۴۱ ایک طالب نے کبر کے متعلق لکھا کہ فدوی ایک مرتبہ قرابت مندی میں گیا ہوا تھا اور وہاں مجھ کو خرید و فروخت کی ضرورت نہیں پڑا کرتی۔ وہاں گوشت کی دوکان پر جانے کی ضرورت ہوتی تھی مگر نہیں گیا تھا اور گونہ حجاب محسوس کیا تھا۔ جواب تحریر فرمایا کہ حجاب اور چیز ہے اور کبر اور چیز ہے۔ حجاب کی حقیقت خجلت ہے جس کا سبب مخالفت عادت ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس شخص کی تعظیم کا سامان عادت کے خلاف کیا جائے اُس سے بھی شرمائے۔ مثلاً کوئی ہاتھی پر بٹھلا کر دس بیس سوار جلو میں کر کے جلوس نکالے اھ۔ اس پر اُن صاحب نے لکھا کہ بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ ضرور شرم آئے گی لیکن مجھ کو اپنے نفس پر ذرہ برابر اعتماد نہیں ہے اس لئے احتمال ہے کہ شرم نہ معلوم ہو اگرچہ احقر اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کر سکتا اھ۔ اس پر جواب تحریر فرمایا کہ جب تک اس کے خلاف دلیل نہ ہو یہ ظاہر اور غالب ہی معتبر ہے اور

اگر علاج میں مبالغہ کو دل چاہے تو ایسے کام کرو جو شرع کے خلاف نہ ہوں مگر وضع کے خلاف ہوں اور عرفاً موجب ذلّت ہوں۔ اھ

نمبر ۲۱۴ ایک طالب علم نے جو زیرِ تربیت ہیں کچھ حوادث سے پریشانیاں اور کچھ بدنظری کی شکایت لکھ کر دعا اور اصلاح کی آسان صورت کی درخواست کی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ ہر شے حسین کے دیکھنے کو طبیعت میں اس قدر تقاضا پیدا ہوتا ہے کہ باوجود نیچی نظر کر لینے کے پھر نظر اٹھ جاتی ہے حالانکہ حضرت والا کے فرمان کے بموجب دوزخ وغیرہ کو سوچتا ہوں لیکن طبیعت کچھ ایسی مجبور ہوتی ہے جس کا رُکنا دشوار اور شاق نظر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دل کے اندر سے کوئی پکڑ کر دل کو ابھار رہا ہے اس فعل بد سے نہایت ہی مجبور ہو گیا ہوں اھ۔ اس کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا:۔

حرفاً حرفاً پڑھا۔ غیر اختیاری مصائب پر تو اجر ملتا ہے اُن کے ازالہ کی دعا بھی کرتا ہوں لیکن مصائب اختیاریہ یعنی معاصی پر نہ اجر ملتا ہے اور نہ اُس کے ازالہ کی دعا ہو سکتی ہے کیوں کہ اُس کا ازالہ تو خود عبد کا فعل ہے اُس دعا کی تو یہ مثال ہے کہ اے اللہ فلاں شخص فلاں کھانا کھانے لگے فلاں کھانا نہ کھائے اس دعا کے کیا معنی۔ البتہ توفیق کی دعا ہو سکتی ہے وہ بھی جب کہ فاعل اسباب کو جمع کرے اور اعظم اسباب قصد و ہمت ہے اور اس کے متعلق جو عذر خط کشیدہ عبارت میں لکھا ہے بالکل غلط ہے سوچو کہ اگر ایسے موقع پر کہ نفس میں تقاضائے شدید ہو تمہارا کوئی بزرگ موجود ہو جو تمہاری اس نظر اٹھانے کو دیکھ رہا ہو تو کیا اُس وقت تم ایسی بے حیائی کر سکتے ہو اگر کر سکتے ہو تو تم لا علاج ہو اور اگر نہیں کر سکتے تو معلوم ہوا کہ نظر از خود نہیں اٹھتی نہ مجبوری ہوتی ہے نہ رُکنا شاق

ہوتا ہے نہ کوئی اُبھارتا ہے سب کچھ تمہیں کرتے ہو تو اس کے خلاف پر بھی تم قادر ہو سو تمہارا یہ عذر ویسا ہی بیہودہ عذر ہے جیسے ایک شاعر نے بکواس کی ہے ؎

بیخودی میں لے لیا بوسہ خطا کیجے معاف
اس دلِ بیتاب کی صاحب خطا تھی میں نہ تھا

نمبر ۴۳ ایک طالب کو جو مدرس تھے اور جنھوں نے بوجہ کثرتِ کار تعلیم عدم مواظبت معمولات پر سخت افسوس کا اظہار کیا تھا یہ جواب تحریر فرمایا کہ افسوس بھی ایک درجہ میں مواظبت کا بدل ہے جب عدم مواظبت کسی عذر سے ہو۔ اھ

نمبر ۴۴ ایک طالب نے لکھا کہ احقر جب بھی کوئی چیز کسی کے پاس دیکھتا ہے تو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ میرے پاس ہو تو بہت اچھا ہو پھر کوشش کرتا ہوں کہ وہ چیز مجھے کسی طرح سے حاصل ہو جائے۔ اُس شخص سے زائل کرنے کو نہیں چاہتا بلکہ صرف اپنے پاس رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں حرص دنیا ہے۔ اگر میرا یہ خیال صحیح ہو تو علاج ارشاد فرمایا جائے۔ اھ

اس کا حسب ذیل جواب انعام فرمایا:۔

مرض تو نہیں مگر مفضی الی المرض ہونے کا احتمال ہے علاج اس کا یہ ہے کہ بمجرد اس تمنا کے یہ عزم کیا جائے کہ اگر یہ چیز مجھ کو مل بھی گئی فوراً کسی کو ہبہ کر دوں گا خصوص اُس شخص کو جس کے پاس ایسی چیز پہلے سے موجود ہے یا اگر اُس سے ایسی بے تکلفی نہ ہوئی تو کسی دوسرے کو دے دوں گا اور اگر وہ چیز اتفاق سے اپنی ضرورت کی ہوئی تو اس کے دام مساکین کو دیدونگا۔ جب تک ایسی تمنا زائل نہ ہو گی اُس وقت تک ایسا ہی کیا کروں گا۔ دعا بھی کرتا ہوں۔

بعد کو انہیں صاحب کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ اس علاج سے بے حد نفع ہوا اب یہ خیال ہی بالکل جاتا رہا اور اگر کبھی تھوڑا بہت ہوا بھی تو اس تصور سے کہ اس کی قیمت کسی مسکین کو دے دوں گا بالکل خواہش ہی جاتی رہی اھ اس پر حضرت والا نے مبارکباد تحریر فرمائی۔

نمبر ۴۵ ایک طالب نے لکھا کہ نماز اور ذکر کے قبل اور بعد اکثر یہ خیال آتا رہا کہ اتنی محنت بیکار ہے اپنے میں کوئی بزرگ تو ہو ہی نہیں سکتا رہے احکام اس کی پابندی کر لی جائے تو اس کے لئے زیادہ فکر کی کیا ضرورت ہے کیوں کہ بخشائش تو رحمت پر منحصر ہے الخ۔ جواب تحریر فرمایا کہ ایک علاج یہ سوچنا ہے کہ اعمال صرف مغفرت ہی کے لئے نہیں بلکہ مالک کا حق ہے مملوک پر اور مغفرت مستقل تبرع وعنایت ہے۔ اھ

نمبر ۴۶ ایک طالب نے اپنا حال لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دین اور دنیا دونوں کے متعلق یہ ہوس ہوا کرتی ہے کہ جو چیز اور جو بات ہو وہ اعلیٰ درجہ کی ہو اور میں ہر فن میں سب سے بڑھ کر ہوتا اھ اس کا یہ علاج تحریر فرمایا جس دنیوی چیز کی تمنا ہو اُس کے فنا کا استحضار تاکہ اُس کا ہیچ اور بے نتیجہ ہونا مستحضر ہو اور اگر وہ دین میں مضر ہے تو اس کے نتیجۂ بد کا بھی استحضار۔ اس مراقبہ کے بار بار استعمال کرنے سے یہ ہوس مضمحل ہو جائے گی اور اگر وہ امر دینی ہے تو اُس کی تمنا محمود ہے۔ اس کے علاج کی ضرورت نہیں۔ البتہ شرط یہ ہے کہ جس کو وہ نعمت عطا ہوئی ہے اُس سے زائل ہونے کی تمنا نہ ہو ورنہ وہ حسد اور حرام ہے اگر خدا ناکردہ ایسا ہوتا ہو تو اس کے متعلق مستقل سوال کیا جائے باقی اعتدال کی دعا بھی کرتا ہوں۔ اھ

نمبر ۴۷ ایک صاحبِ اجازت نے لکھا کہ میرے مزاج میں شرم وحیا زیادہ ہے۔

لوگوں کے ادب و لحاظ سے دل میں بہت الجھن پیدا ہوتی ہے۔ ایک گاؤں میں دو چار آدمیوں کو حضرت والا کی برکت سے دین کا بہت فائدہ ہوا ہے وہ بار بار بلانے کا تقاضا کرتے ہیں نہایت شرمندگی ہوتی ہے اس لئے عذر کر دیتا ہوں مگر وہ مانتے نہیں۔ اس کے متعلق جو ارشاد عالی ہو اس پر عمل کروں اھ

جواب تحریر فرمایا کہ جب تک شرم رہے ہو آیا کرو جب شرم اتر جائے مت جاؤ پھر شرم ہونے لگے چلے جاؤ و علیٰ ہذا یہی دستور العمل رکھو۔ اھ

نمبر ۴۸ ایک طالب نے لکھا کہ جب میں کسی سے حضرت کے مواعظ میں دیکھی ہوئی کوئی بات کہتا ہوں تو ریا محسوس ہوتی ہے کہ تو جو کچھ کہتا ہے وہ تیرے افعال کے خلاف ہے اور یہ وعظ گوئی خلاف منصب ہے اس کا حضرت والا نے یہ جواب تحریر فرمایا۔ ریا ہر خیال کا نام نہیں بلکہ جس خیال کی بنا قصد رضائے خلق بذریعہ دین ہو اور یہ اختیاری امر ہے۔ جب اسکا قصد نہ ہو وہ ریا ہی نہیں اگرچہ وہم ریا ہو۔ وہم ریاء وسوسۂ ریا ہے جس پر مواخذہ نہیں ایسے وہم سے عمل صالح کو ترک نہ کیا جائے اسی طرح ریا کے متعلق ایک اور طالب نے لکھا کہ بعض مرتبہ کسی اچھے کام میں مصروف ہوتا ہوں اور اچانک کسی شخص پر نظر پڑ جاتی ہے تو اکثر و بیشتر یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کام کو اور اچھی طرح کروں مجھے اتنا تو یقیناً معلوم ہے کہ یہ ریا ہے لیکن یہ سمجھ کر کہ انسان کیا چیز ہے جو اُس کو دکھلا کر کام کروں فوراً اپنی نیت کو حق تعالیٰ کی طرف پھیر لیتا ہوں۔ کیا اس طرح نیت ٹھیک کر لینے سے وہ ریا ریا نہ رہے گی۔ اھ

اس کا جواب تحریر فرمایا کہ میرا مذاق اس میں یہ ہے کہ صرف تصحیح نیت اس میں کافی نہیں کیونکہ یہ تصحیح اس شخص کے نزدیک مقصود بالذات نہیں، مقصود بالذات

تحسین عمل للخلق ہے اور تصحیح نیت اُس تحسین کا آلہ تاکہ غائلہ ریا سے بھی بچا رہوں۔
اور مقصود نفس بھی حاصل ہوجائے تو جس اخلاص سے تحصیل ریا مقصود ہو وہ مقدمہ ریا
ہونے کے سبب ریا ہی ہے اس صورت میں ریا سے حفاظت کی صورت صرف یہ ہے کہ
اُس خطرہ کے بعد عمل میں تغیر نہ کرے اور اسی کے ساتھ نیت خالص رکھے۔ مجھ کو معلوم نہیں
کہ دوسرے اطبار باطن کی اس میں کیا تحقیق ہے اگر اس کے خلاف بھی ہو تب بھی میں
اپنی رائے پر قائم ہوں۔ ذوقیات میں ایک کا اجتہاد دوسرے پر حجت نہیں۔ اھ

اسی طرح ایک طالب نے لکھا کہ دوران مرض میں مکان پر نماز پڑھنی پڑی تو جیسی
مسجد کی نماز میں طبیعت لگتی تھی مکان کی نماز میں نہیں لگتی تھی نیز مسجد میں رکعات بھی لمبی لمبی
ہوتی تھیں بہ نسبت مکان کے اب خلجان یہ ہے کہ کہیں یہ مسجد کی نماز میں زیادہ جی لگنا
بسبب ریا کے نہ ہو۔ اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ نہیں بلکہ مسجد میں اس کے اسباب ایسے
جمع ہیں کہ گھر میں نہیں۔

نمبر ۴۹ ایک اشکال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ خشیت میں بھی طبعی تبسم پیدا
ہوسکتا ہے جیسا غلبۂ خشیت میں طبعی جوع و عطش و نوم بھی پیدا
ہوجاتا ہے۔ اھ

نمبر ۵۰ ایک طالب کے حالات کے متعلق یہ جواب تحریر فرمایا کہ وارد اگر
شریعت کے موافق ہو اتباع شریعت کی نیت سے عمل کیا جائے
نہ کہ اتباع وارد کی نیت سے ناقصین کے لئے یہ سخت خطرہ کی چیز ہے۔ اھ

نمبر ۵۱ ایک طالب کے استفسار پر بدگمانی کا یہ علاج تحریر فرمایا کہ جب
ایسی بدگمانی قلب میں آئے اول علیحدہ بیٹھ کر یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ

نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے تو یہ گناہ ہوا اور گناہ پر عذاب کا اندیشہ ہے تو اے نفس تو حق تعالیٰ کے عذاب کو کیسے برداشت کرے گا یہ سوچ کر توبہ کرے اور دعا بھی کرے کہ اے اللہ میرے دل کو صاف کر دے اور جس پر بدگمانی ہوئی ہے اُس کے لئے بھی دعا کرے کہ اے اللہ اس کو دونوں جہان کی نعمتیں عطا فرما۔ دن رات میں تین بار ایسا کرے کہ اگر پھر بھی اثر رہے دوسرے تیسرے دن ایسا ہی کرے اگر پھر بھی اثر رہے اب اُس شخص سے مل کر کہے کہ بلا وجہ مجھ کو تم پر بدگمانی ہو گئی تم معاف کر دو اور میرے لئے دعا کر دو کہ یہ دور ہو جائے اھ۔

نمبر ۵۲ ایک طالب نے اپنے احوال باطنی میں کمی کی شکایت لکھی تو تحریر فرمایا کہ ایسی کمی بیشی لازم عادی ہے یکساں حال رہ ہی نہیں سکتا دوام تو اعمال پر ہوتا ہے نہ کہ احوال پر یہ تغیر مضر نہیں بلکہ اس میں مصالح ہیں جن کا مشاہدہ اہل طریق کو خود ہو جاتا ہے مثلاً غیبت کے بعد حضور میں زیادہ لذت ہونا اور مثلاً غیبت میں انکسار و ندامت کا غالب آنا اور مثلاً اپنے عجز کا مشاہدہ ہونا و مثل ذالک اھ۔

نمبر ۵۳ ایک طالب کے استفسار پر نماز میں یکسوئی کی یہ تدبیر تحریر فرمائی کہ نماز میں توجہ ایک طرف رکھی جائے جس کی صورت یہ ہے کہ قیام کے وقت اس طرف التفات نہ کرے کہ اس کے بعد رکوع کرنا ہے۔۔۔۔۔۔۔ رکوع میں اس طرف التفات نہ کرے کہ اس کے بعد قومہ کرنا ہے وعلیٰ ہذا بلکہ ہر رکن میں صرف اسی رکن کو مقصود بالذات سمجھے اور اسی طرف متوجہ رہے۔ اسی طرح پھر دوسرے رکن میں الیٰ آخر الصلوٰۃ اگر ایسا کیا جائے تو نماز میں اس قدر یکسوئی ہوگی کہ ذکر میں بھی نہ ہوگی کیوں کہ ذکر میں گو یکسوئی ہے مگر ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ

دوسرا شخص آکر اس یکسوئی کو فوت کر سکتا ہے یا خود ہی ذکر ترک کر کے کسی شغل میں لگ سکتے ہیں اور نماز میں اطمینان ہے کہ سلام پھیرنے تک کوئی شخص ہم کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتا نہ خود کوئی کام کر سکتے ہیں وھذا الذی کتبت وردعلی قلبی فی فرض الظہر وجربتہ فیہ وفی سنتہ البعدیۃ وللہ الحمد۔ اھ

نمبر ۵۴ ایک طالب نے فضول گوئی کا علاج پوچھا تحریر فرمایا کہ فضول گوئی اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ اس پر انہوں نے لکھا کہ میری خوب سمجھ میں آگیا کہ یہ اختیاری ہے اور یہی کیا سب اوامر ونواہی اختیاری ہیں۔ لیکن اگر کوئی چیز معین سہولت بتادی جائے تو بہت احسان ہو۔ اھ۔ اس پر تحریر فرمایا کہ کس کس چیز کے سہل ہونے کی تدبیر پوچھو گے اور اس حدیث کے کیا معنی کہو گے۔ حُفت الجنۃ بالمکارہ۔ اھ

نمبر ۵۵ ایک طالب کو جنہوں نے اپنے خط میں اپنی سخت ناکارگی کا اظہار کیا تھا یہ تحریر فرمایا کہ مقصود تو مقصود کا مشاہدہ ہے اور اُس کا طریق مجاہدہ۔ مگر جب تک اس میں کمی رہے تو اس مشاہدۂ مقصود کا مقدمہ عدم مجاہدہ کا مشاہدہ ہے جس سے انشاءاللہ تعالےٰ مجاہدہ کی توفیق ہو جاتی ہے پھر اُس سے مقصود کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے جو کہ مقصود ہے۔ اسی ترتیب کا سلسلہ شروع ہے جو انشاءاللہ تعالےٰ تدریجاً بخیر وخوبی ختم اور مکمل بھی ہو جائے گا لگا رہنا چاہیئے۔ اگر کام میں کوتاہی ہو جائے اس نہ لگے رہنے کے مشاہدہ میں لگا رہنا چاہیئے انشاءاللہ تعالیٰ حرمان نہ ہوگا میں بھی دعا کرتا ہوں۔ اھ

نمبر ۵۶ ایک طالب نے لکھا کہ حضور جب کسی شخص میں فی الواقع خداداد

فضیلتیں موجود ہیں تو اب ان موجودہ فضیلتوں کو کس طرح اپنے میں معدوم سمجھ کر اپنے آپ کو دوسروں سے ادنیٰ اور مرذول سمجھے۔ اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اکمل سمجھنا جائز ہے مگر افضل بمعنی مقبولِ حق اور اس کو مردود و مطرود سمجھنا جائز نہیں کیوں کہ ممکن ہے کہ فی الحال اُس کا کوئی عمل صالح ایسا ہو کہ اس کے تمام اعمال سے زیادہ پسندیدہ ہو اور اس میں کوئی رذیلہ ایسا ہو کہ اُس کے سب رذائل سے زیادہ ناپسندیدہ ہو یا فی الحال نہ ہو تو فی المآل اس کا احتمال ہے پس ان دونوں احتمالوں کا مستحضر رکھنا علاج کبر کے لئے کافی ہے انسان اس سے زیادہ کا مکلف نہیں۔ اھ

نمبر ۵۷ ایک طالب نے لکھا کہ پہلے کبھی میری صبح کی نماز قضا ہو جاتی تھی تو مجھ کو بہت رونا آتا تھا اور اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ کبھی صبح کی نماز قضا ہو جاتی ہے تو کچھ رنج نہیں ہوتا حضور والا مجھ کو دل پر سیاہی معلوم ہوتی ہے اصلاح فرمائیں۔ اس پر تحریر فرمایا کہ رنج طبعی مقصود نہیں رنج عقلی مقصود ہے وہ حاصل ہے چنانچہ رنج نہ ہونے پر افسوس ہونا یہ رنج عقلی ہے۔ اھ

نمبر ۵۸ ایک طالب نے نماز میں خشوع کی دشواریاں لکھی تھیں جواب تحریر فرمایا کہ جیسے طبیعت کو آزاد چھوڑ دینا مضر ہے اسی طرح زیادہ مقید کرنے سے بھی تنگ ہو جاتی ہے۔ بس نماز میں اتنی توجہ کافی ہے جیسے کسی کو کوئی سورت کچی یاد ہو اور سرسری طور پر سوچ کر پڑھتا ہے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں پھر اگر اس کے ساتھ وساوس آئیں ذرا مضر نہیں اھ

اسی طرح ایک ذی علم صاحب اجازت نے استفسار کیا کہ کسی طاعت میں دوسری طاعت مثلاً کسی شرعی مسئلہ کا قصداً سوچنا یا کسی سفر طاعت کا نظام ذہن میں قصداً

طے کرنا مُخِل خشوع ہے یا نہیں اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ یہ دقیق مسئلہ ہے قواعد سے اس کے متعلق عرض کرتا ہوں اس وقت دو حدیثیں میری نظر میں ہیں ایک مرفوع جس میں یہ جزو ہے۔ صلی رکعتین مقبلا علیہما بقلبہ دوسری موقوف حضرت عمرؓ کا قول جس میں یہ جزو ہے انی لاجھز جیشی وانا فی الصلوٰۃ مجموعہ روایتین سے اخلاص کے دو درجے مفہوم ہوئے ایک یہ کہ جس طاعت میں مشغول ہے اُس کے غیر کا قصداً استحضار بھی نہ ہو اگرچہ وہ بھی طاعت ہی ہو دوسرا درجہ یہ کہ دوسری طاعت کا استحضار ہو جائے اور ان دونوں میں یہ امر مشترک ہے کہ اُس دوسری طاعت کا اس طاعت سے قصد نہیں ہے مثلاً نماز پڑھنے سے یہ غرض نہیں کہ نماز میں یکسوئی کے ساتھ تجہیز جیش کریں گے پس حقیقت اخلاص تو دونوں میں یکساں ہے اس میں تشکیک نہیں۔ عوارض کے سبب ان میں تفاوت ہو گیا اور درجہ اول اکمل اور دوسرا درجہ اگر بلا عذر ہے تو غیر اکمل ہے اور اگر عذر سے ہے تو وہ بھی اکمل ہے جیسے حضرت عمرؓ کو ضرورت تھی اور اس کا معیار اجتہاد ہے لیکن ہر حال میں اخلاص کے بالکل خلاف نہیں البتہ خشوع کے خلاف ہونا نہ ہونا نظری ہے۔ میرے ذوق میں بصورت عذر یہ خلاف خشوع بھی نہیں اگر ضرورت ہو آپ اس پر سوال کو منطبق کر لیجئے۔

اسی طرح ایک طالب نے یہ شکایت لکھی کہ تراویح میں قرآن شریف سناتے وقت خشوع وخضوع نہیں ہوتا ہر رکعت میں یہ عزم کر لیتا ہوں کہ اب جناب حق تعالیٰ کی طرف عجز و نیاز کے ساتھ خیال رکھوں گا مگر جب قرآن شریف شروع کرتا ہوں تو اسی خیال میں قرأت ختم ہو جاتی ہے کہ کہیں بھول نہ جاؤں بہت افسوس ہوتا ہے دعا فرمائیں کہ میری یہ تمنا پوری ہو۔ انتہ

جواب تحریر فرمایا کہ خشوع سکون کا نام ہے اور یہ خیال کہ کہیں بھول نہ جاؤں حرکت ہے جو سکون کی ضد ہے اور کوئی شے اپنی ضد کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی اور یہ خیال طبعاً لازم ہے اس لئے حصولِ خشوع اس حالت میں عادۃً متعذر ہے۔ تو اس کا اہتمام ہی تکلیف مالا یطاق ہے لیکن یہ خشوع نہ ہونا مضر اور قابلِ افسوس اس لئے نہیں کہ جو مقصود ہے خشوع سے کہ غیر مقصود کی طرف توجہ نہ ہو وہ حاصل ہے پس گویا خشوع اگرچہ صورتاً نہیں مگر معنیً حاصل ہے کیونکہ یہ خیال کہیں ہے طاعت کی اور طاعت مقصود ہے پس یہ توجہ الی المقصود ہے چنانچہ بعض احادیث فضل خشوع میں لا یحدث فیہما نفسہ بشیٔ من الدنیا اور بعض میں الا بخیر وارد ہے اس کی توضیح رسالہ تشرف اول کتاب الصلوٰۃ میں قابلِ مطالعہ ہے۔ ہاں طبعاً ناگواری یہ نظیر ہے استغفار عن الغین کی

تذکیر نعمت یہ تحقیق منجملہ منن عظیمۂ الٰہیہ ہے جس میں کسب کا دخل نہیں اس کی بیقدری نہ کی جائے۔ میں بھی اسی میں مبتلا تھا حق تعالیٰ نے حقیقت منکشف فرمائی آگے اپنی ہمت ہے۔ اھ

اسی طرح ایک طالب نے کوئی ایسا علاج پوچھا جس سے ہمیشہ توجہ الی اللہ رہے۔ جواب تحریر فرمایا کہ توجہ جو درجہ عمل میں ہے وہ اختیار میں ہے اُس کا علاج قصد اور استحضار ہے اور جو توجہ درجۂ حال میں ہے وہ توجہ کے درجہ مذکور سے از خود حاصل ہو جاتی ہے۔ اھ

نمبر ۵۹ ایک طالب نے کبر کے متعلق بہت سی تفصیلات و جزئیات لکھ کر یہ درخواست کی کہ اگر مجھ میں تکبر ہے تو اس کا علاج تجویز فرمائیں۔ حضرت والا نے مفصل جواب تحریر فرمایا اور اس کا ایک نام بھی بمناسبت نام سائل

رکھ دیا یعنی شمس الفضائل لطمس الرذائل وہ جواب ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

"یہاں کئی چیزیں ہیں متشابہ جن میں کبھی اشتباہ ہو جاتا ہے۔ کبر[1] و عجب[2] و حب جاہ و ریا[4] و تحابت[5] پھر ہر ایک میں دو دو درجے ہیں۔ حقیقت و صورت تو یہ دس چیزیں ہیں اور ہر ایک میں کلام طویل ہو سکتا ہے مگر مختصر بقدر ضرورت جس سے تھوڑی مناسبت والے کو ہر درجہ کے سمجھنے میں ضروری بصیرت ہو سکتی ہے اور واقعات جزئیہ کو اس پر منطبق کر سکتا ہے لکھتا ہوں۔ باقی جس کو مناسبت ضروری بھی نہ ہو اس کے لئے نہ کلیات کافی ہیں نہ جزئیات کے لئے تحریر کافی ہے بلکہ اس کو ضرورت ہے کہ جب کوئی واقعہ پیش آئے اسے کسی محقق کے سامنے پیش کرے اگر تنقیح کی ضرورت ہو اس کا بھی جواب دے پھر جو وہ فیصلہ کرے اس کو علماً و عملاً قبول کرے۔

وہ مختصر کلام یہ ہے کہ کبر کا حاصل یہ ہے کہ کسی کمال دنیوی یا دینی میں اپنے کو باختیار خود دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ دوسرے کو حقیر سمجھے تو اس میں دو جزو ہوں گے اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ تو اس کی حقیقت ہے جو حرام اور معصیت ہے اور ایک اس کی صورت ہے کہ اس میں سب اجزاء ہیں بجز ایک جزو یعنی اختیار کے یعنی بلا اختیار ان اجزا کا خیال آگیا یہاں تک تو معصیت نہیں لیکن اس کے بعد اگر اس خیال کو باختیار خود اچھا سمجھا یا باوجود اچھا نہ سمجھنے کے باختیار خود اس کو باقی رکھا یہ حقیقت کبر کی ہو جائے گی اور معصیت ہو گی۔ اور یہ جو قید لگائی گئی ہے کہ دوسرے کو حقیر سمجھے یہ اس لئے کہ اگر کوئی واقعی بڑائی چھٹائی کا اس طرح معتقد ہو کہ دوسرے کو ذلیل نہ سمجھے تو وہ تکبر نہیں جیسے ایک شخص بیس برس کی عمر والا دو برس کے بچہ کو سمجھے کہ یہ مجھ سے عمر میں چھوٹا ہے یا ایک ہدایہ پڑھنے والا طالب علم

نحو میر پڑھنے والے طالب علم کو سمجھے کہ یہ مجھ سے پڑھائی میں کم ہے یا ایک مالدار آدمی کسی
مسکین کو سمجھے کہ مجھ سے مال میں کم ہے مگر اس کو حقیر نہیں سمجھتا تو وہ کبر نہیں البتہ اگر
یہ تفاوت واقع کے خلاف ہو تو ایسا اعتقاد کذب ہوگا مگر کبر و کذب متغائر ہیں۔ مگر
ایسی بڑائی چھٹائی کا اعتقاد گو کبر تو نہیں لیکن اگر وہ محل تفاوت عرفاً یا شرعاً کمال۔
تو یہ اعتقاد احیاناً مفضی کبر کی طرف ہو جاتا ہے اس لئے سد ذرائع کے طور پر اس کا بھی
وہی علاج کرنا چاہئے جو حقیقت کبر کا علاج ہے۔ اور وہ ایک خاص مراقبہ ہے جس
کی ایسے ہر وقت میں تجدید و تکریر کر لی جائے جبکہ اس تفاوت کی طرف التفات ہو وہ
مراقبہ یہ ہے کہ (الف) گو میرے اندر یہ کمال ہے مگر میرا پیدا کیا ہوا نہیں حق تعالیٰ کا
عطا فرمایا ہوا ہے اور (ب) عطا بھی کسی استحقاق سے نہیں ہوا بلکہ محض موہبت و
رحمت ہے پھر (ج) عطا کے بعد بھی اس کا ابقاء میرے اختیار میں نہیں بلکہ حق تعالیٰ
جب چاہیں سلب کر لیں اور (د) گو اس دوسرے شخص میں فی الحال یہ کمال نہیں ہے
مگر فی المآل ممکن ہے کہ میرے کمال سے زیادہ اس کو یہ کمال اس طرح حاصل ہو جائے
کہ میں اس کمال میں اس کا محتاج ہو جاؤں اور (ہ) اگر فی المآل بھی نہ ہو جیسا بعض
اوقات ظاہری اسباب سے اس کا گمان غالب ہوتا ہے تو فی الحال ہی اس شخص میں
کوئی ایسا کمال ہو جو مجھ سے مخفی ہو اور دوسروں پر ظاہر ہو یا سب ہی سے مخفی ہو حق تعالیٰ
کو معلوم ہو جس کے اعتبار سے اس کے اوصاف کا مجموعہ میرے اوصاف کے مجموعہ سے
اکمل ہو۔ اگر کسی کے کمال کا بھی احتمال قریب ذہن میں نہ آئے تو اس احتمال کو ذہن
میں حاضر کرے کہ شاید یہ علم الٰہی میں مقبول ہو اور میں غیر مقبول ہوں۔ یا اگر میں
بھی مقبول ہوں تو یہ مجھ سے زیادہ مقبول ہو تو مجھ کو کیا حق ہے کہ اس کو حقیر سمجھوں

اور (۹) یہ خیال کرے کہ اگر بالفرض یہ سب امور میں مجھ سے کم ہی ہے تو ناقص کا کامل پر حق ہوتا ہے جیسا مریض کا صحیح پر ضعیف کا قوی پر فقیر کا غنی پر تو مجھ کو چاہیئے اس پر شفقت و ترحم کروں اس کی تکمیل میں کوشش کروں اور اگر کسی طرح قدرت نہ ہو یا ہمت نہ ہو یا فرصت نہ ہو تو دعائے تکمیل ہی سے سہی اور اس خیال کے بعد تکمیل میں سعی شروع کر دے تو اس تدبیر سے اس کے ساتھ تعلق شفقت کا پیدا ہو جائے گا۔ اور طبعی خاصہ ہے کہ جس کی تکمیل و تربیت میں سعی کرتا ہے اس سے محبت ہو جاتی ہے اور محبت کے بعد تحقیر نہیں ہوتی اور (نمبر۱۰) یہ بھی نہ ہو تو اس کے ساتھ لطف و اخلاق کے ساتھ کبھی کبھی بات چیت کر لیا کرے اس کا مزاج پوچھ لیا کرے اس سے جانبین میں تعلق ہو جاتا ہے اور ایسے تعلق کے بعد تحقیر معدوم ہو جاتی ہے البتہ اگر وہ شخص ایسا ہے کہ شرعاً اس سے بغض رکھنا مامور بہ ہے تو تدابیر مذکورہ میں سے بعض کا استعمال اس عارض کے سبب نہ کیا جائے گا مگر بعض کا پھر بھی بغض کے ساتھ اجتماع ہو سکتا ہے ان بعض کو استعمال کرے۔

یہ سب کلام تو تکبر کے متعلق تھا اور عُجب میں صرف ایک قید کم ہے باقی سب اجزا وہی ہیں یعنی اس میں دوسروں کو چھوٹا سمجھنا نہیں صرف اپنے کو بڑا سمجھنا ہے اس میں بھی حقیقت اور صورت کے ویسے ہی درجے ہیں اور وہی احکام ہیں اور معالجات مذکورہ میں سے جن میں سے دوسرے کا تعلق نہیں وہ سب معالجات اس میں بھی ہیں۔ اور ایک چیز اشیاء خمسہ مذکورہ میں حُبِّ جاہ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جیسا اپنے کو اپنے دل میں بڑا سمجھتا ہے اس کی بھی کوشش کرتا ہے کہ دوسرے بھی مجھ کو بڑا سمجھیں اور میرے ساتھ تعظیم و اطاعت و خدمت کا معاملہ کریں چونکہ

اس کا منشا بھی تکبر یا عجب ہی ہے اس لئے اُس کے اقسام و احکام و درجات و معالجات وہی ہیں جو کبر میں گزرے۔ اور اشیاء خمسہ مذکورہ میں سے ایک چیز ریا ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ کسی عمل دنیوی یا دینی کو لوگوں کی نظر میں بڑائی حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے۔ اشیاء اربعہ مذکورہ میں یہ ذریعہ بنانے کی قید نہ تھی چونکہ یہ بھی کبر اور عجب ہی سے پیدا ہوتا ہے اس میں بھی سب وہی درجات و اقسام و احکام و معالجات ہیں اور سب احکام کلی ہیں۔

کبھی کبھی خصوصیت مقام سے بعض نئی صورتیں یا نئے معالجات بھی ثابت ہوتے ہیں جو مُربی کی رائے پر متعین کئے جاتے ہیں۔ سب سے اخیر کی ایک قسم خجلت ہے وہ ایک طبعی انقباض ہے جو خلاف عادت کام کرنے سے یا حالت پیش آنے سے بلا اختیار نفس پر وارد ہوتی ہے اور سالک کو بعض اوقات غایت احتیاط کے سبب اس پر شبہ ہو جاتا ہے کبر وغیرہ کا مگر واقع میں وہ کبر نہیں ہوتا اور معیار اس کا یہ ہے کہ جس طرح یہ شخص ایک دنی یا خسیس کام کرنے سے شرماتا ہے اگر کوئی شخص اس کے ساتھ غایت درجہ کی تعظیم و تکریم کا معاملہ دل سے کرے تب بھی اس کو ویسا ہی انقباض ہوتا ہے یا نہیں اگر ہوتا ہے تو خجلت ہے ورنہ کبر یہ تو اس کی حقیقت ہے جو غیر اختیاری ہونے کے سبب مذموم نہیں۔ اور ایک صورت ہے کہ واقع میں تو کبر وغیرہ ہے مگر نفس نے تاویل کرکے اس کو خجلت میں داخل کرکے تسلی حاصل کرلی۔ یہ اختیاری ہونے کے سبب مذموم ہے بلکہ دوسرے ذمائم مذکورہ سے بھی اشنع ہے کیوں کہ تاویل کرکے غیر مباح کو مباح بنایا ہے جو اعلیٰ درجہ کی تلبیس و تدلیس ہے تو اور اقسام میں تو حقیقت مذموم تھی اور صورت غیر مذموم اور اس میں بالعکس جیسا مع الدلیل گزر چکا۔ چونکہ واقعات

ثمانیہ میں سب اقسام کے اجزار مذکور ہیں اس لئے سب اقسام کی تحقیق کی گئی (طالب کے خط میں کبر کی آٹھ مثالیں مذکور تھیں جن کے بارہ میں تحقیق مطلوب تھی ۱۲)

اب اخیر میں ایک معالجہ ممتدہ ذکر کرتا ہوں۔ کیونکہ معالجات مذکورہ وقتی تھے جن سے اثر کا رسوخ نہیں ہوتا الا نادراً اور مبتدی کو ایک معتد بہا مدت تک اس معالجہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ بتکلف اوضاع و اطوار و عادات قلیل الجاہ لوگوں کے اختیار کرے حتیٰ کہ تواضع راسخ ہو جائے مگر اس میں بھی اس کا خیال رکھے کہ غایت درجہ کی دناءت وخست کو اختیار نہ کرے جس سے تواضع کی شہرت ہو جائے

اس کے بعد انہیں صاحب نے قلیل الجاہ لوگوں کے اوضاع و اطوار و عادات کی تفصیل پوچھی تو تحریر فرمایا کہ ان کی جزئیات کا استیعاب کیسے ہو سکتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ وہ امور اختیار کئے جائیں جن سے ایک گونہ نفس کو انقباض ہو مگر دوسروں کی نظر میں وہ قابلِ التفات نہ ہوں جس سے شہرت تواضع کا احتمال ہو اھ

نمبر ۶۰ ایک طالب نے لکھا کہ خاکسار کو ایک مرض ہے کہ اگر کوئی شخص مجھے کسی قسم کی تکلیف و نقصان پہنچائے تو چین نہیں آتا ہے جب تک کہ اُس سے انتقام نہ لوں اھ اس کا جواب تحریر فرمایا کہ چین نہ آنا معصیت نہیں صرف کلفت ہے جس کا تحمل مجاہدہ اور موجب اجر ہے تو چین نہ آنا مضر نہ ہوا بلکہ نافع ہوا باقی کلفت کا علاج یہ معلم دین کا منصب نہیں تبرعاً وہ بھی لکھے دیتا ہوں کہ چند روز تحمل کرنے سے بھی عادت ہو جائے گی پھر اس درجہ کلفت نہ ہو گی۔ اھ

نمبر ۶۱ ایک طالب نے لکھا تھا کہ احباب و اقارب سے تعلقات و محبت جیسی پہلے تھی اب نہیں اس پر افسوس ظاہر کیا اور یہ بھی لکھا تھا کہ یہ حالت

سنت کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ اس پر تحریر فرمایا کہ سب حالت ٹھیک ہے
یہ سنت مقصود بالذات نہیں۔ مقصود بالذات ادائے حقوق ہے وہ حاصل ہے۔
بعض طبائع ایسی ہیں کہ اس سنت کا اہتمام کریں تو اُن سے فرض ہی فوت ہو جائے
یعنی تعلق بحق اس لئے اُن کے حق میں یہی انفع و اصلح ہے جو پیش آ رہا ہے۔ اھ

نمبر ۶۲ ایک طالب نے لکھا کہ میں اپنے کو کسی سے بڑا نہیں سمجھتا مگر باوجود
اس کے نفس اس بات کو بالکل برداشت نہیں کرتا کہ ذلت ہو بس
دل یوں چاہتا ہے کہ کوئی عزت بیشک نہ کرے بڑا قطعاً نہ سمجھے مگر کوئی ایسی بات
نہ کرے جس سے ذلت ہو میلے کپڑے پہننے سے بھی عار آتی ہے کہ دیکھنے والے ذلیل
سمجھیں گے۔ اھ

اس کا جواب تحریر فرمایا کہ یہ شریعت میں بھی حکم ہے لا ینبغی للمومن ان یذل
نفسہ، جب تک حالت غالب نہ ہو یہی طریق ہے مگر جب حال غالب ہو جاتا
ہے تو ذلت کو عزت سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے مگر وہ غیر اختیاری ہے اگر نہ ہو تمنا
نہ کرے اگر ہو جائے ازالہ نہ کرے۔ اھ

نمبر ۶۳ ایک طالب نے لکھا کہ کثرت اکل اور حرص طعام کا مرض بہت عرصہ
سے ہے جس کو تبلیغ دین میں سب گناہوں کی جڑ بتلایا ہے۔

جواب تحریر فرمایا کہ جن کے قوی اچھے تھے اُن کے حق میں یہ بیشک مرض ہو
جاتا تھا اب خود قوی ضعیف ہیں اس لئے قلت اکل کی غرض خود حاصل ہے
اب یہ مرض نہیں۔ اھ
اسی طرح ایک طالب کو یہ تحریر فرمایا کہ تقلیل طعام فی نفسہ مقصود نہیں مقصود

کسر قوت بہیمیہ ہے اور اس کسر سے بھی مقصود کف النفس عن المعاصی ہے پس اگر یہ کف عن المعاصی بدون تقلیل طعام میسر ہوجائے تو تقلیل طعام ضروری نہیں بلکہ اس زمانہ میں اکثر اس سے ضعف ہوجاتا ہے جس سے دوسری مضرتیں جسمانی و نفسانی پیدا ہوجاتی ہیں اس لئے بلاضرورت مناسب نہیں۔ اھ

نمبر ۶۴ ایک طالب نے ایک طویل خط میں اپنی متضاد حالتیں لکھی تھیں یعنی اولاً سخت پریشانی ناقابل تحمل جس میں خواب وخور سب اڑ گیا اس کے بعد مبشرات رویا سے فرح و سرور۔ اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ وہ پہلی حالت قبض کی تھی۔ دوسری حالت بسط کی اور قبض جتنا شدید ہوتا ہے اتنا ہی بسط قوی ہوتا ہے اس لئے ائمہ طریق نے فرمایا ہے کہ قبض سے پریشان نہ ہونا چاہیئے وہ سب مقدمات ہوتے ہیں بسط کے مبارک ہو۔ یہ حالات کس کو نصیب ہوتے ہیں مگر ایسی حالت میں غذائے لطیف اور مفرحات و مقویات کا استعمال رکھنا ضروری ہے گو دل نہ چاہے۔ اھ

نمبر ۶۵ ایک طالب نے لکھا کہ میں معمولی سے خطرہ پر پریشان ہوجاتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں توکل نہیں ہے اس معصیت سے بچنے کا علاج ارشاد فرمائیں۔ اس کا جواب تحریر فرمایا کہ نہ یہ معصیت ہے نہ توکل کے خلاف ہے کیوں کہ توکل کی حقیقت ہے غیر متصرف حقیقی سے قطع نظر کرنا اور یہ قطع نظر اعتقاداً کرنا تو فرض ہے اور عملاً اسباب ظنیہ کے ترک سے بشرط تحمل مستحب ہے اور جو اسباب عادۃً یقینی یا مثل یقینی کے ہیں ان کا ترک کرنا معصیت ہے بجز اہل حال کے کہ ان کو اس کی بھی اجازت ہے اور یہ سب تفصیل اسباب

دینویہ میں ہے اور اسباب دینیہ کو ترک کرنا توکل نہیں ہے اھ

نمبر ۶۶ ایک طالب نے لکھا کہ میری طبیعت کچھ شکی واقع ہوئی ہے مخالفین کے اعتراض سن کر یا کسی کتاب میں دیکھ کر طبیعت متردد ہو جاتی ہے اس سے بفضلہ تعالیٰ عمل میں تو کوئی فرق نہیں، آتا البتہ عبادت میں وہ پہلی سی دلچسپی نہیں رہتی اور دل رنجیدہ اور اندوہگیں سا رہتا ہے۔ ساتھ ہی اس تردد کو مکروہ اور اور برا جانتا ہوں اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ ایسی چیز مت دیکھو جس سے شک یا تردد پیدا ہو اور یہ بلا قصد ایسی بات کان میں پڑ جائے اور یہی حالت پیدا ہو جائے تو اس کو کسی خاص تدبیر سے زائل کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس اہتمام سے پریشانی بڑھے گی اور ہمیشہ کے لئے ایک مستقل شغل ہو جائے گا بلکہ بجائے تدبیر کے اس سے بے التفاتی اختیار کرو اور کتنا ہی وسوسہ ستائے بالکل پروا مت کرو البتہ دعا اور تضرع کرتے رہو اور اس کو کافی سمجھو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد طبیعت صاف ہو جائے گی اور جب یہی عادت ہو جائے گی تو قلب میں ایسی قوت پیدا ہو جائے گی کہ وہ ایسی چیزوں سے متاثر نہ ہوگا یہ ہے حکمی نسخہ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ابھی دو چار ہی دن ہوئے کہ عطا ہوا ہے جو بہت بڑا علم ہے والحمد للہ اھ

نمبر ۶۷ ایک طالب کے استفسار پر تحریر فرمایا کہ بخل کے دو درجے ہیں۔ ایک خلاف مقتضائے شریعت اور یہ معصیت ہے۔ دوسرا خلاف مقتضائے مروت اور یہ معصیت نہیں۔ فضیلت تو یہ ہے کہ یہ بھی نہ ہو اور تدبیر اس کی یہ ہے کہ اس مقتضا کی مخالفت کی جائے لیکن اگر ہمت نہ ہو تو کوئی فکر کی بھی بات نہیں۔ اھ

نمبر ۶۸ ایک طالب نے لکھا کہ مختصر سے مختصر ذکر کا معمول رکھا تھا اُس پر بھی مداومت نہیں ہوتی جماعت نماز میں بھی اکثر مسبوق ہونے کی نوبت آتی ہے جب ایسا ہوتا ہے تو آئندہ کے لئے احتیاط کا عزم کر لیتا ہوں مگر پھر جس دینی یا دنیوی مشغلہ میں ہوتا ہوں اُس کو فوراً چھوڑ دینے اور جماعت اور تکبیر اولیٰ کی طرف سبقت کرنے میں غفلت ہوتی ہے جانتا ہوں کہ قصور اختیاری ہے اور استعمال اختیار کی کوشش بھی کچھ کرتا ہوں مگر غفلت سب پر غالب آجاتی ہے الخ

اس کا جواب تحریر فرمایا کہ اس کا سبب ضعف جسمانی ہے۔ جس کا اثر عزم پر طبعاً ہوتا ہے جس میں ایک گونہ غیر اختیاریت کا بھی درجہ ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ اُس کا احساس ہے اور اس کا قلق ہے۔ اس میں لگا رہنا چاہئے۔ انشاء اللہ اسی کی برکت سے درجۂ مطلوبہ بھی میسر ہو جائے گا حقیقتہً یعنی وقوعاً یا حکماً یعنی اجراً و اثراً یہ حالت ضعفاء کو بکثرت پیش آتی ہے لیکن ؎

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

چلنے سے نہ رکیں۔

نمبر ۶۹ ایک طالب نے فضول گوئی کا مرض لکھا اور اس کا سبب یہ لکھا کہ جب مجھ کو کوئی خوشی ہوتی ہے یا کوئی فکر نہیں ہوتا تو ایک جوش سا پیدا ہوتا ہے اور اس میں بہت باتیں کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ فحش اور غیبت تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور جب تک یہ نوبت نہیں آتی وہ جوش کم نہیں ہوتا اس کا یہ علاج تحریر فرمایا کہ علاج کی حقیقت ہے ازالۂ سبب مرض جب مرض کا سبب جوش ہے خوشی

کا۔ اس کا علاج اس جوش کا فرو کرنا اور اس خوشی کو اس کی ضد یعنی فکر و غم سے مغلوب کرنا ہے اور سب سے زیادہ فکر و غم کی چیز موت و احوال بعد الموت ہیں یعنی واقعات برزخ و محشر و صراط و عقوبات معاصی پس ایسے وقت میں ان واقعات کو مستحضر کر لیا جائے اگر ویسے استحضار ضعیف ہو تو کوئی کتاب اس مضمون کی لے کر مطالعہ شروع کر دیا جائے اور بہتر ہے کہ فوراً خلوت میں جا کر مراقبہ یا مطالعہ کیا جائے اس کا علاج تو فوراً ہو جائے گا پھر اگر ضعف طبیعت سے ہیبت کے غلبہ سے تکلیف ہونے لگے تو رحمت و رجاء کی حدیثوں کو مستحضر کر لیا جائے۔ بس اعتدال ہو جائے گا۔ اور اصل خوشی رہ جائے گی جو مامور بہ ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا۔ اور یہ فضول حصہ خوشی کا زائل ہو جائے گا جو منہی عنہ ہے۔ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ۔ اھ

نمبر ۷ ایک طالب نے لکھا کہ نماز میں باوجود بار بار توجہ کرنے کے وساوس کا ہجوم رہتا ہے جواب تحریر فرمایا کہ عبد اپنے حد اختیار ہی تک کا مکلف ہے اور اختیار اسی قدر ہے کہ حدیث النفس کو قصد و ارادہ سے نہ لائے اور جب بلا قصد و ارادہ آ جائے اس کو دفع کر دے۔ اور دفع کی سہل صورت یہ ہے کہ دوسری ایسی چیز کی طرف متوجہ ہو جائے جس کا عبادت سے تعلق ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں ایک[1] یہ کہ ذات حق کی طرف متوجہ ہو جائے خواہ تصور کے درجہ میں خواہ کسی تصدیق کے درجہ میں مثلاً اللہ تعالیٰ مجھ کو دیکھ رہے ہیں دوسرے[2] یہ کہ حساب و کتاب کے آنے والے وقت کو مثل حاضر کے فرض کر لیا جائے کہ گویا اللہ تعالیٰ کے روبرو حساب کے لئے کھڑا ہوں اور مجھ کو حکم ہوا ہے کہ عبادت مطلوبہ

کا نمونہ پیش کرو وہ اگر حسبِ پسند ہوئی تو حساب میں رعایت کا سبب ہو جائے گی۔
تیسرےؔ یہ کہ یہ فرض کرے کہ یہ گویا بالکل آخری نماز ہے شاید اس کے بعد عمر ختم ہو
جائے اور پھر نماز نصیب نہ ہو۔ چوتھےؔ یہ کہ گویا خانہ کعبہ میرے سامنے ہے اور اس
پر تجلیات نازل ہو رہی ہیں اور اس سے وہ تجلیات میری طرف آ رہی ہیں اور
جتنی اچھی نماز پڑھوں گا وہ تجلیات زیادہ فائض ہوں گی۔ پانچویںؔ یہ کہ جو الفاظ
منہ سے نکلتے ہیں ان کی طرف توجہ رکھے۔ خواہ بلا تصور معانی کے خواہ مع تصور
معانی کے اور اس توجہ کی سہل صورت یہ ہے کہ کوئی لفظ یاد سے نہ پڑھے
بلکہ مستقل ارادہ سے پڑھے یا شیخ کامل اور کسی ایسی ہی چیز کا تصوّر تجویز کر کے
اس کا استعمال کرے۔ ان تدبیرات سے وہ وساوس جو بلا اختیار آئے تھے
دفع ہو جائیں گے اور اول اول جب تک اس طریق کی مشق نہ ہو گی۔ کبھی کبھی
یہ تصوّرات زائل اور وساوس پھر حاضر ہو جاتے ہیں اس کا علاج یہ ہے کہ جب تنبہ
ہو فوراً اُس توجّہ کی تجدید کر لی جائے۔ شدہ شدہ توجہ الی العبادت کو رُسوخ ہو جائیگا
اور اگر اس رُسوخ میں دیر ہو گھبرائے نہیں اس عمل کو جاری رکھے کیوں کہ یہ رسوخ کا
کام مکلّف نہیں عمل کا مکلّف ہے حتیٰ کہ اگر عمر بھر بھی رسوخ نہ ہو تو مقصود میں کوئی خلل نہیں
کمال عبادت اور اجر اور قرب میں ذرا کمی نہ ہو گی۔

نمبر ۱۷ ایک طالب کے استفسار کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ جب کبھی کسی کی شکایت
زبان سے نکلے مجمع میں اُس شخص کی خوبیاں بیان کرنا چاہیے کیوں کہ کوئی نہ کوئی خوبی تو
ہو ہی گی اھ

نمبر ۱۸ ایک طالب نے عدم استقلال کا علاج پوچھا تحریر فرمایا کہ العلاج بالضد

اور اس ضد میں اول تکلف ہوتا ہے پھر اعتیاد پھر رسوخ بس نفس تکلف سے گھبراتا ہو یہی راز ہے عدم استقلال کا۔ ورنہ نفس اگر تکلف کی کلفت برداشت کرلے تو عدم استقلال کی کوئی وجہ نہیں اور یہی علاج ہے

نمبر ۷۳ ایک طالب نے حبِّ مال کے کچھ آثار لکھ کر پوچھا کہ ان میں کوئی گناہ اور مفسدہ تو نہیں جواب تحریر فرمایا کہ الحمد للہ نہ کوئی مفسدہ ہے نہ گناہ ہے یہ سب آثار حبِ مال کے تو ہیں مگر یہ حب طبعی ہے جو کہ مذموم نہیں نہ کہ حبِ اعتقادی یا عقلی جو کہ مذموم ہے۔ حضرت عمرؓ نے فتح فارس و مشاہدۂ غنائم کے وقت یہی دعا کی تھی کہ اے اللہ آپ کا ارشاد ہے زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ الایہ (جعل المزین هو اللہ تعالیٰ وهو احد وجوه الایۃ) جب آپ نے یہ حُب پیدا کی ہے تو فطری ہے اس لئے ہم اس کے ازالہ کی درخواست نہیں کرتے کہ جبلیات نہیں بدلا کرتے البتہ اس کی درخواست کرتے ہیں کہ اس حُب کو اپنی حُب میں معین فرمایا کہ یہ اسباب طاعت میں سے ہوجائے اور موانع طاعت کے لئے (جیسے ناداری کی پریشانی وغیرہ) یہ سدباب ہوجائے کہ جبلیات کا ان کے مصرف میں صرف ہونا یہی ان کی تعدیل اور یہی ماموربہ ہے (اس میں اپنے منفعت اور حکمت تخلیق مال کی طرف بھی ارشارہ فرما دیا) اور یہی امر مصرح ہے دوسری آیت میں قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ الی قولہ تعالیٰ أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (علق الوعید بالاحبیۃ لا بالحب) البتہ اس حب طبعی کے آثار بعض اوقات منجر ہوجاتے ہیں بعض غوائل کی طرف سو اس کا تدارک وہ ہے جو آپ نے کرلیا فهنيئا لكم العلم والعمل واللہ اعلم۔

نمبر ۷۴ ایک طالب نے یہ اشکال لکھا کہ جب مامورات و منہیات شرعیہ اختیاری ہیں اور حضرت کی تصنیفات سے معلوم ہوا کہ سارے امراض کا علاج یہی ہے کہ اپنے اختیار سے رُکے تو پھر اس قاعدہ کلیہ کے علم کے بعد شیخ اور معالج کی کیا حاجت باقی رہتی ہے جواب تحریر فرمایا کہ مامورات و منہیات سب اختیاری ہیں۔ پس مامورات کا ارتکاب اور منہیات سے اجتناب بھی سب اختیاری ہیں لیکن اس میں کچھ غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ کبھی تو یہ کہ حاصل کو غیر حاصل سمجھ لیا جاتا ہے کبھی اس کا عکس مثلاً ایک شخص نے نماز میں خشوع کا قصد کیا اور وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے حاصل بھی ہو گیا مگر ساتھ ہی ساتھ وساوس و خطرات کا ہجوم بھی ہوتا رہا یہ شخص اس کو خشوع کا مضاد سمجھ کر خشوع کو غیر حاصل سمجھا یا ابتدائی عبادت میں وساوس غیر اختیاری تھے مگر اسی سلسلہ میں وہ وساوس اختیاریہ کی طرف منجر ہو گئے اور یہ ابتدا کے دھوکہ میں رہ کر خشوع کو باقی سمجھا حالانکہ وہ زائل ہو چکا۔ اور کبھی غیر راسخ کو راسخ سمجھ لیا جاتا ہے۔ مثلاً دو چار خفیف حادثوں میں رضا بالقضاء کا احساس ہوا یہ سمجھ گیا کہ یہ ملکہ راسخ ہو گیا پھر کوئی بڑا حادثہ واقع ہوا اور اس میں رضا نہیں ہوئی یا درجہ مقصود تک نہیں ہوئی مگر یہ اسی دھوکہ میں رہا کہ اس میں رسوخ ہو چکا ہے اب بھی رضا معدوم یا ضعیف نہیں ہے۔ اور حاصل کو غیر حاصل سمجھنے میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ شکستہ دل ہو کر اس کا اہتمام چھوڑ دیتا ہے پھر وہ سچ مچ زائل ہو جاتا ہے اور اس کے عکس میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ اس کا اہتمام ہی نہیں کرتا اور محروم رہتا ہے اور غیر راسخ کو راسخ سمجھنے میں بھی وہی خرابی عدم اہتمام تکمیل کی ہوتی ہے کبھی یہ غلطی ہوتی ہے کہ حاصل راسخ کو زائل سمجھ لیتا ہے۔ مثلاً شہوت حرام کی مقاومت کی اور وہ زمانہ

غلبۂ آثارِ ذکر کا تھا اس لئے داعیۂ شہوت حرام کا ایسا مضمحل ہوگیا کہ اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا پھر اُن آثار کا جوش و خروش کم ہونے سے طبعی التفات گو درجۂ ضعیفہ ہی میں سہی ہونے لگا۔ یہ شخص یہ سمجھ گیا کہ مجاہدہ بیکار گیا اور شہوتِ حرام کا رذیلہ پھر عود کر آیا پھر اصلاح سے مایوس ہو کر سچ مچ بطالت و خلاعت میں مبتلا ہو گیا۔

یہ چند مثالیں ہیں غلطیوں کی اور اُن کے مضار کی اگر کسی شیخ سے تعلق ہو اور اس پر اعتماد ہو تو اُس کو اطلاع کرنے سے وہ اپنی بصیرت و تجارب کے سبب حقیقت سمجھ لیتا ہے اور ان اغلاط پر مطلع کرتا ہے اور یہ ان مضرتوں سے محفوظ رہتا ہے اور فرضاً سالک اگر ذکاوت و سلامت فہم کے سبب خود بھی مطلع ہو سکے مگر ناتجربہ کاری کے سبب مطمئن نہیں ہوتا اور مشوش ہونا مقصود میں مخل ہوتا ہے۔ یہ تو شیخ کا اصل منصبی فرض ہے اور اس سے زیادہ اس کے ذمہ نہیں لیکن تبرعاً وہ ایک اور بھی خدمت کرتا ہے وہ یہ کہ مقصود یا مقدمہ مقصود کی تحصیل میں اور اسی طرح کسی ذمیمہ یا مقدمہ ذمیمہ کے ازالہ میں طالب کو مشقت شدید پیش آتی ہے گو تکرار مباشرت اور تکرار مجاہدت سے وہ مشقت اخیر میں مبدل بہ یسر ہو جاتی ہے لیکن شیخ تبرعاً کبھی ایسی تدابیر بتا دیتا ہے کہ اول امر ہی سے مشقت نہیں رہتی یہ ایک اجمالی تحقیق تقریب فہم کے لئے ہے۔ باقی ضرورتِ شیخ کا مشاہدہ اس وقت ہوتا ہے جب کام شروع کر کے اپنے احوال جزئیہ کی اُس کو بالالتزام اطلاع کرتا ہے اور اس کے مشورہ کا اتباع کرتا رہے۔ اور یہ اتباع کامل اُس وقت ہو سکتا ہے جب اس پر اعتماد ہو اور اس کے ساتھ تعلق انقیاد ہو۔ اس وقت حسّاً معلوم ہو گا کہ بدون شیخ کے مقصود کا حاصل ہونا عادتاً متعذر ہے۔ الا نادراً والنادر کالمعدوم پھر اس ضرورت میں تفاوت فہم و

استعداد کے اعتبار سے تفاوت بھی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ متقدمین کو کم ضرورت تھی۔ اھ

نمبر ۷۵ ایک طالب نے لکھا کہ کوئی محمود کیفیت راسخ نہیں، تحریر فرمایا کہ رسوخ کی طرف التفات نہ فرمایا جائے۔ رسوخ سے مقصود عمل ہے۔ عمل سے رسوخ مقصود نہیں۔ اگر عمل بلا رسوخ ہوتا ہے مقصود حاصل ہے۔ اھ

اسی طرح ایک طالب نے حصول یقین کا طریقہ دریافت کیا تو تحریر فرمایا کہ اول بہ تکلف عمل کرنا چاہیئے اس کی برکت سے یقین پیدا ہو جاتا ہے اور کوئی طریقہ نہیں اھ

نمبر ۷۶ ایک طالب نے نفسانی شہوت کے معاصی کا علاج پوچھا تحریر فرمایا کہ علاج یہی ہے کہ بزرگوں کے تذکرہ کی کتابیں پابندی سے دیکھو اور کسی وقت خلوت میں معاصی پر جو وعیدیں اور عقاب وارد ہوا ہے اس کو سوچا کرو اور وسوسۂ معصیت کے وقت بھی ایسے ہی استحضار کی تجدید کر لو انشاء اللہ تعالیٰ نفس سے تقاضا جاتا رہے گا اور اگر خفیف میلان ہو تو اس کا مقابلہ ہمت سے کرو بدون ہمت کے کوئی تدبیر کافی نہیں۔ اھ

نمبر ۷۷ ایک طالب کو غصہ کا یہ علاج تحریر فرمایا کہ مغضوب علیہ کو اپنے پاس سے جدا کر دیا جائے یا اس کے پاس سے خود جدا ہو جائیں اور فوراً کسی شغل میں لگ جائیں۔ اھ

اسی طرح ایک طالب نے غصہ کا تدارک پوچھا تو تحریر فرمایا کہ اس کا التزام کر لیں کہ جب ایسا ہو جائے اُس مغضوب علیہ کو کچھ ہدیہ دیا کریں گو قلیل ہی مقدار میں ہو۔ اھ

اسی طرح ایک طالب کو غصہ کا یہ تدارک تحریر فرمایا کہ ایسے بیجا اور بیحد غصہ پر دو وقت کا فاقہ کرو۔ اھ

اسی طرح ایک طالب کے خط میں احقر نے غصّہ کا یہ تدارک حضرت والا کا تحریر فرمایا ہوا دیکھا۔ کہ جس پر غصّہ کیا جائے بعد غصہ فرد ہو جانے کے مجمع میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑے پاؤں پکڑے بلکہ اُس کے جوتے اپنے سر پر رکھے ایک دو بار ایسا کرنے سے نفس کو عقل آجائے گی۔ اھ فا اعلیٰ درجہ کا علاج تو اخیر والا ہی ہے لیکن اگر اس کی ہمت نہ ہو تو بقیہ دو کا التزام بھی انشا اللہ تعالیٰ کافی ہوگا ۱۲

نمبر ۷۸

مکتوب ملقب بہ رُوح الطّریق

ایک ذی علم طالب نے بہت حسرت کے ساتھ لکھا کہ شاید خدام حضور والا میں ایک میں ہی ایسا ہوں گا جس کو وصول تو درکنار وصول کی حقیقت تک کا پتہ نہیں الخ

اس کا حسبِ ذیل جواب ارقام فرمایا:

مقصود تو بحمداللہ معلوم ہے یعنی رضا رحق اب دو چیزیں رہ گئیں طریق کا علم اور اس پر عمل۔ سو طریق صرف ایک ہے یعنی احکام ظاہرہ باطنہ کی پابندی اور اس طریق کی معین دو چیزیں ہیں ایک ذکر جس قدر پر دوام ہو سکے جو آپ نے شروع کیا ہے وہ بھی اسی کلیہ میں داخل ہے۔ دوسرے صحبت اہل اللہ کی جس کثرت سے مقدور ہو اور اگر کثرت کے لئے فراغ نہ ہو تو بزرگوں کے حالات و مقالات کا مطالعہ اس کا بدل ہے اور دو چیزیں طریق یا مقصود کی مانع ہیں۔ معاصی اور فضول

میں مشغولی۔ اور ایک امر ان سب کے نافع ہونے کی شرط ہے یعنی اطلاع حالات کا التزام۔ اب اس کے بعد اپنی استعداد ہے۔ حسب اختلاف استعداد مقصود میں اوپر سویر ہوتی ہے میں سب کچھ لکھ چکا۔

مکتوب ملقب بہ فتوح الطریق

اسی طرح ایک طالب نے لکھا کہ بزرگوں سے حاصل کرنے کی کیا چیز ہے اور اُس کا کیا طریقہ ہے جواب تحریر فرمایا کہ کچھ اعمال مامور بہا ہیں۔ ظاہرہ بھی باطنہ بھی نیز کچھ اعمال منہی عنہا ہیں ظاہرہ بھی باطنہ بھی۔ ہر دو قسم میں کچھ علمی و عملی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ مشائخ طریق طالب کے حالات سن کر اُن عوارض کو سمجھ کر ان کا علاج بتلا دیتے ہیں۔ ان پر عمل کرنا طالب کا کام ہے اور اعانت طریق کے لئے کچھ ذکر بھی تجویز کر دیتے ہیں۔ اس تقریر سے مقصود اور طریق دونوں معلوم ہو گئے۔ اھ

مکتوب ملقب بہ وضوح الطریق

اسی طرح ایک اور طالب نے پوچھا کہ میں ایک اناڑی آدمی ہوں حضور مطلع فرمائیں کہ بزرگوں سے کیا چیز حاصل کی جاتی ہے اور اس کے مطابق مجھ عامی مشغول کو طریق تعلیم ارشاد فرمائیں۔ اھ

اس کا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا۔ نفس میں کچھ امراض ہوتے ہیں اُن کا علاج کتابوں میں لکھا ہے۔ مگر جیسے جسمانی امراض کا علاج گو کتابوں میں لکھا ہے لیکن پھر بھی طبیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی درجہ میں نفسانی امراض کے معالجہ

میں شیخ یعنی معلم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ بات سمجھ میں آگئی ہو تو پھر آگے امراض تبلاؤں گا پھر اس کے سمجھ جانے کے بعد علاج تبلاؤں گا۔ اھ

نمبر ۷۹

مکتوب ملقب بہ تسہیل الطریق

جو پہلے بھی ایک موقع پر نقل کیا جا چکا ہے

ایک صاحب نے لکھا کہ اپنا حال ابتر ہی پاتا ہوں سوائے ادھیڑ بن کے اور کچھ نہیں۔ اس کا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا۔ خود مشقت میں پڑنے کا شوق ہی ہو تو اس کا تو علاج ہی نہیں باقی راستہ بالکل صاف ہے کہ غیر اختیاری کی فکر میں نہ پڑیں اختیاری میں ہمت سے کام لیں اگر کوتاہی ہو جائے ماضی کا استغفار سے تدارک کر کے مستقبل میں پھر تجدید ہمت سے کام لینے لگیں۔ اور استعمال ہمت کے ساتھ دعا کا بھی التزام رکھیں۔ اور بہت لجاجت کے ساتھ۔ اھ

نمبر ۸۰

مکتوب ملقب بہ الیمّ فی السّمّ

ایک طالب نے اپنے خط میں کوئی ایسا وظیفہ یا طریقہ پوچھا تھا جس سے طاعات میں ترقی اور معاصی سے اجتناب میسر ہو۔ جواب تحریر فرمایا کہ طاعات اور معاصی دونوں امور اختیاریہ ہیں جن میں وظیفہ کو کچھ دخل نہیں رہا طریقہ سو طریقہ امور اختیاریہ کا بجز استعمال اختیار کے اور کچھ بھی نہیں۔ ہاں سہولت اختیار کے لئے ضرورت

ہے مجاہدہ کی جس کی حقیقت ہے مخالفت (بمعنی مقاومت) نفس۔ اس کو ہمیشہ عمل میں لانے سے بتدریج سہولت حاصل ہو جاتی ہے۔ میں نے تمام فن لکھ دیا۔ آگے تسنیخ کے دو کام رہ جاتے ہیں ایک بعض امراض نفسانیہ کی تشخیص دوسرے بعض طریق مجاہدہ کی تجویز جو کہ اُن امراض کا علاج ہے

مکتوب ملقب بہ الطف فی السم

اسی طرح ایک اور طالب نے اپنے حالات لکھ کر اصلاح چاہی تھی جواب ارقام فرمایا کہ غیر اختیاری کے درپے نہ ہونا۔ اختیاری میں ہمت کرنا اس میں جو کوتاہی ہو جائے اس پر استغفار اور اس کا تدارک اور توفیق کی دعا کرنا یہی اصلاح ہے

نمبر ۸۱ ایک طالب نے یہ اشکال پیش کیا کہ جب کوئی وسوسہ بلا اختیار آیا تو اتنی دیر غفلت ہوئی اس سے ہر بار استغفار کرتا ہوں اب اشکال یہ ہے کہ جب غفلت بلا اختیار ہو تو وہ گناہ نہیں اُس سے استغفار کیسا اور جو استغفار نہ کروں تو اُس کو بھی طبیعت نہیں مانتی الخ

جواب تحریر فرمایا کہ وسوسہ اور اس کا جو لازم ہے غفلت جب غیر اختیاری ہو بایں معنی گناہ نہیں کہ اس پر مواخذہ نہیں لیکن اپنی ذات میں نقص اور قبیح ہے اور استغفار جیسا رافع ذنب ہے ایسے ہی جابر نقص بھی ہے۔ اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غین کے بعد جو آپ کے مذاق میں کمال سے متنزل تھا استغفار فرماتے تھے۔ اھ

نمبر ۸۲ ایک طالب نے توکل و تفویض کا فرق دریافت کیا۔ جواب تحریر فرمایا کہ

توکل بعض کے لئے مطلق تدبیر ظنی کو ترک کرنا ہے اور بعض کے لئے یہ ہے کہ تدبیر غیر مباح اور انہماک فی التدبیر المباح کو ترک کر دے اور تفویض یہ کہ اس کے بعد اگر تدبیر میں ناکامی ہو یا وہ واقعہ تدبیر سے تعلق ہی نہ رکھتا ہو جیسے غیر اختیاری مصائب تو حق تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے۔

تنبیہ اس خط میں کئی جگہ تفویض کی وہ تفسیر کی گئی ہے جو رضا کی مشہور ہے سو یہ تفسیر بہ اعتبار حقیقت کے نہیں بلکہ بہ اعتبار اثر کے ہے حقیقت تو تفوض کی توکل کا اعلیٰ درجہ ہے اور اس درجہ علیا کا اثر یہ رضا ہے بعض اور بزرگوں نے بھی اس کی تفسیر میں اس رضا کا اعتبار کیا ہے کما فی القشیریہ سمعت الاستاذ ابا علی الدقاق یقول التوکل ثلث درجات التوکل ثم التسلیم ثم التفویض فالمتوکل یسکن الی وعدہ و صاحب التسلیم یکتفی بعلمہ و صاحب التفویض یرضی بحکمہ وسمعتہ یقول التوکل بدایۃ والتسلیم اوسطہ والتفویض نھایۃ۔ اھ جواب لکھتے وقت ذہن میں یہ تفصیل حاضر نہ ہوئی رفع غلط کے لئے اب تنبیہ کر دی گئی اھ

نمبر ۸۳ ایک طالب نے یہ لکھا کہ معصیتوں کا تقاضا عرصہ تک نفس کے مضمحل رہنے کے بعد اب پھر اُسی شدت اور جوش و ہیجان کے ساتھ ہونے لگا جس سے سخت حیران ہوں جواب تحریر فرمایا کہ اکثر اہل طریق کو یہی حالت پیش آتی ہے کچھ گھبرانے کی بات نہیں۔ اس وقت جو نفس کا مقابلہ کیا جاتا ہے وہ مجاہدۂ ثانیہ کہلاتا ہے۔ اور اس مجاہدہ کا اثر انشاء اللہ تعالیٰ راسخ ہوگا اور شاذ و نادر کسی امر طبعی کا خفیف تقاضا یہ منافی رسوخ کا نہیں۔ اس تغیر و تبدل کی مثال حسیات

ہیں ایسی ہے جیسے شب کے اخیر میں تاریکی کے بعد ایک نور ہوتا ہے جس کو صبح کاذب کہتے ہیں۔ ناواقف خوش ہوتا ہے کہ تاریکی گئی۔ پھر دفعتاً وہ نور زائل ہو جاتا ہے اور تاریکی چھاجاتی ہے مگر تھوڑی ہی دیر میں پھر دوسرا نور آتا ہے جس کو صبح صادق کہتے ہیں وہ قائم بلکہ ترقی پذیر ہوتا ہے

اُنہیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ نفس کو روکتے میں سابق جیسی دشواری اور تنگی پیش نہیں آتی اس پر تحریر فرمایا کہ یہی علامت ہے کہ یہ عود الی الطبیعات ضعیف ہے ورنہ مقاومت دشوار ہو جاتی جیسے پہلے تھی۔ اھ

اُنہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ حیرانی یہ ہے کہ معمولات بجالانے میں نفس مخالفت نہیں کرتا البتہ معاصی کا تقاضا پیدا کرتا ہے نہ جانے کیا مخفی چال ہے اور اس کی احقر کیا تدبیر کرے۔ احقر سابقہ ارشاد فرمودہ معالجات پر بدستور عمل کرتا ہے۔ تحریر فرمایا کہ بس یہی تدبیر ہے اسی سے انشاء اللہ تعالیٰ سب شکایتیں دُور ہو جائیں گی اور جب کبھی ایسا ہو یہی علاج ہے۔ فارغ ہونے کا قصد ہی نہ کیا جائے۔ بخار کے موسم میں بعض کو ہمیشہ موسمی بخار ہوتا ہے مگر علاج اس کا یہی ہے کہ بخار کا نسخہ پیا جائے اس کی سعی بیکار ہے کہ بخار ہی نہ آئے۔ اھ

نمبر ۸۴ ایک تنگ دست طالب نے اپنے بہت سے وساوس واہیہ لکھ کر علاج پوچھا جن میں یہ وسوسہ بھی لکھا کہ راحت دنیا کا مدار اعمال صالحہ نہیں ہیں بلکہ آخرت کی راحت بھی فضل پر موقوف ہے پھر اعمال صالحہ مثلاً ذکر و تہجد وغیرہ کی مشقت اگر نہ بھی ہو صرف ارکان اسلام پر قائم رہے تو کیا حرج ہے الخ اور یہ بھی لکھا کہ دعا مانگنے کو طبیعت نہیں چاہتی کہ اتنی مدت ہو گئی کوئی قبول

بھی ہوئی ہو بس جو اللہ تعالیٰ چاہیں وہی ہوگا لیکن میں بجبر مناجات مقبول کی منزل پڑھ لیتا ہوں اسی طرح ایک ہفتہ سے ذکر میں طبیعت نہیں لگتی محض تعداد پوری کر لیتا ہوں الخ روزگار کا بھی وظیفہ پوچھا تھا۔ ان سب باتوں کا حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

علاج کلی اور مفید تو یہی ہے کہ ان وساوس کو اعتقاداً برا سمجھا جائے اور ان کے مقتضاء پر عمل نہ کیا جائے جو از خود دفع ہو جائیں گے اور اگر دفع بھی نہ ہوں تو کچھ مضر نہیں بلکہ یہ ایک گونہ مجاہدہ ہے جس سے عمل کا اجر بڑھتا ہے لیکن اگر ان وساوس کی وجہ فساد ہی معلوم کرنے کا شوق ہو تو مجملاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ مقصود اعمال صالحہ سے راحت دنیا نہیں ہے بلکہ راحت آخرت ہے اور اس کا مدار جو فضل و رحمت ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ اعمال کو دخل نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ ملے گا تو عمل ہی سے لیکن جتنا ملے گا اتنا اثر اعمال میں نہیں وہ فضل و رحمت کا اثر ہے لیکن جو عمل ہی نہ کرے گا وہ قانوناً اس فضل و رحمت سے بھی محروم رہے گا باقی طبیعت کا لگنا یہ شرط قبول نہیں ہے۔ اگر دوا پینے میں طبیعت نہ لگے تب بھی اس کی خاصیت یعنی صحت مرتب ہوگی یہی دعا ضرور قبول ہوتی ہے مگر اس کے قبول ہونے کی وہ حقیقت ہے جو مریض کی اس درخواست کی منظوری کی حقیقت ہے کہ کسی طبیب سے درخواست کرے کہ میرا علاج مسہل سے کر دیجئے اور وہ فوراً علاج شروع کر دے مگر مسہل اس کی حالت کے مناسب نہ تھا اس لئے دوسرے طریق سے علاج شروع کر دیا اس کو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ طبیب نے جب مسہل نہیں دیا تو مریض کی درخواست کو منظور نہیں کیا۔ اسی طرح اصل مطلوب دعا سے حق تعالیٰ کی توجہ خاص ہے اور عبد نے جو طریق معین اختیار کیا ہے یہ مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود کا محض ایک طریق ہے جیسے اس مقصود کے

اور بھی طرق ہیں لہذا وہ جس طریق سے توجہ خاص فرمائیں وہ اجابت دعا ہی ہے خواہ وہ عبد کا مجوزہ طریق ہو یا حق تعالیٰ کا مجوزہ طریق ہو۔ یہ تو طاعات و حاجات میں کلام ہے باقی معاصی کا ارتکاب جو موصل الی النار ہو وہ ایسا ہے جیسے مریض کو بدپرہیزی سے لذت ملتی ہے اور اس سے صبر کرنے میں لذت فوت ہوتی ہے لیکن جو شخص جانتا ہے کہ لذت مقصود نہیں صحت مطلوب ہے وہ صبر کرے گا۔ اسی طرح جس شخص کو نجات آخرت مقصود ہے وہ راحتِ دنیا کو مقصود نہ سمجھے گا۔ رہی سزا گناہ کی کسی کو یہاں ملتی ہے کسی کو وہاں۔ اور تجویز مناسب بلکہ واجب یہی ہے کہ طاعات میں حتی الامکان مشغول ہوں۔ معاصی سے مجتنب رہیں اور مقصود صرف رضائے حق کو سمجھیں خواہ اس کا ظہور یہاں ہو یا وہاں ہو اور ایسی حالت میں روزگار کا وظیفہ پڑھنا وسادوس میں اضافہ کرنا ہے اھ

نمبر ۸۵ ایک صاحب نے جو سلسلۂ بیعت میں داخل نہیں یہ لکھا کہ کبر کی مذمت اور اس کا علاج تو جناب کی تحریروں اور مواعظ میں جابجا کثرت سے ملا لیکن کبر کی حقیقت کبھی نظر سے گذرنا یاد نہیں پڑتا۔ نیز یہ بھی لکھا کہ اپنے ماتحتوں پر اگر زیادتی ہو جائے تو اُن سے معافی مانگنے میں مصالح فوت ہوتی ہیں اس کا حسبِ ذیل جواب ارقام فرمایا۔

ممکن ہے نہ لکھی ہو اگر یہ صحیح ہے تو وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حقیقت اس کی ظاہر ہے کہ اپنے کو دوسرے سے بڑا سمجھنا آگے اس میں دو درجے ہیں ایک بلا اختیار خیال بڑائی کا آنا اور ایک بالاختیار ایسا خیال کرنا پھر اول میں دو درجے ہیں۔ اس خیال کے مقتضا پر عمل نہ کرنا پس یہ بھی بالکل مذموم نہیں دوسرے عمل کرنا یہ مذموم و معصیت ہے

اسی طرح قصداً بڑا سمجھنا یہ بھی علی الاطلاق مذموم ہے گو اس کے مقتضا پر عمل بھی نہ ہو۔ آپ نے جس غلطی میں ابتلاءِ عام لکھا ہے صحیح ہے مگر اس میں قدرے تفصیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر ہم صریح الفاظ سے معافی مانگیں گے تو یہ گستاخ ہو کر زیادہ نافرمانی کرے گا بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ شرمندہ ہوگا اور یہ اس وقت تک عذر ہے جب اس سے تعلق رکھنا چاہیں ان صورتوں میں تو صرف اس کا خوش کر دینا امید ہے کہ قائم مقام معافی کے ہو جائے گا اور بعض اوقات اُس سے تعلق ہی رکھنا نہیں۔ جیسے ملازم کو موقوف کر دیا یا وہ خود چھوڑ کر جانے لگا اس وقت ضروری ہے کہ زیادتی ہو جانے کی صورت میں اُس سے صریح معافی مانگی جائے کیوں کہ یہاں دونوں عذر نہیں اس میں اگر رکاوٹ ہو تو میرے نزدیک اس کا سبب ضرور کبر ہے گو اپنے کو بڑا نہ سمجھے مگر کبر کے مقتضا پر عمل تو ہوا غایت سے غایت کبر اعتقادی نہ ہوگا مگر کبر عملی ضروری ہے اور اگر کوئی کبر کی تفسیم کو تسلیم نہ کرے تب بھی ظلم تو ہوا جس سے معافی مانگنا واجب ہے تو معافی نہ مانگنے میں اگر کبر کا گناہ نہ ہوا تو ظلم کا تو ہوا۔ اھ

نمبر ۸۶ ایک طالب نے لکھا کہ نماز یا تلاوت میں جب یہ خیال کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ کو قرآن شریف سُنا رہا ہوں تو پھر اس تخیل سے قوتِ فکریہ انتقال کر کے ادھر متوجہ ہو جاتی ہے کہ حق تعالیٰ خالق حروف زبان پر جاری فرما رہے ہیں پھر اس سے انتقال کر کے قوتِ فکریہ اس طرف نکل جاتی ہے کہ حق تعالیٰ حاضر ناظر ہیں غرض سکونِ فکر کے متعدد طرق ہیں اسی تعدد کی وجہ سے سکون نہیں ہوتا بلکہ سکون حاصل کرنے میں تشتت ہو جاتا ہے۔ اھ۔ اس کا

یہ جواب تحریر فرمایا کہ جو تشتت تحصیل جمعیت میں ہو وہ اثر میں جمعیت ہی ہے مضر نہیں اھ

نمبر ۸۷ ایک طالب نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مکتوبات کے حوالہ سے لکھا کہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ باطنی امراض کا مدار ماسوائے حق کے ساتھ دل کی گرفتاری ہے اور دل کے گرفتار نہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ ماسوائے حق کو کلی طور پر فراموش کر دے اور تمام اشیاء سے بے خبر ہو جائے حتیٰ کہ اگر تکلف سے بھی اشیاء کو یاد کرے تو اس کو یاد نہ آئیں۔ یہاں تک کہ ماسوائے حق کا خطور قلب پر ناممکن ہو جائے اھ۔ اس معیار پر نظر کرتا ہوں تو اس سے اپنے کو کورا پاتا ہوں۔ الحمد للہ جذر قلب میں تو ماسوا کا گزر نہیں مگر حوالی قلب میں غیر کا خطور بھی ہے اور یاد بھی ہے اھ

اس کا حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

اکثر اہل مقام پر بھی کسی وقت حال کا غلبہ ہوتا ہے تو اُس وقت مسائل کی تعبیر میں بھی جوش کا اثر ہوتا ہے میرے نزدیک عنوان تیز ہے مگر مضمون وہی ہے جو نصوص سے مستفاد ہوتا ہے میں اس کو ایک اور سہل عنوان سے تعبیر کرتا ہوں جو حضرت مجدد صاحبؒ کے کلام کی قریب تفسیر ہے اور مشہور تعبیر سے قدرے واضح ہے وہ یہ ہے کہ گرفتاری سے مراد مطلق تعلق نہیں کیوں کہ تعلق مغلوب مذموم نہیں بلکہ ایسا تعلق مراد ہے کہ محل تعلق کے بُعد یا فوت سے قلب پر ایسا اثر ہو کہ قلب کو ایسا بے چین کر دے کہ اسی کے تصور و حسرت میں اشتغال ہو جائے اور اسی اشتغال سے طاعات میں قلت و ضعف آجائے اور اگر یہ نوبت نہ پہنچے

تو محض حزن کا اثر مانع نہیں ہے کیا حضرت یعقوب علیہ السلام کے حزن شدید کا کوئی انکار کر سکتا ہے اور کیا ان کی حالت کو کوئی مانع عن الحق کہہ سکتا ہے اھ

انہیں صاحب نے اس سے قبل یہ لکھا تھا کہ عرصہ سے اس کی طلب ہے کہ ذکرِ حق قلب میں ایسا پیوستہ ہو کہ بھولنے کی کوشش بھی کروں تو بھول نہ سکوں اور غیر کا خطور قلب میں ناممکن ہو جائے۔ الخ

اس کا یہ جواب تحریر فرمایا تھا کہ یہ تو مجھ کو بھی نصیب نہیں نہ جی چاہتا ہے کیونکہ اس صورت میں مختار نہ رہوں گا مضطر ہو جاؤں گا۔ اھ اس کے بعد انہوں نے مذکورۂ بالا عریضہ لکھا جس کا جواب اوپر نقل کیا گیا۔

نمبر ۸۸ ایک طالب نے لکھا کہ میرے اندر حبِ جاہ ہے جی چاہتا ہے کہ لوگ میری تعریفیں اور ثنائیں بیان کیا کریں تعریف سے ایک فرحت اور خوشی ہوتی ہے اگر کوئی مذمت کرے یا تعریف سے خاموش رہے تو یہ نفس پر نہایت ناگوار گذرتا ہے الخ

اس کا جواب تحریر فرمایا کہ ہر علاج میں مجاہدہ کی ضرورت ہے یعنی داعیہ نفس کے ذم کا استحضار اور اس داعیہ کی عملی مخالفت۔ اس مرض کا علاج بھی مرکب ہے انہی دو جزو سے۔ اول اُس رذیلہ کی جو مذمتیں اور وعیدیں وارد ہیں اُن کا ذہن میں حاضر کرنا بلکہ زبان سے بھی ان کا تکرار کرنا۔ بلکہ ان مضامین سے اپنے نفس کو زبان سے خطاب کرنا کہ تجھ کو ایسا عقاب ہونے کا اندیشہ ہے۔ اسی کے ساتھ اپنے عیوب کا استحضار اور نفس کو خطاب کہ اگر لوگوں کو ان رذائل

کی اطلاع ہو جائے تو کتنا ذلیل و حقیر سمجھیں تو یہی غنیمت سمجھ کہ لوگ نفرت و تحقیر نہیں کرتے نہ کہ ان سے توقع تعظیم و مدح کی رکھی جائے اور عملی جزو یہ ہے کہ مدح کو زبان سے منع کر دیا جائے اور اس میں ذرا اہتمام سے کام لیا جائے۔ سرسری لہجہ سے کہنا کافی نہیں اور اس کے ساتھ ہی جو لوگ ذلیل شمار کئے جاتے ہیں ان کی تعظیم کی جائے گو نفس کو گراں ہو اس پر عمل کر کے ایک ہفتہ کے بعد پھر اطلاع دی جائے۔ اھ

اسی طرح ایک طالب علم نے لکھا کہ میں کچھ عرصہ سے اپنے اندر ترفع کے آثار پاتا ہوں، جواب تحریر فرمایا کہ انسان صرف مکلف اس کا ہے کہ ان اخلاق رذیلہ کے مقتضیات پر عمل نہ کرے رہا یہ کہ اقتضایات ہی زائل یا ضعیف ہو جائیں اس کا نہ انسان مکلف ہے نہ یہ بسہولت میسر ہو سکتا ہے ع

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

اور نہ بوجہ تحصیل علوم کے آپ کے لئے اُس کا یہ وقت ہے بس آپ جس قدر مکلف ہیں آپ اُس پر اکتفا کیجئے۔ یعنی دل میں اعتقاد رکھیں کہ میں سب سے کمتر ہوں اور اس اعتقاد کے لئے اپنے معائب کا استحضار معین ہوگا اور جن کی بے وقعتی ذہن میں آئے اُن کی خوب تکریم کیجئے اور تکلف سے اُن سے سلام کیجئے گو نفس کو ناگوار ہو ناگواری غیر اختیاری ہے اس پر مواخذہ نہیں ہے لیکن معاملہ اختیاری ہے اس میں اخلال موجب مواخذہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس سے خود منشار فساد بھی ضعیف ہو جائے گا۔ واللہ الموفق۔

نمبر ۸۹ | ایک طالب نے لکھا کہ رضا بالقضاء کے حصول کے لئے کوئی

علاج تحریر فرمایا جائے اور اُس کا معیار اور مقدار بھی کہ انسان اس کے متعلق کس قدر کا مکلف ہے جواب تحریر فرمایا کہ رضا بالقضاء کی حقیقت ترک اعتراض علی القضاء ہے اگر الم کا احساس ہی نہ ہو تو رضا طبعی ہے اور اگر الم کا احساس باقی رہے تو رضا عقلی ہے اور اول حال ہے جس کا عبد مکلف نہیں اور ثانی مقام ہے جس کا عبد مکلف ہے تدبیر اس کی تحصیل کی استحضار رحمت و حکمت آلٰہیہ کا واقعات خلاف طبع میں اھ

نمبر ۹۰ ایک طالب نے لکھا کہ جو باتیں اپنے اندر خلاف شرع ہیں ان کو بھی بُرا اور قابل ترک سمجھتا ہوں لیکن اپنے نفس سے اتنی نفرت اپنے دل میں نہیں پاتا جتنی اور لوگوں سے ان کی خلاف شرع باتوں پر ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اندیشہ کبر ہوتا ہے۔ اھ اس کا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا۔

نفرت میں تفاوت ہونا کبر نہیں نفرت اعتقادی تو دونوں جگہ یکساں ہے اور عبد اسی کا مامور ہے اور یہ تفاوت نفرت طبعی میں ہے جیسے انسان کو اپنے پائخانہ سے نفرت کم ہوتی ہے اور دوسرے کے پائخانہ سے زیادہ ہوتی ہے اور راز اس تفاوت کا تفاوت فی المحبت ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کو اپنے نفس سے زیادہ محبت ہوتی ہے بہ نسبت غیر کے اور یہی وجہ ہے کہ ماں کو اپنے بچہ کے پائخانہ سے اتنی نفرت نہیں ہوتی جتنی غیر محبوب کے پائخانہ سے سو اس کا کبر سے کوئی تعلق نہیں اھ

نمبر ۹۱ ایک طالب کے استفسار پر نسبت کی حقیقت یہ تحریر فرمائی کہ نسبت کے لغوی معنی ہیں لگاؤ اور تعلق اور اصطلاحی معنی ہیں بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص قسم کا تعلق یعنی اطاعت دائمہ و ذکر غالب اور حق تعالیٰ کا بندہ سے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول و رضا جیسا عاشق مطیع اور وفادار معشوق میں ہوتا ہے۔ اور

صاحبِ نسبت ہونے کی یہ علامت تحریر فرمائی کہ اس شخص کی صحبت میں رغبت الی الآخرت ونفرت عن الدنیا کا اثر ہو اور اس کی طرف دینداروں کی زیادہ توجہ ہو اور دنیا داروں کی کم مگر یہ پہچان خصوص اس کا جزو اول عوام محجوبین کو کم ہوتی ہے۔ اہلِ طریق کو زیادہ ہوتی ہے۔

اور اس استفسار کا جواب کہ فاسق اور کافر بھی صاحب نسبت ہوتا ہے یا نہیں یہ تحریر فرمایا کہ جب نسبت کے معنی معلوم ہو گئے تو ظاہر ہو گیا کہ فاسق و کافر صاحب نسبت نہیں ہو سکتا۔ بعضے لوگ غلطی سے نسبت کے معنی خاص کیفیات جو ثمرہ ہوتا ہے ریاضت و مجاہدہ کا سمجھتے ہیں۔ یہ کیفیت ہر مرتاض میں ہو سکتی ہے مگر یہ اصطلاح جہلاء کی ہے۔

نمبر ۹۲ ایک ذی علم طالب نے صدق و اخلاص کے حقائق شرعیہ اور ان کے حصول کے لئے علاج اور معین دریافت کیا۔ جواب تحریر فرمایا کہ جس طاعت کا ارادہ ہو اس میں کمال کا درجہ اختیار کرنا یہ صدق ہے اور اس طاعت میں غیر طاعت کا قصد نہ کرنا یہ اخلاص ہے اور یہ موقوف ہے مابہ الکمال کے جاننے پر اسی طرح غیر طاعت کے جاننے پر اس کے بعد صرف نیت اور عمل جزو اخیر رہ جاتا ہے یہ دونوں اختیاری ہیں۔ طریق تحصیل تو اسی سے معلوم ہو گیا آگے رہا معین وہ استحضار ہے وعدہ و وعید کا اور مراقبہ نیت کا۔

مثال صدق کی نماز کو اسی طرح پڑھنا جس کو شریعت نے صلوٰۃ کاملہ کہا ہے یعنی اس کو مع آداب ظاہرہ و باطنہ کے ادا کرنا علیٰ ہذا تمام طاعات میں جو درجہ کمال کا شریعت نے بتلایا ہے۔ مثال اخلاص کی نماز میں ریاء کا قصد نہ ہو جو کہ غیر طاعت

ہے رضاء غیر حق کا قصد نہ ہو جو کہ غیر طاعت ہے اور اس کے متعلقات ظاہر ہیں۔

نمبر ۹۳ ایک طالب کی درخواست پر حسد کا یہ علاج ارقام فرمایا کہ جس پر حسد ہوتا ہے اس کی مدح مجمع میں کرنا وہ سامنے آجائے تو اس کی تعظیم کرنا اور اس کے لئے گاہ گاہ ہدیہ بھیجنا اس سے محسود کو محبت ہو جاتی ہے پھر حاسد کو محسود کی محبت ہو جاتی ہے اور محبوب پر حسد نہیں ہوتا یہ ایک کلی علاج ہے جو جزئی معالجات سے سہل الوصول اور سریع الحصول ہے اور حرص کا مستقل علاج بعد میں پوچھ لیا جائے

نمبر ۹۴ ایک طالب نے زہد کی ماہیت اور اس کا طریق تحصیل و تسہیل دریافت کیا تھا تحریر فرمایا کہ قلت رغبت فی الدنیا اس کی ماہیت ہے طریق تحصیل مراقبہ اس کے فانی ہونے کا اور امور غیر ضروری کی تحصیل میں انہماک نہ کرنا اور طریق تسہیل صحبت زاہدین کی اور مطالعہ حالات زاہدین کا

نمبر ۹۵ ایک طالب نے شکایت لکھی کہ نہ طاعات کی طرف طبعی رغبت ہے نہ معاصی سے طبعی نفرت تحریر فرمایا کہ رغبت و نفرت طبعیہ غیر مطلوب ہے رغبت و نفرت اعتقادی کافی ہے یہی مامور بہ ہے اس کے مقتضا پر بار بار عمل کرنے سے اکثر طبعی رغبت و نفرت بھی ہو جاتی ہے اگر نہ ہو تو بھی مضر نہیں۔

نمبر ۹۶ ایک طالب نے اپنے حالات لکھ کر نہایت حسرت سے لکھا کہ حضور کب تک راستہ میں پڑا رہوں مجھے بھی پہنچائیے جواب تحریر فرمایا کہ الحمد للہ تمکین کے آثار نمودار ہونا شروع ہوئے۔ اس مکتوب کے مضامین سے بہت مسرت ہوئی انشاء اللہ یوماً فیوماً مقصود سے قرب ہوتا جائے گا ؎

کوئے نومیدی مرو کامیدہاست سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

باقی اہل طریق کے یہاں مقرر ہے کہ طلب مقصود ہے وصول مقصود نہیں شرح اس کی یہ ہے کہ مقصود کے حصول کا قلب میں تقاضا نہ رکھے کہ یہ بھی حجاب ہے کیونکہ اس تقاضے سے تشویش ہوتی ہے اور تشویش برہم زن جمعیت و تفویض ہے اور جمعیت و تفویض ہی شرط وصول ہے اس کو خوب راسخ کر لیا جائے کہ روح سلوک ہے۔ وهو من خصائص المواهب الاهل ادبه فلما تنبه له شيخ من مشائخ الوقت۔ اھ

نمبر ۹۷ ایک طالب نے لکھا کہ منگل کی رات کو دوران ذکر دوازدہ تسبیح میں کیا دیکھتا ہوں کہ ساری مسجد روشن ہو گئی آنکھ کھول کر جو دیکھا تب بھی روشن معلوم ہوئی۔ جواب تحریر فرمایا کہ ایسے حالات اس مصلحت کے لئے بھی پیش آجاتے ہیں کہ سالک کو نشاط ہو اور طریق میں مشغولی سہل ہو۔ اھ

نمبر ۹۸ ایک طالب نے اپنے حالات لکھے جن میں یہ بھی تھا کہ پہلے اللہ تعالیٰ سے خوف کم اور رجا کی امید قوی تھی اور اب اس کا عکس اور حضور والا سے پہلے خوف زیادہ تھا اور اب اس کا عکس ہے یہ تغیر و تبدل کیوں ہوا۔ اس میں تردد ہے تشفی فرمائیں اھ۔ اس کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا

دونوں کا سبب ترقی در عبادت معرفت ہے مگر حق تعالیٰ کے کمالات غیر محدود و غیر متناہی ہیں لہذا انس و ہیبت میں تعاقب ہوتا رہتا ہے گاہے ایک ایسی تجلی ہوتی ہے جس سے انس ہوتا ہے اس کے بعد ایسی تجلی ہوتی ہے جس سے ہیبت ہوتی ہے پھر ایسی تجلی ہوتی ہے جس سے انس ہوتا ہے۔ مگر پہلی تجلی انسی سے متفاوت ہوتا ہے گو تفاوت لطیف ہو پھر ہیبت کی تجلی ہوتی ہے اور اسی طرح پہلی تجلی ہیبت سے

متفاوت۔ اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہتا ہے اور مخلوق کے کمالات محدود و متناہی ہیں معرفت ہوتے ہوتے اُن کا احاطہ ہو جاتا ہے اور احاطہ کا خاصہ ہے اعتیاد اور اعتیاد کا خاصہ ہے ہیبت کی کمی۔ اھ

نمبر ۹۹ ایک طالب نے لکھا کہ ذکر لسانی پہلے سے کم اور قلبی پہلے سے زیادہ ہوتا رہا ہے۔ ذکر قلبی اکثر اوقات بہ آسانی جاری رہتا ہے مشغولی کار کے ساتھ بھی جاری رہتا ہے لیکن اکثر دماغی مصروفیت کے وقت بند ہو جاتا ہے۔ کوشش کرتا ہوں کہ ایسے وقت بھی بے تکلف جاری رہ سکے۔ جواب تحریر فرمایا کہ نہیں رہ سکتا کیونکہ ایک آن میں دو طرف توجہ نہیں ہوتی۔ لیکن اس جاری نہ رہنے سے کچھ ضرر نہیں باقی ذکر قلبی سو اگر اُس وقت ذکر لسانی دشوار ہو تو اس پر اکتفا کا مضائقہ نہیں ورنہ محض قلبی پر اکتفا نہ کیا جائے ذکر لسانی بھی اس کے ساتھ ضروری ہے خواہ قلبی میں اُس سے کچھ کمی ہی ہو جائے۔ اھ

نمبر ۱۰۰ ایک صاحب اجازت نے ایک طویل عریضہ لکھا جو اپنی نا اہلی اور حالت زار کے حسرت ناک حالات سے پُر تھا۔ جن کا حاصل یہ تھا کہ عمر قریب ختم پہنچی۔ لیکن دین کے کسی ایک شعبہ کی نسبت بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ صحیح ہے۔ کس کس حالت کی اصلاح کروں۔ بالخصوص جو شعبہ مشکل اور زیادہ قابل اہتمام ہے یعنی تکمیل اخلاق اس کا تو نام ہی لینا فضول ہے۔ اخلاق کا تو علم بھی پورا نہیں تا بہ عمل چہ رسد۔ بعض وقت یہ خیال ہوتا ہے کہ جانے دل میں ایمان بھی ہے یا نہیں اور نہ معلوم حق تعالےٰ کا ارادہ میرے ساتھ کیا ہے۔ اگر خدا نخواستہ خدا نخواستہ کچھ اور ارادہ ہوا تو کیا ہوگا۔ بعض وقت تو یہاں تک نوبت پہنچی ہے گو خیالی ہوتا ہے کہ

اگر کچھ اور ارادہ ہوتا تو اعمال حسنہ اور اصلاح کی توفیق کیوں نہ ہوتی کم سے کم کوئی ایک شعبہ تو دین کا درست ہوتا۔ راتوں کو میری نیند اڑ جاتی ہے جس وقت یہ خیال آتا ہے کہ آخر اس کا انجام کیا ہونا ہے اُس وقت سوائے اس کے کہ اس دعا پر اکتفا کرتا ہوں اور کچھ نہیں بن پڑتا۔ اللّٰھم لا تفعل بنا ما نحن لہ اھل وافعل بنا ما انت لہ اھل ۔

غرض خط کیا تھا ایک بہت طویل اور دردناک داستان غم و حسرت تھی جس کو مکتوب مقرح القلوب کہنا چاہیئے (مقرح بالقاف) اور آخر میں درخواست تھی کہ للہ کوئی ایسی بات ارشاد فرمائیں جو اطمینان بخش ہو۔ حضرت والا نے حسب ذیل جواب ارقام فرمایا جس کو مکتوب مفرح القلوب کہنا زیبا ہے (مفرح بالفاء)

مکتوب مُفرِّحُ القلوب

پورا کامل بجز انبیاء کے کوئی نہیں، اور وہ کاملین بھی اپنے کو کامل نہیں سمجھتے سب کو اپنے نقص نظر آتے ہیں خواہ وہ نقص حقیقی ہوں یا اضافی، اور نقص نظر آنے سے مغموم بھی ہیں اور مغموم بھی ایسے کہ اگر ہم جیسوں پر وہ غم پڑ جائے تو کسی طرح جانبر نہیں ہو سکتے۔ کمال کی تو توقع ہی چھوڑنا واجب ہے۔ ہاں سعی کمال کی توقع بلکہ عزم واجب ہے اور اس کا یہی رنگ ہوگا جو آپ مشاہدہ کر رہے ہیں اس کی مثال وہ مریض ہے جس کی تندرستی سے تو مایوسی ہے مگر فکر صحت اور اس کی تدبیر کا ترک جائز نہیں سمجھا جاتا۔ اور نجات بلکہ قرب بھی کمال پر موقوف نہیں فکر تکمیل پر موعود ہے۔ واللہ لا یخلف المیعاد۔ بس اسی طرح سے عمر ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت

اور بڑی نعمت ہے۔ وھذا ھو معنی ما قال الرومیؒ ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش — تا دم آخر دمے فارغ مباش

تا دم آخر دمے آخر بُود — کہ عنایت با تو صاحب سر بُود

سب سے اخیر میں خواہ اس کو اظہارِ حال کہئے یا آپ کی ہمدردی بار نخ التماس جو چاہے نام رکھئے یہ کہتا ہوں کہ میں بھی اسی کشمکش میں ہوں مگر اس کو مبارک سمجھتا ہوں جس کا یہ اثر ہے کہ یہ نہیں سمجھ سکتا کہ خوف کو غالب کہوں یا رجا کو مگر مضطر ہو کر اس دعا کی پناہ لیتا ہوں جس سے کچھ ڈھارس بندھتی ہے۔ اللھم کن لی واجعلنی لک والسلام فقط
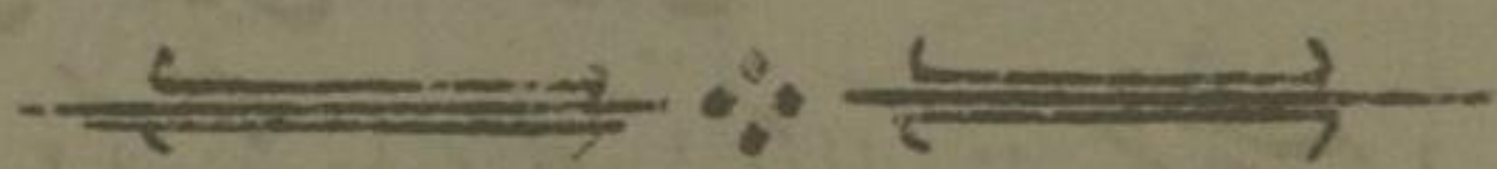
بعض ارشادات و افاضات حکمت آیات

حضرت حکیم الامت دامت فیوضہم العالیہ

از حسن العزیز جلد اول قلمبند کردۂ احقر

ترتیب السالک کے انتخاب سے فارغ ہونے کے بعد حسب الوعدہ حسن العزیز جلد اول سے بھی تھوڑا ملفوظ منتخب کئے گئے جن میں خاص طور سے اصول تعلیم سلوک ارشاد فرمائے گئے ہیں لیکن چونکہ یہ ارشادات بضمن افادات زبان فیض ترجمان سے صادر ہوئے ہیں اس لئے ان میں سے اکثر بہت طویل ہیں لہذا بخوف تطویل بجائے نقل

کرنے کے ان ملفوظات کے صرف نمبر ذیل میں درج کئے جاتے ہیں اور چونکہ وہ بہت دلچسپ واقعات پر مشتمل ہیں اس لئے بہ مناسبت مجموعہ ماسبق یعنی صدپند اشرف اس مجموعہ کا لقب صدقند اشرف رکھا جاتا ہے ناظرین کرام ان ملفوظات کو خاص طور سے اصل کتاب میں ملاحظہ فرمالیں بلکہ حسن العزیز جلد اول کل کی کل اس قابل ہے کہ اُس کو اشرف السوانح کا جزو سمجھا جائے کیوں کہ اس میں خود احقر کے دیکھے ہوئے اور سُنے ہوئے اور قلمبند کئے ہوئے واقعات وارشادات وحالات حضرت صاحب سوانح بہت مفصل بجمیع اجزائہا بطریق واقعہ نگاری مذکور ہیں جو علاوہ نہایت دلچسپ ہونے کے نہایت کارآمد اور نافع مضامین سے مملو ہیں۔

اسی طرح حُسن العزیز کی دیگر جلدیں بھی نیز کمالاتِ اشرفیہ اور انفاسِ عیسیٰ جو حضرت والا کے ارشادات وافاضات کے جامع ومانع اور مفید ونافع مجموعے ہیں خاص طور سے قابلِ ملاحظہ ہیں۔ اب سو ملفوظات مذکورہ بالا ملقب بہ صدقند اشرف کے نمبرہائے موعودہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں اور نمبروں کے ہندسوں کیساتھ ساتھ الفاظ میں بھی لکھا جائے گا تاکہ کتابت یا طباعت کی غلطی سے خلط وخبط نہ ہونے پائے۔

صدقند اشرف

(یعنی حسن العزیز جلد اول کے سو منتخب ملفوظات بصورت نمبرا

حسن العزیز جلد اول کے ملفوظات نمبری ذیل خاص طور سے قابل ملاحظہ ہیں کیونکہ

ان میں خاص طور سے اصول تعلیم سلوک اور اپنے خاص طرق تربیت ارشاد فرمائے گئے ہیں اور اس بنا پر وہ خاص طور سے باب ہذا ارشاد و افاضۂ باطنی کے مناسب ہیں:۔

نمبر شمار	نمبر ملفوظ	نمبر شمار	نمبر ملفوظ	نمبر شمار	نمبر ملفوظ	نمبر شمار	نمبر ملفوظ
۱	۱۳ تیرہ	۱۴	۳۹ انتالیس	۲۷	۷۷ ستتر	۴۰	۱۷۲ ایک سو بہتر
۲	۱۴ چودہ	۱۵	۴۰ چالیس	۲۸	۷۹ اناسی	۴۱	۱۷۵ ایک سو پچھتر
۳	۱۷ سترہ	۱۶	۴۱ اکتالیس	۲۹	۸۱ اکیاسی	۴۲	۲۱۵ دو سو پندرہ
۴	۱۸ اٹھارہ	۱۷	۴۸ اڑتالیس	۳۰	۸۵ پچاسی	۴۳	۲۱۶ دو سو سولہ
۵	۱۹ انیس	۱۸	۵۰ پچاس	۳۱	۸۶ چھیاسی	۴۴	۲۱۷ دو سو سترہ
۶	۲۱ اکیس	۱۹	۵۱ اکیاون	۳۲	۹۶ چھیانوے	۴۵	۲۲۶ دو سو چھبیس
۷	۲۳ تیئیس	۲۰	۵۶ چھپن	۳۳	۱۰۱ ایک سو ایک	۴۶	۲۳۶ دو سو چھتیس
۸	۲۴ چوبیس	۲۱	۵۹ انسٹھ	۳۴	۱۰۳ ایک سو تین	۴۷	۲۴۰ دو سو چالیس
۹	۲۵ پچیس	۲۲	۶۰ ساٹھ	۳۵	۱۰۵ ایک سو پانچ	۴۸	۲۴۸ دو سو اڑتالیس
۱۰	۲۹ انتیس	۲۳	۶۴ چونسٹھ	۳۶	۱۲۶ ایک سو چھبیس	۴۹	۲۴۹ دو سو انچاس
۱۱	۳۴ چونتیس	۲۴	۶۵ پینسٹھ	۳۷	۱۳۸ ایک سو اڑتیس	۵۰	۲۵۰ دو سو پچاس
۱۲	۳۵ پینتیس	۲۵	۷۴ چوہتر	۳۸	۱۵۴ ایک سو چون	۵۱	۲۷۳ دو سو تہتر
۱۳	۳۶ چھتیس	۲۶	۷۶ چھہتر	۳۹	۱۶۶ ایک سو چھیاسٹھ	۵۲	۲۸۰ دو سو اسی

نمبر صفحہ	نمبر ملفوظ	نمبر صفحہ	نمبر ملفوظ	نمبر صفحہ	نمبر ملفوظ	نمبر صفحہ	نمبر ملفوظ
۵۳	۲۸۲ دوسو بیاسی	۶۵	۴۲۱ چارسو اکیس	۷۷	۵۵۹ پانچسو اونسٹھ	۸۹	۶۱۹ چھ سو انیس
۵۴	۲۸۵ دوسو پچاسی	۶۶	۴۲۲ چارسو بائیس	۷۸	۵۶۶ پانچسو چھیاسٹھ	۹۰	۶۲۲ چھ سو بائیس
۵۵	۲۹۱ دوسو اکیانوے	۶۷	۴۳۷ چارسو سینتیس	۷۹	۵۷۰ پانچسو ستر	۹۱	۶۳۷ چھ سو سینتیس
۵۶	۳۰۳ تین سو تین	۶۸	۴۴۲ چارسو بیالیس	۸۰	۵۷۲ پانچسو بہتر	۹۲	۶۴۱ چھ سو اکتالیس
۵۷	۳۳۱ تین سو اکتیس	۶۹	۴۴۸ چارسو اڑتالیس	۸۱	۵۷۴ پانچسو چوہتر	۹۳	۶۴۵ چھ سو پینتالیس
۵۸	۳۸۲ تین سو بیاسی	۷۰	۵۱۶ پانچسو سولہ	۸۲	۵۸۵ پانچسو پچاسی	۹۴	۶۴۶ چھ سو چھیالیس
۵۹	۳۹۷ تین سو ستانوے	۷۱	۵۲۳ پانچسو تئیس	۸۳	۵۸۷ پانچسو ستاسی	۹۵	۶۴۹ چھ سو انچاس
۶۰	۴۰۰ چارسو	۷۲	۵۳۵ پانچسو پینتیس	۸۴	۵۹۲ پانچسو بانوے	۹۶	۶۵۰ چھ سو پچاس
۶۱	۴۰۵ چارسو پانچ	۷۳	۵۴۰ پانچسو چالیس	۸۵	۵۹۴ پانچسو چورانوے	۹۷	۶۶۱ چھ سو اکسٹھ
۶۲	۴۱۱ چارسو گیارہ	۷۴	۵۴۱ پانچسو اکتالیس	۸۶	۶۰۳ چھ سو تین	۹۸	۶۶۸ چھ سو اڑسٹھ
۶۳	۴۱۶ چارسو سولہ	۷۵	۵۴۵ پانچسو پینتالیس	۸۷	۶۱۰ چھ سو دس	۹۹	۶۶۹ چھ سو انہتر
۶۴	۴۲۰ چارسو بیس	۷۶	۵۴۶ پانچسو چھیالیس	۸۸	۶۱۵ چھ سو پندرہ	۱۰۰	۶۷۰ چھ سو ستر

اب تک اس باب میں حضرت والا کے جتنے ارشادات متعلق بہ افاضۂ باطنی موقع بہ موقع بصیرت افزائے ناظرین کرام ہوئے ہیں بالخصوص وہ تحریری ارشادات جو صد پندِ اشرف میں نقل کئے گئے ہیں اُن سے علی رؤس الاشہاد مشاہد

ہو گیا ہوگا کہ بعون اللہ تعالیٰ حضرت والا نے اُس تصوف کو جو مدّت مدید سے عام طور پر سر بسر ایک رازِ سربستہ سمجھا جاتا تھا بہمہ دلربائی و رعنائی منظرِ عام پر لا کھڑا کیا اور اس دولتِ باطنی کو جس کا حصول نہایت ہی دشوار خیال کیا جاتا تھا اور جس کو غلطی سے صرف خواص ہی کا حصہ مجھ لیا گیا تھا اپنی ذات میں نہایت سہل الحصول اور قابلِ دسترس ہر خاص و عام ثابت فرما دیا اور اپنے اس ارشاد کو جو حُسن العزیز جلد اول میں مذکور ہے من کل الوجوہ سچا کر کے دکھلا دیا کہ تصوف کوئی اجنبی چیز نہیں نہایت عقل کے موافق نہایت فطرت کے مطابق نہایت سہل اور نہایت دلچسپ چیز ہے اھ

اور فی الواقع حقیقی اسلام جس کا تصوف محض ایک مرادف ہے اسی شان کا ہونا چاہیے اور واقع میں وہ ہے بھی اسی شان کا۔

مضمون بالا کی تائید میں خود حضرت والا کا ارشاد بھی وعظ طریق القلندر سے مقتبساً درج ذیل کیا جاتا ہے وعظ مذکور کے ختم کے قریب نہایت وضاحت کے ساتھ طریق کی پوری حقیقت اور وصول الی المقصود کا نہایت جامع مانع دستور العمل اور اس کے سہل الحصول ہونے کو نہایت وثوق اور شدومد کے ساتھ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ رہ قلندر کی حقیقت تو بیان ہو چکی ہے مگر اس کا طریق عمل بیان کرنا بھی ضروری ہے کیوں کہ محض حقیقت کا معلوم ہو جانا عمل کے لئے کافی نہیں۔ لہذا رہ قلندر کی تحصیل کا طریق بھی بیان کرتا ہوں اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ایسا طریق ہے جو محبت اور عمل دونوں کا جامع ہے پس ان دونوں چیزوں کی تحصیل کا طریق معلوم ہونا چاہیے سو عمل کے متعلق تو خیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمت کرو

عمل ہو جائے گا پس اس کا یہی طریق ہے لیکن سوال یہ ہے کہ محبت کیوں کر پیدا ہو تو لیجئے میں اس کا ایک نسخہ لاکھوں روپیہ کا مفت بتائے دیتا ہوں وہ نسخہ مرکب ہے چند اجزا سے اور وہ سب چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں غور سے سنئے وہ چند چیزیں ہیں سب سے اول ہے عمل کیوں کہ میں اول ہی تقریر میں عرض کر چکا ہوں کہ عمل میں خاصیت ہے محبت پیدا کر دینے کی اور اس کو بہت بڑا دخل ہے محبت پیدا کرنے میں چاہے تجربہ کر لو روز روز کسی کے پاس جایا کرو دیکھو محبت ہو جائے گی۔ پہلے تھوڑی ہو گی۔ پھر جاتے جاتے ایسا تعلق ہو جائے گا کہ بہت ہی زیادہ۔ غرض یہ مسلم امر ہے کہ میل جول جتنا زیادہ ہو گا اتنی ہی زیادہ محبت ہو گی وہ جو کہتے ہیں پالے کی محبت اس کی یہی تو اصل ہے۔ غرض نیک عمل میں یہ برکت ہے کہ اُس سے محبت حق پیدا ہو جاتی ہے۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم تو مدّت سے نیک عمل کرتے ہیں مگر محبت پیدا نہیں ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ نیک عمل کے مفہوم میں ایک یہ ہی چیز تو نہیں کہ بس عمل کر لیا۔ بلکہ وہ مرکّب ہے اور اجزا سے بھی ایک جز تو عمل کرنا ہے دوسرا جزو یہ ہے کہ عمل کو اس کے طریق کے مطابق کیا جائے مثلاً صرف ٹکّریں مارنے کو نماز نہیں کہتے۔ نیک عمل جس طرح کیا جاتا ہے اور جو اُس کا مامور بہ طریق ہے اُس طریق سے اُس کو کرو۔ پھر دیکھو محبّت کیسے نہیں پیدا ہوتی۔ تیسری وجہ اثر نہ ہونے کی یہ ہے کہ تم نے عمل کو صرف عادت سمجھ کر کیا اس نیت سے نہیں کیا کہ اللہ کی محبت بڑھ جائے عمل میں یہ نیت نہیں کی کہ اے اللہ آپ کی محبت پیدا ہو جائے سو اس نیت سے عمل کرو پھر دیکھو انشاء اللہ کیسا اثر ہوتا ہے بہر حال ایک جز تو

اُس نسخہ کا یہ ہے کہ نیک عمل میں بہ نیت ازدیا و محبت استقامت کے ساتھ مشغول رہو۔ دوسری بات ضروری یہ ہے کہ اللہ کا نام لو جی لگا کہ یعنی تھوڑا تھوڑا اللہ اللہ بھی کرو۔ تیسری بات یہ ہے اور یہ بہت ہی ضروری ہے کہ اہل محبت کی صحبت اختیار کرو۔ اس سے لوگ بھاگتے ہیں۔ اول تو اس طرف توجہ ہی نہیں کہ کسی بزرگ کی خدمت میں جا کر رہیں۔ بس تھوڑی سی کتابیں پڑھ لیں اور سمجھ لیا کہ ہم کامل مکمل ہو گئے۔ بھلا زی کتابوں سے بھی کوئی کامل مکمل ہوا ہے ہاں تم کمبل تو ہو گئے یعنی کمبل پوش باقی نہ کامل ہوئے نہ مکمل۔ ارے بھائی موٹی بات ہے کہ بلا بڑھئی کے پاس بیٹھے کوئی بڑھئی نہیں بن سکتا حتیٰ کہ اگر بسولہ بھی بطور خود ہاتھ میں لے کر اُٹھائے گا تو وہ بھی قاعدہ سے نہ اٹھایا جا سکے گا۔ بلا درزی کے پاس بیٹھے سوئی کے پکڑنے کا انداز بھی نہیں آتا۔ بلا خوشنویس کے پاس بیٹھے ہوئے اور بلا قلم کی گرفت اور خط کی کشش کو دیکھے ہوئے ہرگز خوشنویس نہیں ہو سکتا۔ غرض بدون صحبت کامل کے کوئی کامل نہیں بن سکتا لہذا پیر کامل کی صحبت لازمی ہے۔ پھر تو ایسا ہوتا ہے کہ کبھی مرید پیر سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ مگر ابتداء میں تو کسی شیخ کامل کی صحبت کے بغیر چارہ نہیں۔ اور آج کل اسی کی ضرورت کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ کبھی کسی مصلح کے پاس گئے بھی تو وہاں تو ہوتی ہے اصلاح پہنچتے ہی لتاڑ پڑنا شروع ہو گئی۔ تو اب یہ حضرت گھبرائے کہ میاں کس مصیبت میں آ پھنسے۔ ہم تو آئے تھے بزرگ سمجھ کر انہوں نے لتاڑنا ہی شروع کر دیا یہ کیسے بزرگ ہیں یہ کیسے اللہ والے ہیں؟

اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی معدہ کا مریض طبیب کے پاس جا کر کہے کہ

دیکھو جی ہم اپنے گھر حلوے کھایا کرتے تھے حلوے ہی ہمارے لئے تجویز کرنا۔ ذرا حماقت تو دیکھئے حالانکہ خدا کے فضل سے آپ کو دست بھی ہو رہے ہیں۔ معدہ بھی خراب ہے ہضم بھی درست نہیں۔ یہ تو حضرت کی حالت اور حلوے کی فرمائش طبیب بھلا اس کی کیوں رعایت کرنا۔ اس نے اس کی حالت کے مناسب کڑوا مسہل تجویز کیا اور جب اس نے پینے سے انکار کیا اور تین پانچ کی تو گرا کر زبردستی چمچوں کے ذریعہ سے پلا دیا۔ لیکن اس نے قصداً قے کر کے سارے پئے ہوئے مسہل کو پیٹ سے نکال دیا۔ آپ قے کرتے جاتے ہیں اور بڑبڑاتے جاتے ہیں کہ واہ جی ہم تو اپنے گھر حلوے کھایا کرتے تھے۔ حکیم جی نے نہ جانے کیا الابلا پلا دی۔ کاش کوئی خیر خواہی سے کہتا کہ ارے بیوقوف تو کیا سمجھے تجھے جو وہ اس وقت کڑوا مسہل پلا رہا ہے تو تیرے ساتھ وہ دشمنی نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ دراصل وہ تجھے حلوے کھلانے کے قابل بنا رہا ہے ابھی تیرا معدہ حلوے کے قابل نہیں۔ ایسی ہی حالت میں حلوے کھانے سے تو تجھے دست ہو رہے ہیں۔ تو حضرت اصلاح تو اصلاح ہی کے طریقے سے ہوتی ہے۔ تم جو شیخ کے پاس اصلاح کی غرض سے آئے ہو تو اس کی سختی اور تعارض کو برداشت کرو۔ اور اگر برداشت نہیں ہے تو اصلاح کی درخواست ہی نہ کرو بھائی وہاں تو اصلاح اصلاح ہی کے طریقہ سے ہوگی۔ پھوڑا لے کر گئے ہو تو نشتر لگے ہی گا اب وہاں تو نشتر لگانا ضروری اور یہاں یہ حال ؎

تو بیک زخمے گریزانی ز عشق

تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق

بس نام ہی نام ہے عشق کا۔ ایک ہی زخم لگا تھا کہ بھاگے وہاں کا تو ادب یہ

ہے کہ :-

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش　　سست ریزندہ چو آب و گل مباش

ور بہ ہر زخمے تو پُر کینہ شوی　　پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

یہ مصیبت ہو گئی ہے۔ تو حضرت نرا وظیفہ اصلاح کے لئے ہرگز کافی نہیں۔ نرے وظیفے والے پیروں سے واللہ ثم واللہ جو کبھی اصلاح ہو۔ اصلاح تو ہوتی ہے اصلاح کے طریقہ سے۔ تو اہل محبت کے پاس جاؤ اور وہ جو کہیں وہ کر دیکھو تھوڑے دنوں میں دل نور سے معمور ہو جائے گا۔ اور خدا کی قسم اس قدر محظوظ ہوگے کہ تمہاری نظر میں پھر سلطنت کی بھی کچھ حقیقت اور وقعت نہ رہے گی حضرت حافظؒ فرماتے ہیں ؎

چو بیخود گشت حافظ کے شمارو

بہ یک جو مملکت کاؤس و کے را

جناب میرے پاس قسم سے زیادہ کوئی ذریعہ یقین دلانے کا نہیں اے صاحب میں مکرر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو اس طریق سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کر لے گا۔ وہ ایسا ہو جائے گا کہ پھر اس کو نہ موت کا خوف ہوگا نہ ذات الجنب کا نہ نمونیہ کا نہ بخار کا نہ قحط کا نہ وبار کا کوئی غم نہ رہے گا۔ بس بالکل جنت کی سی حالت ہو جائے گی۔ ہاں غم ہوگا تو ایک کہ اللہ میاں تو ناراض نہیں۔ خدا کے نزدیک میں کیسا ہوں۔ نہ جانے وہ مجھ سے راضی ہیں یا ناراض بس اس غم کے سوا اور کوئی غم نہ ہوگا۔ مگر یہ غم ایسا لذیذ ہے کہ ہزاروں خوشیاں اس پہ نثار۔ اس شخص سے اگر کوئی کہنے لگے کہ لاؤ تمہارا یہ غم تو ہم لے لیں اور اس کے عوض اپنی ساری خوشیاں تمھیں دے دیں تو کبھی نہ بدلے گا۔

توحضرت یہ دولت ملے گی اہل اللہ کے پاس جانے اور ان کا اتباع کرنے سے تو حاصل طریق کا یہ ہے کہ اعمال میں ہمت کر کے شریعت کے پابند ہو ظاہراً و باطناً اور اللہ اللہ کرو۔ اور کبھی کبھی اہل اللہ کی صحبت میں جایا کرو اور ان کی غیبت میں جو کتابیں وہ بتائیں ان کو پڑھا کرو۔ جی یہ چار چیزیں ہیں۔ میں ٹھیکہ لیتا ہوں کہ جو ان چار پر عمل کر کے دکھلا دے گا وہ یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ کا مصداق یعنی اللہ تعالیٰ کا محبوب اور محب ہو جائے گا ضرور ہو جائے گا ضرور بالضرور ہو جائے گا۔

تو صاحب اب اختیار ہے جو چاہے عمل کر کے دیکھ لے اور تجربہ کر لے اور اس کی ضرورت نہیں کہ مرید ہو جائے اجی کس کی پیری مریدی لئے پھرتے ہو یہ تو پکھنڈ ہے۔ بیعت کی صورت ضروری نہیں۔ اصل چیز بیعت کی روح یعنے اتباع ہے۔ غرض مرید ہونے کی ضرورت نہیں پیر کے کہنے کے مطابق کام شروع کر دو۔ بس ہو گیا تعلق واللہ وہی نفع ہو گا جو پیری مریدی میں ہوتا ہے۔ اب لوگوں کا عجب حال ہے کہ کام بتاؤ تو نہ کریں۔ بس بیعت کا نام کرنا چاہتے ہیں۔ بیعت کیا ہے محض رسم ہی رسم رہ گئی ہے چنانچہ جو پیر ایسے ہیں کہ مرید تو کر لیتے ہیں لیکن کام کچھ نہیں بتلاتے اُن سے تو لوگ بہت خوش ہیں اور میں مرید تو کرتا نہیں لیکن کام بتلاتا ہوں تو مجھ سے ناراض ہیں۔ یوں سمجھ رکھا ہے کہ جو بھید ہیں فقیری کے وہ جو اچھر ہیں پریم کے وہ مُریدوں ہی کو بتلائے جاتے ہیں۔ یہ خیال ہے کہ مُرید کرتے ہی پیر بس پریم کے دو اچھر بتا دے گا اور اللہ والے ہو جائیں گے۔ دھرے تھے اچھر، دھرے تھے بھید، ڈلے پتھر، میاں خدا و رسول کا نام لو اور احکام بجالاؤ۔ بس یہی اچھر ہیں۔ اصلاح نفس کے طریقے پیر سے پوچھو یہی بھید ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ کیا باطنی طریق بس یہی ہے تو ہم بآواز

دہل کہیں گے کہ ہاں یہی ہے - اور اس طریق میں کبھی بڑے بڑے حالات بھی پیش آئیں گے بڑی بڑی کیفیات بھی طاری ہونگی یہ سب ہوگا مگر یہ مقصود نہیں ہے۔

بھائی حالات تو سڑک کے پھولدار درخت ہیں۔ نظر آئے تو کیا نہ نظر آئے تو کیا۔ سڑک تو بہر حال قطع ہوگی۔ درختوں اور پھولوں کا نظر آنا نہ آنا سڑک کے قطع ہونے کے لئے ضروری نہیں۔ نظر پڑیں گے تب قطع ہوگی نہ نظر پڑیں گے تب قطع ہوگی بس چلتے رہنا شرط ہے اور بعضوں کو یہ درخت اور پھول عمر بھر بھی نظر نہیں آتے۔ واللہ جن حالات کو آپ بڑا کمال سمجھتے ہیں طریق میں بس ایسے ہیں جیسے سڑک پر دو طرفہ گلاب اور بیلے کے درخت لگے ہوں کبھی نیچی نظر کر کے چلتے ہیں تو کیا راستہ قطع نہیں ہوتا۔ راستہ تو برابر قطع ہوتا ہے چاہے درخت نظر پڑیں یا نہ پڑیں۔

افسوس تصوف کا ناس کر دیا ہے ان جاہل صوفیوں نے اور فقیری کو ہاؤ بنا رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے تم تو بیوی کو طلاق دے دو اولاد کو عاق کر دو۔ دروازہ کو تیغا کر دو۔ چالیس چنے رکھ لو اور ایک چنا روز کھاؤ۔ بدون اس کے اصل فقیری ملتی ہی نہیں۔ میں کہتا ہوں واللہ دو شالوں میں۔ گدے تکیوں میں۔ سلطنت میں مرغن کھانوں میں۔ فقیری ملتی ہے مگر گھر میں نہیں شیخ کامل کی خدمت میں ملتی ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ جن کی شان اتنی بڑی ہے کہ مولانا رومؒ جیسے عارف کی اُن کے بارہ میں یہ رائے ہے ؎

ہفت شہر عشق را عطار گشت

ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

وہ فرماتے ہیں ؎

گر ہوائے ایں سفر داری دلا   دامن رہبر بگیر و پس بیا
در ارادت باش صادق اے فرید   تا بیابی گنج عرفاں را کلید
بے رفیقی ہر کہ شد در راہِ عشق   عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق

مگر شیخ ہونا چاہئے کامل۔ اور کامل شیخ کی پہچان یہ ہے کہ شریعت کا پورا متبع ہو۔ بدعت اور شرک سے محفوظ ہو کوئی جہل کی بات نہ کرتا ہو اس کی صحبت میں بیٹھنے کا یہ اثر ہو کہ دنیا کی محبت گھٹتی جائے اور حق تعالیٰ کی محبت بڑھتی جائے اور جو مرض باطنی بیان کرو اس کو بہت توجہ سے سن کر اس کا علاج تجویز کرے اور جو علاج تجویز کرے اُس علاج سے دم بدم نفع ہوتا چلا جائے۔ اور اس کے اتباع کی بدولت روز بروز حالت درست ہوتی چلی جائے۔ یہ علامت ہے شیخ کامل کی۔ ایسا شخص اگر مل جائے تو وہ اکسیر اعظم ہے۔ تو یہ ہے طریقہ محبت پیدا کرنے کا۔ اس سے تو ہو گی محبت آگے رہا عمل تو اس کے لئے ضرورت ہو گی ہمت کی۔

اب ایک اور غلطی میں لوگ مبتلا ہیں کہ پیر بنا کر اس کو پلّہ دار اور ذمہ دار اعمال کا سمجھتے ہیں۔ اس میں ان کا قصور نہیں کیوں کہ ان کو بہکایا ہے دوکانداروں نے انہوں نے جاہلوں کو یہ پٹی پڑھا رکھی ہے کہ تمہیں کچھ عمل کرنے کی ضرورت نہیں بس ہمیں کر لیں گے۔ بس اب وہ سچے پیروں سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں چنانچہ میرے پاس خطوط آتے ہیں کہ صاحب تہجد کے لئے آنکھ نہیں کھلتی دعا کرو کہ آنکھ کھلا کرے میں لکھ دیتا ہوں کہ اچھا میں اس شرط پہ دعا کروں گا کہ آپ میرے لئے یہ دعا کر دیجئے کہ میری ایسی ٹانگیں ہو جائیں کہ میں روز کلکتہ پہنچ کر اور آپ کا ہاتھ

پکڑ کر آپ کو اُٹھا دیا کروں۔ بیوقوف ہوئے ہو۔ اگر آنکھ نہیں کھلتی تو میں کیا کروں۔ میاں اُٹھو کسی طرح اور اگر کسی طرح نہیں اُٹھا جاتا۔ تو عشاء کے بعد ہی تہجد کی رکعتیں پڑھ لیا کرو غرض ہر چیز کا علاج ہے۔

بعضے کہتے ہیں کہ وظیفہ پورا نہیں ہوتا۔ کوئی ایسی توجہ دیجئے کہ وظیفہ پورا ہو جایا کرے بس سارے کام توجہ ہی سے چلانا چاہتے ہو۔ لاؤ میں توجہ کی حقیقت ظاہر کر دوں۔ صاحبو کہیں دوسروں کی توجہ سے بھی کام چلتا ہے جب تک کہ خود توجہ نہ کرے اور ہمت سے کام نہ لے۔ سارا کام ہمت پر موقوف ہے۔ بیوقوف یوں سمجھتے ہیں کہ بس سب کچھ پیروں کے ہاتھ میں ہے۔ پیر تو بیچارے کیا چیز ہیں خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطالب کے لئے بہت چاہا کہ مسلمان ہو جائیں مگر ہدایت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کو ارشاد ہوا اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ یعنی آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ لیجئے جب خود حضور ہی اپنی توجہ سے ہدایت نہ کر سکے تو پیر بیچارے تو کیا کرتے دیکھا آپ نے۔ اب تو صاحبو آپ کو توجہ کی حقیقت معلوم ہو گئی۔

غرض یہاں تو جو کچھ حاصل ہوتا ہے کام کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور تم چاہتے ہو کہ کچھ کرنا نہ پڑے پیر کی توجہ ہی سے سب کام بن جائیں اور کمال حاصل ہو جائے۔ ارے بھائی جن سے یہ درخواست ہے پہلے ان سے تو تحقیق کر لو کہ انہیں جو کمال حاصل ہوا ہے وہ کاہے سے حاصل ہوا ہے۔ حضرت چکی پیسنے ہی سے حاصل ہوا ہے پہلے چکی پیسی پھر آٹا نکل آیا پھر پانی ڈال کر آٹا گوندھا پھر روٹی بنا کر توے

پر ڈالی پھر وہ پک گئی پھر کھالی۔ اب تم چاہتے ہو کہ کرنا تو کچھ نہ پڑے اور پیٹ بھر جائے۔ تم چاہتے ہو کہ ایسا پیر ملے جو پکی پکائی کھلا دے لیکن ایسا نہ ہوگا ع

این خیال است و محال است و جنوں

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پکی پکائی کھلائی ہی نہیں اور کسی کی تو کیا ہستی ہے اور کیا مجال ہے۔ حضور تو غایت شفقت سے بہت چاہتے تھے کہ پکی پکائی ہی کھلائیں مگر غیرت حق اور مصلحت دین کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت نہ دی تو بھائی خوب سمجھ لو کہ کام کرنے ہی سے کام چلے گا۔ بس طریق یہی ہے کہ کام کرو محنت کرو خدا برکت دے گا اگر کچھ حاصل کرنا چاہتے ہو تو بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ کام کرو جیسا کہ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ سے میں ثابت کر چکا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ جو پیر ایسا کامل مکمل ہو اور جس میں مذکورہ علامتیں ہوں اس کی خدمت میں رجوع کرو۔ لیکن بیعت پر اصرار نہ کرو۔ درخواست پر اگر وہ کرے اس کی عنایت ہے۔ باقی تم اس کو دق نہ کرو۔ پھر جو وہ کہے کرو۔ اگر محنت کرائے محنت کرو۔ ذکر و شغل کرائے ذکر و شغل کرو۔ غرض اس کی فکر میں لگ جاؤ کہ کسی کامل مکمل کی صحبت میسر آئے۔

اب آخر میں یہ عرض ہے کہ مقصود میں کوتاہی کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جو عمل میں کوتاہی کرتے ہیں ان کو چاہیئے کہ اپنے قصد کو پختہ کریں اور ہمت سے کام لیں۔ دوسرے وہ ہیں جن میں محبت کی کمی ہے وہ اہل محبت کی صحبت اختیار کریں۔ غرض یہ دونوں چیزیں لازم طریق ہیں ایک عمل دوسری محبت اول میں ہمت کی ضرورت ہے۔ دوسری میں اہل اللہ کی صحبت اور ان کے اتباع کی انتہی مافی طریق القلندر

ـــــــ ❀ ـــــــ

حضرت حکیم الامّت کے

بعض خاص خاص طرق تربیت

اب حسب وعدہ حضرت والا کے بعض خاص خاص طرق تربیت بھی مختصراً عرض کئے جاتے ہیں جن سے حضرت والا کی امتیازی شان ارشاد نمایاں ہوتی ہے اور چونکہ وہ بوجہ بالکل اصول صحیحہ کے مطابق اور موجودہ رنگ طبائع کے نہایت مناسب ہونے کے امر اصلاح میں غایت درجہ موثر اور نافع ثابت ہو چکے ہیں اس لئے اس قابل ہیں کہ مشائخ ان کو اپنا دستور العمل بنالیں لیکن محض نقل کافی نہ ہوگی فہم اور سلیقہ اور مناسبت بہرحال شرائط ضروریہ میں سے ہیں بفحوائے ارشاد حضرت عارف شیرازیؒ (جو کہ پہلے بھی ایک موقع پر عرض کیا جا چکا ہے) ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند　　نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست　　نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ اس جگہ استیعاب مقصود نہیں جو نہایت دشوار ہے بلکہ ناممکن کیوں کہ حضرت والا کے طرق اصلاح و تربیت کی بہت سی ایسی خصوصیات بھی ہیں جو نہ زبان سے ادا ہو سکتی ہیں نہ قلم سے۔ صرف صحبت طویلہ اور بغور تتبع واقعات ہی سے ذوقاً انکا ادراک و انکشاف ہو سکتا ہے۔ بفحوائے ؎

خوبی ہمیں کرشمۂ و ناز و خرام نیست   بسیار شیوہ ہاست بتاں راکہ نام نیست

لہٰذا محض نمونہ کے طور پر حضرت والا کے بعض خاص خاص اور صرف عملی اُصول تربیت مختصراً عرض کئے جاتے ہیں جو آج کل معمول بہا ہیں۔ پھر اُنہیں پر انشاء اللہ تعالےٰ اس باب کو ختم کر دیا جائے گا۔ وما توفیقی اِلّا باللہ ط

ہر چند نہ استیعاب مقصود ہے نہ اس وقت کوئی خاص ترتیب فی ہن میں ہے بلکہ خیال یہ ہے کہ کیفما اتفق حضرت والا کے جو اصول خاصہ یاد آتے چلے جائیں گے ان کو لکھتا چلا جاؤں گا تاہم اس مصلحت سے کہ یاد آنے میں قدرے سہولت ہو جائے اور خلط سے بھی کسی قدر حفاظت رہے احقر مذکورۂ ذیل پانچ عنوان قائم کئے لیتا ہے تاکہ ہر عنوان کے تحت میں اُسی کے مناسب اصول لکھتا چلا جائے اور حوالہ کی سہولت کے لئے ہر عنوان کے ذیلی نمبر بھی جداگانہ لگا دیئے جائیں گے۔

وہ پانچ عنوانات یہ ہیں۔

(۱) اُصول متعلقۂ بیعت (۲) اُصول متعلقۂ تعلیم و تربیت (۳) اُصول متعلقۂ خط و کتابت (۴) اُصول متعلقۂ واردین (۵) اُصول متفرقہ۔

جس طرح اسی باب کے پچھلے دو مجموعوں کے نام صد پند اشرف اور صد قند اشرف رکھے جا چکے ہیں اسی طرح اس مجموعہ کا نام بھی بلحاظ عدد عنوانات پنج گنج اشرف تجویز کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خزانہ بے بہا کو بسہولت و بحسن و خوبی مجتمع کرا دے اور مقبول فرما کر مجھ تہی دست کے لئے ذخیرۂ آخرت اور از قبیل باقیات الصالحات بنا دے۔ اور اس سے مسلمانوں کو تا قیامت متمتع فرماتا رہے۔ اور اس احقر ناکارہ کو بھی حضرت والا سے کامل مناسبت عطا فرما کر حضرت والا

کے حقائق و معارف کا جو سراسر علوم حضرت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ سے مستفاد ہیں - حامل اور حضرت والا کے زریں اُصول کا جو بالکل قرآن و حدیث اور عقل سلیم کے موافق ہیں عامل بنا دے - آمین ثم آمین -

گو اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس نا اہل کی طرف سے یہ دعا چھوٹا منہ بڑی بات ہے - کیوں کہ مجھ جیسے فاسد الاستعداد اور ناکارہ کی کیا ہستی اور کیا اوقات ہے - بلکہ اپنی حیثیت پر نظر کرتے ہوئے تو اس کی قبولیت ہی میرے نزدیک دعا بجملۂ مستبعدات ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ کی بڑی ذات ہے اس لئے اگر اصل دعا نہ بھی قبول ہوئی تب بھی انشاء اللہ تعالیٰ اس دعا سے بہرحال مجھ کو دارین میں امید اجر و برکات ہے - اور اسی امید پر اس کی جرأت بھی کی گئی ہے - اللہ تعالیٰ میری اس امید کو پورا فرمائے آمین ثم آمین - نیز اصل دعا کی قبولیت سے بھی کلی مایوسی نہیں حسب ارشاد حضرت مولانا رومی رح ؎

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست
با کریماں کارہا دشوار نیست

اب بنام خدائے تعالیٰ پنج گنج اشرف کو بہ ترتیب عنوانات مذکورۂ بالا لکھنا شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے اور بسہولت و بحسن و خوبی اتمام کو پہنچائے آمین یا رب العالمین -

پنج گنج اشرف

(یعنی اشرف المشائخ حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کے بعض خاص خاص اصول ارشاد و افاضۂ باطنی)

★

عنوانِ اوّل

اصول متعلقۂ بیعت

(۱) چونکہ آج کل بیعت کو عموماً لوازم طریق سے سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ اصل چیز استفاضہ ہے اس لئے حضرت والا اس غلو فی الاعتقاد کی اس طرح عملی اصلاح فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بیعت کی درخواست کرتا ہے تو اول اُس سے بیعت کی غایت دریافت فرماتے ہیں اور جب تک وہ صحیح غایت نہیں بتلاتا برابر استفسارات

فرماتے رہتے ہیں یہاں تک کہ یا تو حضرت والا کے استفسارات ہی سے سمجھ کر (جو ہمیشہ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ طریق سے ادنیٰ مناسبت رکھنے والا اُن سے بسہولت صحیح جواب مستنبط کر سکتا ہے) وہ خود ہی صحیح غایت بتا دیتا ہے یا اپنے عجز کا اقرار کر کے خود حضرت والا سے پوچھتا ہے اور پھر خود حضرت والا اس کو صحیح غایت بتلا دیتے ہیں اور شروع ہی میں بطور خود اس لئے نہیں بتاتے کہ جو بات مخاطب کی قوت فکریہ پر بوجھ پڑنے کے بعد سمجھ میں آتی ہے یا بتائی جاتی ہے وہ اس قدر پختگی کے ساتھ ذہن نشین ہوتی ہے کہ پھر کبھی ذہن سے نہیں نکلتی اور اسی نافعیت کی بنا پر حضرت والا تمام دورانِ تربیت میں اسی طریق تفہیم کا بکثرت استعمال فرماتے رہتے ہیں

غرض اگر کوئی طالب حضرت والا کے استفسار کے جواب میں بیعت کی غایت رضائے حق متعین کرتا ہے تو فرما دیتے ہیں کہ یہ غایت تو بیعت پر موقوف نہیں۔ اس کے حصول کے لئے تو تعلیم اور تعلیم پر عمل ہی کافی ہے۔ اور اگر وہ بیعت کی یہ غایت بتاتا ہے کہ شیخ سے مناسبت اور تعلق خاص پیدا ہو جائے تاکہ اس کی تعلیم زیادہ موثر ہو اور اس پر عمل آسان ہو جائے تو پھر یہ استفسار فرماتے ہیں کہ آیا صرف مرید ہی کو شیخ سے مناسبت ہو جانا کافی ہے یا اس کے علاوہ شیخ کو بھی مرید سے مناسبت ہونا ضروری ہے جب اس سے یہ اقرار کرا لیتے ہیں کہ جانبین میں مناسبت ہونا ضروری ہے تو فرماتے ہیں کہ اس کے لئے تو نری بیعت کافی نہیں بلکہ اور چیزیں بھی ضروری ہیں مثلاً کچھ دن پاس رہنا خصوصیات مزاج کا تتبع اور ان کی رعایت کرنا۔ چندے تعلیمی خط و کتابت جاری رکھنا وغیرہ۔ غرض جانبین کی مناسبت کے لئے نری بیعت کافی نہیں۔ بلکہ شیخ کو تو طالب

کے ساتھ زیادہ تر اس کے برتاؤ سے مناسبت پیدا ہوتی ہے - اھ

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت والا طالبین بیعت کے غلو فی الاعتقاد کی بڑے اہتمام سے اصلاح فرماتے ہیں - اور جب یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ اُن کے عقیدہ میں بجائے غلو کے اعتدال پیدا ہو گیا ہے تو پھر اس کا بھی انتظار نہیں فرماتے کہ وہ خود بیعت کی درخواست کریں، بلکہ بعض صورتوں میں از خود اُن کے اشتیاق کو پورا فرما دیتے ہیں چنانچہ ایک صاحب کو جو عرصہ سے بیعت پر اصرار کر رہے تھے پہلے تو سختی کے ساتھ انکار فرما کر مایوس کر دیا لیکن تعلیمی خط و کتابت برابر جاری رہی پھر کچھ دن بعد جب وہ حاضر ہوئے تو چونکہ وہ اصرار موقوف کر چکے تھے اور باوجود نادار ہونے کے فیض صحبت حاصل کرنے کے لئے دور کا سفر کر کے آئے تھے اور پھر ان کی تنگدستی نہ معلوم کب ان کو آنے کی اجازت دیتی ان وجوہ سے از خود اُن کے دیرینہ اشتیاق بیعت کو پورا فرما دیا۔

اسی طرح ایک دوسرے طالب جن کی تعلیم ایک مجاز کے سپرد ہے سالہا سال سے بیعت کے مشتاق تھے اور ہدیہ پیش کرنے کے بھی بہت شائق رہتے تھے لیکن بوجہ کم فہمی و بےفکری اور غلو فی الاعتقاد کے ہمیشہ حضرت والا کو اپنی بے عنوانیوں سے سخت ایذائیں پہنچاتے رہتے تھے - یہاں تک کہ حضرت والا نے رسمی ہدیہ اور بیعت سے ان کو بالکل یکسو کر دینے کی سخت ضرورت محسوس فرما کر اُن سے ایک حلف نامہ لکھوایا کہ نہ کبھی عمر بھر ہدیہ پیش کریں گے نہ درخواست بیعت کریں گے - اس کے بعد حضرت والا نے دیگر خدام سے اپنا خیال ظاہر فرمایا کہ ابھی تک وہ انہیں قصوں میں رہتے تھے اب جمعیت کے ساتھ اپنے کام میں لگیں گے جس سے انشاء اللہ تعالیٰ ان کو بہت

نفع ہوگا اور اپنا یہ خیال بھی ظاہر فرما دیا کہ اگر میں دیکھوں گا کہ وہ اب یکسو ہو گئے ہیں تو ارادہ ہے کہ کبھی میں ان کو خود ہی بیعت کر لوں گا اھ

احقر کے علم میں بعض ایسے حضرات بھی ہیں جنھوں نے حضرت والا سے دس دس برس تک محض تعلیم طریق حاصل کی اور اس درمیان میں انہیں نہ کبھی درخواست بیعت کی جرأت ہی ہوئی نہ انھوں نے اس کی کوئی ضرورت ہی سمجھی کیونکہ وہ حضرت والا سے بیعت کا ضروری نہ ہونا ہمیشہ سنتے رہتے تھے۔ اس کے بعد ایک بار کی حاضری میں بیعت کا دفعۃً خیال پیدا ہوا تو احباب سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت والا سے درخواست بیعت کی حضرت والا نے فرمایا کہ میں تو ہمیشہ یہی سمجھا کہ آپ مجھ سے بیعت ہیں۔ ایسی حالت میں بیعت کی ضرورت تو نہیں لیکن اگر آپ کی خواہش ہے تو میں نہایت خوشی کے ساتھ آپ کو بیعت کر لوں گا۔ کیونکہ جس چیز کا مجھے انتظار رہتا ہے یعنی باہم مناسبت اور صحت عقیدہ وہ بفضلہ موجود ہی ہے پھر مجھے انکار ہی کیا ہو سکتا ہے اھ چنانچہ بیعت فرما لیا اور اب بفضلہ تعالیٰ وہ مجاز بیعت بھی ہیں۔

اسی طرح بعض صاحبان حضرت والا سے تعلیم حاصل کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت والا نے اُن کو اخذ بیعت کی اجازت عطا فرمائی اس وقت انھوں نے عرض کیا کہ ابھی تو حضور نے مجھ کو بیعت ہی سے مشرف نہیں فرمایا چنانچہ اُن کو مجاز بیعت بنا دینے کے بعد بیعت فرمایا گیا۔

غرض حضرت والا علماً و عملاً اس امر کو اچھی طرح ذہن نشین فرماتے رہتے ہیں کہ حصول مقصود کا مدار بیعت پر نہیں بلکہ نری تعلیم تو حصول مقصود کے لئے بالکل کافی ہے لیکن نری بیعت ہرگز کافی نہیں۔

کل ہی ارشاد فرمارہے تھے کہ صورت بیعت کا محض وہ درجہ ہے جو پھولوں کی کیاری میں گھاس کا ہوتا ہے کہ اُس سے ایک خوشنمائی تو ضرور پیدا ہو جاتی ہے اور پھولوں کی رونق بڑھ جاتی ہے لیکن پھولوں کے نشو و نما میں گھاس کا کچھ بھی دخل نہیں۔ اگر کیاری میں گھاس نہ بھی لگائی جائے محض پھولوں کے پودے ہی لگا دیئے جائیں تب بھی پھول اپنی ساری صفات اور اپنی اصلی آب و تاب ہی کے ساتھ اُگیں گے۔ کیاری میں گھاس نہ ہونے کی وجہ سے اُن کی ذات میں کسی قسم کا نقص پیدا ہوں گے۔ کیاری میں گھاس نہ ہونے کی وجہ سے اُن کی ذات میں کسی قسم کا نقص واقع نہ ہوگا۔ بیعت کی حقیقت کے متعلق حضرت والا نے عرصہ ہوا ایک طالب سے بہت واضح تقریر فرمائی تھی جسکو حسن العزیز جلد اول کے ملفوظ نمبر ۵۹ سے بلفظہ نقل کیا جاتا ہے تاکہ بیعت کے متعلق سب اُمور مالہ وما علیہ ناظرین کے پیش نظر ہو جائیں۔ وہ تقریر یہ ہے۔

فرمایا کہ بیعت کی ایک صورت ہوتی ہے ایک حقیقت اسکی صورت مطلوب نہیں حقیقت مطلوب ہے۔ چنانچہ بیعت کی حقیقت ہے اعتقاد و اعتماد جازم اپنے تعلیم کرنے والے پر یعنی اس کو یہ یقین ہو کہ یہ میرا خیر خواہ ہے اور جو مشورہ دے گا وہ میرے لئے نہایت نافع ہوگا غرض اس پر پورا اطمینان ہو اور اپنی رائے کو اس کی تجویز و تشخیص میں مطلق دخل نہ دے جیسا کہ طبیب حاذق و مشفق کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے بس ویسا ہی اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے باقی رہی بیعت کی صورت وہ اول وہلہ میں خواص کے لئے نافع نہیں عوام کے لئے البتہ اول وہلہ میں بیعت کی صورت بھی نافع ہوتی ہے کیوں کہ اُس سے اُن کے قلب پر ایک عظمت اور شان اُس شخص کی طاری ہو جاتی ہے جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ اس کے قول کو با وقعت سمجھ کر اس پر عمل کرنے

کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔ خواص کے لئے کچھ مدت کے بعد بیعت نافع ہوتی ہے کیونکہ اس کا خاصہ ہے کہ جانبین میں ایک تعلق خاص پیدا ہو جاتا ہے۔ پیر سمجھنے لگتا ہے کہ یہ ہمارا ہے اور مرید سمجھتا ہے کہ یہ ہمارے ہیں۔ ڈانوا ڈول حالت نہیں رہتی۔ جس طرح اگر کوئی مریض ہمیشہ کسی ایک ہی طبیب سے رجوع کرتا ہو تو وہ طبیب یہ سمجھنے لگتا ہے کہ ہمارا مریض ہے۔ اور لوگوں سے کہتا بھی ہے کہ بھائی یہ ہمارے ہیں اسی طرح مریض طبیب کو سمجھتا ہے کہ یہ ہمارے ہیں اور اگر ایسا مریض ہو کہ کبھی ایک طبیب سے رجوع کرتا ہو کبھی دوسرے سے تو اس پر پوری شفقت کسی کو بھی نہیں ہوتی۔ ہر طبیب یہی سمجھتا ہے کہ اس کو ہم سے کوئی خاص تعلق نہیں۔ یہ تو یہاں بھی آتا ہے اور فلاں فلاں جگہ بھی جاتا ہے۔ مگر یہ نفع خواص کو اول وہلہ میں بیعت سے حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ جانبین میں پوری طرح مناسبت اور اطمینان نہ ہو جائے۔ جب تک یہ حالت نہ ہو بیعت کرنا کرانا بالکل عبث ہے۔ انتہیٰ۔

اسی طرح ایک بار فرمایا کہ بیعت کا لطف تو جبھی ہے جب پہلے تعلیم حاصل کرے اور پھر بیعت ہو کیونکہ ظاہر ہے کہ جب اس کو تعلیم سے نفع ہو گا تو اپنے معلم سے محبت پیدا ہو جائے گی پھر محبت پیدا ہو جانے کے بعد بیعت میں جو لطف ہو گا وہ قبل اس کے کہاں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک تو عقد کی یہ صورت ہے کہ ماں باپ نے جس کے ساتھ چاہا نکاح کر دیا پھر اس کے بعد تعلق پیدا ہوا وہ تعلق تو بس یا اس کا مصداق ہو گا ؎

نہ عشقے کہ بندند بر خود بزور

اور ایک صورت یہ ہے کہ اتفاقاً اضطراراً کسی پر عاشق ہو گئے۔ پھر حد و عفت میں

نہایت سختی کے ساتھ رہ کر اس کی کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح نکاح ہوجائے چنانچہ جد وجہد بسیار اور شدید کلفت انتظار اور بڑی تمناؤں کے بعد خدا خدا کرکے اس میں کامیابی ہوئی اور نکاح ہوگیا۔ تو اب دیکھ لیجئے کہ نکاح کی ان دونوں صورتوں کے لطف میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ اھ

ایک بار تاخیر بیعت میں یہ مصلحت بھی بیان فرمائی کہ اُمید بیعت میں طالب اپنی اصلاح کی اور مناسبت پیدا کرنے کی بہت کوشش کرتا ہے ورنہ اگر درخواست پر فوراً بیعت کرلیا جائے تو پھر بے فکر ہوجاتا ہے اھ

غرض حضرت والا کو اس کا بڑا اہتمام ہے کہ لوگوں نے جو بیعت کے متعلق عقیدہ میں غلو کر رکھا ہے اس کی اصلاح ہو کیوں کہ جو چیز جس درجہ کی ہو اس درجہ سے اس کو بڑھانا بھی بدعت ہے۔

تصحیح عقیدہ کے بعد بھی حضرت والا عموماً ابتداء میں بیعت اور تعلیم دونوں کو جمع نہیں فرماتے بلکہ اگر بیعت فرماتے ہیں تو تعلیم کسی اپنے خلیفہ مجاز کے سپرد فرما دیتے ہیں اور اگر تعلیم خود اپنے ذمہ لیتے ہیں تو اس صورت میں بیعت نہیں فرماتے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اول خود طالب سے پوچھتے ہیں کہ بیعت ہونا چاہتے ہو یا تعلیم حاصل کرنا اور یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ میرے یہاں بیعت اور تعلیم دونوں جمع نہیں ہوتیں۔ اس پر اگر وہ بیعت کی درخواست کرتا ہے تو اسی سے اندازہ فرما لیتے ہیں کہ وہ خوش فہم نہیں ورنہ جو اصل مقصود ہے یعنی تعلیم اس کی درخواست کرتا۔ ایسی حالت میں اگر اس کو اپنے سے تعلیم حاصل کرنے کی بھی اجازت دے دی جائے تو اُس سے ایذائیں پہنچنے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے لہذا شرائط ضروریہ پوری کرانے

کے بعد جو انشاء اللہ تعالیٰ بعد کو نقل کی جائیں گی اس کی تعلیم تو اپنے کسی خلیفۂ مجاز کے سپرد فرما دیتے ہیں اور بیعت خود فرما لیتے ہیں اور اگر وہ تعلیم کی درخواست کرتا ہے تو اُس سے اُس کی خوش فہمی کا غالب گمان ہوتا ہے کہ یہ اصل مقصود کا طالب ہوا۔ لہٰذا اس کو تعلیمی خط و کتابت کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی جاتی ہے لیکن اگر اس خط و کتابت کے بعد اُس کی خوش فہمی کا گمان غلط ثابت ہوتا ہے تو پھر اس کو بھی اپنے کسی خلیفۂ مجاز ہی کے سپرد فرما دیا جاتا ہے اور جب تک کہ ایک معتد بہ مدّت کے تجربہ کے بعد وہ خلیفۂ مجاز اس کی تصدیق نہیں کر دیتے کہ اُس طالب کو خود حضرت والا سے تعلیم حاصل کرنے کا سلیقہ پیدا ہو گیا ہے نیز جب تک حضرت والا اُس تعلیمی خط و کتابت کو دیکھ کر جو خلیفۂ مجاز سے ہوئی ہے خود بھی اپنا اطمینان نہیں فرما لیتے اس کو اپنے سے تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں عطا فرماتے۔

چونکہ حضرت والا بیحد لطیف المزاج ہیں اس لئے اگر ابتدا ہی میں تعلیم اور بیعت دونوں کو جمع کر دیا جائے تو طالبین کی بے تمیزیوں اور بے اُصول باتوں سے بہت ایذائیں پہنچیں جو تعلق بیعت قائم ہو جانے کے بعد خاص طور سے بہت ناگوار ہوتی ہیں اور چونکہ شیخ کے قلب کا تکدر مُرید کے لئے سمِ قاتل ہے اس لئے حضرت والا کا یہ دستور العمل سراسر مصلحت طالبین پر مبنی اور بالکل اُصول صحیحہ کے مطابق ہے۔ اب اس دستور العمل کی بعض خاص تفصیلات بھی عرض کی جاتی ہیں۔

جب کوئی طالب حضرت والا سے رجوع کرتا ہے خواہ تقریراً یا تحریراً حاضراً یا غائباً تو بجز خاص اطمینانی مواقع کے ایک مطبوعہ پرچہ حوالہ فرما دیا جاتا ہے جس میں

بیعت بلا تعلیم اور تعلیم بلا بیعت کی شرائط جُدا جُدا درج ہیں جو ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔

شرائط بیعت بلا تعلیم

۱۔ قرآن مجید جتنا پڑھا ہے یا جتنا یاد ہے کسی صحیح پڑھنے والے سے صحیح کرنا ہوگا۔

۲۔ بہشتی زیور کے سب حصّے یا سات حصّے اور بہشتی گوہر اور اصلاح الرسوم اور قصد السبیل کی تدریجاً پڑھ کر یا سن کر اس کی پابندی کرنا ہو گی۔

۳۔ میرے چھپے ہوئے وعظ ہمیشہ پڑھنا یا سننا پڑیں گے۔

۴۔ ابتدائی تعلیم میرے کسی اجازت یافتہ سے (جس کو میں تجویز کر دوں یا طالب کی تجویز پر اجازت دے دوں) حاصل کرنا ہو گی اور جب تک پچیس بار اُن سے خط و کتابت نہ ہو چکے براہ راست مجھ سے تعلیم کی استدعا نہ کی جائے۔

شرائط تعلیم بلا بیعت

اگر فی الحال بیعت پر اصرار نہ ہو۔ صرف تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو صرف اول تین شرطوں کی پابندی لازم ہوگی۔ چوتھی شرط نہ ہو گی۔ پھر جب باہم خوب مناسبت ہو جائے اُس وقت درخواست بیعت کا بھی مضائقہ نہیں۔

تنبیہ ابتداء میں بیعت و تعلیم دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔

(اشرف علی)

شرائط مذکورۂ بالا میں سے ہر شرط کا فرداً فرداً اور واضح جواب طلب فرمایا جاتا ہے اور جب تک یہ اطمینان نہیں فرما لیتے کہ جو کچھ لکھا ہے اچھی طرح سمجھ کر لکھا ہے فیصلہ نہیں فرماتے۔ نیز خانقاہ میں رہتے ہوئے بیعت یا تعلیم کسی امر کے متعلق نہ زبانی کوئی گفتگو فرماتے ہیں نہ تحریری اجازت دیتے ہیں بلکہ پرچہ شرائط حوالہ فرما کر فرما دیتے ہیں کہ اس کے متعلق جو کچھ لکھنا ہو اپنے مستقر پر پہنچ کر لکھنا جو مناسب ہو گا جواب دیا جائے گا۔ اھ

یہ معمول اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ اکثر نو واردین بے اصول جوابات دے دے کر حضرت والا کو بہت اذیت پہنچاتے تھے جس سے باہم بے لطفی کی نوبت آجاتی تھی۔ رہا یہ امر کہ خانقاہ میں رہتے ہوئے تحریری جوابات دینے کی بھی کیوں ممانعت ہے اس کی یہ وجہ ہے کہ جو شخص خانقاہ میں موجود ہو اس کی تحریری غلطیوں پر بھی زبانی فہمایش کرنے کا بالطبع تقاضا پیدا ہوتا ہے جس کا نتیجہ بالآخر پھر وہی بے لطفی ہے جس سے بچنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

خط و کتابت کے بعد جن صاحبوں کی درخواست بیعت بلا تعلیم منظور فرمانا ہوتی ہے ان کو لکھ دیا جاتا ہے کہ میرا یہ خط میرے فلاں تجویز کردہ اجازت یافتہ کے پاس بھیج کر اُن سے تعلیم حاصل کرنا شروع کر دیا جائے اور جب اُن کا تعلیمی خط مع میرے اس خط کے میرے پاس بھیج کر مجھ سے بیعت کی درخواست کی جائے گی میں بیعت کر لوں گا۔ چنانچہ جب وہ صاحب ایسا کرتے ہیں حضرت والا ان کو بلا تامل بیعت فرما لیتے ہیں لیکن خط کے ذریعہ سے بیعت فرماتے ہیں محض بیعت ہونے کے لئے سفر کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ کیوں کہ یہ مقصود تو خط کے ذریعہ سے

بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

جن صاحبان کو بیعت بلا تعلیم سے مشرف فرمایا جاتا ہے اُن کو کسی قسم کی تعلیمی خط و کتابت کی اجازت نہیں ہوتی البتہ محض طلبِ دعا اور دریافت خیریت کے لئے خط لکھنے کی اجازت عطا فرما دی جاتی ہے۔

یہ معاملہ تو ان حضرات کے متعلق مذکور ہوا۔ جو بیعت بلا تعلیم چاہتے ہیں اور جو حضرات مذکورہ بالا پرچہ شرائط دیکھ کر تعلیم بلا بیعت کے خواستگار ہوتے ہیں حضرت والا اِن کی خوش فہمی پر مسرور ہوتے ہیں کہ انہوں نے محض بیعت پر محض تعلیم کو جو اصل مقصود ہے ترجیح دی اور ان کو تعلیمی خط و کتابت کی اجازت مرحمت فرمائی جاتی ہے لیکن اگر وہ دورانِ خط و کتابت میں فہم و فکر سے کام نہیں لیتے اور بے اصول باتیں لکھ لکھ کر اذیت پہنچانے لگتے ہیں اور اُن سے جلدی مناسبت پیدا ہونے کی توقع نہیں رہتی تو پھر جانبین کی مصلحت کی بنا پر ان کو بھی اپنے کسی خلیفۂ مجاز سے تعلیم حاصل کرنے کی ہدایت فرما دی جاتی ہے اور یہ بھی تحریر فرما دیا جاتا ہے کہ اگر مجھ سے کسی ایسے خلیفہ کا پتہ پوچھا جائے گا تو میں بتا دوں گا چنانچہ جب وہ پوچھتا ہے تو پتہ بھی بتا دیا جاتا ہے بے پوچھے اور بطورِ خود نہیں بتاتے تاکہ اُس معلم کی بے وقعتی نہ ہو۔ اور اسی امر میں نہیں بلکہ ہر امر میں حضرت والا کو اس کا بہت ہی زیادہ اہتمام رہتا ہے کہ طرق کی اور مطلوب کی وقعت میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آنے پائے۔ جب تک طالب میں طلب صادق نہیں پاتے اس کو منہ بھی نہیں لگاتے۔

غرض اگر کوئی زِ تعلیمی خط و کتابت کے دوران میں ایذائیں پہونچاتا ہے تو اس کی تعلیم

کسی اپنے خلیفۂ مجاز کے سپرد فرما دی جاتی ہے اور اس کی اکثر یہ ترتیب ہوتی ہے
کہ اول سخت سخت تنبیہات کی جاتی ہیں جب انکا اثر نہیں ہوتا تو خط بھیجنے کی ممانعت
فرما دی جاتی ہے پھر وہ بلا واسطہ یا بواسطہ معافی چاہتا ہے اور اکثر بواسطہ ہی معافی
کے بارہ میں تحریر یا تقریر کی اجازت ملتی ہے کیونکہ طلب معافی میں بھی بکثرت بےعنوانیوں
کا ظہور ہوتا ہے جو واسطہ نہ ہونے کی صورت میں پہلے سے بھی زیادہ تکدر بڑھ جانے
کی موجب ہو جاتی ہیں۔ لیکن واسطہ کو صرف سفیر بننے کی اجازت ہوتی ہے نہ کہ وکیل
بننے کی اور اس کو اس کی سخت ممانعت ہوتی ہے کہ ذی واسطہ کو کوئی مشورہ دیا
جائے یا اس کی سفارش کی جائے۔ اور اگر کوئی واسطہ اس کے خلاف کرتا ہے۔
تو وہ خود مورد عتاب ہو جاتا ہے اور پھر طالب کو کوئی دوسرا واسطہ تلاش کرنا پڑتا ہے
لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت والا کے ان اصول سے سب پاس رہنے
والے اچھی طرح واقف ہیں کسی کو خلاف ورزی کی جرأت نہیں ہوتی۔

غرض جن طالبین سے یہ توقع نہیں ہوتی کہ وہ خط و کتابت میں آئندہ اذیت
نہ پہنچائیں گے۔ ان کو حضرت والا معافی تو عطا فرما دیتے ہیں لیکن اس شرط پر کہ مجھ
سے تعلیم حاصل کرنے کا تعلق نہ رکھا جائے۔ مگر اس حالت میں بھی از راہ خیر خواہی
یہ تحریر فرما دیتے ہیں کہ اصلاح کرانا بہرحال ضروری ہے اگر مجھ سے دوسرے مصلح کا
پتہ پوچھا جائے گا تو میں بتا دوں گا۔ چنانچہ جب وہ پتہ پوچھتا ہے تو بتا دیتے ہیں
اور اگر طالب اپنا میلان کسی خاص مصلح کی جانب ظاہر کرتا ہے۔ تو اکثر اسی کو تجویز
فرما دیتے ہیں۔ ورنہ خود جس کو مناسب خیال فرماتے ہیں تجویز فرما دیتے ہیں اور اس
تجویز میں بعض اوقات قرب وطن یا دیگر مناسبات کا بھی لحاظ فرما لیتے ہیں ایسے

صاحبان کو بھی جن کو ایذا دہی کی بنا پر دوسروں کے سپرد فرما دیا جاتا ہے اگر وہ محض طلب دعا اور دریافت خیریت کے لئے خط بھیجنے کی اجازت چاہتے ہیں تو اجازت مرحمت فرما دی جاتی ہے لیکن ان سے ایک خاص مسودہ لکھوا کر بعد منظوری اس پر اپنے دستخط فرما دیئے جاتے ہیں اور ارشاد فرما دیا جاتا ہے کہ بس اسی کی لفظ بہ لفظ نقل بھیجی جایا کرے ایک لفظ کی بھی کمی بیشی نہ ہو اور اس مسودہ کو بھی ہر بار ہمراہ بھیجا جائے۔ تاکہ مقابلہ کیا جا سکے اھ

یہ قید اس لئے لگائی گئی کہ بعضوں نے طلب دعا و دریافت خیریت کے ضمن میں بھی ایسے مضامین لکھ دیئے جن سے اذیت ہوئی۔

غرض ماشاء اللہ تعالیٰ حضرت والا کی جو بات بھی ہے نہایت با ضابطہ اور با اصول ہے۔ لیکن یہ بھی بارہا فرمایا کہ مجھے انتظامات کا خواہ مخواہ شوق نہیں ہے، بلکہ مجھے تو ان فضول سے وحشت ہے کیوں کہ میری طبیعت فطری طور پر بہت آزاد ہے مگر جہاں ضرورت ہو اور بدون انتظامات کے کام ہی نہ چلے وہاں منتظم ہونا ہی پڑتا ہے اور وہاں منتظم ہونا ہی ضروری ہے بلکہ جہاں ضرورت ہو وہاں تو انتظامات میں مجھے بجائے مشقت اور وحشت کے نہایت مسرت اور دلچسپی ہوتی ہے۔ اور میں نے یہ قواعد سوچ سوچ کر بلا ضرورت پہلے سے تجویز نہیں کئے۔ بلکہ جیسے جیسے معاملات لوگ میرے ساتھ کرتے گئے اور ان کی بنا پر جیسی جیسی ضرورت پیش آتی گئی قواعد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ باقی خدا نہ کرے مجھ کو کوئی شوق تھوڑا ہی ہے خواہ مخواہ قواعد بنانے کا اور لوگوں کو تنگی میں ڈالنے کا استغفر اللہ بلکہ واللہ مجھے بعض ضابطے کے قواعد تجویز کرتے وقت نہایت شرم آتی کہ یہ کیا واہیات عدالتوں

کے سے ضابطے ہیں لیکن کیا کرتا ضرورتوں نے مجبور کر دیا۔

میرا مقصود ان قواعد سے صرف یہ ہے کہ نہ مجھے کوئی اذیت ہو نہ دوسروں کا کوئی کام اٹکے۔ ورنہ اگر یہ قواعد نہ ہوتے تو بڑی گڑبڑ رہتی۔ نہ مجھی کو راحت ملتی نہ لوگوں ہی کے کام بنتے اب تو بفضلہ تعالیٰ دونوں کی مصلحتیں پوری ہو رہی ہیں۔ میرے قواعد اپنی ذات میں تو بالکل سہل ہیں البتہ میں ان کی پابندی خود بھی سختی سے کرتا ہوں اور دوسروں سے بھی ان کی پابندی سختی سے کراتا ہوں۔ بس اس پابندی ہی سے لوگ گھبراتے ہیں حالانکہ بلا تشبیہ شرائع کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنی ذات میں تو بالکل سہل ہیں چنانچہ نصوص صریحہ سے ان کا سہل ہونا ثابت ہے خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-
یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ اور حدیث میں ہے الدین یُسْرٌ لیکن ان کی پابندی سختی سے کرائی جاتی ہے اور ان کے ترک پر سخت سخت وعیدیں ہیں۔ چنانچہ نماز اپنے ارکان و شروط کے لحاظ سے بہت سہل عمل ہے۔ اور معذوری کی حالت میں اس کے اندر اور بھی زیادہ سہولتیں رکھ دی گئی ہیں لیکن اس کی پابندی بہت سختی کے ساتھ کرائی گئی ہے اور اس کے ترک پر دنیا و آخرت میں سخت سخت وعیدیں اور سزائیں ہیں۔ دنیا میں تو بعض ائمہ نے ترک نماز پر سزائے قتل تک کا فتوے دیا ہے اور بعض نے حبس دوام کا اور آخرت میں فرعون و ہامان کے ساتھ دوزخ میں جانے کی وعید وارد ہے۔ غرض اس قانون کو ہرگز سخت نہیں کہہ سکتے جو اپنی ذات میں تو سہل ہو لیکن اس کی پابندی سختی سے کرائی جائے اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ یہ مضمون اسی باب میں حضرت والا کے طرز سیاست

کے بیان میں بھی بہ تفصیل بیان کیا جا چکا ہے۔

نمبر ۲ حضرت والا ایسوں کو ہرگز بیعت نہیں فرماتے جن سے قلب میں کسی قسم کا حجاب ہو۔ خواہ اختلاف طبائع کے سبب سے خواہ اختلاف مسلک کے سبب سے خواہ کسی خاص نوعیت کی وجاہت کے سبب سے۔ چنانچہ اختلاف طبائع کی بنا پر تو آئے دن بیعت سے انکار فرماتے رہتے ہیں بلکہ تعلیم و تلقین بھی دوسروں کے سپرد فرما دیتے ہیں جیسا نمبر ا میں ابھی بہ تفصیل مذکور ہوا کیوں کہ حضرت والا کو اللہ تعالے نے بالطبع نہایت لطیف المزاج اور ذکی الحس پیدا فرمایا ہے اور ذکر و فکر نے اس فطری لطافت اور ذکاوت حس کو اور بھی چار چاند لگا دئے ہیں۔ اس لئے طالبین کا ذرا سا بے ڈھنگا پن بھی نہایت ایذا دہ ہوتا ہے مگر وہی بے ڈھنگا پن جو بیفکری اور قلت اہتمام و قلت ادب طریق سے ناشی ہو ورنہ بہت سے دیہاتی آ آ کر حضرت والا سے گنوار پنے کی باتیں کیا کرتے ہیں اور حضرت والا بجائے ناخوش ہونے کے ان کی باتوں سے بہت لطف اندوز ہوا کرتے ہیں اور اکثر ان کی بے تکلفی اور سادگی کے واقعات کو نہایت لطف لے لے کر بعد کو بھی بیان فرمایا کرتے ہیں۔

ادھر تو حضرت والا کی اس درجہ لطافت مزاج اور ذکاوت حس اور ادھر آج کل کی عام طبائع میں انتہا درجہ کی بے انتظامی اور بے اصولی بمصداق قول احقر ؎

الہی خیر ہو مجذوب مے خانہ میں آیا ہے
قدح کش لا ابالی جام نازک نازنین ساقی

اور غالباً بضرورت اصلاحِ عامۃ الناس ہی اللہ تعالیٰ نے ایسا مصلح مناسب زمانہ اس صدی میں پیدا فرمایا ہے۔ لہذا ابتداءً حضرت والا کو بہت ہی کم طالبین سے موافقت اور مناسبت ہوتی ہے اور زیادہ تر اسی وجہ سے اکثر حضرت والا بیعت اور تعلیم و تلقین میں تامل اور تاخیر فرماتے ہیں۔ بالخصوص بیعت تو اس وقت تک فرماتے ہی نہیں جب تک ہر طرح کا اطمینان نہ ہو جائے اور مناسبت کے متعلق پورا شرح صدر نہ ہو جائے۔

کل ہی کی مجلس میں اپنے طرزِ سیاست کے متعلق فرما رہے تھے کہ جو لوگ بوجہ عدم مناسبت کے ایذائیں پہنچائیں انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر کیوں نہ بھگاؤں مچھروں کو بھی تو دھونی دے دے کر بھگایا جاتا ہے۔ اگر ان کو اس طرح نہ بھگایا جائے تو وہ تو جمع ہو کر پریشان کر ڈالیں اس پر ایک اہل خصوصیت اور بے تکلف اہل علم نے عرض کیا کہ حضرت اُن کو بُرا رہنے ہی کیوں دیا جائے اُن کی اصلاح فرما کر ان کو اچھا ہی کیوں نہ بنا دیا جائے۔ فرمایا کہ حضرت ہر شخص کو ہر شخص اچھا نہیں بنا سکتا۔ اصلاح کا دار و مدار ہے مناسبت پر۔ ممکن ہے ایک شخص کو مجھ سے مناسبت نہ ہو اور دوسرے سے مناسبت ہو لہذا ہر شخص کو اپنی اصلاح کے لئے اُسی کے پاس جانا چاہیئے جس سے مناسبت ہو لیکن وہ ہو محقق اھ

اس پر حضرت والا کا ایک پرانا ملفوظ حسن العزیز سے نقل کیا جاتا ہے۔

بزرگوں کی مختلف شانوں کا ذکر تھا احقر نے عرض کیا کہ کیا بزرگی بھی مختلف ہوتی ہے۔ فرمایا کہ بزرگی خود مختلف چیز نہیں البتہ امور طبعیہ جو پیدائشی ہیں جیسے تیزی، نزاکت، تحمل ——— انتظام، بے انتظامی غرض جو پیدائشی اخلاق ہیں اُن

سے بزرگوں کی شانیں مختلف ہو جاتی ہیں اھ

اپنے طرزِ سیاست ہی کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ اپنے اور حضرات کا تو یہ طرز نہ تھا میں نے کہا کہ یہ بات تو حضرت عمرؓ کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے کہ حدِ خمر نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی نہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھی صرف تعزیر تھی۔ حضرت عمرؓ نے بجائے تعزیر کے یہ حد کیوں مقرر کر دی۔ بس جو وہاں جواب ہے وہی یہاں بھی ہے۔ یعنی پہلے طبائع میں سلامتی تھی اس لئے واقعات میں قلت تھی لہذا صرف تعزیر کافی تھی حد مقرر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ بعد کو طبائع کا رنگ بدل گیا۔ اور واقعات زیادہ ہونے لگے اس لئے حد مقرر کرنے کی ضرورت واقع ہوئی۔ تو جو فاروق نے کیا وہی ایک فاروقی نے بھی کیا اھ

غرض حضرت والا جو بعض کو کچھ دن کے لئے اور بعض کو ہمیشہ کے لئے اپنے خلفائے مجازین کے سپرد فرما دیتے ہیں اسکی وجہ عدم مناسبت طبائع ہی ہے کیوں کہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ جن باتوں کو عموماً ہلکا سمجھا جاتا ہے وہ مجھ کو تو بہت ناگوار ہوتی ہیں۔ کیونکہ میری نظر فوراً اُن کے مناشی اور آثار پر پہنچ جاتی ہے مثلاً قلت تدبر قلت اہتمام قلت طلب وغیرہ پر۔ لیکن اوروں کو بوجہ خصوصیت طبائع عموماً اتنی ناگوار نہیں ہوتیں۔ یا ممکن ہے ناگوار ہوتی ہوں لیکن چونکہ اور جگہ التزام کے ساتھ یہ کام نہیں ہوتا دیگر حضرات اور بڑے بڑے کاموں میں مشغول ہیں اس لئے ممکن ہے وہاں ایسے واقعات کم ہوتے ہوں۔ اور کبھی کبھار کی ناگواری کا تحمل کر لیا جاتا ہو۔ اھ

غرض طالبین کی بھی مصلحت اسی میں ہے کہ ان کو سلیقہ آنے تک کے لئے دوسروں کے سپرد کر دیا جائے۔

جب حضرت والا نے بعض نو وارد طالبین کو ان کی بے تمیزیوں پر زجر و توبیخ فرمائی تو انہوں نے بطور عذر کے یہ عرض کیا کہ حضرت ہم تمیز سیکھنے اور اپنی اصلاح کرانے ہی کے لئے تو حاضر خدمت ہوئے ہیں اگر ہم میں تمیز نہیں ہے تو اس عیب کی بھی حضرت ہی اصلاح فرمائیں اور ہم کو تمیز سکھائیں۔ اھ

اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ یوں تو اصلاح کے بہت سے شعبے ہیں میں کن کن باتوں کی اصلاح کروں گا۔ کل کو حوض پر پاجامہ کھول کر بیٹھ جانا اور کہنا کہ آؤ مجھے آبدست لینا بھی سکھاؤ۔ میرے ذمہ ساری باتوں کی اصلاح نہیں ہے بلکہ صرف انہیں باتوں کی ہے جو تمہاری سمجھ سے باہر ہوں اور ایسی باریک ہوں کہ سوچنے سے بھی سمجھ میں نہ آئیں یہ موٹی موٹی باتیں سلیقہ اور تمیز کی اور دوسروں کو اذیت سے بچانے کی تو ایسی ہیں کہ اگر ذرا غور و فکر سے کام لیا جائے تو نہایت سہولت سے ذہن میں آسکتی ہیں ایسی باتوں کو تو گھر سے سیکھ کر آنا چاہئے۔ میں ایسی باتیں کہاں تک سکھاؤں گا۔ اور اگر اس میں ایسی ہی وسعت کی جائے تو اصل مقصود کی تعلیم کی نوبت ہی نہ آئے انہیں قصوں میں سب وقت صرف ہو جائے۔ اھ

یہ تو معلم اور متعلم کے اختلاف طبائع کی صورت کا ذکر تھا اور اختلاف مسالک کی صورت میں بھی جب تک حضرت والا عقائد و اعمال کے متعلق معاملہ بالکل صاف نہیں فرما لیتے بیعت یا تعلیم و تربیت کا تعلق نہیں قائم فرماتے تاکہ آئندہ چل کر کوئی بے لطفی یا غلط فہمی نہ ہو۔ چنانچہ متعدد مواقع ایسے آئے اور آتے رہتے ہیں کہ حضرت والا سے اہل بدعت اہل حدیث اہل قرآن بلکہ قادیانیوں اور ہندوؤں تک نے رجوع کیا بعض نے حاضر ہو کر بعض نے بذریعۂ خطوط کے بعض نے اہل حق کے خلاف شبہات کرفع

کرنے کی غرض سے بعض نے تعلیم طریقت حاصل کرنے کے قصد سے لیکن حضرت والا نے اُن سے اول ہی موقع پر اپنا مسلک صاف صاف ظاہر فرما دیا اور اظہارِ حق میں ذرا تامل نہ فرمایا اور اگر ان میں سے کسی غیر مسلم نے تعلیم طریقت کی درخواست کی تو اس کے لئے اسلام کا شرط اولیں ہونا بھی نہایت واضح مگر لطیف اور مہذب عنوان سے بلا ادنیٰ دل آزاری کے ظاہر فرما دیا

چنانچہ ایک مولوی صاحب جو ایک غالی بدعتی پیر سے بیعت تھے اپنے پیر سابق کے انتقال کے بعد حضرت والا کی خدمت میں بغرض قیام خانقاہ حاضر ہوئے یہ سب حالات معلوم فرما کر حضرت والا نے اُن سے صاف صاف فرمایا کہ مولانا اگر یہ سب امور پیشتر خطوط سے طے ہو جاتے تو بہتر تھا اس لئے کہ ایک جزو آپ یہاں بہت وحشت ناک سنیں گے وہ یہ کہ آپ کے سابق پیر کے مسلک اور ہمارے مسلک میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہمیں کافر کہتے تھے اگر آپ نے ان کو محقق سمجھا تو جس کو وہ کافر سمجھیں اس سے آپ دین کی اصلاح کی کیوں توقع رکھیں اور اگر ہمیں کافر نہ سمجھا تو انہیں گمراہ سمجھنا پڑے گا۔ کیوں کہ جو مسلمان کو کافر سمجھے وہ کیا گمراہ بھی نہیں لیکن اُنہیں گمراہ سمجھنا آپ کو شاق ہوگا اور یہ جو آپ چاہیں کہ من وجہٍ انہیں حق پر سمجھیں اور من وجہٍ ہمیں تو اس سے اس طریق میں کام نہیں چلتا اسی واسطے تو میں کہتا ہوں کہ ان باتوں کو پہلے خطوط سے طے کر لینا چاہئے تھا اب آپ مشکل میں پڑ گئے کیونکہ اتنی دور کا سفر کر کے آئے ہیں لوٹ جانا بھی شاق ہوگا اور اگر یہ ہے تو ایسے شخص سے جس کو اپنا معتقد فیہ کافر کہتا ہو آپ کو کیا نفع ہو سکتا ہے الخ

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملخصاً)

غرض حضرت والا نے سب باتیں صاف صاف فرمادیں اور یہ محض اس وجہ سے کہ انہوں نے حضرت والا سے تعلیم و تلقین کا تعلق پیدا کرنا چاہا تھا جس میں قلوب کے اندر ادنیٰ حجاب ہونا بھی حاجب عن المقصود ہوجاتا ہے ورنہ حضرت والا کسی کے گمراہ سے گمراہ معتقدفیہ کے متعلق بلا ضرورت شرعیہ ایک حرف بھی زبان پر نہیں لاتے اور بلاوجہ کسی کی دل آزاری کو نہایت ناپسندیدہ اور نازیبا حرکت سمجھتے ہیں اور اتنی احتیاط بھی اس لئے فرمائی کہ اُن کے معتقدفیہ اس درجہ غالی تھے کہ اپنے مخالف مسلک والوں کو نعوذ باللہ کافر سمجھتے تھے ورنہ جن بزرگوں کا صرف مشرب مختلف تھا لیکن عقیدہ میں غلو نہ تھا اُن کے مریدین کو تو ان کے انتقال کے بعد حضرت والا نے نہایت خوشی کے ساتھ اُن کی درخواست پر اپنے زیر تربیت لے لیا اور وہ اب حضرت والا ہی کے ہم مشرب ہوکر برابر مستفیض ہو رہے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے بعض خلیفہ مجاز بھی ہوگئے ہیں۔

ایک ایسے ہی بزرگ کے صاحبزادے نے حضرت والا سے تربیت باطنی کی استدعا کی تو اُن کا پورا احترام ملحوظ خاطر رکھ کر اپنے مسلک کی جانب بھی ان کی توجہ منعطف کرادی اور خدمت سے بھی انکار نہیں فرمایا۔ چنانچہ جواب تحریر فرمایا کہ اپنی تربیت کی ضرورت کی طرف توجہ سے کہ واقع میں ایک تشخیص ہے بیحد مسرت ہوئی مگر اس کا جو طریق تجویز فرمایا ہے کہ مشابہ ہے تجویز طبی کے اس سے ایک خاص خجلت ہوئی جو اُس مسرت تشخیص کے مقاوم ہوگئی۔ میں کیا چیز ہوں کہ ایسی عظیم خدمت کی جرأت کروں لیکن اس کے ساتھ ہی اس سے زیادہ غیرت ہوتی ہے کہ کہنا نہ مانوں۔ نیز اس وقت مشائخ کے طبقہ میں علم و عمل و حال و توجہ مطلوب کی کمی عام ہے اُن کی طرف متوجہ کرنے میں احتمال ضرر بھی ہے

جس کو وہی تعلق گوارا نہیں کرنے دیتا۔ اس کشمکش سے نکلنے اور نکالنے کے لئے بین بین صورت یہ نظر آتی ہے کہ آپ چند روز مجھ سے خدمت لیں۔ اگر وہ خدمت نافع معلوم ہو اس کو مستقل کر دیا جائے ورنہ کسی دوسری طرف توجہ فرمائی جائے نیز خدمت لینے کے قبل اس پر بھی نظر ثانی کر لی جائے کہ مجھ کو عقائد اور اخلاق میں بدنام بھی کیا گیا ہے۔ والسلام

اسی طرح حضرت والا غیر متشدد اور غیر متعصب غیر مقلدین کو بھی ان کی درخواست پر اپنے زیر تربیت لے لیتے ہیں بلکہ بعض کو اُن کے اصرار و اشتیاق پر داخل سلسلہ بھی فرمایا ہے اور عدم تشدد و عدم تعصب کا معیار یہ قرار دے رکھا ہے کہ جب ان میں سے کوئی صاحب بیعت یا استفادہ کا تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں تو اول یہ استفسار فرماتے ہیں کہ آپ تقلید ائمہ معمول عندالامہ کو جائز سمجھتے ہیں یا ناجائز۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ جائز سمجھتے ہیں تو پھر یہ سوال فرماتے ہیں کہ ناجائز سمجھنے والوں کو کیا سمجھتے ہیں اور اگر وہ کہتے ہیں کہ ناجائز سمجھتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ میں تو اس کا مرتکب ہوں پھر جب آپ کے نزدیک میں ناجائز کا مرتکب ہوں تو مجھ سے بیعت ہونا یا نفع دینی حاصل کرنا کہاں جائز ہے۔ چنانچہ حال ہی میں ایک اہل حدیث کا خط آیا جس میں یہ درخواست تھی کہ مجھ نابینا کی رہبری فرمائی جائے۔ حضرت والا نے جواب ارقام فرمایا کہ آپ تقلید کو جائز سمجھتے ہیں یا ناجائز اگر ناجائز سمجھتے ہیں اور میں اس کو جائز بلکہ ایک درجہ میں واجب سمجھتا ہوں تو اس صورت میں آپ کے اعتقاد میں میں آپ سے زیادہ نابینا ہوں تو نابینا کو نابینا کیا راستہ دکھائے گا اور اگر آپ اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ تو ناجائز سمجھنے والوں کو کیا سمجھتے ہیں اول اس کا فیصلہ ہونا چاہیئے۔ اھ

غرض اگر حسب ارشاد حضرت والا کوئی طالب گو اہل حدیث ہو لیکن تقلید مذکور کو حرام نہ سمجھتا ہو اور حضرات مقلدین کی شان میں بدزبانی اور بدگمانی نہ کرتا ہو تو بھی حضرت والا اس کی تعلیم وتلقین سے بلکہ داخل سلسلہ کر لینے سے بھی انکار نہیں فرماتے چنانچہ ایسے متعدد اہل حدیث صاحبان حضرت والا سے دونوں قسموں کا تعلق رکھنے والے موجود ہیں اور گو بعض نے حضرت والا سے تعلق پیدا کر لینے کے بعد بطور خود اپنا قدیم مسلک چھوڑ کر تقلید ہی کو اختیار کر لیا لیکن حضرت والا نے کبھی اشارۃً یا کنایۃً بھی ان کو ایسا کرنے کا ایما نہیں فرمایا نہ مشورہ دیا بلکہ ایک اہل حدیث صاحب نے جو حاضر خانقاہ ہوئے تھے نماز جہری میں آمین بالجہر نہیں کہی تو حضرت والا کو شبہ ہوا کہ شاید ہم لوگوں کے خیال سے ایسا نہیں کیا چنانچہ جن صاحب کے ساتھ وہ تشریف لائے تھے ان سے فرمایا کہ اگر ہم لوگوں کے خیال سے انہوں نے آمین پکار کر نہیں کہی تو ان کو مطمئن کر دیجئے گا کہ یہاں ان کو کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ آزادی سے اپنے مسلک پر رہیں تنگی برداشت نہ کریں۔ اھ۔ اس پر ان صاحب نے کہا کہ نہیں ان کی اپنے یہاں بھی یہی عادت ہے کہ کبھی آمین پکار کر کہتے ہیں کبھی آہستہ۔

غرض حضرت والا ایسے امور میں ہرگز تنگی نہیں فرماتے بلکہ فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کوئی اہل حدیث تقلید کو حرام نہ سمجھے اور بزرگوں کی شان میں بدزبانی اور بدگمانی نہ کرے تو خیر یہ بھی بعض سلف کا مسلک رہا ہے اس میں بھی میں تنگی نہیں کرتا ہاں دل کا پوری طرح ملنا نہ ملنا اور بات ہے۔ اھ

بعض قادیانیوں اور آریوں نے اپنے شبہات کے ازالہ کا خیال ظاہر کر کے قیام

کی اجازت چاہی تو ان کو اجازتِ قیام بھی عطا فرما دی لیکن جب اُن کے اغراض فاسدہ کا علم ہوا کہ باہر جا جا کر اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں تو پھر بلا دوسے رعایت اُن کا فوراً اخراج فرما دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت والا کی وہی شان ہے جو ایک محقق کی ہونی چاہیے کہ نہ افراط ہے نہ تفریط نہ بے محل وسعت نہ بے جا تنگی۔ بس ہر امر میں اعتدال ہے اور یہی حقیقت ہے صراطِ مستقیم کی۔

اختلاف طبائع اور اختلاف مشرب رکھنے والوں کے ساتھ جو بیعت اور تربیت کے متعلق معاملہ فرمایا جاتا ہے۔ اس کا تو ذکر ہو چکا اب اہل وجاہت خاصہ کے ساتھ جو ان امور میں معاملہ فرمایا جاتا ہے اس کو بھی بیان کر کے اس نمبر کو جو طویل ہوتا چلا جا رہا ہے انشاء اللہ ختم کر دیا جائے گا۔

حضرت والا اُن اہل وجاہت سے جن سے دل اتنا کھلا ہوا نہ ہو کہ بے تکلف اُن کو اصلاح طلب امور پر تنبیہ فرما سکیں خصوصی تعلقات نہیں قائم فرماتے۔ چنانچہ بعض نوابوں بلکہ بعض والیان ریاست نے بھی بہت چاہا کہ حضرت والا سے خصوصی تعلقات قائم کریں لیکن حضرت والا نے عذر فرما دیا مگر بہت تہذیب اور حفظ مراتب کے ساتھ۔

حضرت والا اس کی یہ وجہ بیان فرمایا کرتے ہیں کہ کسی کی تربیت اُس وقت تک اپنے ذمہ نہ لینا چاہیئے جب تک اپنے دل کو اُس سے اتنا کھلا ہوا نہ پائے کہ اگر خود اس کی ذات کو نالائق نہ کہہ سکے تو کم از کم اتنا تو کہہ سکے کہ آپ کی یہ حرکت بڑی نالائق تھی ورنہ پھر اس کی اصلاح ہی کیا ہو سکتی ہے۔ اور پھر اس کو اس تعلق

سے فائدہ ہی کیا پہنچ سکتا ہے۔ اھ

اس پر ایک اہل خصوصیت صاحب اجازت نے سوال کیا کہ حضرت پھر ایسے لوگ فیض کس طرح حاصل کریں۔ فرمایا کہ یہ تو انہیں کے اختیار کی بات ہے وہ برتاؤ ایسا کریں کہ اُن سے اتنا دل کھل جائے کہ جو چاہیں کہہ سکیں چنانچہ تجربہ ہے کہ برتاؤ سے دل کھل جاتا ہے۔ اھ

اس پر حضرت والا کا ایک اور ملفوظ یاد آیا۔ فرمایا کرتے ہیں کہ بعض درویش اُمراء اور اہل وجاہت کیساتھ خواہ مخواہ خشونت کا برتاؤ کرتے ہیں لیکن ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ اس کو ناپسند فرماتے تھے بلکہ فرماتے تھے کہ بلا وجہ ایسا برتاؤ کرنا تکبر ہے لہذا اس معاملہ میں میرا (یعنی حضرت والا کا) یہ معمول ہے کہ میں اُن کے ساتھ نہ تو تملق کا برتاؤ کرتا ہوں نہ اہانت کا بلکہ متوسط درجہ کا برتاؤ کرتا ہوں جس میں اُن کی امتیازی شان اور حفظ مراتب کی بھی رعایت ہوتی ہے۔ کیونکہ جس برتاؤ کے وہ عادی ہوتے ہیں اور عام طور سے متوقع رہتے ہیں اس کا بھی بقدر ضرورت لحاظ رکھنا ضروری ہے تاکہ دلشکنی نہ ہو لیکن اگر ان کی طرف سے کوئی برتاؤ نازیبا ہوتا ہے بالخصوص ایسا برتاؤ جس سے اہل دین کا استخفاف مترشح ہو تو پھر میں ان کی بالکل رعایت نہیں کرتا۔ اھ

بعض خاص اہل امتیاز و وجاہت نے حضرت والا سے بیعت کی درخواست کی تو حضرت والا نے پیشتر سب معاملات کو صاف صاف مگر نہایت لطافت و متانت اور تہذیب و شائستگی کے ساتھ تحریر فرما دیا۔ چنانچہ ایک پولیس کے افسر نے جو اُس زمانہ میں خاص تھانہ بھون ہی میں تعینات تھے۔ بغایت عقیدت

بیعت کی زبانی درخواست کی چونکہ قبل بیعت بہت سے امور کی طرف اُن کی توجہ منعطف کرنی تھی اور معاملہ صاف کرنا تھا اس لئے حضرت والا نے ان کی درخواست کے متعلق کچھ زبانی کہنے کی بجائے اُس وقت صرف یہ فرما دیا کہ میں انشاء اللہ تعالےٰ اس کے متعلق آپ کے پاس کچھ لکھ کر بھیجوں گا۔ پھر حضرت والا نے اُن کے پاس حسب ذیل تحریر بھیج دی۔

آپ نے اپنی محبت سے جو خدمت مجھ سے لینا چاہا ہے اگرچہ میں اس کا اہل نہیں مگر احباب کی خدمت سے انکار بھی نہیں لیکن چونکہ آپ سے دلی خلوص اور بے تکلفی ہے اس لئے خیر خواہی سے ذیل کے نمبروں کو آپ کی نظر میں لانا چاہتا ہوں تاکہ بصیرت سے رائے قائم فرما سکیں کسی مغالطہ کا احتمال نہ رہے۔ پھر جو رائے قائم فرمائی جائے گی میں اس کا اتباع کرنے کو تیار ہوں۔

نمبر ۱ میں ایک خشک طالب علم ہوں۔ اس زمانہ میں جن چیزوں کو درویشی کے لوازم میں سے سمجھا جاتا ہے جیسے محفل میلاد شریف، عرس۔ گیارھویں۔ نیاز۔ فاتحہ۔ قوالی و مثل ذالک میں ان سب سے محروم ہوں اور اپنے دوستوں کو بھی اسی خشک طریقہ پر رکھنا پسند کرتا ہوں۔

نمبر ۲ میں نہ صاحب کشف ہوں نہ صاحب کرامت نہ صاحب تصرف نہ عامل۔ اللہ و رسول کے احکام پر مطلع کرتا رہتا ہوں۔

نمبر ۳ اپنے دوستوں سے کسی قسم کا تکلف نہیں کرتا۔ نہ اپنی حالت چھپاتا ہوں۔ نہ اپنی کوئی تعلیم نہ کوئی مشورہ امور دینیہ کا عمل کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کرتا عمل کرتا ہوا دیکھ کر خوش اور عمل سے دور دیکھ کر رنجیدہ

ہوتا ہوں۔

نمبر ۴ میں کسی سے نہ کوئی فرمائش کرتا ہوں نہ کسی کی سفارش اسی لئے بعض اہل الرائے مجھ کو خشک کہتے ہیں۔ میرا مذاق یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کی رعایت سے کوئی اذیت نہ دوں خواہ حرفی ہی اذیت ہو۔

نمبر ۵ سب سے زیادہ اہتمام مجھ کو اپنے لئے اور اپنے دوستوں کے لئے اس امر کا ہے کہ کسی کو کسی قسم کی اذیت نہ پہنچائی جائے۔ خواہ بدنی ہو جیسے مارپیٹ خواہ مالی ہو جیسے کسی کا حق مار لینا یا ناحق کوئی چیز لے لینا خواہ آبرو کے متعلق ہو جیسے کسی کی تحقیر کسی کی غیبت خواہ نفسانی ہو جیسے کسی کو کسی تشویش میں ڈال دینا یا کوئی ناگوار و رنج دہ معاملہ کرنا اور اگر غلطی سے کوئی بات ایسی ہو جائے تو معافی چاہنے سے عار نہ کرنا۔

نمبر ۶ نمبر ۵ کا مجھ کو اس قدر اہتمام ہے کہ کسی کی وضع خلاف شرع دیکھ کر صرف شکایت ہوتی ہے مگر نمبر ۵ کی کوتاہی دیکھ کر صدمہ بے حد ہوتا ہے اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس سے نجات دے۔ یہ تو میرا ذاتی کچا چٹھا تھا۔ اب بعض مصالح آں مکرم کے متعلق ہیں وہ زیادہ قابل غور ہیں۔

نمبر ۷ اگر کوئی امر آپ سے کسی کی مرضی کے خلاف ہو گیا جیسا انتظامی امور میں ممکن ہے گو خلاف شرع نہ ہو اعتراض کا موقع ملے گا کہ سلسلۂ طریقت میں داخل ہو کر خلاف طریق کیا اور ساتھ ہی مجھ کو بھی مطعون کریں گے کہ منع نہیں کیا۔

نمبر ۸ مجھ سے بعضے لوگ سفارش کی درخواست کریں گے میں تو نمبر ۴

کے موافق عذر کر دوں گا۔ اس عذر سے مجھ کو تو بدنام کریں ہی گے مگر اس کے بعد یہ کوشش کریں گے کہ آپ کو یہ تکلیف دیں گے کہ اپنے تعلقات میرے ساتھ آپ کے روبرو پیش کر کے اپنے موافق کارروائی کی درخواست کریں گے اس سے آپ کو تنگی ہوگی اور آزادی پر عمل کرنے سے اعتراض کریں گے۔ ان سب امور میں غور فرما کر رائے قائم کیجئے سب سے اسلم اور مامون طریقہ تو یہ ہے کہ (الف) مجھ کو اس کا اہل ہی قرار نہ دیا جائے۔ اگر یہ دل کو نہ لگے تو (ب) یہاں کے قیام تک ملتوی فرمایا جائے اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو (ج) ایسا خفیہ کیا جائے کہ کسی کو علم ہی نہ ہو۔ دو امر اور یاد آئے جو دوسرے ورق پر معروض ہیں۔

نمبر ۹ حکام گو مجھ سے بدگمان نہیں مگر اہل اغراض اپنے اغراض فاسدہ کے لئے توڑ جوڑ سے نہیں چوکتے۔ مثلاً کسی مسلمان کو آپ سے کوئی جائز فائدہ پہنچا یا کسی مسلمان کو کسی غیر مسلم کے ظلم و ضرر سے بچا لیا تو ممکن ہے تعصب کے سبب کوئی بدنیت شخص حکام تک اس کو رنگ دے کر پہنچا دے کہ ان کا تعلق فلاں مذہبی شخص سے ہے اُس کے اثر سے یہ کام تعصب کی بنا پر کیا گیا ہے۔

نمبر ۱۰ یا کسی مستحق سزا مسلمان کا چالان وغیرہ کیا گیا یا کسی ہندو کو کسی ظالم مسلمان سے بچا یا گیا تو اس وقت کوئی کم فہم مسلمان یہ اعتراض کرے گا کہ داخل سلسلہ ہو کر بھی مسلمان کی حمایت نہ کی یا ہندو کی حمایت کی اس قسم کی تنگیاں پیش آسکتی ہیں۔ اور اس سے سالم رہنے کے وہی تین طریقے ہیں جو الف اور ب اور ج میں عرض کئے ہیں۔ اور یہ خدا نہ کرے انکار نہیں

نہیں، خیر خواہی و انجام اندیشی کی بنا پر مشورہ ہے اس کے بعد اس پر ختم ہے ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را

تو دانی حساب کم و بیش را

والسلام انتہی بلفظہ ۶ رذیقعدہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۵ رفروری ۱۹۳۴ء

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ حضرت والا نے اپنا مسلک بھی صاف صاف ظاہر فرما دیا اور نہایت لطیف اور غیر دل آزار پیرایہ میں سارے اصلاح طلب امور سے بھی آگاہ فرما دیا

۳- حضرت والا مریضوں کو بوجہ ترحم اور مستورات کو اس وجہ سے کہ وہ ذی رائے نہیں ہوتیں بیعت فرما لینے میں تنگی نہیں فرماتے لیکن بہت سی مصالح کی بنا پر مستورات کا محض اس غرض کے لئے تھانہ بھون آنا بہت ناپسند فرماتے ہیں کیوں کہ بعض عورتیں سفر میں نمازیں قضا کر دیتی ہیں اور پردہ کا بھی اہتمام مشکل ہوتا ہے پھر عورتوں کا ہجوم بھی خلاف مصلحت ہے۔ لہذا حضرت والا اکثر یہ ارشاد فرما کر بے بیعت فرمائے ہی واپس فرما دیتے ہیں کہ یہ کام تو خط کے ذریعہ سے بھی ہو سکتا تھا۔ اب بھی اگر جی چاہے واپس پہنچ کر خط ہی کے ذریعہ سے درخواست کرنا جو مناسب ہو گا وہ جواب دیا جائے گا۔ اھ

بلا بیعت واپس فرما دینے میں یہ بھی مصلحت ہے کہ اس معمول کی عام طور پر شہرت ہو جائے اور آگے کو یہ سلسلہ نہ چلے۔

۴- حضرت والا مستورات کو اس وقت تک بیعت نہیں فرماتے جب تک وہ اپنے شوہروں کے یا بے شوہر ہونے کی صورت میں اپنے کسی محرم سرپرست

کی صریح اجازت حاصل کیے پیش نہیں کرتیں۔ اس میں علاوہ بہت سی مصالح مثلاً انسداد آزادی وغیرہ کے یہ بھی مصلحت ہے کہ اگر شوہر یا سرپرست مختلف المشرب ہوا تو گھر میں ہمیشہ لڑائی ہی رہنے لگے اور بیچاری عورت کی عافیت ہی تنگ ہو جائے

۵۔ حضرت والا مستورات کو پردہ کی آڑ سے بذریعہ کسی رومال یا کپڑے کے بیعت فرماتے ہیں اور بیعت فرماتے وقت ان کے کسی محرم کو بھی یا اپنی کسی اہلیہ کو یا اپنی کسی محرم بی بی کو اپنے پاس ضرور موجود رکھتے ہیں اور پردہ کی بہت تاکید رکھتے ہیں۔ چنانچہ جب بیعت کے وقت امتثال اوامر و اجتناب نواہی کا معاہدہ زبان سے کہلواتے ہیں تو ہدایت فرماتے ہیں کہ جو میں کہتا جاؤں تم بھی چپکے چپکے کہتی جاؤ پکار کر نہ کہنا یہاں تک کہ ایسی مستورات کو بھی جو حضرت والا سے پردہ کرتی ہیں بیعت فرماتے وقت یہی ہدایت فرمائی تاکہ طریق کا ادب محفوظ رہے۔

اسی طرح ایسی بڑھیوں کو بھی جو حضرت والا سے پردہ نہیں کرتی تھیں بیعت کرتے وقت پردہ میں بٹھلایا اس کا منشا بھی تحفظ ادب طریق ہے۔

۶۔ حضرت والا جب سفر فرمایا کرتے تھے تو سفر میں بجز ان خاص صاحبوں کے جن پر پہلے سے اطمینان ہوتا تھا یا بجز عورتوں کے کیوں کہ وہ ذی رائے نہیں ہوتیں کسی کو بیعت نہیں فرماتے تھے اگر کوئی درخواست کرتا تو رد فرما دیتے کہ سفر کی حالت میں بیعت ہونا اور بیعت کرنا دونوں نامناسب ہیں کیوں کہ سفر میں جانبین کو ایک دوسرے کی اصل حالت معلوم کرنے کا موقع ہی کہاں ملتا ہے اور بدون اصل حالت معلوم کیے اور اچھی طرح اطمینان کیے نہ مرید کو بیعت کرنا چاہیے نہ شیخ کو مرید کرنا چاہیے یہ گاجر مولی کا سودا تھوڑا ہی ہے کہ پیسہ ڈالا اور کہا کہ لاؤ مولی لاگاجر۔اھ

حضرت والا اس معمول کی یہ مصلحت بھی بیان فرمایا کرتے تھے کہ لوگ سفری دوکاندار پیروں سے احتیاط کرنا سیکھیں۔ بلکہ مطلق بدون شرائط کے بیعت کرنے سے انکار کر دینے میں بھی یہ مصلحت بیان فرمایا کرتے ہیں کہ لوگ بیعت کو معمولی چیز نہ سمجھیں اور اگر دوسری جگہ جائیں اور وہاں بلا شرائط بیعت کی درخواست منظور ہوجاتی ہوئی دیکھیں تو اُن کے دل میں کم از کم کھٹک تو پیدا ہونے لگے۔ اور بے تامل ہاتھ میں ہاتھ نہ دیں۔ اھ

(۷) حضرت والا ایسے صاحبان کو جو کسی صحیح سلسلۂ بیعت سے وابستہ ہیں اور وہ اپنے شیخ کی وفات کے بعد حضرت والا سے مکرر بیعت ہونا چاہتے ہیں عموماً بیعت نہیں فرماتے بلکہ یہ ارشاد فرما دیتے ہیں کہ پچھلی بیعت مع اپنی ساری برکات کے بدستور قائم ہے تجدید بیعت کی حاجت نہیں البتہ تعلیم طریق کے لئے حاضر ہو لیا اھ

لیکن چونکہ ایسی حالت میں تجدید بیعت بھی خلاف طریق نہیں اس لئے اگر کوئی اس حقیقت کو سننے کے بعد بھی اصرار کرتا ہے اور بدون بیعت کے اُس کے قلب کو تسلی نہیں ہوتی اور حضرت والا کو بھی یہ اطمینان ہوتا ہے کہ اس کی ضرورت کا اعتقاد نہیں تو پھر انکار بھی نہیں فرماتے چنانچہ بعض ایسے صاحبان بھی احقر کے علم میں ہیں جن کو ان کے اصرار پر پھر بیعت فرما لیا۔

اور اگر کسی فاسد العقیدہ پیر کا مرید پچھلی بیعت کو فسخ کر کے حضرت والا سے بیعت ہوتا ہے تو اس کو بھی اس کی سخت تاکید فرما دیتے ہیں کہ اپنے پچھلے پیر کی نسبت عمر بھر کوئی گستاخی کا کلمہ زبان پر نہ لانا اگرچہ میں بھی بُرا کہوں مگر تم مت کہنا کیوں کہ اول اول اسی نے اس طریق کی طرف متوجہ کیا اور راہ پر ڈالا اس معنی کر وہ محسن ہے گو راستہ غلط بتایا لیکن مقصود کا شوق تو اسی نے دلایا۔ اور اس راہ میں

ناشکری بہت ہی مضر ہے۔ یہ طریق بس بالکل ادب ہی ادب ہے سارے طریق کا بس خلاصہ ادب ہے، بے ادبی سے بڑھ کر اس طریق میں کوئی چیز مضر نہیں یہاں تک کہ بعض حیثیتوں سے معصیت بھی اتنی مضر نہیں کیونکہ معصیت کا تعلق ایسی ذات سے ہے جو انفعال سے پاک ہے اور بے ادبی کا تعلق شیخ سے ہے جو بشر ہے اور جس کو بے ادبی سے تکدر ہوتا ہے۔ جو مرید کے حق میں سم قاتل ہے۔ اھ

(۸) حضرت والا ایک زمانہ میں طالبین بیعت کو ایک چھپا ہوا ورق بھی حوالہ فرما دیا کرتے تھے جس میں مختصراً طریق کی حقیقت اور ایسے کاموں کی دو فہرستیں درج تھیں جو داخل سلسلہ ہونے کے بعد کرنے ہوں گے اور چھوڑنے ہوں گے۔ لیکن ان فہرستوں سے استیعاب مقصود نہ تھا بلکہ صرف وہی اوامر و نواہی درج فرمائے گئے تھے جن کی طرف سے آج کل عام طور پر غفلت ہے یا جن میں عام ابتلاء رہے۔ عرصہ ہوا وہ مطبوعہ اوراق سب تقسیم ہو کر ختم ہو چکے لیکن وہ مضمون رسالہ قصد السبیل میں بطور تذییل کے شامل کر دیا گیا ہے جہاں سے اس کو لفظ بہ لفظ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے

حقیقت طریقت

خلاصہ سلوک:

(۱) نہ اس میں کشف و کرامت ضروری ہے۔

(۲) نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے۔

(۳) نہ دنیا کی کاربرآری کا وعدہ ہے کہ تعویذ گنڈوں سے کام بن جائیں یا مقدمات

دعا سے فتح ہوجایا کریں یا روزگار میں ترقی ہو یا جھاڑ پھونک سے بیماری جاتی رہے یا ہونے والی بات بتا دی جایا کرے۔

(۴) نہ تصرفات لازم ہیں کہ پیر کی توجہ سے مرید کی از خود اصلاح ہو جائے۔ اُس کو گناہ کا خیال ہی نہ آئے خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں۔ مرید کو زیادہ ارادہ بھی نہ کرنا پڑے۔ یا علم دین اور قرآن میں ذہن و حافظہ بڑھ جائے

(۵) نہ ایسی باطنی کیفیات پیدا ہونے کی کوئی میعاد ہے کہ ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہے عبادت میں خطرات ہی نہ آئیں۔ خوب رونا آئے۔ ایسی محویت ہوجائے کہ اپنی پرائی خبر نہ رہے۔

(۶) نہ ذکر و شغل میں انوار وغیرہا کا نظر آنا یا کسی آواز کا سنائی دینا ضرور رہے۔

(۷) نہ عمدہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا یا الہامات کا صحیح ہونا لازمی ہے بلکہ اصل مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے جس کا ذریعہ ہے شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا۔

ان حکموں میں بعضے متعلق ظاہر کے ہیں جیسے نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ وغیرہ اور جیسے نکاح و طلاق و ادائے حقوق زوجین و قسم و کفارۂ قسم وغیرہ اور جیسے لین دین پیروی مقدمات و شہادت و وصیت و تقسیم ترکہ وغیرہ اور جیسے سلام و کلام و طعام و منام و قعود و قیام و مہمانی و میزبانی وغیرہ ان مسائل کو علم فقہ کہتے ہیں اور بعضے متعلق باطن کے ہیں جیسے خدا سے محبت رکھنا خدا سے ڈرنا خدا کو یاد رکھنا دنیا سے محبت کم ہونا خدا کی مشیت پر راضی رہنا۔ حرص نہ کرنا۔ عبادت میں دل کا حاضر رکھنا۔ دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا۔ کسی کو حقیر نہ سمجھنا۔ خود پسندی نہ ہونا۔ غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ ان اخلاق کو سلوک کہتے ہیں اور مثل احکام ظاہری کے ان احکام باطنی پر

عمل کرنا بھی فرض و واجب ہے۔ نیز ان باطنی خرابیوں سے اکثر ظاہری اعمال میں بھی خرابی آجاتی ہے۔ جیسے قلتِ محبتِ حق سے نماز میں سستی ہو گئی یا جلدی جلدی بلا تعدیل ارکان پڑھ لی یا بخل سے زکوٰۃ اور حج کی ہمت نہ ہوئی یا کبر و غلبۂ غضب سے کسی پر ظلم ہو گیا۔ حقوق تلف ہو گئے وَ مِثْلُ ذٰلِکَ اور اگر ان ظاہری اعمال میں احتیاط کی بھی جائے تب بھی جب تک نفس کی اصلاح نہیں ہوتی وہ احتیاط چند روز سے زیادہ نہیں چلتی۔ پس نفس کی اصلاح ان دو سبب سے ضروری ٹھہری۔ لیکن باطنی یہ خرابیاں ذرا سمجھ میں کم آتی ہیں اور جو سمجھ میں آتی ہیں اُن کی درستی کا طریقہ کم معلوم ہوتا ہے اور جو معلوم ہوتا ہے نفس کی کشاکشی سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے ان ضرورتوں سے پیر کامل[1] کو تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے اور ان کا علاج و تدبیر بھی بتلاتا ہے اور نفس کے اندر درستی کی استعداد اور ان معالجات میں سہولت اور تدابیر میں قوت پیدا ہونے کے لئے کچھ اذکار و اشغال کی بھی تعلیم کرتا ہے۔ اور خود ذکر اپنی ذات میں بھی عبادت ہے پس سالک کو دو کام کرنے پڑتے ہیں ایک ضروری کہ احکام شرعیہ ظاہری و باطنی کی پابندی ہے دوسرا مستحب کہ کثرت ذکر ہے اس پابندی احکام سے خدا تعالیٰ کی رضا اور کثرت ذکر سے زیادت رضا و قرب حاصل ہوتا ہے یہ ہے خلاصہ سلوک کے طریق اور مقصود کا۔

---

[1] پیر کامل کی پہچان قصد السبیل کی ہدایت سوم میں ملاحظہ ہو۔ ۱۲

حقوق طریقت[1]

طریقت میں داخل ہو کر جو کام کرنا پڑیں گے:۔

(۱) بہشتی زیور کے گیارہ[2] حصے اول سے آخر تک ایک ایک حرف کر کے پڑھنے یا سننے پڑیں گے۔

(۲) اپنی سب حالتیں بہشتی زیور کے موافق رکھنا پڑیں گی۔

(۳) جو کام کرنا ہو اور اس کا جائز ناجائز ہونا معلوم نہ ہو کرنے سے پہلے علماء اہلِ حق سے پوچھنا پڑے گا اور ان کے بتلانے کے موافق عمل کرنا ہوگا۔

(۴) نماز[3] پانچوں وقت جماعت سے پڑھنا ہوگی۔ البتہ اگر کوئی عذر شرعی ہو تو جماعت معاف ہے اور اگر بلا عذر غفلت سے رہ جائے ندامت کے ساتھ استغفار کرنا چاہیئے۔

(۵) اگر مال بقدر زکوٰۃ ہو تو زکوٰۃ دینا ہوگی۔ مسائل اس کے بہشتی زیور میں ملیں گے۔ اسی طرح کھیت اور باغ کی پیداوار میں دسواں بیسواں حصہ دینا ہوگا۔ اس کے مسائل زبانی معلوم کر لئے جائیں۔

(۶) اگر حج کی گنجائش ہو تو حج کرنا پڑے گا۔ اسی طرح گنجائش کی صورت میں عید کو صدقہ فطر اور بقر عید کو قربانی ضروری ہوگی۔

---

[1] یہ حقوق سب مسلمانوں کے ذمہ واجب ہیں گو کسی سے بیعت بھی نہ ہوں۔ ۱۲

[2] البتہ عورتوں کے لئے گیارھواں حصہ نہیں ہے ۱۲ منہ

[3] مگر عورتوں کے لئے جماعت نہیں ہے ۱۲

(۷) اپنے بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا ہوں گے ان کا یہ بھی دینی حق ہے کہ ان کو ہمیشہ شرع کے احکام تبلاتے رہو۔ آسان طریقہ اس کا پڑھے ہوؤں کے لئے یہ ہے کہ شب و روز میں تھوڑا سا کوئی وقت مقرر کرکے بہشتی زیور اول سے آخر تک اپنے گھر والوں کو پڑھ کر سنائیں اور سمجھائیں اور جب وہ ختم ہو جائے پھر شروع کریں۔ جب تک ان کو مسائل خوب پختہ یاد نہ ہو جائیں سناتے رہیں۔ اور ان پڑھ ایسا کریں کہ جو بات دین کی کسی عالم سے سنا کریں اس کو یاد کرکے گھر والوں سے ضرور کہہ دیا کریں۔

اور یہ کام چھوڑنا پڑیں گے:

ڈاڑھی[۱] منڈانا۔ ڈاڑھی[۲] کٹانا جبکہ چار انگل سے زائد نہ ہو۔ ڈاڑھی[۳] چڑھانا۔ سر[۴] میں چاند کھلوانا۔ کھڈی[۵] رکھنا یا آگے سے منڈوانا[۶]، ٹخنوں سے[۷] نیچے پائجامہ[۸] پہننا یا لنگی باندھنا یا کرتہ[۹] چوغا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا یا عمامہ[۹] کا شملہ آدھی کمر سے نیچے چھوڑنا یا کسم[۱۰] و زعفران[۱۱] کا رنگا ہوا یا ناپاک رنگ کا رنگا ہوا کپڑا پہننا[۱۱] ریشمی[۱۲] یا زری کا لباس[۱۲] چار انگل سے زیادہ خود پہننا یا لڑکوں کو پہنانا یا کفار[۱۳] کا سا لباس پہننا یا مردوں[۱۴] کو چاندی[۱۵] کی انگوٹھی ایک مثقال یا زائد یا سونے[۱۵] کی انگوٹھی پہننا یا عورتوں[۱۶] کو کھڑا جوتا یا مردانہ لباس پہننا یا باجے[۱۷] دار زیور پہننا یا ایسا کپڑا[۱۸] باریک یا چھوٹا پہننا جس میں بدن کھلا رہے۔ کسی عورت[۱۹] یا امرد کو بری نگاہ سے دیکھنا یا عورتوں[۲۰] و لڑکوں سے زیادہ میل جول رکھنا۔ مرد[۲۱] کو کسی نامحرم عورت کے پاس یا عورت[۲۲] کو کسی نامحرم مرد کے پاس بیٹھنا یا تنہا مکان میں رہنا یا بدون[۲۳] سخت مجبوری کے سامنے آجانا اگرچہ وہ پیر ہی ہو

۱، ۲، ۳، ۴، ۵ یہ پانچوں باتیں عورتوں اور لڑکیوں کے واسطے درست ہیں ۱۲

یا رشتہ دار ہوں۔ اور جہاں سخت مجبوری ہو وہاں سر اور بازو اور کلائی اور پنڈلی اور گلا کھولنا نامحرم مرد کے سامنے حرام ہے۔ مُنہ کے سامنے بھی گھونگھٹ رہنا بہتر ہے۔ اور عمدہ پوشاک اور زیور سے تو سامنے آنا بالکل ہی بُرا ہے۔ اسی[٢٤] طرح نامحرم مرد و عورت کا باہم ہنسنا[٢٥] بولنا ضرورت سے زیادہ باتیں[٢٦] کرنا یہ سب چھوڑ دینا چاہئے۔ ختنہ یا عقیقہ یا شادی[٢٧] میں جمع ہونا یا برات[٢٨] میں جانا۔ البتہ عین نکاح کے وقت پاس پاس کے مرد کا جمع کر لینا مضائقہ نہیں یا کوئی[٢٩] کام فخر و نمود کا کرنا جیسے آج کل رسم و رسوم کا کھانا کھلانا لینا دینا ہوتا ہے اس میں نوتہ بھی آگیا۔ اس کو بھی چھوڑنا چاہئے۔

اسی طرح فضول خرچی کرنا یا کپڑے میں بہت تکلف کرنا کہ یہ بھی فخر و نمود میں داخل ہے۔ مردہ[٣٠] پر چلا کر رُونا اُس کا نیجہ[٣١] دسواں بیسواں چالیسواں وغیرہ کرنا۔ دور دور[٣٢] سے عرصہ عرصہ تک میت کے پیچھے آنا۔ بدون[٣٣] شرع کے موافق تقسیم کئے ہوئے مردہ کے کپڑے خیرات کر دینا۔ لڑکیوں[٣٤] کا حصہ نہ دینا۔ اہل[٣٥] حکومت و ریاست کو غربا پر ظلم کرنا۔ جھوٹی[٣٦] نالش کرنا۔ موروثی[٣٧] کا دعویٰ کرنا۔ رہن[٣٨] یا رشوت کی آمدنی کھانا۔ تصویر[٣٩] بنانا یا رکھنا یا براہِ[٤٠] شوق کتے پالنا یا کنکوے[٤١] و آتشبازی یا کبوتر بازی مرغ بازی وغیرہ کا شغل کرنا یا بچوں[٤٢] کو اجازت اور پیسے دینا۔ گانا[٤٣] سننا باجے سے یا بے باجے اسی میں گراموفون بھی داخل ہے۔ عرسوں[٤٤] میں جانا بزرگوں[٤٥] کی منت ماننا۔ فاتحہ[٤٦] نیاز گیارھویں وغیرہ متعارف طور پر کرنا۔ رواج[٤٧] کے موافق مولد شریف کرنا۔ تبرکات[٤٨] کی زیارت کے لئے عرس کا سا انتظام کرنا۔ یا اس وقت مردوں عورتوں کا خلط یا سامنا ہو جانا۔ شب[٤٩] برات کا حلوا پکانا۔ یا محرم[٥٠] کو تہوار منانا۔ یا رمضان[٥١] میں ختم قرآن پر شیرینی ضرور کر کے بانٹنا۔ یا ٹونے[٥٢] ٹوٹکے کرنا یا ستیلا[٥٣] وغیرہ کو ماننا یا فال[٥٤] وغیرہ کھلوانا کسی نجومی[٥٥] یا آسیب سے

کوئی بات پوچھنا غیبت[56] کرنا چغلی[57] کھانا۔ جھوٹ[58] بولنا۔ تجارت[59] میں دغا کرنا۔ بلا اضطرار[60] ناجائز نوکری کرنا یا جائز نوکری[61] میں کام خراب کرنا عورت[62] کا خاوند کے سامنے زبان درازی کرنا یا اُس کا مال[63] بلا اجازت خرچ کرنا۔ یا بلا اجازت[64] کہیں جانا اور حافظوں[65] کا مُردوں پر قرآن پڑھ کر یا تراویح[66] میں قرآن سنا کر کچھ لینا۔ یا مولویوں[67] کو وعظ پر یا مسئلہ تبلانے پر اُجرت لینا یا بحث[68] و مباحثہ میں پڑنا۔ ورد[69] وضع لوگوں کو پیری مریدی کی ہوس کرنا یا تعویذ گنڈوں[70] کا مشغلہ رکھنا یہ ہے فہرست مختصر کرنے نہ کرنے کے کاموں کی اور تفصیل احقر کے رسالوں میں بقدر ضرورت ملے گی۔ اھ

(۹) حضرت والا اپنے پیر و مرشد اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے طریق انیق اور معمول مقبول کے مطابق طالبین کو بیعت فرماتے وقت چاروں سلسلوں میں داخل فرماتے ہیں تاکہ سب اکابر طریق سے انتساب ہو جائے اور سب کی برکات نصیب ہوں۔ نیز چاروں سلسلوں کے بزرگوں کے ساتھ یکساں اعتقاد رہے۔ اور ایک سلسلہ کے بزرگوں کو دوسرے سلسلوں کے بزرگوں پر فضیلت نہ دیں جو اس لئے ممنوع ہے کہ اکثر اس تفضیل سے دوسرے بزرگوں کی تنقیص لازم آجاتی ہے جو ناجائز بھی ہے اور نہایت خطرناک بھی کیونکہ بزرگوں کے ساتھ سوء ظن بعض اوقات سوء خاتمہ کا سبب ہو جاتا ہے ورنہ برکات سے محرومی تو ضرور ہی ہو جاتی ہے۔

۱۰۔ حضرت والا علاوہ ان ضابطہ کی شرائط کے جن کا ذکر اوپر کے نمبروں میں کیا گیا ام بیعت میں اپنے شرح صدر کو بھی دیکھتے ہیں بلکہ دراصل قبول بیعت کا زیادہ تر دار و مدار قبول قلب ہی پر ہوتا ہے۔ جن طالبین کی صلاحیت اور مناسبت پر قلب

شہادت نہیں دیتا - اور جن کی طرف دل رجوع نہیں ہوتا ان کو حضرت والا بیعت نہیں فرماتے بلکہ غیب سے ایسی صورت حالات پیدا ہو جاتی ہے کہ ان سے خود ہی پیچھا چھوٹ جاتا ہے - اور حضرت والا کی شہادت قلب کے صدق کا ظہور ہو جاتا ہے -

اس کے متعلق حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بعض کی جانب تو دیکھتے ہی دل اس قدر جھکتا ہے کہ بے اختیار یہ جی چاہنے لگتا ہے کہ یہ بیعت کی درخواست کرے چنانچہ اکثر یہی ہوا کہ جس کے بارہ میں یہ جی چاہا اللہ تعالیٰ نے خود اس کے بھی قلب میں بیعت کا شوق پیدا فرما دیا - یہاں تک کہ اس نے خود ہی مجھ سے بیعت کی درخواست کی پھر میں نے بلا تامل اس کو بیعت کر لیا - اھ

اس شہادت قلب کے متعلق کسی قدر تفصیل کے ساتھ پیشتر بھی کسی موقع پر مضمون لکھا جا چکا ہے - لہذا یہاں اس مختصر ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے - فی الحال انہیں دس نمبروں پر عنوان ہذا یعنی "اصول متعلقہ بیعت" کو ختم کرتا ہوں - اگر بیعت کے متعلق کوئی اور ضروری اصول بعد کو خیال میں آئے تو ان کو انشاء اللہ عنوان پنجم یعنی اصول متفرقہ کے تحت میں عرض کر دیا جائے گا -

ناظرین کرام نے ان نمبروں کے مطالعہ سے بخوبی معلوم فرما لیا ہوگا کہ حضرت والا کے یہاں محض نام کی بیعت نہیں ہوتی بلکہ کام کی بیعت ہوتی ہے اسی وجہ سے اس امر میں عجلت کو ہرگز گوارا نہیں فرماتے اور فرمایا کرتے ہیں کہ بیعت کرنا تو متبنیٰ کرنا ہے - جب تک باہمی مناسبت و موافقت کا پورا اطمینان نہیں کر لیا جاتا کسی کو بیٹا نہیں بنایا جاتا کیونکہ عمر بھر کے لئے تعلق پیدا کرنا ہوتا ہے - البتہ مٹھائی بانٹنے میں اس کی تحقیق نہیں ہوتی کہ بیٹوں ہی کو دی جائے بلکہ سب لڑکوں کو دی جاتی ہے

اسی طرح میرے یہاں تعلیم تو عام ہے لیکن بیعت مقید ہے۔ اھ

حضرت والا بعض پُرانے تعلق والوں کی بے عنوانیوں پر فرمایا کرتے ہیں کہ دیکھئے اتنی احتیاطوں پر تو یہ حال ہے کہ ایسے ایسے لوگ بھی مریدوں میں داخل ہو گئے ہیں۔ اگر میں توسع کرتا تو نہ معلوم کیا حال ہوتا۔ کسی پر اطمینان ہی نہ ہوتا۔ پھر بھی بفضلہ تعالیٰ میرے یہاں ایسے بہت کم ہیں۔ یہ اس تنگی ہی کا نتیجہ ہے کہ جتنے ہیں اُن پر بفضلہ تعالیٰ اطمینان تو ہے ورنہ امتیاز بھی مشکل ہو جاتا۔ اور محض بھرتی بھرنے سے کیا فائدہ کوئی لام باندھنا تھوڑا ہی ہے۔ اور لام میں بھی ایسے لوگ سوائے اس کے کہ معرکہ کے وقت بھاگتے نظر آئیں اور کس مصرف کے ہیں۔ بلکہ اُن کے بھاگنے سے ایسوں کے بھی پیر اکھڑ جانے کا اندیشہ ہے جن پر اطمینان ہے۔ اھ

یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میرے اس طریق کا فائدہ عام نہ سہی لیکن الحمدللہ تام تو ہے۔ اھ

ایک نووارد طالب سے بیعت کی تفصیل بیان فرما کر فرمایا کہ چونکہ میں آزادی کا بہت قدردان ہوں اس مصلحت سے بھی بیعت کے متعلق مفصل تقریر کر کے یہ ذہن نشین کر دیتا ہوں کہ نفع میں بیعت کا کچھ دخل نہیں تعلیم کا تعلق بالکل کافی ہے تاکہ آزادی رہے کہ اگر کبھی دل کھٹا ہو تو وہ بے تکلف مجھ کو چھوڑ دے ورنہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر آدمی خواہ مخواہ پھنس جاتا ہے۔ اگر دوسری جگہ جانا چاہے تو عرفاً اس سے بیعت فسخ ہو جاتی ہے۔ اھ

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اوّل ملخصاً)

عنوان دوم

اصول متعلقہ تعلیم و تربیت

(۱) حضرت والا تعلیم و تربیت میں طالب کے تابع نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ اسی کو اپنا تابع رکھتے ہیں اور اسی میں اس کی خیریت اور مصلحت ہے جس کی صریح تائید اس آیت سے ہوتی ہے لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ الآیۃ گو اس کے جذبات صحیحہ کی تو بیحد رعایت رکھتے ہیں لیکن ایسا ہرگز نہیں کرتے کہ جو اس نے الٹی سیدھی درخواست کی اس کو پورا کر دیا یا جو اس نے اینڈا بینڈا سوال کیا اس کا اس کی مرضی کے موافق ہی جواب دے دیا۔ بلکہ خود فرمایا کرتے ہیں کہ میرے اکثر جوابات مرضی کے موافق تو ہوتے نہیں۔ لیکن الحمد للہ مرض کے بالکل موافق ہوتے ہیں۔ اھ

احقر عرض کرتا ہے کہ یہ رات دن کا مشاہدہ ہے جو چاہے بغور واقعات و حالات کا تتبع کر کے خود دیکھ لے کہ ہر طالب کے ساتھ معاملہ کرنے میں اور اس کی

معروضات کے جوابات دیتے ہیں (جو ابتدا میں عدم واقفیت اور عدم مناسبت طریق کی وجہ سے اکثر طویل عریض ہی نہیں بلکہ لاطایل و لایعنی بھی ہوتی ہیں، جن کے بارہ میں حضرت والا نہایت لطیف عنوان سے خود فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے طویل خط سے تو الجھن نہیں ہوتی البتہ لاطائل سے ہوتی ہے) حضرت والا کا ہمیشہ بس یہی مطمح نظر رہتا ہے کہ محققانہ سوالات کر کر کے اس کو لاجواب کر دیا جائے تاکہ اس کو اپنے جہل کا علم ہو جو حسب ارشاد حضرت والا انفع العلوم ہے اور ادھر اُدھر کے سب راستے مسدود کر کے اُس کے لئے کوئی جائے گریز ہی نہ چھوڑی جائے اور چاروں طرف سے گھیر گھار کر اس کو شاہ راہ حقیقت پر ڈال دیا جائے۔ اور طریق کے مقصود حقیقی تک پہنچا دیا جائے۔ اس کا اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو ایسا سلیقہ اور ملکہ عطا فرمایا ہے کہ بڑے بڑے اُلجھے ہوئے اور مختلف و مخلوط مضامین کے بڑے بڑے طویل و عریض خطوط آئے دن آتے رہتے ہیں لیکن حضرت والا اُن پر محض ایک چلتی ہوئی مگر متجسسانہ نظر ڈال کر اصل جواب طلب مضمون کو آن کی آن میں تاڑ لیتے ہیں اور اس کے متعلق فوراً قلم برداشتہ کوئی ایسا مختصر سا جملہ یا سوال ارقام فرما دیتے ہیں جو طالب کو غیر مقاصد سے ہٹا کر مقصود اصلی تک رہبری کرنے والا ہوتا ہے اور جو سارے خط کا جواب ہو جاتا ہے اور جو مخاطب کی ساری لفاظیوں اور غیر مقصود مضامین کو اس طرح اڑا دیتا ہے جیسے ذرا سی رنجک بڑے بڑے پہاڑوں کو ہباءً منثورا کر دیتی ہے۔

بدفہم لوگ حضرت والا کے سوالات سے گھبراتے ہیں۔ حالانکہ درحقیقت وہ سوالات نہیں ہوتے بلکہ جوابات ہوتے ہیں کیونکہ اگر ذرا فہم سلیم سے کام

لیا جائے تو انہیں سوالات سے بسہولت جوابات مستنبط ہو سکتے ہیں - نیز حضرت والا کے سوالات اس کو مقتضی ہوتے ہیں کہ برابر اپنی اصلاح کے متعلق خط و کتابت جاری رکھی جائے جو بہت ضروری امر ہے -

سوالات سے گھبرانے پر کل ہی کا ایک واقعہ یاد آیا ایک صاحب نے حضرت والا سے ایک غیر ضروری امر کے متعلق بڑے اہتمام کے ساتھ بذریعہ عریضہ تحقیق کی تھی - حضرت والا نے حسب معمول جواب تحریر فرما دیا تھا کہ کیا کوئی مقصود دینی اس تحقیق پر موقوف ہے - اس پر انہوں نے پھر لکھا تھا کہ مقصود بندہ امر دینی ہے اور وہ صرف اعتقاد حقیقت ہے - اس کا بھی حضرت والا نے یہی جواب تحریر فرما دیا تھا کہ کیا یہ عقائد ضروریہ میں سے ہے - اس پر انہوں نے بُرا مان کر لکھا کہ دو مرتبہ جناب کی خدمت میں عرض کیا گیا مگر بجائے اس کے کہ جواب مسئلہ مرحمت ہوتا ایک سرسری نظر سے ہم پر استفسار قائم کر دیا گیا - امید کہ جواب باصواب سے سرفراز فرمایا جائے - اھ

اس پر حضرت والا نے یہ جواب تحریر فرمایا کہ اب بھی وہی جواب ہے جو میرے نزدیک باصواب ہے اور آپ کے نزدیک ناصواب ہے - بہتر ہے کہ کسی ایسے محقق سے جو علماً محقق ہو اور عملاً واتباعاً آپ کا مقتدا ہو پوچھ لیجئے - اھ

حضرت والا نے اِن سوالات و جوابات کو سُنا کر حاضرین مجلس سے فرمایا کہ ایسے اغیار کے کہنے کا میں بُرا بھی نہیں مانتا - یوں سمجھتا ہوں جیسے کسی جانور نے لات مار دی - چنانچہ اگر کسی کے کوئی جانور لات مار دے تو اس کے

چوٹ تو لگتی ہے مگر وہ بُرا نہیں مانتا کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ جانور ہے۔ اس میں عقل تو ہے ہی نہیں اس لئے لات ماردی بلکہ مجھے تو واللہ ایسوں کے بُرا مان جانے سے عقلاً مسرت ہوتی ہے کہ اچھا ہے ایسے اغبیاء سے چھٹی ہوئی ورنہ اگر معتقد رہتے تو تمام عمر ستاتے۔ ایسوں کا معتقد ہونا بھی وبالِ جان ہے۔ اھ

اتفاق سے کل ہی ایک واقعہ حضرت والا کے اس معمول کی تائید میں بھی پیش آیا کہ امر تربیت میں طالب کا اتباع نہیں فرماتے بلکہ اس کو اپنا تابع رکھتے ہیں وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک طالب نے بذریعۂ عریضہ یہ درخواست کی کہ تہجد سے فارغ ہوکر جو بارہ تسبیح پڑھتے ہیں اس کی اجازت چاہتا ہوں۔ جواب تحریر فرمایا کہ اگر طبیب سے کہا جائے کہ خمیرہ گاؤزبان جو لوگ کھاتے ہیں اس کی اجازت چاہتا ہوں تو طبیب کیا جواب دے گا۔ اھ

اب دیکھ لیجئے بظاہر کیسی اچھی درخواست کی گئی تھی اور عموماً ایسی اچھی چیز کی درخواست کو کون رد کرتا ہے دوسری جگہ فوراً اجازت مل جاتی لیکن حضرت والا کے یہاں تو ہر چیز اپنے موقع اور محل پر ہوتی ہے اور نہایت ترتیب کے ساتھ منازل سلوک طے کرائے جاتے ہیں تاکہ سالک ہر گمراہی سے محفوظ رہے اور بصیرت کے ساتھ راستہ قطع کرے۔ چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ شیخ کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ سالک کو طریق کی حقیقت بتادے اور صحیح راستہ پر ڈال دے تاکہ پھر صرف چلنا رہ جائے اور وہ بلا اِدھر اُدھر بھٹکے چلتا رہے اور بسہولت منزل مقصود تک پہنچ جائے اھ

اسی غرض سے حضرت والا نے طالب مذکور کو دوازدہ تسبیح کی حسب درخواست اجازت دے دینے کے بجائے اُن سے ایک ایسا محققانہ سوال فرمادیا کہ جو مفتاح طریق ہے۔ کیونکہ حضرت والا نے اُس میں درِاصل پورا طریق استرشاد و استفاضہ واضح فرمادیا

ہے اور مریض و طبیب کی مثال و بکر مرید اور پیر کے باہمی تعلق کی پوری حقیقت کھول دی ہے اور گو حضرت والا کا یہ بالکل ابتدائی سوال ہے لیکن تمام دوران تربیت میں طالب مذکور کے لئے وہی مشعل راہ ہو گا اور آیندہ کی ساری خط و کتابت تعلیم و تعلم ارشاد و افاضہ و استفاضہ افادہ و استفادہ سب اسی پر متفرع ہوتا چلا جائے گا۔ اس اجمال کی تفصیل خود حضرت والا ہمیشہ فرمایا کرتے ہیں کہ پیر اور مرید کا تعلق بالکل طبیب اور مریض کا سا ہے کیوں کہ یہ مثال اس تعلق کی سیکڑوں جزئیات پر منطبق ہوتی ہے اھ

یہاں اس انطباق کی صرف وہی صورتیں جو اس مقام کے مناسب ہیں بیان کی جاتی ہیں۔ مثلاً جس طرح مریض کو بس یہ چاہئے کہ طبیب سے اپنے مرض کے متعلق سب حالات کہہ دے پھر تشخیص اور تجویز اور پرہیز وغیرہ سب امور کو بالکل اسی کی رائے پر چھوڑ دے اپنی طرف سے نہ کوئی رائے زنی کرے نہ اس کی کسی تشخیص یا تجویز میں کسی قسم کا دخل دے نہ کسی خاص دوا کے استعمال کی اس سے اجازت طلب کرے کیوں کہ اس کی یہ درخواست بالکل بے محل اور اس کے منصب کے بالکل خلاف ہے۔ ہاں اپنے حالات پورے بیان کر کے علاج کی درخواست کرے۔ پھر جس تدبیر کی ضرورت ہو گی وہ خود ہی تجویز کرے گا۔

ٹھیک اسی طرح مریض روحانی کو اپنے طبیب روحانی سے اپنے امراض باطنی بیان کر کے معالجہ کرانا چاہئے یعنی اول اس کو محض اپنے حالات باطنیہ کی اطلاع دے اور اس سے درخواست اصلاح کرے لیکن تشخیص یا تجویز کے متعلق کسی قسم کی رائے یا کسی خاص ورد یا ازالۂ رذائل کی کسی خاص تدبیر کی اپنی طرف سے درخواست نہ پیش کرے۔ تشخیص اور تجویز کو بالکل اسی کی رائے پر چھوڑ دے خود کسی قسم کا ہرگز

دخل نہ دے وہ حالات پر غور کر کے جو مناسب ہو گا خود ہی تجویز کرے گا اور اگر توضیح حالات کی یا مزید حالات کے معلوم کرنیکی ضرورت ہو گی تو پہلے وہ مناسب استفسارات کر کر کے اس کمی کو پورا کرے گا اس کے بعد تجویز کرے گا پھر جو کچھ بھی وہ تشخیص اور تجویز کر دے اس کو بلا چون وچرا تسلیم کرے اور بکمال اعتماد اس کی تجویزات پر عمل پیرا رہے - اور عمل کرنے کے بعد اپنے حالات سے برابر مطلع کرتا رہے یہاں تک کہ اگر کوئی نیا حال نہ ہو تو یہ بھی ایک حال ہے اسی کی اطلاع کر دے اور جو کچھ وہ اپنی تجویزات میں اُن حالات کے مناسب وقتاً فوقتاً تغیر تبدل کمی بیشی ترمیم تنسیخ کرتا رہے اُن پر بھی کار بند رہے اور عمر بھر یہی سلسلہ جاری رکھے حسب ارشاد مولانا رومیؒ ــ

اندریں رہ می تراش و می خراش

تادم آخر دمے فارغ مباش ۔اھ

حضرت والا اس مضمون کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ سہولت استحضار کے لئے بس ان چار قافیہ دار الفاظ کو یاد رکھیے ۔ اطلاع اور اتباع ۔ اعتقاد اور انقیاد ۔اھ یاد رکھنے کی سہولت کے لئے احقر نے حضرت والا کے اس ارشاد کو ایک شعر میں بھی منضبط کر لیا ہے وہ یہ ہے مـ

چار حق مرشد کے ہیں رکھ عمر بھر تو ان کو یاد

اطلاع و اتباع و اعتقاد و انقیاد

غرض حضرت والا نے اپنے مذکورۂ بالا جواب میں طبیب اور مریض کی مثال دیکر طالب مذکور کو اپنی اصلاح کیلئے گویا پورا دستور العمل تحریر فرما دیا اور بصراحت بتا دیا کہ تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ بالکل غلط ہے کیونکہ یہ دیکھ کر کہ لوگ تہجد

کے بعد بارہ تسبیح پڑھا کرتے ہیں اپنے لئے بھی شیخ سے بارہ تسبیح ہی کی اجازت چاہنا ایسا ہے جیسے کوئی مریض یہ دیکھ کر کہ لوگ خمیرہ گاؤزبان کھاتے ہیں اپنے لئے بھی اسی کی اجازت چاہنے لگے خواہ خمیرہ گاؤزبان اس کے مرض کے مناسب ہو یا نہ ہو۔ نیز بارہ تسبیح کو خمیرہ گاؤزبان سے تشبیہہ دے کر اس طرف بھی قریب بصراحت اشارہ فرما دیا کہ قبل اصلاح نفس کے شیخ سے اذکار و اشغال کی اجازت طلب کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے مریض کو ضرورت تو ہو مسہل کی اور تنقیہ مواد فاسدہ کی لیکن وہ طبیب سے اجازت چاہے خمیرہ گاؤزبان کھانے کی جو محض مفرحات و مقویات قلب میں سے ہے اور اکثر ازالۂ مرض کے بعد محض تقویت و استحکام صحت کے لئے استعمال کرایا جاتا ہے۔ اگر کوئی رحم دل طبیب اس کا شوق دیکھ کر محض اس کی خاطر سے اس کے لئے بجائے مسہل کے خمیرہ گاؤزبان ہی تجویز کر دے تو اس کے اصل مرض کو کیا خاک نفع ہوگا بلکہ عجب نہیں کہ خمیرہ گاؤزبان کے قبل از وقت استعمال سے مرض میں اور زیادتی ہو جائے۔

چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ طالب کے اندر اصلاح اعمال کا اہتمام پیدا کر دینے کے قبل اُس کو اذکار و اشغال میں مشغول کر دینا اکثر مضر ثابت ہوتا ہے کیونکہ پھر وہ اپنے آپ کو بزرگ سمجھنے لگتا ہے خاص کر اگر کہیں اتفاقاً اذکار و اشغال سے یکسوئی ہو کر اُس پر کیفیات کا بھی ورود ہونے لگا تب تو گویا اس کے نزدیک بزرگی کی رجسٹری ہو گئی۔ حالانکہ اس قسم کی کیفیات کا بزرگی سے کیا تعلق۔ ایسی کیفیات تو بعض ریاضات اور مشق سے فساق و فجار بلکہ کفار تک کو حاصل ہو جاتی ہیں اور جب وہ ان کیفیات ہی کو بزرگی سمجھ لیتا ہے تو پھر اس کو اصلاح نفس اور اصلاح اعمال کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی نہ کبھی ادھر توجہ ہوتی ہے اس لئے ہمیشہ جہل ہی میں مبتلا

رہتا ہے اور اصل مقصود یعنی وصول الی اللہ سے محروم رہتا ہے جس کا طریق تحصیل نصوص نے صرف اصلاح اعمال ہی کو بتلایا ہے۔ اھ

غرض حضرت والا نے اپنے جواب باصواب میں صرف ایک مختصر ہی سا سوال کر کے طالب مذکور پر گویا سارا باب اصلاح مفتوح فرما دیا اور دوازدہ تسبیح کو خمیرہ گاؤزبان سے تشبیہ دے کر اذکار و اشغال کا جو محض مستحب ہیں اصلاح اعمال کے مقابلہ میں جو فرض اور قابلِ تقدیم ہے درجہ اور موقع بھی متعین فرما دیا۔

اس تشبیہ پر حضرت والا ہی کی فرمائی ہوئی ایک اور تشبیہ بھی یاد آگئی۔ فرمایا کرتے ہیں کہ محض اذکار و اشغال اصلاح اعمال کے لئے ہرگز کافی نہیں اصلاح کے لئے تو ہمت اور بہ تکلف استعمالِ اختیار اور تدابیر استحضار اور ان کے تکرار کی ضرورت ہے۔ البتہ اذکار و اشغال معین اصلاح ضرور ہو جاتے ہیں۔ اذکار و اشغال کا اصلاح نفس میں بس اُتنا ہی دخل ہے جتنا عرق بادیان کا مسہل میں ہوتا ہے کہ مادۂ فاسد کا تنقیہ تو دراصل مسہل ہی سے ہوتا ہے لیکن اوپر سے عرق بادیان بھی پیتے رہیں تو اس سے بھی بہت کچھ اعانت ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی احمق مسہل تو پئے نہیں اور سونف کا عرق ہی عرق پئے جائے تو کیا اس سے مادۂ فاسد کا تنقیہ ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ ہاں اول تو مسہل پئے پھر اوپر سے سونف کا عرق بھی مدد کے لئے استعمال کرے تو اعماق بدن میں سے سارا مادۂ فاسد بہت جلد دفع ہو کر کامل تنقیہ ہو جائے۔ تنقیہ کے لئے محض عرق بادیان بلا مسہل کے ہرگز کافی نہیں ہاں مسہل تو بلا عرق بادیان کے کافی ہو بھی سکتا ہے گو سہولت کی مصلحت حاصل نہ ہو۔ اھ

الحاصل مقصود بالبیان یہ ہے کہ ابتداء میں حضرت والا کی تمامتر توجہ اسی بات پر

رہتی ہے کہ اصلاح اعمال کی اہمیت طالب کے اچھی طرح ذہن نشین کر دی جائے اور جب تک یہ مقصود نہیں حاصل ہو جاتا نہ خود چین لیتے ہیں نہ طالب کو چین لینے دیتے ہیں۔ اور کثرتِ استفسارات سے بھی اکثر یہی مقصود ہوتا ہے۔ نیز جب تک طالب کے اندر اصلاح اعمال کا خاص اہتمام نہیں پیدا ہو جاتا اذکار و اشغال کی تعلیم نہیں فرماتے ہاں جب یہ دونوں ابتدائی مراحل طے ہو جاتے ہیں یعنی جب اصلاح اعمال کی اہمیت بھی اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے اور طالب اپنی اصلاح اعمال میں خاص اہتمام کے ساتھ مشغول بھی ہو جاتا ہے پھر بلا تامل اذکار و اشغال بھی تعلیم فرما دیتے ہیں پھر اس کا انتظار نہیں فرماتے کہ جب اصلاح اعمال کی تکمیل ہو جائے اُس وقت اذکار و اشغال شروع کرائے جائیں۔

حضرت والا اپنی اس ترتیب کے متعلق یہ فرمایا کرتے ہیں کہ سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ سلف کے یہاں تو سلوک کی اصل ترتیب یہی تھی کہ اصلاح اعمال ظاہرہ و باطنہ کی تکمیل کے بعد اذکار و اشغال شروع کراتے تھے لیکن اکابر متاخرین نے یہ دیکھ کر اس زمانہ میں عمریں اور ہمتیں دونوں قاصر ہیں اس ترتیب کو قائم نہیں رکھا۔ بلکہ اصلاح اعمال کے ساتھ ساتھ اذکار و اشغال کی بھی تعلیم کرنے لگے اور دونوں کو ساتھ ساتھ چلانے لگے اور میں نے اپنے زمانہ کے طالبین کے مصالح پر نظر کر کے اکابر سلف کے طرق اور اکابر متاخرین کے طرق کے بین بین طریق اختیار کیا ہے۔ یعنی کچھ دن تک تو میں محض اصلاح اعمال ہی میں مشغول رکھتا ہوں اور جب یہ دیکھ لیتا ہوں کہ اصلاح اعمال کی اہمیت اچھی طرح اس کے ذہن نشین ہو گئی ہے اور اس کے اندر اس کا خاص اہتمام پیدا ہو گیا ہے اس وقت اذکار و اشغال بھی بتلا دیتا ہوں اور پھر دونوں کا سلسلہ ساتھ

ساتھ چلاتا رہتا ہوں۔ غرض میں نے اکابر متاخرین کے طریق میں اپنے زمانہ کے طالبین کی طبائع کا رنگ دیکھ کر بضرورت صرف اتنی ترمیم کر لی ہے کہ وہ حضرات تو دونوں چیزوں کو شروع ہی سے ساتھ ساتھ چلاتے تھے اور میں کچھ دن بعد ساتھ ساتھ چلاتا ہوں۔ اھ

اس امر کے متعلق کہ حضرت والا کو اس کا خاص اہتمام ہے کہ اصلاح اعمال کی اہمیت طالبین کے ذہن نشین کی جائے حضرت والا کا ایک اور جواب بھی نقل کیا جاتا ہے جو آج ہی بتاریخ ۱۱۔ رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ ایک صاحب کے خط پر تحریر فرمایا گیا ہے۔ پچھلے خط میں ان کو حضرت والا نے ان کی سابقہ کوتاہیوں پر متنبہ اور ان کوتاہیوں کے تدارک کی طرف متوجہ فرمایا تھا۔ وہ اپنے خط میں اُس کو تو بالکل گول کر گئے اور حضرت والا کو خوش کرنے کے لئے محض طلب دعا اور دریافت خیریت کا خط لکھا اور اس باب یہ بھی اطلاع دی کہ آج رات سوا گیارہ پارے تراویح میں ہوئے۔ اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ تم نے اپنی تراویح کی تو اطلاع دی اور تم سے جو دوسروں کو تکالیف پہنچیں خصوص حقوق کے متعلق اور ان کا تدارک ان کو راحت پہنچانے سے ہو سکتا تھا۔ اُن تراویح کی اطلاع نہ دی اس کی ایسی مثال ہے کہ مریض طبیب کو اپنی غذا کی تو خبر دے مگر دوا اور مرض کی خبر نہ دے کیا طبیب اس سے خوش ہوگا بجز اس طبیب کے جو مریضوں کے نام سے اپنا رجسٹر بھرنا چاہتا ہو اور مریض پر شفقت نہ رکھتا ہو۔ اھ اس جواب میں بھی مریض اور طبیب ہی کی مثال سے کام لیا گیا ہے۔

حال ہی میں ایک اور طالب کا بھی خط آیا جس کا ذکر اس مقام پر مناسب ہوگا۔

انھوں نے بھی اپنے پچھلے عریضہ میں صرف یہ لکھا تھا کہ حضرت اللہ اللہ کرنے کو بہت دل چاہتا ہے اگر اجازت ہو تو حضور کے رسالہ قصد السبیل سے عالم مشغول کا دستور العمل شروع کر دوں اھ ۔ اس پر حضرت والا نے استفسار فرمایا کہ کیا صرف یہی مقصود ہے؟ اھ

یہاں بھی حضرت والا نے پہلے محض سوال ہی فرمایا کہ کیا صرف یہی مقصود ہے؟ اھ ۔ اول ہی وہلہ میں اور بطور خود مقصود اصلی کی تعیین نہیں فرمائی تاکہ مخاطب اپنی قوت فکریہ سے کام لے اور سوچ کر خود ہی مقصود اصلی کو متعین کرے کیوں کہ جو بات اس طرح مطالعہ کرانے کے بعد ذہن میں آتی ہے وہ نہایت پختگی کے ساتھ آتی ہے اور پھر کبھی ذہن سے نہیں نکلتی ۔

چنانچہ وہ طالب حضرت والا کے اسی ایک سوال سے سب کچھ سمجھ گئے جیسا کہ اُن کے جواب سے ظاہر ہوگا جو نقل کیا جاتا ہے ۔

وہ لکھتے ہیں کہ حضور کے لفظ صرف سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ (یعنی اللہ اللہ کرنا) مقصود تو ہے مگر تنہا اور اول میں مقصود نہیں تخلیہ کے بعد مطلوب ہے جیسا کہ حضور نے اپنے مواعظ میں بھی فرمایا ہے اصل مقصود اصلاح ہے سو حضور نے سابقہ خط و کتابت میں ہر مرض کا اچھی طرح علاج فرما دیا ہے بحمد اللہ اب تقاضا نفس کا مغلوب ہو چلا ہے اور ہر ایک رذیلہ کے مادہ میں اضمحلال اور ضعف پیدا ہو گیا ہے یہ دعائے حضور تکرار استحضار سے رسوخ اصلاح بھی اچھی طرح ہو جائے گا ۔ اور دل کی حالت تلون ہے ۔ کبھی تو سخت اور خدا سے دور معلوم ہوتا ہے اور کبھی ایسی رقت اور نرمی وارد ہوتی ہے کہ رونے لگتا ہوں اور ہاتھ جوڑ کر اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں ۔ اور یہ

دل میں شورِ حق تعالیٰ کی محبت کا بہت اٹھتا ہے۔ اللہ کے نام میں لذت آتی ہے۔
دل چاہتا ہے کہ اللہ اللہ کروں مگر بوجہ نہ ہونے اجازت کے رُک جاتا ہوں۔ اسی
شور و لذت کے تقاضے سے عرض کیا تھا کہ اللہ اللہ کی اجازت فرمائیں یہ ہے میرا
عرضِ حال اب جو مناسب سمجھیں ارشاد فرمائیں۔ والسلام۔ اھ

احقر جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ اس خط کے مضامین سے ناظرین کرام نے بخوبی
اندازہ فرمالیا ہوگا کہ حضرت والا کا طریق تعلیم کس درجہ نافع ہے۔ احقر کو خود معلوم ہے
کہ طالب مذکور بڑے بڑے سخت امراضِ باطنی اور کبائر تک میں مبتلا تھے۔ مگر
حضرت والا کو برابر اپنے حالات کی اطلاع دیتے رہے اور اپنی اصلاح کراتے
رہے بعض اوقات دورانِ اصلاح میں بھی نفس کے تقاضوں سے مغلوب ہو ہو کر
پھر مرتکب کبائر ہو جاتے مگر پھر حضرت والا سے رجوع کرتے اور صاف صاف
اپنی شرمناک حرکات کا بغرض اصلاح حضرت والا سے اظہار کر دیتے اور تدارک
پوچھتے۔ ایک بار حضرت والا نے زجراً یہ بھی تحریر فرما دیا تھا کہ جب اختیاری گناہوں
سے بچنے کے لئے اختیار اور ہمت سے کام نہیں لیتے تو آئندہ مجھے ہرگز خط نہ لکھو
ورنہ بلا جواب واپس کر دیا جائے گا۔ اھ

لیکن چونکہ وہ طالب صادق تھے اس لئے حضرت والا نے یہ جواب لکھ کر
اور حاضرین کو بلا اظہار نام سنا کر فرمایا کہ میں نے یہ محض زجراً لکھ دیا ہے تاکہ
آئندہ ایسی حرکت سے باز رہیں کچھ دن بعد جب دیکھوں گا کہ راہ پر آگئے تب
پھر خط و کتابت کی اجازت دے دوں گا۔ چنانچہ وہ برابر پیچھے پڑے رہے۔ یہاں تک
کہ حضرت والا نے ان کو پھر خط و کتابت کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اب دیکھ

لیجئے کہ حضرت والا کے اس طرز تعلیم و تفہیم کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُن کو بفضلہ تعالیٰ طریق سے پوری مناسبت اور بہت کچھ اصلاح ہو گئی جیسا کہ اُن کے خط سے ظاہر ہے جو اوپر نقل کیا گیا۔ یہ صاحب ایک عرصہ سے خط و کتابت کر رہے ہیں لیکن ابھی تک حضرت والا نے ان کو صرف اصلاح نفس ہی میں مشغول رکھا ذکر و شغل تعلیم نہیں فرمایا۔ لیکن دیکھ لیجئے اس سے ان کو کس قدر نفع ہوا۔ اور وصول الی المقصود کی کس درجہ استعداد پیدا ہو گئی بقول حضرت والا لکڑی مدت تک دھوپ میں پڑی رہتی ہے یہاں تک کہ پھر اس قابل ہو جاتی ہے کہ بس ایک ہی دیا سلائی میں سُلگ اُٹھے۔ اھ

اسی طرح طالب مذکور میں بھی اب ایسی استعداد پیدا ہو گئی ہے کہ بس تھوڑے دنوں کے ذکر و شغل ہی میں انشاء اللہ تعالیٰ اُن کا کام بن جائے گا بلکہ ابھی بہت کچھ بن چکا ہے کیوں کہ بعون اللہ تعالیٰ نفس پر قابو ہو چلا ہے۔ اور قلب میں ذکر و شغل کا ذوق و شوق پیدا ہو گیا ہے۔ پھر اور کیا چاہیئے۔ حالانکہ غالباً اُن صاحب کو ابھی تک حاضری خانقاہ کی بھی نوبت نہیں آئی۔ ایسے ہی تجربوں کی بنا پر تو حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ جو لوگ باقاعدہ تعلیمی خط و کتابت کرتے رہتے ہیں وہ جب یہاں آتے ہیں تو بفضلہ تعالیٰ اس قابل ہوتے ہیں کہ پہلی ہی ملاقات میں اُن کو بیعت اور تعلیم و تلقین کی اجازت دے دی جائے۔ اھ

جس بنا پر اجازت دی جاتی ہے اس کی نہایت نفیس تحقیق جو حضرت والا نے تحریر فرمائی ہے وہ انشاء اللہ تعالیٰ باب آئندہ خلفائے مجازین میں نقل کی جائیگی بظاہر طالب مذکور کے اُس مضمون کے بعد جو اوپر نقل کیا گیا اس کی سابقہ درخواست

کے مطابق اس کو ذکر و شغل کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی جاتی لیکن نہیں حضرت والا جب تک ہر ہر جزئی کی اصلاح نہیں فرما دیتے طالب کا پیچھا نہیں چھوڑتے چنانچہ حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

"تو پہلے پوری بات کیوں نہیں لکھی تھی کیا مجھ کو غیب کی خبر ہے اس کا جواب دیکر پھر لکھو جو لکھنا ہو۔ اھ

یہ جواب لکھ کر حاضرین سے فرمایا کہ ایسی جلدی راضی نہ ہو جانا چاہیئے۔ ان کو خط لکھنے کا سلیقہ بھی تو تعلیم کر دینا چاہیئے۔ انہوں نے پہلے صرف یہی لکھ کر بھیج دیا کہ اللہ اللہ کرنے کو بہت جی چاہتا ہے اور اصلاح نفس کے متعلق یہ حالات جو اب لکھے ہیں کچھ نہ لکھے اسی لئے مجھ کو یہ سوال کرنا پڑا کہ کیا صرف یہی مقصود ہے۔ اگر وہ یہ سب حالات اسی خط میں لکھ دیتے تو میں یہ سوال ہی کیوں کرتا۔ میری تو یہ غرض ہوتی ہے کہ طالب کی پوری اصلاح ہو اس لئے بار بار سوالات کرتا ہوں اور کوئی معترضوں کا یہ اعتراض ہے کہ تم ڈاک خانہ کے بڑے خیر خواہ ہو ٹکٹ بہت بکواتے ہو۔ لوگوں سے ذرا ذرا سی باتوں کے لئے بار بار خطوط لکھواتے ہو۔ اب ایسے کوڑ مغزوں کو کیا جواب دیا جائے سوائے اس کے کہ اچھا بھائی تم یوں ہی سمجھو اور مجھ سے خط و کتابت نہ کیا کرو جو ڈاک خانہ کا بدخواہ ہو اس سے رجوع کر لو۔ اور آج کل تو ڈاک خانہ کے بدخواہ بہت ہیں۔ اھ

طالب مذکور کے علاوہ ایک اور طالب نے لکھا کہ میرے معمولات فلاں فلاں ہیں۔ ان سب میں جو کچھ کمی ہو اس سے سرفراز فرمائیں۔ حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ یہ تو اپنی فرصت اور تحمل پر ہے اصل چیز جس میں کمی بیشی دیکھی جا سکتی ہے

وہ اصلاح اعمال ہے۔ اھ

ایک اور طالب نے لکھا کہ جناب نے میرے مرض بدنگاہی کا علاج فرمایا ہے یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے شفا کا حقہ ہو گئی ہے مگر انشاء اللہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ باری تعالیٰ نے صرف اپنے فضل و کرم سے بوسیلہ حضور جو شفا عطا فرمائی ہے بندہ کو انہماک فی المرض کی وجہ سے اس کے عشر عشیر کی بھی امید نہ تھی۔ اب باقی ماندہ امراض جوارح میں سے غیبت میں زیادہ ابتلاء معلوم ہوتا ہے۔ گو پہلے کی نسبت بحمد اللہ یہ بھی کم ہے کہ عدم احساس کے بجائے اب ابتلاء پر ملال ہے امید کہ اب مرض غیبت کے علاج سے بہرہ یاب فرمائیں گے۔ اھ

اس پر حضرت والا نے استفسار فرمایا کہ کیا پچھلا علاج (یعنی بدنگاہی کا) مکمل و راسخ ہوگیا۔ اھ

انہوں نے لکھا کہ تقاضا تو بظاہر کالعدم نہیں ہوا مگر ابتلاء شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ اھ

اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ شاذ و نادر کیا معنی اگر کوئی کہے کہ میں نے شراب چھوڑ دی ہے بس کبھی کبھی پی لیتا ہوں تو کیا یہ ترک شراب ہے انتہی بحاصلہ۔

احقر اس نمبر کو یہیں ختم کئے دیتا ہے ورنہ ضمنی مضامین تو سینکڑوں یاد آتے چلے جا رہے ہیں اور یہ نمبر جو پہلے ہی ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا ہے اور بھی زیادہ بڑھ جائے گا۔ چونکہ اس نمبر میں حضرت والا کے بہت سے اصول تعلیم و تربیت معرض بیان میں آگئے ہیں اس لئے ناظرین سے استدعا ہے کہ اس کو بغور ملاحظہ فرما کر مختلف اصول کو اپنے ذہن میں مجتمع فرمالیں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اس کا خاص لحاظ رکھا جائے گا کہ ایک نمبر میں ایک سے زیادہ اصول نہ بیان کئے جائیں اور

وہ بھی اختصار کے ساتھ کیوں کہ اس باب کو جلد ختم کر کے دیگر ابواب کو شروع کرنا ہے۔ نیز چونکہ احقر کی رخصت قریب ختم آپہنچی ہے اس لئے اب بقیہ سوانح کو بھی جہاں تک ہو سکے گا بہت اختصار کے ساتھ لکھا جائے گا ورنہ خدانخواستہ ناٹکمل رہ جانے کا اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے اور بسہولت جلد سب ابواب کو پورا فرمائے۔ آمین

(۲) حضرت والا کا مطمع نظر چونکہ اصلاح کے درجات کی تکمیل ہے اس لئے طالب کی ادنیٰ بے تمیزی یا بے التفاتی کو بھی گوارا نہیں فرماتے اور فوراً صاف صاف تنبیہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک طالب کو تحریر فرمایا کہ تمہارے خط میں ایک جملہ ہے کہ "اس کے پہلے بھی ایک بار مستفتی ہو کر جواب سے محروم ہوں" اھ کیا اس جملہ میں مجھ پر اعتراض نہیں اور کیا وہ اعتراض بلا دلیل نہیں اور کیا اعتراض بلا دلیل سے اذیت نہیں ہوتی اور کیا اذیت کی حالت میں کوئی خدمت لی جا سکتی ہے۔ پھر اپنے کو مرید اور معتقد لکھتے ہو یہ جمع بین المتضادین کیسا افسوس اھ

اسی طرح ایک طالب نے اپنے عریضہ میں حضرت والا کے خواہر زادہ صاحب فضیلت مآب مولانا مولوی ظفر احمد صاحب مدت فیوضہم کے نام بھی کچھ مضمون لکھ دیا تھا۔ اس پر تنبیہاً تحریر فرمایا کہ وہ حج کو گئے ہیں۔ مگر میرے خط میں دوسروں کے مضامین لکھنا کیا خلاف تہذیب نہیں؟ میں ان کو پیغام پہنچاتا پھروں یا پرچہ دیتا پھروں افسوس۔ اھ

بعض صورتوں میں یہاں تک تحریر فرما دیتے ہیں کہ جب تک سلیقہ اور تہذیب نہ سیکھ لو میرے پاس خط نہ بھیجو۔ اھ اور بعض کی تعلیم و تلقین ہی سے دستکش ہو جاتے

ہیں۔ اور اکثر شکایت فرمایا کرتے ہیں کہ آج کل عام طور پر طبائع میں ادب بالکل نہیں رہا الاّ ماشاء اللہ اسی وجہ سے اکثر محروم رہتے ہیں۔ ع

بے ادب محروم گشت از فضل رب

بلا ادب شیخ کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور ادب محض تعظیم و تکریم کو نہیں کہتے یہ تو محض صورتِ ادب ہے ادب کی روح ہے ایذار سے بچانا اور راحت پہنچانا۔ اگر کسی کو زیادہ تعظیم و تکریم سے اذیت ہوتی ہو تو وہ بھی بے ادبی ہے۔ اھ

یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بعض لوگ قصداً ایذار نہیں پہنچاتے لیکن محض عدم قصد ایذار کافی نہیں بلکہ قصد عدم ایذار ضروری ہے۔ اھ

(۳) حضرت والا کو اس کا خاص اہتمام رہتا ہے کہ طالبین کو فضولیات سے ہٹا کر ضروریات میں مشغول کر دیا جائے جس کی صدہا نظائر ہیں لیکن چونکہ ابھی ابھی اختصار کا وعدہ کر چکا ہوں۔ اس لئے صرف ایک واقعہ بطور نمونہ عرض کیا جاتا ہے۔

ایک اہلِ علم طالب نے حضرت والا کو لکھا کہ میرے ذہن ناقص میں یہ آتا ہے کہ فلاں شخص مدّعی مہدویت کو فلاں اہلِ باطل فرقہ سے بھڑا دیا جائے۔ اھ۔ حضرت والا نے اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ افسوس کیا ان پالیسیوں میں رائے لینے کے لئے مجھ سے تعلق پیدا کیا تھا؟ اس فن کے مجھ سے زیادہ جاننے والے بہت ہیں۔ اھ

(۴) حضرت والا محض فقہی مسائل پوچھنے پر اکثر طالبین کو تنبیہ فرما دیتے ہیں کہ کیا یہ مسائل اور اہل علم سے نہیں پوچھے جا سکتے۔ اس فن کے تو مجھ سے بھی بہتر جاننے والے بہت لوگ موجود ہیں۔ مجھ سے تو اپنی اصلاح کے متعلق باتیں پوچھی جائیں جن کے لئے مجھ سے تعلق پیدا کیا ہے۔ اھ

اس کا راز یہ فرمایا کرتے ہیں کہ فقہی مسائل پوچھ کر طالبین یہ سمجھتے ہیں کہ بس ہم نے حق بیعت اور حق تعلق ادا کر دیا۔ اپنی اصلاح نفس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ چنانچہ فلاں صاحب ہمیشہ مجھ سے مسائل فقہیہ ہی کی تحقیق کیا کرتے بہت دن تک تو میں ان کی خاطر سے جواب دیتا رہا لیکن جب میں نے دیکھا کہ وہ بس اسی پر اکتفا کرتے ہیں اپنی اصلاح نفس کے متعلق کبھی کوئی بات ہی نہیں پوچھتے۔ سوائے اس کے کہ ہمیشہ کمی کیفیات کی شکایت لکھا کرتے تو میں نے ان کو اس ضرر باطنی سے بچانے کے لئے فہمائش کی اور صاف کہہ دیا کہ تم مجھ سے یہ خدمت تحقیق مسائل کی نہ لو۔ مجھ سے تو وہ خدمت لو جس کے لئے مجھ سے تعلق پیدا کیا ہے یعنی اصلاح باطن۔ لیکن چونکہ مسائل فقہیہ کی تحقیق بھی ضروری چیز ہے اس لئے اس کام کے لئے مولانا خلیل احمد صاحب کو تجویز کر لو۔ مولانا اس وقت زندہ تھے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اب مجھے خط بھیجیں تو کیا لکھیں سوائے اس کے کہ اپنی اصلاح کے متعلق لکھیں۔ غرض مجبور ہو کر انہیں اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا پڑا جس سے اُن کو بہت نفع ہوا یہاں تک کہ بفضلہ تعالیٰ صاحب نسبت اور صاحب اجازت ہو گئے۔ اھ

اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ ماشاء اللہ فتویٰ نویسی کا کام تو بہت جگہ ہو رہا ہے اور اس فن کے بفضلہ تعالیٰ مجھ سے کہیں بہتر جاننے والے بکثرت موجود ہیں، لیکن اصلاح باطن کا کام اہتمام خاص کے ساتھ آج کل کہیں نہیں ہو رہا۔ اس لئے اس کی ضرورت دیکھ کر میں نے اپنے ذمہ یہی خدمت لے رکھی ہے گو یہ درجہ میں من وجہ اُس سے متنزل ہو۔ اھ

(۵) یوں تو تعلیم و تربیت باطن کے متعلق حضرت والا کا ہر ارشاد آب زر

سے لکھنے کے قابل ہے۔ لیکن بعض خاص خاص ارشادات تو ایسے جامع مانع اور
سہل ممتنع کی شان رکھنے والے ہیں کہ گو وہ چند نہایت مختصر اور سہل الفاظ کا مجموعہ ہیں
لیکن ان میں سارا فن سلوک آگیا ہے اور اُن کے اندر سالکین کے لئے پورا دستور العمل
مذکور ہے یہاں تک کہ بعض ایسی ہی شان جامعیت رکھنے والے تحریری ارشادات
کو باوجود محض چند سطری مضامین ہونے کے حضرت والا نے فرداً فرداً ایک مکمل رسالہ
قرار دے کر مستقل نام بھی تجویز فرما دئے ہیں۔ مثلاً روح الطریق، وضوح الطریق، فتوح الطریق
تسہیل الطریق وغیرہ جن میں سے بعض موقع بہ موقع نقل بھی کئے جا چکے ہیں۔ اس پر بعض
کوتاہ بینوں اور کم فہموں نے یہ اعتراض کیا کہ کہیں چند سطروں کے بھی رسالے ہوا کرتے
ہیں۔ جس کا ایک صاحب نے خوب ہی جواب دیا کہ یہ تو سنت الٰہیہ کا اتباع ہے
کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بھی تو بعض چند سطر بلکہ ایک سطر ہی کی سورتوں کو مستقل سورت
قرار دے دیا ہے مثلاً سورۂ کوثر، سورۂ عصر، سورۂ اخلاص اھ۔ ایسے اکثر ارشادات
جامعہ کا عطر یہ ارشاد ہے کہ انسان صرف اختیاری امور کا مکلف ہے غیر اختیاری
امور کا مکلف ہی نہیں۔ لہٰذا اختیاری امور میں تو بہ تکلف ہمت اور استعمال اختیار
سے کام لے اور غیر اختیاری امور کے نہ تو درپے ہو اور نہ اُن کی فکر میں پڑے اھ
جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ اگر کوئی اسی ایک اصول پر مضبوطی کے ساتھ
کاربند رہے تو دین اور دنیا دونوں کی صلاح و فلاح حاصل ہو جائے اور پریشانی
پاس بھی نہ پھٹکے۔

یہ اختیاری اور غیر اختیاری کا مسئلہ تو حضرت والا نے اتنا واضح فرمایا ہے۔ کہ
صدیوں سے اس کا ایسا عام وضوح نہ ہوا تھا۔ اور اس سے اتنا کام لیا ہے کہ

ہزاروں مشکلات طریق اس کے ذریعہ سے حل فرمادی گئی ہیں جب کوئی طالب اصلاح اپنے کسی عیب کی اصلاح چاہتا ہے تو حضرت والا سب سے پہلے اُس سے یہی سوال فرماتے ہیں کہ یہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری اگر وہ کہتا ہے کہ اختیاری ہے تو فرماتے ہیں کہ جس چیز کا فعل اختیاری ہے اس کا ترک بھی اختیاری ہے۔ ہمت کرکے اختیار کو استعمال میں لاؤ اور چھوڑ دو۔ اگر وہ کہتا ہے کہ غیر اختیاری ہے تو اگر وہ در اصل غیر اختیاری ہوا تو فرماتے ہیں کہ غیر اختیاری کا آدمی مکلّف ہی نہیں۔ پھر اس میں دینی ضرر ہی کیا ہوا جو اس کا علاج پوچھا جاتا ہے۔

بعضوں نے کہا کہ یہ تو سمجھ میں آگیا کہ اس میں بوجہ غیر اختیاری ہونے کے دینی ضرر کوئی نہیں لیکن تکلیف اور پریشانی تو ہے اور یہ بھی قابل علاج ہے اس کا یہ جواب ارشاد فرمایا کہ تکلیف اور پریشانی کا علاج میرے ذمہ نہیں ورنہ کل کو پھر یہ بھی کہنا کہ صاحب میرے پیٹ میں درد ہے جس سے بڑی پریشانی ہے اس کا بھی علاج بتایا جائے۔ اھ

اسی طرح ایک صاحب نے فضول گوئی کا علاج پوچھا تو حسب معمول یہی سوال فرمایا کہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری اس پر اُنہوں نے لکھا کہ اختیاری ہے لیکن سہولت کی تدبیر ارشاد فرمائی جائے۔ تحریر فرمایا کہ کس کس چیز کے سہل ہونے کی تدبیر پوچھو گے اور اس حدیث کے کیا معنی کہو گے۔ حفت الجنۃ بالمکارہ۔ اھ

حضرت والا کی تعلیم میں اللہ تعالیٰ نے برکت ایسی رکھی ہے کہ اکثر طالبین کو محض استعمال اختیار ہی کی تاکید فرمانے پر استعمال اختیار کی بفضلہ تعالیٰ۔ توفیق ہو جاتی ہے اور بڑے بڑے عیوب چھوٹ جاتے ہیں۔

بعض کو یہ دیکھ کر کہ استعمال اختیار میں اپنی طرف سے پوری کوشش کرتے

ہیں سہولت مقاومت نفس کی تدبیر پوچھنے پر یہ ارشاد فرمایا کہ گو سہولت کی تدبیر بتانا مصلح کے ذمہ نہیں لیکن تبرعاً بتاتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ بہ تکلف نفس کی مخالفت کرتے رہنے سے پھر رفتہ رفتہ داعیہ ضعیف ہو جاتا ہے اور اس کی مقاومت سہل ہو جاتی ہے غرض جو تدبیر تحصیل ہے وہی تدبیر تسہیل بھی ہے۔ لیکن یہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں بعض کو عمر بھر مجاہدہ ہی کرنا پڑتا ہے۔ غرض طالب کو اپنی طرف سے عمر بھر مجاہدہ ہی میں گزارنے کے لئے تیار رہنا چاہیے اور مجاہدہ ہی کے لئے تو یہاں بھیجے گئے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ اور مجاہدہ ہی سے تو اجر اور قرب بڑھتا ہے اور جن کو بعد مجاہدات کے سہولت ہو جاتی ہے اُن کو بھی برابر مجاہدہ کا اجر ملتا رہتا ہے کیونکہ یہ سہولت مجاہدات ہی سے تو مسبب ہوئی ہے۔ اھ

ایک صاحب نے لکھا کہ احقر کے اندر لوگوں سے ربط و ضبط بڑھانے کا مہلک اور شدید مرض ہے۔ اس عادت کو بہت چھوڑنا چاہتا ہوں لیکن نہیں چھوٹتی حالانکہ یہ امر اختیاری ہے۔ اھ

اس کا ضابطہ کا جواب تو صرف یہی تھا کہ ہمت سے کام لو لیکن چونکہ انہوں نے اپنی سعی کوشش کرنے کے بعد یہ عریضہ لکھا تھا اس لئے جواب تحریر فرمایا کہ اصل علاج تو ہمت ہے مگر اس کی اعانت کے لئے نفس پر کچھ جرمانہ مقرر کیا جائے کہ جب خلاف عہد ہو اتنی نوافل یا اتنے پیسے ادا کئے جائیں۔ اھ

اسی طرح خود احقر نے ایک بار حضرت والا کی خدمت فیض درجت میں عریضہ لکھا کہ میری طبیعت ابتداءً تو جلوت پسند نہیں بلکہ ملنے جلنے سے وحشت ہوتی ہے لیکن ملتا ہوں تو پھر حد سے ضرور متجاوز ہو جاتا ہوں۔ بارہا قصد کیا لیکن صرف بقدرِ

ضرورت ملنے پر مجھے قدرت ہی حاصل نہیں ہوتی - آج سے پھر قصد خلوت کرتا ہوں جب خلوت ہو گی تو کثرت کلام بھی چھوٹ جائے گی۔ بہت ہی جی چاہتا ہے کہ بس ضروریات اور ذکر و فکر ہی میں دن رات رہوں - حضرت والا کے اس ارشاد کو کہ میں چاہتا ہوں یہاں پر کوئی کسی سے بات بھی نہ کرے - بالکل اپنی طبیعت کے موافق پایا۔ الخ اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اس میں بھی مبالغہ سے کام لیا گیا ہے اعتدال ہر امر میں محمود ہے مگر بعض طبائع بدون تدبیر کے اُس پر بسہولت قادر نہیں۔ تدبیر یہ ہے کہ بدون ضرورت شدید آپ خود کسی سے ابتداءً بکلام نہ کریں اور نہ کسی کے پاس جائیں اور جو شخص آپ سے ابتداءً بکلام کرے اس کو مختصر اور ضروری جواب دے کر ذکر میں مشغول ہو جائیں انشاء اللہ تعالیٰ اس سے اعتدال نصیب ہو جائے گا میں بھی دعا کرتا ہوں ایک ہفتہ کے بعد پھر اطلاع دی جائے - اھ

دیکھئے یہاں بھی کیسی نفیس تدبیر سہولت ارشاد فرمائی لیکن تدابیر سہولت انہیں کو بتائی جاتی ہیں جو استعمال اختیار کی کوشش کرنے کے بعد پوچھتے ہیں اور بعض کو از خود ابتداءً اور بلا پوچھے بھی بتا دیتے ہیں جن کے بارہ میں قرائن سے یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ ان کو اپنی اصلاح کا خاص اہتمام ہے۔

شریعت مقدسہ میں بھی بعض احکام میں تو سہولت کی تدابیر بتائی گئی ہیں اور بعض میں نہیں۔ غرض اس کا التزام ثابت نہیں - اس مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصلح کو اختیار ہے کہ جہاں مناسب ہو سہولت کی تدبیر بتائے جہاں نہ مناسب ہو نہ بتائے۔

اس مضمون پر حضرت والا نے اپنے وعظ التحصیل والتسہیل مع التکمیل والتعدیل

میں بہت مفصل اور محققانہ بحث فرمائی ہے جو قابل ملاحظہ ہے۔ وہ وعظ طبع ہو چکا ہے۔

غرض حضرت والا اس مسئلہ اختیاری و غیر اختیاری سے دورانِ تربیت میں بہت ہی کام لیتے ہیں کیوں کہ سینکڑوں جزئیات ہیں جن پر اس کا انطباق ہوتا ہے اور ہزاروں اشکالات ہیں جن کا اس سے حل ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت والا نے بارہا فرمایا کہ یہ اختیاری اور غیر اختیاری کا مسئلہ آدھا سلوک ہے بلکہ قریب قریب سارا۔ اھ

اس جگہ حضرت والا کا ایک اور ارشاد بھی جو ایک طالب کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا گیا تھا اور جو پہلے بھی کسی موقع پر نقل کیا جا چکا ہے مکرر بہ مناسبت مقام تربیت السالک سے نقل کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس میں اسی اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ سے کام لے کر عمر بھر کے لئے سلوک کا ایک نہایت کار آمد اور مکمل دستور العمل تجویز فرما دیا گیا ہے۔ اور طریق کو بالکل سہل فرما دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت والا نے اس کا نام بھی تسہیل الطریق ہی رکھا ہے۔

تسہیل الطریق

ایک طالب نے اپنے عریضۂ حالات کے آخر میں لکھا کہ میں اپنا حال ابتر ہی پاتا ہوں سوائے اُدھیڑ بُن کے اور کچھ نہیں۔ اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ خود مشقت میں پڑنے کا شوق ہی ہو تو اس کا تو علاج ہی نہیں۔ باقی راستہ بالکل صاف ہے کہ غیر اختیاری کی فکر میں نہ پڑیں اختیاری میں ہمت سے کام لیں۔ اگر کوتاہی ہو جائے ماضی کا استغفار سے تدارک کر کے مستقبل میں پھر تجدید ہمت سے

کام لینے لگیں اور استعمالِ ہمت کے ساتھ دعا کا بھی التزام رکھیں اور بہت لجاجت کے ساتھ۔ اھ

سبحان اللہ کیا جامع مانع دستور العمل ہے۔ طالبین کو چاہیئے کہ اس کو اپنا حرزِ جان اور عمر بھر کے لئے اپنا معمول بنا لیں۔ ماضی کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بس ایک بار اچھی طرح توبہ کر کے پھر گناہوں کے غم میں نہ رہے بلکہ کام میں لگے ورنہ گناہوں کا تصور اور غم بھی اس کے اور محبوبِ حقیقی کے درمیان طبعی طور پر حجاب ہو جائے گا۔ حسبِ ارشاد مولانا رومیؒ ؎

ماضی و مستقبلت پردہ خدا است

بندہ اپنے محبوبِ حقیقی کے مشاہدۂ دائمی کے لئے پیدا ہوا ہے نہ کہ گناہوں کے مراقبہ کے لئے۔ گناہوں کے استحضار کی تو توبہ کے لئے ضرورت تھی جب توبہ کر چکا پھر استحضار کی کیا ضرورت رہی کیونکہ گناہوں کا استحضار مقصود بالذات تھوڑا ہی ہے، بلکہ مقصود بالغیر ہے۔ توبہ کے بعد بھی گناہوں کا قصداً استحضار رکھنا مقصود بالغیر کو مقصود بالذات بنانا ہے۔ اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو بجائے اس کے کہ اس کے غم کو لے کر بیٹھ جائے اور اس کمی کا افسوس ہی کرتا رہے بس ایک بار خوب اچھی توبہ و استغفار کر کے بات کو ختم کرے اور اپنے کام میں لگے۔ کام میں لگ جانے ہی سے خود کمی کا بھی تدارک ہو جائے گا۔ کثرتِ استغفار میں بھی جس کی بہت فضیلت وارد ہے محض یہ اجمالی استحضار کافی ہے کہ میں گنہگار ہوں اپنے سب گناہوں سے استغفار کرتا ہوں باقی اللہ تعالیٰ کو تو ان گناہوں کا علم ہے ہی۔ اُن کے تفصیلی استحضار رکھنے سے مایوسی پیدا ہو جاتی ہے کہ جب ایسے ایسے اور اتنے سارے گناہ ہیں

تو کیا بخشش ہو گی۔ اللہ میاں کیسے راضی ہوں گے۔ اور جب کسی کی ناراضی کا بار بار تصور کیا جاتا ہے تو اس کا طبعی اثر یہ ہوتا ہے کہ خود بھی طبیعت میں اس کی طرف سے انقباض پیدا ہو جاتا ہے غرض اسی طرح معاصی کا تفصیلی استحضار طبعاً موجب حجاب ہو جاتا ہے۔ البتہ بلا قصد کسی خاص گناہ کا استحضار ہو جائے تو بالتخصیص بھی توبہ کر لے خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک استغفار کا صیغہ منقول ہے جس میں یہ الفاظ ہیں مَا عَلِمْتُ مِنْہُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ استغفار کے لئے ذنوب کا تفصیلی استحضار ضروری نہیں ورنہ مالم اعلم کے صیغہ کی تعلیم فرمانے کے بجائے یہ حکم ہوتا کہ گناہوں کو سوچ سوچ کر اور یاد کر کر کے توبہ کیا کرو۔ اھ

اور ایک حدیث اس مسئلہ کی اصل ہو سکتی ہے جس کی تقریر حضرت والا کے رسالہ تشرف میں کی گئی ہے چونکہ اس تقریر سے اس مسئلہ کی کافی توضیح و تحقیق ہوتی ہے اس لئے اُس کو اِس مقام پر نقل کیا جانا مناسب ہے وہو ہذا۔

الحدیث (ج) اذا تاب العبد انسی اللّٰہ الحفظۃ ذنوبہ وانسی ذٰلک جوارحہ ومعالمہ من الارض حتیٰ یلقی اللّٰہ ولیس علیہ شاھد من اللّٰہ بذنب ابن عساکر عن انس (ض)

جب بندہ توبہ (خالص) کرتا ہے (جو مقبول ہو جاتی ہے) اللہ تعالیٰ اسکے گناہ (ملائکہ) حافظین اعمال کو بھی بھلا دیتا ہے اور اسکے جوارح کو (بھلا دیتا ہے) اور زمین کے نشانات کو بھی بھلا دیتا ہے (یعنی جس جگہ وہ معصیت کی تھی جو قیامت میں گواہی دیتی) یہانتک کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملتا ہے کہ اسکے گناہ کا کوئی گواہی دینے والا نہیں رہتا۔

ف مدلول الحدیث ظاھر و

ف مدلول حدیث کا ظاہر ہے اور اس حدیث سے

ويمكن ان يوخذ منه بالقياس
ما نقل عن بعض العارفين
ان من علائم قبول التوبة
نسيان العبد الذنب فان
القلب الذي به يتذكر الذنب
كالجوارح كما فسروا به قوله
تعالى اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ
كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا
اي كل واحد من هذه الاعضاء
كان عنه اي عما نسب اليه
مسئولا ليشهد على صاحبه
(تبصير الرحمن) هذا هو السر
في الآخرة واما السر في الدنيا
فهو ان تذكر الذنب قد
يكون حجابا طبعيا من التوجه
الى الله تعالى بالانشراح
فينسيه الله تعالى اياه وعندي
ان هذا ليس بلازم ولا دائم
فان بعضهم يغلب عقله على الطبع

اس مضمون کو بھی بطور قیاس کے جو بعض عارفین
سے منقول ہے کہ منجملہ علامات قبول توبہ کے
یہ بھی ہے کہ بندہ گناہ کو بھول جاتا ہے کیونکہ
قلب جس سے گناہ یاد رہتا ہے وہ بھی مثل
جوارح کے ہے جیسا مفسرین نے اس آیت
کی تفسیر میں کہا ہے اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ الخ کہ
ان سے سوال ہوگا تاکہ یہ صاحب اعضاء پر شہادت
دیں (تو شاہدوں میں قلب بھی داخل ہو گیا تو قلب
سے بھی گناہ کو بھلا دیا جاتا ہے) اور یہ راز تو آخرت
میں ہے اور دنیا میں اس کا یعنی بالخصوص قلب سے
بھلا دینے کا یہ راز ہے کہ گناہ کا یاد ہونا بعض
اوقات بعض سالکین کے لئے انشراح کے ساتھ
اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے طبعی حجاب ہو جاتا
ہے (اور حکمت الٰہیہ کبھی بعض کی مصلحت سے طبعی
حجاب کو بھی رفع فرما دیتی ہے) اور میرے نزدیک یہ
ہے کہ یہ (بھول جانا) نہ لازم ہے نہ دائم ہے کیونکہ
بعض سالکین کی عقل طبیعت پر غالب ہوتی ہے تو ایسے
شخص کو یہ یاد ہونا توجہ سے مانع نہیں ہوتا پس
یہ علامت بعض افراد قبول کی ہے نہ کہ سب کی۔

فلا یمنعہ الذکر عن التوجہ فھذہ العلامۃ لبعض افراد القبول لا لجمیعھا۔ (تو یہ ممکن ہے کہ نسیان ہو جائے اور توبہ قبول نہ ہو بلکہ نسیان بوجہ غفلت کے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ توبہ قبول ہو جائے اور نسیان نہ ہو۔ بلکہ اس مصلحت سے یاد رہے کہ ہمیشہ استغفار کرکے مدارج قبول میں ترقی کرتا رہے)

(از رسالہ الہادی ربیع الثانی ۵۱ھ)

اور امداد الفتاوی میں بھی ایک سوال کے جواب میں اس مضمون کا حاصل ایک خاص عنوان سے مذکور ہے اس کو بھی نقل کیا جاتا ہے وھو ہذا۔

سوال فتوحات میں حضرت شیخ اکبر فرماتے ہیں قبول توبہ کی علامت یہ ہے کہ اس گناہ کا نقش بالکلیہ ذہن سے محو ہو جائے کہ کبھی عمر بھر وہ یاد نہ آئے۔ اس مسئلہ کا نام قاصمۃ الظہر رکھا ہے اور شعرانی رح نے اپنی کتابوں میں اسی طرح نقل کیا ہے گویا ان کو بھی یہ مسلم ہے۔ اور عام کتب طریقت میں جمہور لکھتے ہیں کہ سالک کو لازم ہے کہ ہمیشہ ہر وقت اپنے گناہوں کو پیش نظر رکھے کبھی نہ بھولے۔ امام شعرانی رح علی الخصوص اس مسئلہ پر بہت زور دیا کرتے ہیں بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت کیا ہے اور وجہ تطبیق۔

الجواب محو ہو جانے سے یہ مراد نہیں کہ یاد نہ رہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کا اثر خاص یعنی قلق طبعی نہ رہے گو یاد بھی رہے اور قلق اعتقادی بھی رہے تو یہ امر گناہ کو یاد رکھنے کی تعلیم سے معارض نہیں ہوا اور یہ بھی کلیاً نہیں بعض طبائع کے اعتبار سے ہے جن کے لئے قلق طبعی حاجب ہو جاتا ہے انشراح فی الطاعۃ سے

اور اس وقت اصل عبارتیں میری نظر میں نہیں عبارت منقولۂ سوال کی بنا پر لکھ دیا ورنہ ممکن ہے کہ اس سے بھی اچھی کوئی وجہ جمع کی ہو۔ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ

(از رسالہ النور رجب ۱۳۴۹ھ)

یہ دونوں تقریریں تو علمی رنگ میں ہیں۔ اور ایک تقریر اسی کی کلید مثنوی قصۂ پیر چنگی میں تحت عنوان گریہ وا نبیان عمر نظر او ر ابشرح اشعار ع

پس عمر گفتش کہ ایں زاری تو الی قولہ گاہ بانگ زیر را قبلہ کنی

حالی رنگ میں مذکور ہے لیکن وہ تطویل کے سبب یہاں نقل نہیں کی گئی جن کو شوق ہو وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

یہ سب مضمون اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ کی تفصیل بیان کرنے کے ضمن میں استطراداً معرض بیان میں آگیا۔ میں اب پھر اسی مسئلہ کی طرف عود کرتا ہوں۔ حضرت والا اس اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ کو دیگر عنوانات سے بھی ارشاد فرمایا کرتے ہیں مثلاً عقلی اور طبعی۔ اعمال اور احوال۔ افعال اور انفعالات۔ مقصود اور غیر مقصود یہ کل پانچ عنوان ہوئے لیکن ان سب کا مضمون ایک ہی ہے۔ یعنی حضرت والا کا وہ ارشاد جو اس مضمون کے شروع میں ہدیہ ناظرین کیا گیا ہے کہ انسان اختیاری امور کا مکلف ہے۔ غیر اختیاری امور کا مکلف نہیں۔ حضرت والا ان پانچوں عنوانات سے دوران تربیت میں بکثرت کام لیتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے سالکین کی بڑی بڑی مشکلات کو حل فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے طالبین کی تو جانیں انہیں حقائق کی بدولت بچ گئیں اور بہتیروں کے ایمان انہیں کے ذریعہ سے سلامت رہے اور اب بھی بہتیرے انہیں کے سہارے زندہ ہیں ورنہ اگر حضرت والا کے

یہ حقائق اُن کے پیش نظر نہ ہوتے تو وہ اپنے ایمان سے مایوس ہو کر یا تو اپنے کو ہلاک کر ڈالتے یا نعوذ باللہ ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔

اب ان پانچوں عنوانات کے متعلق حضرت والا کے بعض ارشادات مختصراً اور مثالاً پیش کئے جاتے ہیں مثلاً اختیاری اور غیر اختیاری کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ وسوسے لانا اختیاری ہے اس سے اجتناب کرے اور وسوسے آنا غیر اختیاری ہے اس کی کچھ پروانہ کرے۔ البتہ آئے ہوئے وسوسوں کو اختیاراً باقی رکھنا بھی بوجہ اختیاری ہونے کے مذموم ہے۔ اسی طرح ذکر و تلاوت و نماز میں دل لگانا اختیاری ہے دل لگنا غیر اختیاری ہے اپنی طرف سے دل لگنے کے اسباب کو جمع کرلے پھر بھی اگر دل نہ لگے تو بے دل لگے ہی عمل کو بتکلف کرتا رہے۔ اسی طرح میلان الی المعاصی کا غم نہ کرے کیوں کہ میلان غیر اختیاری ہے۔ البتہ اس میلان کے مقتضا پر عمل کا صدور نہ ہونے دے جو اختیاری ہے۔ محض میلان پر کوئی مواخذہ نہیں بلکہ عمل پر ہے۔ اھ

اور مثلاً عقلی اور طبعی کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ انسان عقلی امور کا مکلف ہے کیونکہ وہ اختیاری ہیں طبعی امور کا مکلف نہیں کیونکہ وہ غیر اختیاری ہیں۔ اھ

چنانچہ ایک طالب نے لکھا کہ پہلے کبھی صبح کی نماز قضا ہو جاتی تھی تو مجھ کو بہت رونا آتا تھا لیکن اب کچھ رنج نہیں ہوتا۔ دل پر سیاہی معلوم ہوتی ہے اس پر تحریر فرمایا کہ رنج طبعی مقصود نہیں رنج عقلی مقصود ہے وہ حاصل ہے چنانچہ رنج نہ ہونے پر افسوس ہونا یہ رنج عقلی کی علامت ہے۔ اھ

اور مثلاً اعمال اور احوال کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ اعمال مقصود ہیں احوال مقصود نہیں کیوں کہ اعمال اختیاری ہیں احوال اختیاری نہیں۔ اھ

اور مثلاً افعال اور انفعالات کے متعلق ایک صاحب فضل کو جو طریق باطن کے متعلق حضرت والا سے خط وکتابت کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ذوق و شوق حاصل ہو جائے ۔ آخر میں قول مختتم اور خلاصہ کے طور پر تحریر فرمایا کہ اس طریق میں افعال کا اعتبار ہے انفعالات کا اعتبار نہیں لہذا افعال کا اہتمام چاہیے جو اختیاری ہیں انفعالات کے درپے نہ ہونا چاہیے جو غیر اختیاری ہیں ۔ اھ بحاصلہ

اور مثلاً شعبۂ باطن میں مقصود اور غیر مقصود کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ مقصود مقامات ہیں یعنی اعمال اختیاریہ نہ کہ احوال غیر اختیاریہ اھ

یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ گو احوال محمودہ محمود ہیں لیکن مقصود نہیں کیونکہ وہ اختیاری نہیں نہ ان کا حصول لازم نہ اُن کا بقاء دائم ۔ اگر حاصل ہوں شکر کرے لیکن کمال نہ سمجھے ۔ اگر نہ حاصل ہوں یا حاصل ہو کر زائل ہو جائیں تو غم نہ کرے دہو معنیٰ قول الرومیؒ ؎

روزہا گر رفت گو رو باک نیست
تو بماں اے آں کہ چوں تو پاک نیست

اس پر احقر کو یاد آیا کہ ایک بار احقر نے اپنے عریضہ میں اس پر اظہار افسوس کیا کہ اب کی بار کی حاضری میں ایک ایسی خاص کیفیت لے کر حاضر ہوا تھا جو اس سے پہلے کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی لیکن بعد واپسی کچھ دن میں وہ رفتہ رفتہ بالکل زائل ہو گئی ۔ اھ اس پر حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ کسی کیفیت کا طاری ہونا اور چندے جاری رہنا یہ بھی بسا غنیمت ہے ۔ ہمیشہ رہنے کی چیز تو صرف عقل اور ایمان ہے باقی سب میں آمد و رفت رہتی ہے ۔ اھ

غرض اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت والا پر ایسا منکشف فرمایا ہے کہ حضرت والا اس کو مختلف مواقع پر مختلف عنوانات سے حسب اختلاف فہم اور استعداد طالبین بے تکلف کام میں لاتے ہیں اور یہ مسئلہ ہر موقع پر نہایت ہی کارآمد ثابت ہوتا ہے اور حضرت والا کے اس ارشاد میں ذرا مبالغہ نہیں کہ یہ مسئلہ آدھا سلوک ہے بلکہ قریب قریب سارا۔ اھ

واقعی جہاں تک غور کیا جاتا ہے تربیت و اصلاح کی شاید ہی کوئی ایسی جزئی ہو جس کا اس مسئلہ سے بواسطہ یا بلا واسطہ تعلق نہ ہو اور طریق کا شاید ہی کوئی ایسا مرحلہ ہو جس میں یہ مشعل راہ کا کام نہ دیتا ہو۔

(۶) حضرت والا طالبین کو ثمرات و کیفیات سے بتاکید شدید بالکل یکسو رکھتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ ثمرات کی روح اجر و قرب ہے بس اس ثمرہ پر نظر رکھنا چاہئے اور کسی ثمرہ کا منتظر نہ رہنا چاہیے۔ بلکہ جتنے زوائد طریق ہیں اُن سب کے متعلق معاملہ ہی ایسا فرماتے ہیں کہ طالب کو مجبوراً ان سے ہٹ کر ضروریات و مقاصد طریق ہی میں مشغول ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً کسی نے کوئی خواب بغرض تعبیر پیش کیا تو بجائے تعبیر بتانے کے اکثر یہ فرما دیتے ہیں کہ مجھے تعبیر خواب سے مناسبت ہی نہیں مجھ سے تو بیداری کی باتیں پوچھی جائیں ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

خوابوں میں کیا رکھا ہے بیداری کی حالت کا اعتبار ہے جو اختیاری ہے اگر کوئی اپنی بیداری کی حالت کو درست نہ کرے تو خواب میں اپنے آپ کو عرش

کہ سی کی بھی سیر کرتے ہوئے دیکھے تب بھی اس کو ذرہ برابر قرب نصیب نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی کی بیداری کی حالت بدرجۂ مطلوبہ درست ہے تو چاہے خواب میں اپنے آپ کو دوزخ ہی میں دیکھے پھر بھی وہ مقرب ہے۔ لیکن اس سے خواب کی نفی مقصود نہیں بلکہ عوام نے جو خوابوں کو مبشرات کے درجہ سے بھی آگے بڑھا دیا ہے اُس سے متنزل کرنا ہے۔ اھ۔

اور مثلاً اگر کسی نے یہ شکایت کی کہ پہلے رونا بہت آیا کرتا تھا اب نہیں آتا تو فرما دیتے ہیں کہ آنکھ کا رونا مطلوب نہیں دل کا رونا مطلوب ہے وہ حاصل ہے یعنی نہ رونے پر افسوس۔ اھ

ایک بار فرمایا کہ اگر ثمرات و کیفیات کی تمنا بھی ہو تب بھی اُن سے یکسو ہی رہنا ضروری ہے کیونکہ کیفیات پیدا ہوتی ہیں یکسوئی سے اور جب کیفیات کے ورود کی جانب توجہ رہی تو یکسوئی کہاں رہی۔

اسی لئے ذہین اور ذکی آدمی کو کیفیات نہیں ہوتیں اور اگر ہوتی بھی ہیں تو بہت کم کیوں کہ اس کا ذہن ہمیشہ چلتا رہتا ہے اس کو یکسوئی ہوتی نہیں اور بلا یکسوئی کے کوئی کیفیت ہوتی نہیں۔ اسی وجہ سے عاقل شخص کو کیفیات بہت کم ہوتی ہیں۔ برخلاف اس کے جن میں عقل کا مادہ کم ہوتا ہے ان کو ایسے آثار سے بہت مناسبت ہوتی ہے گو اس کا عکس لازم نہیں لیکن ایسے لوگ اپنے کام کے تو خوب ہوتے ہیں مگر دوسروں کو اُن سے فائدہ کم پہنچتا ہے اھ

غرض حضرت والا طالبین کو کیفیات کی طرف التفات کرنے سے بتاکید منع فرماتے رہتے ہیں اور اگر کوئی اپنی کیفیات کی اطلاع دیتا ہے تو اکثر بس یہی فرما دیتے ہیں کہ ان کی طرف التفات نہ

کیا جائے اپنے کام میں لگا جائے۔ اور کام ہی کی طرف ہمہ تن متوجہ رہا جائے ورنہ غیر مقاصد میں مشغول ہو کر طالب اپنے اصل کام سے بھی رہ جاتا ہے۔ اور پھر کیفیات بھی منقطع ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کا ورود بھی تو کام ہی کی برکت سے ہوتا ہے جیسے چراغ میں روشنی اسی وقت تک رہتی ہے جب تک بتی میں تیل پہنچتا رہے۔ اور اگر تیل ہی ڈالنا چھوڑ دیا جائے تو رفتہ رفتہ روشنی کم ہو کر چراغ گل ہو جائیگا ۱ھ

اسی مضمون کے متعلق ایک بار فرمایا کہ کشف اور احوال و مواجید وغیرہ راہ سلوک میں کوئی چیز نہیں بلکہ یہ چیزیں اکثر موانع طریق ہو جاتی ہیں ان کا نہ ہونا زیادہ اچھا اور بے خطر ہے لوگ خواہ مخواہ ہوس کیا کرتے ہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص تو سواری گاڑی میں سفر کر رہا ہے جو ہر اسٹیشن پر ٹھہرتی ہوئی دلی پہنچتی ہے اور جس کی کھڑکیاں بھی کھلی ہوئی ہیں وہ شخص خوب سیر کرتا ہوا راستہ کے مناظر دیکھتا ہوا ٹونڈلہ اٹاوہ وغیرہ بیچ کے اسٹیشنوں پر ٹھہرتا اور اترتا ہوا دلی پہنچا۔ دوسرا اسپیشل ٹرین میں سوار کھڑکیاں بند کانپور سے جو چلا تو دھڑا دھڑ سیدھا دلی ہی آ کر اترا اب اس کو راستہ کے مناظر کی کچھ خبر ہوئی نہ بیچ کے اسٹیشنوں کا کچھ پتہ چلا اگر وہ دوسرے شخص سے راستہ کے مناظر اور اسٹیشنوں کا حال سن کر یہ استدلال کرے کہ معلوم ہوتا ہے میں دلی پہنچا ہی نہیں کیوں کہ مجھے تو راستہ میں یہ چیزیں پڑی ہی نہیں تو یہ اس کی ناشکری اور لاعلمی ہے کیوں کہ وہ تو اسپیشل ٹرین میں سوار ہو کر جو سواری گاڑی سے کہیں زیادہ تیز رفتار ہوتی ہے چند گھنٹوں ہی میں دلی پہنچ گیا اور دوسرا شخص بہت دیر میں پہنچا کیوں کہ وہ سواری گاڑی میں آیا جس کی رفتار بھی کم تھی اور راستہ میں جگہ جگہ ٹھہرتی ہوئی بھی آئی۔ بلکہ سواری گاڑی والے کے لئے یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ کسی بیچ والے اسٹیشن کے نقش و نگار کو دیکھ کر

وہیں نہ اتر پڑے اور اس کو عمر بھر دلی پہنچنا ہی نصیب نہ ہو۔

اسی طرح بعضے سالکین انوار ہی کو مقصود سمجھ کر انہیں میں مشغول رہتے ہیں۔ آگے نہیں بڑھتے اس لئے بلا کشف و کیفیات وغیرہ کے جو سلوک ہوتا ہے وہ زیادہ اسلم ہے۔ کشف وغیرہ بعض صورتوں میں نہایت خطرناک ہوتا ہے چنانچہ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حجاب نورانی حجاب ظلمانی سے بھی زیادہ اشد ہوتا ہے کیوں کہ حجاب ظلمانی میں تو سالک کو اس وجہ سے کوئی دھوکہ نہیں ہوتا کہ اس کا مخل مقصود ہونا بالکل ظاہر ہے بخلاف حجاب نورانی کے کہ اس کی نورانیت سے دھوکہ کھا کر سالک اسی کو مقصود سمجھنے لگتا ہے اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ باوجود اس روک تھام کے بفضلہ تعالیٰ ہر قسم کی کیفیات محمودہ کا ورود بھی حضرت والا کے یہاں طالبین پر بکثرت ہوتا رہتا ہے چنانچہ گریہ وخندہ جوش وخروش ذوق وشوق وجد وحال ہیبت وانس قبض وبسط وغیرہ سبھی قسم کے حالات منتسبین پر آئے دن طاری ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک زمانہ میں ایک ذاکر پر تہجد کے وقت ذکر میں اس قدر غلبۂ حال ہوتا تھا کہ سب ذاکرین پریشان ہو جاتے تھے بالآخر ایک روز حضرت والا خود شب کو خانقاہ ہی میں رہے۔ اور ذکر کے وقت اُن صاحب حال کو خود اپنے پاس بٹھایا اور جب اُن پر کیفیت وجد یہ طاری ہونے لگی تو وہ اٹھ کر بھاگے ادھر حضرت والا بھی ان کے پیچھے پیچھے چلے اور ان کو پکڑ کر علاجاً زور سے ایک دھول رسید کی اور زور سے ڈانٹا کہ بڑا صاحب حال بنا ہے۔ بس سارا جوش وخروش تیرے ہی توجہ میں آگیا ہے۔ دیکھ میں آج تیرا سب جوش وخروش نکالے دیتا ہوں۔ اھ

چوں کہ وقعت نہ دینے سے بھی غلبۂ حال فرو ہو جاتا ہے اس لئے فوراً اُن کا سب جوش وخروش جاتا رہا اور پھر کبھی نہیں ہوا۔ چنانچہ عرصہ کے بعد حضرت والا سے کلکتہ میں ملے تو کہا کہ اُس روز کے بعد پھر کبھی کیفیت سے مغلوب نہیں ہوا۔ اھ

لیکن حضرت والا ہر حال میں ایسا برتاؤ نہیں فرماتے بلکہ کیفیات محمودہ کے متعلق اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ وارد کو مثل نازک مزاج مہمان عزیز کے سمجھنا چاہئے اور اس کی بڑی آؤ بھگت کرنی چاہئے ورنہ وہ ادنیٰ بے التفاتی سے رخصت ہو جائے گا۔

ایک مغلوب الحال طالب جن پر حضرت والا کے استماع تلاوت وملفوظات پر سخت گریہ طاری ہو جاتا ہے ایک بار بعد نماز فجر حضرت والا کے خیال سے رونے کو بجبر روک رہے . . . تھے اس کا حضرت والا کو احساس ہو گیا تو سلام پھیرنے کے بعد فرمایا کہ طبیعت کو گھونٹنے کی ضرورت نہیں اگر رونے کو جی چاہے تو خوب جی بھر کر رو لو اور طبیعت ہلکی کر لو ورنہ زیادہ ضبط کرنے سے مرض لاحق ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اھ۔

ایک مقیم خانقاہ کے پرچۂ حالات کا جواب احقر کے ہاتھ دستی بھجوایا تو یہ تاکید فرمادی کہ دیکر فوراً وہاں سے چلا آنا چاہئے تاکہ جو کیفیت اس جواب کو پڑھ کر پیدا ہونے والی ہو اُس کے لئے کوئی مانع نہ رہے۔ ایسی حالت میں بالکل آزادی دے دینی چاہئے ورنہ دوسرے کی موجودگی میں مضمون کا اثر پورا نہیں ہونے پاتا یا اگر اثر ہوتا بھی ہے تو وہ خجلت کی وجہ سے اس کو دباتا ہے جس سے اس کو

تکلیف ہوتی ہے۔

غرض جس کے لیے جو مناسب ہوتا ہے اُس کے ساتھ وہی معاملہ فرماتے ہیں۔ لیکن اکثر احوال میں پسند اسی کو فرماتے ہیں کہ وجد و حال جوش و خروش گریہ و زاری سبھی کچھ ہو لیکن سب اندر ہی اندر ہو باہر کچھ نہ ہو بمصداق اشعار نواب مصطفےٰ خاں صاحب شیفتہؒ ؎

تو اے افسردہ جاں زاہد یکے در بزم رنداں شو
کہ بینی خندہ بر لبہا و آتش پارہ در دلہا

چہ خوش است باتو بزمے بہ نہفتہ ساز کردن
در خانہ بند کردن سر شیشہ باز کردن

اور چونکہ خود حضرت والا کا بھی یہی رنگ ہے اس لئے بمفوائے ؏

جمال ہم نشیں در من اثر کرد

منتسبین پر بھی ببرکت صحبتِ اقدس رفتہ رفتہ یہی رنگ غالب ہو جاتا ہے اور احقر کے یہ شعر صادق آنے لگتے ہیں ؎

آمدہ بودم بتو نالہ کناں
ہر بلب دل بہ فغاں میروم

آمدہ بودم بتو نعرہ زناں
دم بخود و سر در گریباں میروم

حضرت والا کا ارشاد ہے کہ اس قسم کی کیفیات کے طریان کے وقت اصل طریق عمل تو یہی ہے کہ ضبط کرے لیکن اگر غلبہ ہو اور ضبط کرنے میں تکلیف ہو تو پھر یہی مناسب ہے کہ اس کیفیت کا اتباع کرے تاکہ غلبہ فرو ہو اور جب غلبہ فرو ہو جائے اور کیفیت حد ضبط کے اندر آجائے تو پھر فوراً ضبط کرلے۔ اھ

اس پر احقر نے عرض کیا کہ حضرت والا تو بزرگوں کا یہ ارشاد نقل فرمایا کرتے ہیں کہ وارد کو مہمان عزیز سمجھے اور اس کا حق ادا کرے۔ فوراً فرمایا کہ وارد کو مہمان بھی کہیں گے

جب اس وارد کا غلبہ ہو ہاں اس وقت تو ضرور اس کا حق ادا کرے باقی غلبہ سے پہلے پہلے نہ وہ مہمان ہے نہ اس کا کوئی حق قائم ہوتا ہے قبل غلبہ کے اگر اس کا حق ادا کیا جائے تو یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی راہ چلتے مسافر کو زبردستی اپنا مہمان بنا لے اور خواہ مخواہ اس کے سر ہو جائے کہ تُو تو میرا مہمان ہے۔ آ میں تیرا حق ادا کروں۔ اھ
اس مضمون کے مناسب کہ احوال وکیفیات تو ہوں لیکن سب اندر ہی اندر رہوں باہر نہ ہوں حضرت والا کا ایک اور ملفوظ بھی یاد آیا۔

فرمایا کہ تقوے اور دینداری کا اہتمام تو بہت رکھے لیکن اپنی طرف سے حتی الامکان کوئی ایسی امتیازی صورت نہ پیدا ہونے دے جس سے شہرت ہو جائے، جب لوگوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہو کبھی کبھی کسی قدر ہنس بول بھی لے تاکہ لوگوں کو خواہ مخواہ بزرگی کا گمان نہ ہو لیکن ہنسنے بولنے کی کثرت ہرگز نہ کرے کیوں کہ کثرت سے ہنسنا بولنا مضر ہے چنانچہ زیادہ ہنسنے کے متعلق حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ایاك وكثرة الضحك فان كثرة الضحك تميت القلب اپنے آپ کو زیادہ ہنسنے سے بچاؤ کیوں کہ ہنسنے کی کثرت قلب کو مردہ کر دیتی ہے۔ اھ اور بولنے کی کثرت کے متعلق حضرت عطارؒ فرماتے ہیں ؎

دل زپرُ گفتن بمیرد در بدن
گرچہ گفتارت بود درّ عدن

واقعی جب چاہو تجربہ کر لو زیادہ بولنے سے دل بے رونق ہو جاتا ہے جیسے اگر ہانڈی میں ابال آئے اور اس کی روک تھام نہ کی جائے تو بس سارا مصالحہ نکل جائے گا اور ہانڈی پھیکی رہ جائے گی۔ اگر اچھی اچھی باتیں بھی بلا ضرورت کی جائیں

تو ان کا بھی یہی اثر ہوتا ہے۔ اھ

پھر فرمایا کہ عموماً تو کلام کی تین قسمیں سمجھی جاتی ہیں۔ ایک نافع ایک مضر ایک فضول یعنی نہ نافع نہ مضر لیکن باعتبار مآل کے میرے نزدیک صرف دو ہی قسمیں ہیں نافع اور مضر کیونکہ جو کلام نہ نافع ہو نہ مضر وہ بھی آخر میں مضر ہی ثابت ہوتا ہے۔ جو شخص فضولیات میں مشغول ہوگا عادتاً، وہ ضروریات میں ضرور کوتاہی کرے گا۔ اور صرف ہنسنا بولنا ہی نہیں بلکہ جتنے بھی مباحات ہیں اُن سب کی کثرت مضر ہے۔ لیکن اگر کثرت نہ ہو بلکہ مباحات میں اعتدال کے ساتھ اشتغال ہو تو پھر وہ بجائے مضر ہونے کے نافع ہیں بخصوص جب وہ اشتغال کسی مصلحت پر مبنی ہو۔ کیونکہ اس اشتغال سے طبیعت میں نشاط ہوتا ہے اور نشاط سے طاعات میں اعانت و سہولت ہو جاتی ہے۔

جس وقت مباحات کے اشتغال سے قلب کے اندر کدورت پیدا ہونے لگے تو سمجھ لے کہ اب مضرت کا درجہ پہنچ گیا ہے فوراً الگ ہو جائیے۔ لیکن یہ معیار اسی کے لئے ہے جس کے قلب کے اندر صحبتِ شیخ اور التزام و اہتمام ذکر و طاعت سے احساس پیدا ہو گیا ہو باقی مبتدی اپنے لئے بطور خود کچھ تجویز نہ کرے بلکہ شیخ سے اپنی ہر حالت کی فرداً فرداً اطلاع کر کے ہر حالت کے متعلق جزئی طور پر طریق عمل دریافت کرتا رہے اور جس حالت کے متعلق جو طریق عمل وہ تجویز کرے اُسی پر کاربند رہے۔ اھ

غرض حضرت والا کو اس کا بڑا اہتمام رہتا ہے کہ طالبین کیفیات کو اُن کے درجہ سے آگے نہ بڑھانے پائیں۔ ورنہ بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں چنانچہ حضرت والا ایک خلوت نشین درویش کا ایک قول نہایت افسوس کے ساتھ نقل فرمایا کرتے ہیں جنھوں نے حضرت والا کے ایک خادم سے جو ان کو بزرگ سمجھ کر حاضر خدمت

ہوا کرتے تھے معمولات پوچھ کر پوچھا کہ کچھ نظر بھی آتا ہے انہوں نے کہا کچھ بھی نہیں تو کہنے لگے پھر کیا فائدہ بس خالی ثواب لئے جاؤ۔ حضرت والا اس قول کو نقل کر کے فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے یہ سن کر نہایت افسوس اور تعجب ہوا کہ انہوں نے ثواب کو جو روح ہے سارے اعمال کی ایسا خفیف سمجھا۔ اھ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ اتنی خلوت بھی مضر ہے کہ معتقدین سے بھی ملنا جلنا چھوڑ دے ایسی ہی خلوت کے بارہ میں تو شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

خیالات نادان خلوت نشیں

بہم بر زند عاقبت کفر و دیں

پھر فرمایا کہ کیفیات کو ان کے درجہ سے بڑھانے میں یہ خرابیاں ہیں۔ اُن کا درجہ تو بس ایسا ہے جیسے شروع میں بچوں کو پڑھنے کا شوق دلانے کے لئے مٹھائی دیتے ہیں۔ یہی مراد ہے حضرت جنیدؒ کے اس قول سے تلک خیالات تربی بہا اطفال الطریقۃ۔ تو بعض بتدیوں کو جو اطفال طریق ہیں راہ پر لگانے کے لئے ذوق و شوق وغیرہ کی کیفیات عطا فرما دی جاتی ہیں۔ اھ

حضرت والا تو اس کیفیت کے متعلق بھی جو ساری کیفیات سے افضل ہے یعنی رسوخ ایک عالی مرتبت اہل علم کو تحریر فرماتے ہیں۔ کہ رسوخ کی طرف التفات نہ فرمایا جائے رسوخ سے مقصود عمل ہے عمل سے رسوخ مقصود نہیں اگر عمل بلا رسوخ ہوتا رہے مقصود حاصل ہے اھ

سبحان اللہ سبحان اللہ حضرت والا کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے حقائق طریق واضح فرمائے ہیں اور امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو کیسی کیسی غلطیوں سے

نکال کر طریق سنت سنیہ پر ڈالا ہے جو اس زمانہ میں مسدود بلکہ قریب قریب مفقود ہی ہو چکا تھا بالخصوص مشائخ میں ف استفسار پر حضرت والا نے رسوخ اور استقامت میں یہ فرق فرمایا کہ رسوخ حال ہے اور استقامت مقام۔ رسوخ اصلاح کا طبعی درجہ ہے جو ایک کیفیت غیر اختیاریہ ہے اور استقامت اس کا عقلی درجہ ہے جو اختیاری ہے استقامت مقصود ہے رسوخ مقصود نہیں گو محمود ہے اھ

ایمان اور اعمال کے عقلی اور طبعی درجہ کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ عقلی درجہ افضل ہے کیوں کہ وہ ادوم ہے اور روحانیت سے ناشی ہوتا ہے اور پھر یہ بھی نہیں کہ عقلی درجہ طبعی درجہ سے بالکل ہی خالی ہو اس میں بقدر ضرورت طبعی درجہ بھی ہوتا ہے کیوں کہ محض عقلی درجہ صدور اعمال کے لئے عادۃً کافی نہیں اسی طرح طبعی درجہ میں بھی کچھ نہ کچھ عقلی درجہ بھی ضرور ہوتا ہے۔ غرض دونوں درجوں میں عقل اور طبیعت دونوں چیزوں کی آمیزش ہوتی ہے لیکن غالب اور مغلوب کے تفاوت سے اثر اور حکم میں فرق ہو جاتا ہے، اھ

خلاصہ ان سب تقریرات کا یہ ہے کہ حضرت والا کیفیات کی نہ تو بالکل نفی فرماتے ہیں نہ ان کو اُن کے درجہ سے بڑھاتے ہیں۔ بلکہ طالبین کو یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ کیفیات محمودہ کو محمود سمجھ کر شکر تو کریں لیکن مقصود اور کمال اور لازم طریق یا لازم بزرگی نہ سمجھیں۔

حضرت والا بعض صورتوں میں جہاں کوئی مصلحت مانع نہیں ہوتی۔ دل بڑھانے کے لئے کیفیات محمودہ پر مبارکباد بھی دیتے ہیں لیکن سالکین کی ہر کیفیت کو کیفیت باطنہ ہی نہیں سمجھ لیتے بلکہ لطیفہ کے طور پر فرمایا کرتے ہیں کہ اس طریق میں جو کیفیات

پیدا ہوتی ہیں وہ سب باطنی ہی نہیں ہوتیں بلکہ بطنی بھی ہوتی ہیں جو پیٹ کی خرابی اور معدہ کی تبخیر وغیرہ سے پیدا ہو جاتی ہیں چنانچہ اگر کوئی طالب اپنی کسی خاص کیفیت کی اطلاع دیتا ہے تو جہاں قرائن سے شبہ پیدا ہو جاتا ہے وہاں حضرت والا یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ کسی طبیب حاذق سے رجوع کر کے تشخیص کراؤ کہ تم کو کوئی مرض مثلاً ضعف قلب خشکی دماغ تبخیر وغیرہ تو نہیں اور ایسی صورتوں میں اکثر حضرت والا کا شبہ صحیح ہی نکلتا ہے اور اس کیفیت کا منشار کوئی مرض ہی ثابت ہوتا ہے۔ ایسوں کو حضرت والا طبیب جسمانی سے رجوع کرنے کے لئے ہدایت فرما دیتے ہیں۔ اور ضربِ جہر بالکل چھوڑوا دیتے ہیں۔

بعض مشائخ نے اپنے متعلقین کے دماغی تخیلات کو کیفیات باطنہ سمجھ لیا اس پر فرمایا کہ شیخ کو طب سے بھی اتنی مناسبت ہونا ضروری ہے کہ وہ خیالات کو حالات نہ سمجھ لے۔

(۷) حضرت والا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ملفوظ کو نہایت تاکید اور اہتمام کے ساتھ نقل فرمایا کرتے ہیں کہ حب شیخ اور اتباع سنت کے ہوتے ہوئے اگر لاکھ ظلمات بھی ہوں تو وہ سب انوار ہیں اور اگر ان میں سے ایک چیز بھی کم ہو تو پھر لاکھ انوار ہوں وہ سب ظلمات ہیں۔ اھ

حضرت والا حضرت حافظ شیرازیؒ کے اس شعر کو بھی بکثرت فرمایا کرتے ہیں ؎

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست
بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

لیکن یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اس میں دو قیدیں ہیں ایک آید کی ایک صراط مستقیم

کی پہلی قید کا حاصل تو یہ ہے کہ وہ حالت آئی ہوئی ہو لائی ہوئی نہ ہو یعنی غیر اختیاری ہو اختیاری نہ ہو کیونکہ اس شعر میں آید ہے آرد نہیں ہے، اور آید کی کوئی فرد مذموم نہیں خواہ بظاہر کتنی ہی بُری معلوم ہوتی ہو۔ کیونکہ غیر اختیاری ہے البتہ آورد میں دو قسمیں ہیں محمود اور مذموم۔ یہ تو پہلی قید کے متعلق تفصیل ہے اور دوسری قید یہ ہے کہ صراط مستقیم پر ہو تو حاصل شعر کا یہ ہوا کہ اگر سالک صراط مستقیم پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے تو پھر اس پر جو بھی کیفیت غیر اختیاری طاری ہو خوش گوار یا ناگوار وہ سالک کے حق میں خیر ہی ہوتی ہے۔ اھ

(۸) حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ذکر و طاعت میں بہ تکلف مشغول رہنا چاہیئے نہ سہولت کا متمنی رہے نہ یہ دیکھے کہ مجھے کچھ نفع ہو رہا ہے یا نہیں۔ ذکر و طاعت میں مشغول رہنا ہی اصل مقصود اور اصل نفع ہے اھ

ایک طالب کو تحریر فرمایا کہ مقصود کے حصول کا قلب میں تقاضا اور انتظار نہ رکھیں کہ یہ بھی حجاب ہے کیونکہ اس سے تشویش ہوتی ہے اور تشویش برہم زن جمعیت و* تفویض ہی وصول کی شرط عادی ہے۔ اس کو خوب راسخ کر لیں کہ یہ روح سلوک ہے۔ اھ

* نقیض ہے اور جمعیت ودوام

یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ ذکر و طاعت میں مشغول ہونے کے لئے دلچسپی اور سہولت کا منتظر نہ رہے بلکہ بتکلف عمل شروع کر دے پھر اسی سے رفتہ رفتہ سہولت بھی ہونے لگتی ہے اور دلچسپی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اھ

اسی مضمون کو ایک بار اس عنوان سے فرمایا کہ لوگ تو اس انتظار میں رہتے ہیں کہ جب دلچسپی پیدا ہو تب کام شروع کریں اور دلچسپی اس انتظار میں رہتی ہے کہ جب کام شروع

ہوجائے تب میں پیدا ہوں ۔ اھ

ایک بار فرمایا کہ ذکر میں چاہے جی لگے یا نہ لگے لیکن برابر کئے جاؤ رفتہ رفتہ اس کی ایسی عادت پڑجاتی ہے کہ پھر بلا اسکے چین ہی نہیں پڑتا جیسے شروع شروع میں حقہ پینے سے گھمیر بھی آتی ہے متلی بھی ہوتی ہے بلکہ قے بھی ہوجاتی ہے لیکن پھر پیتے پیتے ایسی چاٹ لگ جاتی ہے کہ چاہے کھانا نہ ملے لیکن حقہ کے دو کش مل جائیں ۔ ایک بار فرمایا کہ نفع تو شروع ہی سے ہونے لگتا ہے لیکن محسوس نہیں ہوتا جیسے بچہ روز کچھ نہ کچھ ضرور بڑھتا ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ آج اتنا بڑھا کل اتنا بڑھا البتہ ایک معتد بہ مدت گزر جانے کے بعد اس کی پچھلی حالت کو خیال میں لاکر موازنہ کیا جائے تو زمین آسمان کا فرق معلوم ہو یہی حال ذکر کا ہے کہ شروع میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کچھ بھی نفع نہیں ہو رہا حالانکہ در اصل نفع برابر ہو رہا ہے ۔ ایک معتد بہ مدت گزر جانے کے بعد اپنی پچھلی حالت کو ذہن میں مستحضر کر کے اُس سے حالت موجودہ کا موازنہ کرے تو زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا ۔ اھ

بچہ کی مثال پر ایک اور ملفوظ یاد آیا جو حضرت والا نے خود احقر سے فرمایا تھا ۔ ذکر و شغل شروع کر کے کچھ عرصہ کے بعد احقر نے عرض کیا کہ جیسا جی چاہتا ہے ویسا نفع نہیں ہوتا فوراً نہایت تسلی آمیز لہجہ میں فرمایا کہ اگر کوئی چاہے کہ میرا بچہ آج ہی دس برس کا ہوجائے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔ وہ دس برس کا تو دس برس کے بعد ہی ہوگا ۔ اھ

ایک صاحب نے لکھا تھا کہ کچھ نفع نہیں معلوم ہوتا فرمایا کہ اس وقت کے ذکر کو بیکار نہ سمجھا جائے یہ سب جمع ہو رہا ہے اور انشاء اللہ عنقریب سب کھل پڑے گا ۔

ایک بار فرمایا کہ پتھر پر پہلے اول قطرہ گرتا ہے پھر دوسرا پھر تیسرا یہاں تک کہ پانی گرتے گرتے اس میں گڑھا پیدا ہو جاتا ہے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ صرف اخیر قطرہ نے وہ گڑھا کر دیا۔ ہرگز نہیں بلکہ یہ گڑھا نتیجہ ہے قطروں کی مجموعی تعداد کا۔ گڑھا کرنے میں اول قطرہ کو بھی ویسا ہی دخل ہے جیسا کہ اخیر قطرہ کو اول قطرہ کو ہرگز بے اثر نہ سمجھنا چاہیے گو بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح اول روز کا ذکر جس کو بے ثمرہ سمجھا جاتا ہے ہرگز بے ثمرہ نہیں اخیر میں جو حالت خاص پیدا ہوگی اس میں اول روز کے ذکر کو بھی اتنا ہی دخل ہوگا جتنا کہ اخیر روز کے ذکر کو یہ نہیں ہے کہ صرف اخیر روز کا ذکر اس حالت کو پیدا کر دیتا ہے بلکہ ایک مجموعی تعداد مقرر تھی کہ اتنے دن بعد یہ کیفیت پیدا ہوگی جب وہ تعداد پوری ہو گئی وہ کیفیت ظہور پذیر ہو گئی۔ ہر ہر دن کے ذکر کو اس کے پیدا کرنے میں یکساں دخل ہے یا جیسے کہ ایک شخص کوئی مقوی معجون یا ماءاللحم کھاتا ہے یہاں تک کہ ایک معتدبہ مدت کے استعمال کے بعد وہ سرخ و سپید ہو جاتا ہے تو کیا صرف اخیر خوراک نے اس کو سرخ و سپید بنا دیا۔ ہرگز نہیں بلکہ اتنے دنوں کی خوراکوں کی مجموعی تعداد نے اس کی یہ حالت کر دی ہے یہ نادانی ہے کہ اول خوراک کو بے اثر سمجھا جائے۔ اھ

کام میں لگے رہنے کی تاکید کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بزرگوں کا ارشاد ہے لاوا رہ دلمن لاوردلہ، بلکہ یہاں تک فرمایا کرتے ہیں کہ اگر ذکر کی بھی توفیق نہ ہو تو کم از کم عزم ذکر اور حسرت ذکر تو ہو۔ اھ

غرض اس طریق میں یہ دو چیزیں نہایت ضروری ہیں دھن اور دھیان یعنی عزم ذکر اور حسرت ذکر کے بھی نافع ہونے کے متعلق ایک طالب کو جنھوں نے اپنی ناکارگی

کی طویل داستان لکھی تھی یہ تحریر فرمایا مقصود تو مقصود کا مشاہدہ ہے اور اسکا طریق مجاہدہ کا مشاہدہ ہے مگر جب تک اس میں کمی رہے تو اس مشاہدۂ مقصود کا مقدمہ عزم مجاہدہ ہے جس سے انشاء اللہ تعالیٰ مجاہدہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔ پھر اس سے مقصود کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے جو کہ مقصود ہے۔ اسی ترتیب کا سلسلہ شروع ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ تدریجاً بخیر و خوبی ختم اور مکمل بھی ہو جائے گا لگا رہنا چاہئے اگر کام میں کوتاہی ہو جائے اس نہ لگے رہنے کے مشاہدہ میں لگا رہنا چاہئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ حرماں نہ ہوگا میں بھی دعا کرتا ہوں۔ اھ

عرض حضرت والا استقلال کے ساتھ بہ تکلف کام میں لگے رہنے کی طالبین کو بہت ہی تاکید فرماتے رہتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ کام ہی سے کامیابی ہوتی ہے اس طریق میں کام کرنے والا کبھی ناکام نہیں ہوتا کیوں کہ وعدہ ہے مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰی لَهَا سَعْیَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا۔ اھ

ایک بار اس مضمون میں ایک یہ ضروری قید بھی لگائی کہ جب کسی شیخ کے واسطہ سے باقاعدہ تعلیم حاصل کر کے ذکر و شغل کیا جاتا ہے تب کامیابی ہوتی ہے۔ اھ

اس پر احقر نے عرض کیا کہ ذکر و شغل تو ایسی چیز ہے کہ اسی سے کام بن جایا کرتا۔ شیخ کے واسطہ کی حاجت نہ ہوا کرتی۔ فرمایا کہ دراصل تو کام ذکر و شغل ہی بناتا ہے لیکن شیخ کا واسطہ بھی ضروری ہے جیسے کاٹ تو تلوار ہی کرتی ہے لیکن اس کا کسی کے قبضہ میں ہونا شرط ہے۔ اھ

حضرت والا صحبت شیخ کی نافعیت اور ضرورت پر اکثر بہت طویل طویل اور پرزور تقریریں فرمایا کرتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ شیخ کے پاس رہ کر جیسی اصلاح

ہوتی ہے دور سے نہیں ہوتی۔ جیسے طبیب کے پاس رہ کر جیسا معالجہ ہو سکتا ہے دور سے نہیں ہو سکتا۔ علاوہ بریں طالب شیخ کے پاس رہ کر وزدیدہ طور پر اس کے اخلاق وعبادات کے اخذ اور کمالات کو جذب کرتا رہتا ہے اور اسی طرح روز بروز اس پر شیخ کا رنگ چڑھتا چلا جاتا ہے جیسے مثل مشہور ہے کہ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔

نیز صحبت شیخ میں بدون معتدبہ مدت تک رہے شیخ سے مناسبت نہیں پیدا ہوتی اور شیخ کی مناسبت ہی اس طریق میں نفع کی عادۃً موقوف علیہ ہے۔ اھ

چنانچہ ایک طالب جن کو حاضری خدمت کی شاید ایک بار ہی توفیق ہوئی تھی برسوں حضرت والا سے خط وکتابت کرتے رہے اور اسی کو کافی سمجھتے رہے لیکن ایک مصیبت کے موقع پر باوجود بظاہر بہت متصلب فی الدین ہونے کے اُن کے عقائد تک میں تزلزل واقع ہوگیا۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من الحور بعد الکور حضرت والا نے ان کے حالات سن کر یہی فرمایا کہ بدون پاس رہے جس کو مناسبت کہتے ہیں وہ پیدا نہیں ہوتی۔ اور جب انہوں نے حضرت والا سے مسائل وغیرہ کے متعلق اپنے شبہات لکھ کر اُن کا جواب چاہا تو یہی تحریر فرمادیا کہ اگر کوئی ایسا مرض جسمانی ہو جائے جس کے علاج کے لئے طبیب کے پاس رہنے کی ضرورت ہو تو ایسی حالت میں کیا تجویز کیا جائے گا۔ اھ

اس سے حضرت والا کا یہی مقصود تھا کہ پاس رہنے کی ضرورت ہے۔ لیکن بمصلحت بعنوان استغنا تحریر فرمایا۔

حضرت والا نے حب شیخ کے متعلق جو مناسبت کاملہ ہی کی مرادف ہے یہ فرمایا

کرتے ہیں کہ حُبِ شیخ کلیدِ کامیابی اور کلید جملہ سعادات و برکات ہے اھ
لیکن حُبِ شیخ کو اپنے منتسبین میں حد سے ہرگز متجاوز نہیں ہونے دیتے نیز حُبِ عقلی یعنی اطاعت و اتباع کو بالکل کافی ووافی قرار دیتے ہیں کیوں کہ حُبّ طبعی اختیاری نہیں اور عبد غیر اختیاری امور کا مکلف نہیں چنانچہ مثلاً ایک طالب کا خط حسن العزیز جلد اول مکتوبات نمبر ۴۵ سے اس جگہ ملخصاً نقل کیا جاتا ہے۔

مضمون | درگاہ باری تعالیٰ میں دست بدعا ہوتا ہوں کہ حضور کی محبت میرے قلب میں پیدا ہو جائے لیکن ذرہ برابر بھی محبت قلب میں نہیں پیدا ہوتی اور اس کی وجہ سے طبیعت بے چین ہو جاتی ہے۔

جواب | محبت کے الوان مختلف ہیں ایک لون یہ بھی ہے جو آپ کو حاصل ہے اس کی ایک صریح علامت یہی ہے کہ اس کی کمی کے احتمال سے آپ کو بے چینی ہوتی ہے۔ اھ

مضمون | اکثر حضور کا تصور کر کے اور حضور کو اپنی طرف متوجہ کر کے یہ شعر بڑے ذوق و شوق سے پڑھتا ہوں ؎

تو دستگیر شو اے خضرِ پے خجستہ کہ من
پیادہ میروم و ہمرہاں سوار انشد

جواب | اس کی اصلاً ضرورت نہیں۔

مضمون | اور تھوڑی دیر تک تو حضور کا تصور رہتا ہے بعد اس کے حضور کا تصور تو مٹ جاتا ہے اور حق تعالیٰ کی طرف ایک خاص طریق پر توجہ اور کشش محسوس ہونے لگتی ہے۔

جواب سبحان اللہ یہ توجہ الی اللہ تو اصل مقصود ہے اور شیخ کی محبت اسی مقصود کا ذریعہ ہے۔ پس اگر کسی کو خدا تعالیٰ یہ مقصود نصیب کر دے اور شیخ سے وہ ذرا بھی متعارف محبت نہ ہو مگر اطاعت اور اتباع ہو تو وہ شخص سرتاسر حق پر خائز ہے ۲۱۔ جمادی الاول سنہ ۱۳۳۳ھ

اسی طرح ایک خلیفۂ مجازنے عدم مناسبت کی شکایت لکھی تھی اُن کا خط بھی مع حضرت والا کے جواب باصواب کے تربیت السالک سے نقل کیا جاتا ہے وہو ہذا۔

حال حضور والا کے علوم ومعارف کی فراوانی اور اپنی کم لیاقتی کو دیکھتا ہوں تو اکثر مایوسی کی کیفیت ہونے لگتی ہے اس کا رنج اب اکثر رہتا ہے کہ حضور سے مناسبت پیدا نہیں ہوئی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔

تحقیق یہ بھی مناسبت ہے کہ عدم مناسبت کا علم ہو جائے آخر عبد کو حق تعالےٰ سے نسبت ہوتی ہے یا نہیں، حالانکہ واجب اور ممکن میں کیا مناسبت مگر وہاں یہی مناسبت ہے کہ اُن کی عظمت اور اپنی ذلت کا علم ہو جائے اسی عدم مناسبت لغویہ کے علم کو مناسبت اصطلاحیہ کہا جاتا ہے باقی اس سے آگے "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" بفتح اللام چہ جائے عالم پاک بکسر اللام۔

حال جو کچھ دل میں ہے اس کے اظہار کی پوری قدرت بھی نہیں۔

تحقیق یہ بھی اسی عدم مناسبت مسمّٰی بہ مناسبت کی فرع ہے۔

ف۔ یہ غیر اختیاری مناسبت بالشیخ کے متعلق تحقیق ہے۔ رہی اختیاری مناسبت اُس کی تحصیل ضروری ہے ۱۲۔

نیز حضرت والا بلا ضرورت قصداً تصور شیخ کرنے سے بوجہ انضمام مفاسد منع فرماتے ہیں لیکن اگر بلا قصد تصور بندھ جائے تو اس کو بہ تکلف دفع نہیں کراتے بلکہ نافع بتاتے ہیں۔

غرض حضرت والا کے یہاں کسی امر میں نہ افراط ہے نہ تفریط اور محقق کی یہی شان ہوا کرتی ہے۔

صحبتِ شیخ کی نافعیت بیان فرماتے وقت حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ صحبتِ شیخ جبھی نافع ہوتی ہے جب شیخ کے بتائے ہوئے ذکر و شغل میں بھی مشغول رہے۔ بعضے لوگ بزرگوں سے تو ہمیشہ ملتے جلتے رہتے ہیں لیکن خود کچھ کرتے دھرتے نہیں ان کو کچھ حاصل نہیں ہوتا ہمیشہ محروم ہی رہتے ہیں۔ اور بعضے زیادہ وقت تو صحبتِ شیخ میں گزار دیتے ہیں اور تھوڑا سا وقت نکال کر کچھ الٹا سیدھا ذکر و شغل بھی کر لیتے ہیں یہ بھی کافی نہیں۔ غالب حصہ ذکر و شغل کا ہونا چاہئے تب صحبتِ شیخ نافع ہوتی ہے۔ اھ

حضرت والا مقدار ذکر کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ نہ اتنی زیادہ مقدار ہو کہ بہت تعب ہو اور نہ اتنی کم کہ کچھ تعب ہی نہ ہو بلکہ اتنی مقدار ہونی چاہئے جس میں تعب تو ہو لیکن جس کی مداومت قابلِ عمل ہو۔ کیونکہ تھوڑا تعب ہونا بھی نفع کے لئے ضروری ہے تاکہ نفس کو کسی قدر مجاہدہ بھی کرنا پڑے۔ اھ

مقدار ذکر کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اپنے ذمہ تو صرف اتنی ہی مقدار رکھے جس پر دوام ہو سکے باقی جب فرصت اور نشاط دیکھے تو زیادہ کرلے۔ اس میں یہ مصلحت ہے کہ ناغہ کی بے برکتی اور قلق سے حفاظت رہے گی اور یہ دونوں چیزیں مضر ہیں اور جب کبھی زیادہ کی توفیق ہوگی تو مسرت ہوگی اور ہمت بڑھے گی۔ اھ

یہ تو کمیت ذکر کے متعلق ارشادات ہیں اور کیفیت کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ جس طرز میں زیادہ دلچسپی ہو وہی اختیار کرے کیوں کہ وہی طرز زیادہ نافع ہوتا ہے جس میں زیادہ دل لگے۔ لیکن اس کا خاص خیال رکھے کہ قلب میں ورد کے جلدی پورا کرنے کا تقاضا نہ پیدا ہونے دے اگر کسی کا طرز ہی روانی کے ساتھ ذکر کرنے کا ہو تو اس کا مضائقہ نہیں باقی طبیعت میں یہ تقاضا نہ ہونا چاہئے کہ کسی طرح جلدی ختم کیا جائے۔ اھ

اس مضمون کے متعلق ایک مکتوب حصہ پنداشرف میں بھی نقل کیا جا چکا ہے بمناسبت مقام مکرر نقل کیا جاتا ہے۔

ایک ہندی طالب نے لکھا کہ حضور سے دور ہوں اذکار صحیح طریقہ سے کیوں کر ادا کروں اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ یہ معلوم کرنا کیا مشکل ہے قلب اور زبان دونوں کو شریک رکھنا یہی طریق صحیح ہے۔ اھ

انہیں طالب نے یہ بھی درخواست کی تھی کہ اپنے فلاں مجاز سے فرما دیں کہ مجھے دو ایک مرتبہ دوازدہ تسبیح کا ورد کرا دیں۔

اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اس کی حاجت نہیں یہ قیود غیر مقصود ہیں۔ مقصود صرف ذکر ہے اگر کوئی نہایت موزوں رفتار سے چلتا ہو اور دوسرا غیر موزوں سے تو اصل مقصود منزل پر پہنچنا ہے جو دونوں رفتار سے حاصل ہو جاتا ہے آگے رہی موزونیت اس میں اور مصالح زائدہ ہیں جن پر منزل کی رسائی موقوف نہیں۔ اھ

حضرت والا قیود ذکر کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اس زمانہ کی طبائع چونکہ ضعیف ہیں اس لئے اکثر یہ قیود موجب تشویش و تشتت ہو جاتی ہیں۔ لہذا ان کے اہتمام میں نہ پڑے۔ اسی طرح لطائف ستہ کی فکر میں بھی نہ پڑے کہ یہ بھی موجب

تشویش ہے۔ اصل چیز لطیفۂ قلب ہے۔ بس ساری توجہ اسی پر رکھے۔ اس کے نورانی ہوجانے سے اور لطائف بھی خود بخود نورانی ہوجاتے ہیں ہمارے حضرت حاجی صاحب رح کا یہی طریق تھا جو اس حدیث سے مؤید ہے۔ ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب۔ اھ

حضرت والا کو ایک طالب نے لکھا کہ میں لطائف ستہ کے جاری کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جواب تحریر فرمایا کہ حقائق مقصود ہیں لطائف مقصود نہیں۔ اھ

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ذکر کے دوران میں اگر بسہولت ہوسکے تو مذکور کی طرف ورنہ ذکر کی طرف توجہ رکھے اور احقر کو ابتدا میں یہ مراقبہ تعلیم فرمایا تھا کہ گویا زبان کے ساتھ ساتھ قلب سے بھی کلمات ذکر نکل رہے ہیں اور وہ بھی میرے ساتھ شریکِ ذکر ہے۔ اھ

جہاں تک احقر کو یاد ہے ایک بندی طالب کو دوران ذکر میں یہ مراقبہ بھی تعلیم فرمایا تھا کہ گویا بیت اللہ شریف میرے سامنے ہے

اسی طرح دوران ورد درود شریف کے لئے یہ مراقبہ تعلیم فرمایا تھا کہ گویا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے مواجہ میں درود شریف پڑھ رہا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو رہے ہیں۔

غرض جس طالب کی جیسی استعداد اور دلچسپی دیکھتے ہیں توجہ قایم رکھنے کا ویسا طریقہ اس کو تعلیم فرما دیتے ہیں اور اگر بسہولت ہوسکے تو تصور ذات حق کو سارے مراقبات سے افضل وانفع بلکہ اصل مقصود قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہر صورت میں اس کی تاکید فرماتے رہتے ہیں کہ توجہ واستحضار میں زیادہ کاوش نہ کی جائے ورنہ

قلب و دماغ ماؤف ہو جائیں گے اور یکسوئی فوت ہو جائے گی - زیادہ کاوش سے تعب اور پریشانی ہوتی ہے جس سے نفع بند ہو جاتا ہے بس معتدل توجہ ہی کافی ہے۔ اسی سے رشدہ شدہ ملکۂ تامہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور توجہ کامل کی توفیق ہونے لگتی ہے۔ غرض زیادہ کاوش مضر ہے بس اتنی توجہ کافی ہے جیسے کچا حافظ سوچ سوچ کر قرآن سناتا ہے۔ اھ

حضرت والا ذکر کے نافع ہونے کی ایک یہ بھی نہایت ضروری شرط بڑے اہتمام سے بیان فرمایا کرتے ہیں کہ خالی الذہن ہو کر محض تعداد ہی پوری کرنے کی نیت سے نہ کرے بلکہ اس نیت سے کرے کہ مجھے اس سے نفع اور برکت حاصل ہو اور برابر یہی نیت رکھے لیکن نفع کے حصول کی نگرانی اور انتظار میں نہ رہے کہ یہ موجب تشویش ہونے کے سبب مضر ہے۔ لوگ جو اکثر برکات ذکر سے محروم رہتے ہیں اس کی یہ بھی ایک بڑی وجہ ہے کہ نفع اور برکت کی نیت سے ذکر نہیں کرتے۔ اھ

حضرت والا نے اس مضمون پر اپنے وعظ طریق القلندر میں بھی بہت زور دیا ہے جس کا ضروری اقتباس ایک موقع پر اوراق ماسبق میں ہدیۂ ناظرین کیا جا چکا ہے اس کا بھی خلاصہ یہی ہے کہ اعمال سے جو محبت حق پیدا نہیں ہوتی اس کا سبب یہ ہے کہ محبت حق کی نیت سے اعمال نہیں کیے جاتے۔ خالی الذہن ہو کر کیے جاتے ہیں۔ اھ

حضرت والا ذکر میں خفیف جہر و ضرب تعلیم فرمایا کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ اگر بعد کو جوش میں آواز بلند ہونے لگے تو بلند ہونے دے طبیعت کو گھونٹنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر سونے والوں یا مصلیوں کو تکلیف یا تشویش

ہو تو بالکل خفی کی تاکید فرماتے ہیں کیوں کہ ایسی صورت میں جہر جائز ہی نہیں۔ چنانچہ ایک صاحب کو جو اتنی بلند آواز سے تہجد کے وقت ذکر کرتے تھے کہ محلہ میں دو ر تک آواز پہنچتی تھی اتنے جہر سے بتاکید ممانعت فرمادی۔

اسی طرح ایک بوڑھے طالب نے لکھا کہ کچھ تو سونے والوں کی وجہ سے اور کچھ رفع تکان کے سبب سے چند روز سے بجائے ذکر جہر کے ذکر خفی کر لیا کرتا ہوں کوئی حرج تو نہیں جواب تحریر فرمایا کہ نہیں بلکہ افضل و انفع ہے اھ

لیکن حضرت والا محض ذکر قلبی پر اکتفا نہیں فرماتے کیوں کہ اس میں اکثر ذہول ہوجاتا ہے اور طالب اسی دھوکہ میں رہتا ہے کہ میں ذکر قلبی میں مشغول ہوں چنانچہ ایک طالب کو جنہوں نے ذکر قلبی سے اپنی دلچسپی کا حال لکھا تھا تحریر فرمایا کہ محض ذکر قلبی پر اکتفا نہ کیا جائے ذکر لسانی بھی اس کے ساتھ ضروری ہے خواہ قلبی میں اس سے کچھ کمی ہی ہو جائے۔ اھ

حضرت والا اس کا راز یہ فرمایا کرتے ہیں کہ اگر ذکر قلبی کے ساتھ ذکر لسانی بھی ہو تو اس میں یہ مصلحت ہے کہ اگر کبھی ذکر قلبی سے ذہول ہو گیا جیسا کہ اکثر ہوتا رہتا ہے اور قلب ذاکر نہ رہا تو کم از کم زبان تو ذاکر اور مشغول عبادت رہیگی۔ بخلاف نرے ذکر قلبی کی حالت کے کہ اگر اس صورت میں ذہول ہوا تو نہ قلب ذاکر رہے گا نہ زبان کیوں کہ زبان تو پہلے ہی سے غیر ذاکر ہے اور اب قلب بھی ذاکر نہیں رہا غرض غفلت محضہ میں وقت گزرے گا اور ذاکر کو خبر بھی نہ ہوگی۔ اھ

حضرت والا اذکار تجویز کرنے کے قبل اکثر طالب کے موجودہ معمولات بھی دریافت فرما لیتے ہیں اور اگر ان میں کوئی معمول عملاً یا اعتقاداً خلاف شرع ہوتا ہے تو اس کو

چھوڑوا دیتے ہیں لیکن بقیہ کو زیادہ تر بدستور رکھتے ہیں کیونکہ فرمایا کرتے ہیں کہ خیر العمل ما دیم علیہ۔ مداومت سے اوراد میں برکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اھ

چنانچہ ایک بار احقر نے کم فرصتی کے زمانہ میں پانچوں نمازوں کے بعد کے جو مختصر مختصر اوراد ہیں اُن کے ترک کو پوچھا تو فرمایا کہ نہیں انہیں نہ چھوڑیئے وہ بڑی برکت کے اوراد ہیں۔ انہیں مختصر سمجھ کر معمولی نہ سمجھئے۔ اھ

علاوہ برکت کے یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ جن اوراد پر پہلے سے مداومت ہو اُن سے طالب کو دلچسپی بھی ہوتی ہے۔ اور دلچسپی کی وجہ سے وہ سہولت اور جمعیت کے ساتھ اُن پر مداومت رکھ سکتا ہے جس سے بہت نفع ہوتا ہے بہ نسبت نئے اوراد کے۔ لہذا انہیں کو برقرار رکھنا مصلحت ہے۔ لیکن اگر پچھلے اوراد اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ اگر ان سب کو برقرار رکھا جائے تو اذکار و اشغال معمولہ مشائخ کے لئے جو رسوخ ذکر کے لئے زیادہ معین ہیں وقت ہی نہیں بچتا تو بجائے بعض کو بالکل حذف کرانے کے ان کی مقدار میں بضرورت کمی کرا دیتا ہوں اور کمی کا معیار بفحوائے آیہ کریمہ من جاء بالحسنة فلہ عشر امثالها یہ تجویز کر رکھا ہے کہ دسواں حصہ باقی رکھتا ہوں تاکہ کم از کم اصل ثواب تو بدستور قائم رہے بالکل حذف کرانے کو جی نہیں چاہتا۔

جس طالب کو جس حالت اور جس زمانہ میں جس ذکر سے مناسبت اور دلچسپی ہوتی ہے اس کے لئے اس وقت حضرت والا وہی تجویز فرماتے ہیں اور ہر طالب کے لئے اسی ذکر کو افضل سمجھتے ہیں جو اس کے لئے باعتبار خصوصیت حالت انفع ہو چنانچہ ایک صاحب کو بجائے اذکار کے کثرت تلاوت تجویز فرمائی تو وہ بہت مسرور ہوئے اور عرض کیا کہ مجھ کو تو تلاوت سے عشق ہے۔ اسی طرح ایک صاحب کے لئے

کثرت نوافل تجویز فرمائی تو انہوں نے نوافل سے اپنی غایت دلچسپی کا اظہار کیا۔

اگر کسی کو کثرتِ اذکار اور طول خلوت سے طبیعت میں ملال پیدا ہو کر قبض لاحق ہو جاتا ہے تو اس کو ہدایت ہوتی ہے کہ کچھ دن کے لئے سفر کرو۔ دوست احباب سے ملو اور مباحات میں مشغول رہو اور جب طبیعت میں نشاط پیدا ہو جائے پھر خلوت میں بیٹھ جاؤ ویسے ہی مباحات کے بالکلیہ ترک سے منع فرماتے رہتے ہیں جیسا کہ پہلے کسی موقع پر بہ تفصیل بیان کیا جا چکا ہے۔

حضرت والا بتاکید فرمایا کرتے ہیں کہ اپنے معمول کو پورا کر لینا چاہئے خواہ عذر کی حالت میں بے وضو ہی سہی یا چلتے پھرتے ہی سہی کیوں کہ معمول کو مقرر کر لینے کے بعد ناغہ کرنے میں بڑی بے برکتی ہوتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں بھی اس کی تاکید ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یا عبد اللہ لا تکن مثل فلان کان یصلی باللیل ثم ترکہ یہ ایسا ہے جیسے کسی نے اپنے حاکم کے پاس آنا جانا شروع کیا اور خصوصیت کا تعلق قائم کرنے کے بعد پھر آنا جانا موقوف کر دیا تو حاکم کو بہت ناگوار ہوگا اور جو خصوصیت کا تعلق پیدا ہی نہیں کرتا اُس سے کوئی شکایت نہیں ہوتی بشرطیکہ غائبانہ اطاعت کا تعلق قائم رکھا جائے جو بہر حال ضروری ہے۔ اھ

حضرت والا عموماً ان کو جو تحصیل علوم دینیہ میں مشغول ہیں ذکر و شغل نہیں تعلیم فرماتے تاکہ حرج واقع نہ ہو کیوں کہ علاوہ وقت صرف ہونے کے ذکر و شغل سے اکثر دلچسپی اتنی پیدا ہو جاتی ہے کہ پھر تحصیل علوم سے دلچسپی کم ہو جاتی ہے۔ لیکن چونکہ اصلاح اعمال بہر حال فرض ہے اور اس میں کوئی حرج اوقات بھی نہیں بلکہ ترک فضولیات کی وجہ سے وقت اور بچ جاتا ہے اس لئے اس کے متعلق خط و کتابت کی اجازت بلکہ کبھی ابتداءً

مشورہ بھی دے دیتے ہیں چنانچہ بندہ زادہ سے جو تحصیل علوم میں مشغول تھا بغایت شفقت و دلسوزی فرمایا کہ جو موٹی موٹی عیب کی باتیں اپنے اندر محسوس ہوں اُن کے متعلق مجھے وقتاً فوقتاً لکھتے رہنا میں انشاء اللہ تعالیٰ ایسی سہل سہل تدابیر بتلاتا رہوں گا جن پر عمل نہایت سہل ہوگا - اور اس سے زیادہ کیا سہل ہوگا کہ تم کو میں اجازت دیتا ہوں کہ چاہے مشوروں پر عمل بھی نہ کرنا لیکن اپنی اصلاح کے متعلق مجھ سے مشورے ضرور حاصل کرتے رہنا اس سے بھی انشاء اللہ تعالیٰ تم دیکھو گے کہ بہت نفع ہوگا - اھ

چونکہ یہ ممبر طویل ہوگیا ہے اور استیعاب مقصود نہیں اس لئے اس کو یہیں ختم کیا جاتا ہے ورنہ مضامین تو اور بھی بہت سے قابلِ ذکر ہیں -

(۹) حضرت والا نہایت اہتمام کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں کہ اس طریق کا اول قدم فنا ہے جس میں یہ صفت نہ پیدا ہوئی ہو بس سمجھ لو کہ اس کو طریق کی ہوا بھی نہیں لگی اور یہ جو بزرگوں کا قول ہے کہ طریق کا آخر قدم فنا ہے وہ بھی بالکل صحیح ہے اُس سے مراد کمال فنا ہے - کیونکہ فنا کے بھی تو آخر درجات ہوتے ہیں - اھ

ایک مشہور فاضل مولوی اتفاقاً محض چند گھنٹوں کے لئے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چلتے وقت عرض کیا کہ مجھ کو کوئی نصیحت فرمایئے - حضرت والا فرماتے ہیں کہ متردد ہوا کہ ایسے فاضل شخص کو میں کیا نصیحت کروں - پھر اللہ تعالیٰ نے فوراً میرے دل میں ایک مضمون ڈالا جو بعد کو معلوم ہوا کہ اُن کے بالکل مناسب حال تھا میں نے کہا کہ حضرت آپ جیسے فاضل کو میں نصیحت تو کیا کرسکتا ہوں لیکن ہاں میں نے جو اپنی اس تمام عمر میں سارے طریق کا حاصل سمجھا ہے وہ عرض کئے دیتا ہوں وہ حاصل جو میں سمجھا ہوں وہ فناء و عبدیت ہے بس جہاں تک ممکن ہوا اپنے آپ کو مٹایا جائے

بس اسی کے لئے سارے ریاضات و مجاہدات کیئے جاتے ہیں۔ اور بس اپنی ساری عمر فنا اور عبدیت ہی کی تحصیل میں گزار دینی چاہیئے۔ اس تقریر کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ وہ آبدیدہ ہو گئے اور واقعی یہ ہے بھی ایسی ہی چیز سارے بزرگ اسی کی تعلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ بالخصوص چشتیہ کے یہاں تو بس یہی ہے۔

افروختن و سوختن و جامہ دریدن　　پروانہ ز من شمع ز من گل ز من آموخت

تو در و گم شو وصال اینست و بس　　گم شدن گم کن کمال اینست و بس

ہو فنا ذات ہیں کہ تو نہ رہے　　تیری ہستی کی رنگ و بو نہ رہے

آئینہ ہستی چہ باشد نیستی　　نیستی بگزیں گر ابلہ نیستی اھ

(۱۰) اس نمبر میں حضرت والا کے دو زریں اصول لکھے جاتے ہیں۔ جن میں سے ایک تو تخلیہ (بالخاء المعجمہ) کے متعلق ہے اور دوسرا تحلیہ (بالحاء المہملہ) کے متعلق لیکن دونوں میں امر مشترک ایک ہی ہے یعنی بتکلف عمل کرنا۔

تخلیہ (بالخاء المعجمہ) کے متعلق تو یہ ہے کہ ایک طالب نے لکھا کہ بدنظری سے بچنا نفس پر بہت شاق ہوتا ہے کوئی تدبیر ایسی ارشاد فرما دیجئے کہ جس پر عمل کرنے سے اس فعل شنیع سے طبعاً نفرت پیدا ہو جائے۔ اھ

جواب تحریر فرمایا کہ بجز ہمت اور تحمل مشاق کے کوئی تدبیر نہیں اور معین اس کی دو چیزیں ہیں استحضار عقوبت اور ذکر کی کثرت۔ اھ

اور تحلیہ (بالحاء المہملہ) کے متعلق یہ ہے کہ ایک طالب نے لکھا کہ حصول یقین کا طریقہ ارشاد فرمایا جائے۔ جواب تحریر فرمایا کہ اول بہ تکلف عمل کرنا اس کی برکت سے یقین پیدا ہو جاتا ہے اور کوئی طریقہ نہیں۔ اھ

غرض حضرت والا بہ تکلف عمل کرنے پر بہت ہی زور دیا کرتے ہیں اور یہ اشعار بکثرت تحریراً و تقریراً فرمایا کرتے ہیں (للعارف الرومی ؎)

اندریں رہ می تراش و می خراش | تا دمِ آخر دمے فارغ مباش
تا دمِ آخر دمے آخر بُود | کہ عنایت با تو صاحب سر بود
دوست دارد دوست ایں آشفتگی | کوشش بیہودہ بہ از خفتگی،
کار کے می کن تو ؤ کاہل مباش | اندک اندک خاک چہ را می تراش
چوں زچاہے میکنی ہر روز خاک | عاقبت اندر رسی در آبِ پاک
چوں نشینی بر سر کوئے کسے | عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

اور یہ اشعار بھی اکثر فرمایا کرتے ہیں۔ ؎

دست از طلب ندارم تا کارِ من برآید | یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید
یابم اورا یا نیابم جستجوئے میکنم | حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم
کار کن کار بگذر از گفتار | اندریں راہ کار باید کار۔
قدم باید اندر طریقت نہ دم | کہ اصلے ندارد دمِ بے قدم

اب اس عنوان دوم یعنی اصول متعلقہ تعلیم وتربیت کو اصلاح کرانے کے ایک نہایت مفید کار آمد اور مکمل طریق عمل پر ختم کیا جاتا ہے جو حضرت والا نے ایک نومسلم طالب صادق کے لئے حال ہی میں تجویز فرمایا ہے اور جو اس قابل ہے کہ ہر طالب اصلاح اس کو اپنا دستور العمل بنالے۔ اُن طالب کا خط مع حضرت والا کے جواب باصواب کے تربیت السالک سے نقل کیا جاتا ہے۔ وہو ہذا۔

حال مجھ میں ایک بڑا مرض ہے کہ جب میں حضرت والا کو عریضہ لکھنا چاہتا ہوں

تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں۔ جب اپنی بُرائیوں پہ نظر کرتا ہوں اور چاہتا ہوں
کہ حضرت والا کو لکھوں تاکہ اصلاح ہو تو اُس وقت اس خیال میں پڑ جاتا ہوں کہ پہلے
کس برائی کے واسطے لکھوں اکثر اس میں عریضہ لکھنا رہ جاتا ہے اور جب ایک برائی تجویز
کر لیتا ہوں کہ اس کو لکھوں تو یہ خیال آتا ہے کہ یہ تو خود بھی ذرا سی ہمت پر چھوڑی جا سکتی
ہے پہلے خود ہی چھوڑنے کی کوشش کر لی جائے اگر کامیابی نہ ہو تو حضرت والا کو لکھا
جائے۔ ان ہی خیالات میں اُلجھ کر عریضہ لکھنا رہ جاتا ہے اور برائیاں ویسی کی ویسی ہی
موجود رہتی ہیں اور بندہ بارہا کوشش کرتا ہے لیکن کامیابی ہی نہیں ہوتی جتنا بھی پختہ عزم
کرتا ہے اتنا ہی جلدی ٹوٹتا ہے اس لئے بندہ اس تشویش اور پریشانی میں مبتلا ہے
کہ میری اصلاح کیسے ہو گی جب کسی امر پر دوام ہی نصیب نہیں ہوتا۔ اب عرض یہ ہے
کہ اس مرض کے واسطے ازراہِ کرم علاج تجویز ہو اور دعا بھی ہو کہ بندہ کو تمام رذائل سے
نجات حاصل ہو جائے۔

تحقیق علاج یہ ہے کہ ایک کاغذ پر اپنی سب بُرائیاں لکھ لو اور جو یاد آتی رہیں
اس میں لکھتے رہو اور اُن کا علاج بھی کرتے رہو اور علاج سے جو بالکل
زائل ہو جائیں ان کا نام کاٹ دو اور جو رہ جائیں پوری یا ادھوری اُن کو لکھا رہنے
دو پھر جب خط لکھنے بیٹھو اُن بُرائیوں کی تعیین کے لئے قرعہ ڈال لو جس کا نام نکل
آئے خط میں وہی لکھ دو اور اگر اس کا کچھ علاج کیا ہو اس کی بھی اطلاع کر دو بس اسطرح
خط لکھتے وقت تشویش نہ ہو گی باقی دعا کرتا ہوں والسلام۔

عنوان سوم

اصول متعلقہ خط و کتابت

(۱) حضرت والا مختلف النوع مضامین کا ایک خط میں اجتماع گوارا نہیں فرماتے مثلاً اگر مسائل فقہیہ اور احوال و مسائل سلوک ایک ہی خط میں پوچھے جاتے ہیں تو چونکہ مسائل فقہیہ زیادہ اہم ہیں اور ان کے جواب میں تعجیل ضروری ہے اس لئے صرف ان کا جواب مرحمت فرما دیتے ہیں بشرطیکہ مراجعت کتب کی ضرورت نہ ہو جس کی حضرت والا کو اکثر فرصت نہیں ملتی اور احوال و مسائل سلوک کے متعلق تحریر فرما دیتے ہیں کہ جدا خط میں پوچھے جائیں اور بعض اوقات زجر کے لئے بالکل جواب نہیں دیا جاتا اس جمع نہ کرنے کی مصلحت یہ ہے کہ مختلف مضامین کے جواب دینے میں خلجان بھی ہوتا ہے اور یہ اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ اصل مقصود کس مضمون کا جواب حاصل کرنا ہے اور جانبین کے لئے غلط مبحث کا بھی اندیشہ ہے جو واجب الاحتراز ہے۔ اور وقت بھی بہت صرف ہوتا ہے جس کی بوجہ کثرت خطوط و مشاغل گنجائش ہی نہیں۔

نیز جو خدمتِ خلق کا حق ادا کرنا چاہیے گا اور سب اہلِ حاجت کی بقدرِ ضرورت کار برآری کرنا چاہے گا اس کو بجز اس کے چارہ نہیں کہ اس قسم کی ضروری قیود عائد کرے ورنہ طلب الکل فوت الکل کا مضمون صادق آنا لازمی ہے چنانچہ حضرت والا ہمیشہ فرمایا کرتے ہیں کہ میں اگر ایک ہی کے کام کو لے بیٹھوں تو دوسروں کے کام یوں ہی پڑے رہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تھوڑے تھوڑے سب کے کام ہو جائیں کیوں کہ سبھی کا حق ہے۔ اھ

اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ لوگ بڑے بڑے رسالے بھیج دیتے ہیں کہ ان کا جواب لکھو۔ میں یہ لکھ دیتا ہوں کہ میرے پاس اتنا وقت تو کہاں ہے کہ سب کا یکجائی جواب لکھوں۔ ہاں آپ یہ کریں کہ پہلے ایسے مقامات منتخب کر لیں جو آپ کے نزدیک محتاج جواب ہوں پھر ان مقامات میں سے ایک خط میں صرف ایک مقام میرے پاس بھیج دیا کریں اس کا جواب حاصل کر لیں اسی طرح برابر مجھ سے خدمت لیتے رہیں اور جب سب مقامات کا جواب ہو جائے اس کو جمع کر کے شائع کر دیں۔ اھ

یہ فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے خدمت سے انکار نہیں بشرطیکہ طریقہ سے خدمت لیجائے اور صرف وہی کام مجھ سے لیا جائے جو میرے کرنے کا ہو اور جو خود کر سکیں اس کو خود کیا جائے۔ سارا بوجھ مجھ ہی پر نہ ڈال دیا جائے۔ اس طرح تو اگر کوئی عمر بھر بھی مجھ سے خدمت لیتا رہے تو میں نہایت خوشی کے ساتھ حاضر ہوں کیوں کہ میرا تو کام یہی ہے کہ میں اپنے بھائی مسلمانوں کی خدمت کروں جتنی بھی ہو سکے اور جیسی بھی ہو سکے۔

پھر فرمایا کہ لوگوں کو دوسرے پر بوجھ ڈال دینا تو آسان ہے لیکن جب خود ان کو کچھ کام کرنے کو بتلا دیا جاتا ہے تو پھر بیٹھ رہتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بہت لوگوں کو یہ طریقہ مذکورہ بتلایا لیکن چونکہ اس میں خود بھی ان کو کچھ کام کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے بیٹھ رہے البتہ

ایک صاحب نے اس اطلاع کے بعد ایک رسالہ کا طرف ایک مقام حل کرایا پھر وہ بھی بیٹھ رہے انہوں نے فرقۂ بہائیہ کے شبہات کے جوابات چاہے تھے ان کو میں نے یہی لکھ دیا کہ ایک ایک شبہہ پیش کیا جائے اور اس کو اپنی طرف منسوب کیا جائے نہ کہ کسی دوسرے کی طرف کیوں کہ میں غائب سے خطاب کیوں کر کر سکتا ہوں۔

چنانچہ انہوں نے ایک بار ایک شبہہ لکھ کر بھیجا میں نے اس کا جواب لکھ دیا اور میں اپنی طرف سے اس سلسلہ کو برابر جاری رکھنے کے لئے آمادہ ہو گیا اور اُس جواب کو جدا گانہ نقل بھی کرالیا تاکہ آئندہ کے جوابات کو بھی مسلسل نقل کراتا چلا جاؤں۔ لیکن ان کا بھی بس ایک ہی خط آکر رہ گیا اور اتنا التزام بھی اُن سے نہ نبھ سکا۔ اھ

حضرت والا کے اصول مذکورۂ بالا کے یعنی ایک خط میں مختلف مضامین جمع کرنے کی ممانعت پر بعض صاحبوں نے لکھا کہ ہمیں اس قاعدہ سے مستثنیٰ کر دیا جائے کیونکہ ہم نادار ہیں بار بار خط بھیجنے کے لئے ہمارے پاس دام نہیں۔ اس پر حضرت والا نے تحریر فرما دیا کہ اگر میں مستثنیٰ کرنا شروع کر دوں تو اول تو مواقع استثناء کو میں یاد کیسے رکھ سکتا ہوں دوسرے یہ کہ جب مستثنیٰ کرنا شروع کر دیا تو وہ قاعدہ قاعدہ ہی کیا رہے گا۔ اور جس ضرورت و مصلحت سے وہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے وہی کب پوری ہو گی۔ اس لئے یہ تو گوارا نہیں اگر ناداری ہے تو اس غرض خاص کے لئے چندہ کر لیا جائے اور اس میں میں بھی نہایت خوشی کے ساتھ شریک ہوں گا۔ اھ

احقر جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ بعض نے ایسا ہی کیا اور اس میں حضرت والا بھی نہایت خوشی کے ساتھ شریک ہوئے چنانچہ بعض اب بھی ایسے موجود ہیں جن کی حضرت والا اس مد میں برابر اعانت فرماتے رہتے ہیں یہ تو گوارا ہے لیکن مصالح ضروریہ کے مختل ہونے کی

وجہ سے اپنے اصول کو توڑنا ہرگز گوارا نہیں۔

(۲) حضرت والا خط و کتابت میں عبارت کے تکلف اور تصنع کو بہت ناپسند فرماتے ہیں کیوں کہ اس میں تلبیس کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے اور کاتب کے مافی الضمیر کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص طالبین طریق باطن کو تو بہت اہتمام کے ساتھ اس سے روکتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی محض اظہار لیاقت کے لئے بلاضرورت عربی میں خط لکھتا ہے تو بجائے عربی میں جواب لکھنے کے اردو ہی میں یہ تحریر فرما دیتے ہیں کہ میں تو بے تکلف عربی عبارت لکھنے پر قادر نہیں اور آپ ماشاءاللہ قادر ہیں تو آپ مجھ سے اکمل ہوئے لہذا اکمل کو ناقص سے رجوع نہیں کرنا چاہیئے آپ کسی کامل سے رجوع کیجئے۔ اھ

اتفاق سے ایک عربی کا خط ابھی آیا تھا جس کا جواب بلفظہ نقل کیا جاتا ہے تحریر فرمایا کہ افادہ کی شرط مفید کا مستفید سے اکمل ہونا ہے آپ عربی لکھتے ہیں گو غلط لکھتے ہیں میں غلط بھی نہیں لکھتا پس آپ اکمل ٹھہرے پس شرط مفقود ہوئی اس لئے مشروط بھی مفقود ہوا۔ اھ

ایک صاحب نے پوچھنے پر عربی میں خط لکھنے کی یہ وجہ لکھی کہ لسان اہل الجنۃ عربی۔ اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ قسم کھا کر لکھو کہ اس کی بناء پر اگر تم یہاں آؤ تو کیا عربی ہی میں کلام کرو گے اس کا وہ کوئی معقول جواب نہیں دے سکے۔ اھ جو بلاضرورت عربی میں خط لکھتے ہیں صرف ان کو یہ جواب دیا جاتا ہے ورنہ جہاں واقعی ضرورت ہوتی ہے جیسے ممالک عرب سے کوئی خط آجائے وہاں حضرت والا عربی خطوط کا عربی ہی میں جواب تحریر فرماتے ہیں۔ اھ

حضرت والا کے اس جواب پہونچنے پر کہ کسی کامل سے رجوع کیجئے عربی میں خطوط

بھیجنے والے پھر اُردو میں خطوط بھیجنے لگتے ہیں اور اُن میں سے بعض تو صراحۃً اقرار کر لیتے ہیں کہ واقعی ہمیں اظہار لیاقت ہی مقصود تھا۔

حضرت والا اکثر طالبین کو اشعار لکھنے سے بھی روکتے رہتے ہیں کہ جس کو اپنا بڑا سمجھے اس کو اشعار لکھنا یا اُس کے سامنے اشعار پڑھنا خلاف تہذیب اور خلافِ ادب ہے لیکن مغلوب الحال لوگوں کو معذور رکھتے ہیں۔

اسی طرح جو از راہ تکلف بہت زیادہ تعظیمی الفاظ استعمال کرتے ہیں ان کو بھی حضرت والا روک دیتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں ایک نئے طالب نے جو ایک انگریزی دان اور ذی وجاہت وکیل ہیں اپنے عریضہ میں اپنے آپ کو حضرت والا کے دربار کا ادنیٰ غلام لکھا تو حضرت والا نے سبحان اللہ ایسے جامع اور لطیف عنوان سے متنبہ فرمایا کہ سوائے مان لینے کے کوئی چارہ ہی نہ رہا۔ تحریر فرمایا کہ ایسے الفاظ سے اگر مجھ میں کبر ہوا تو میرا مرض بڑھتا ہے اور اگر تواضع ہوئی تو تنگی ہوتی ہے ہر حال میں ضرر ہی ہے بدنی یا نفسانی۔ اھ

انہیں صاحب نے اپنے پچھلے خط کے گم ہو جانے کا بہت افسوس لکھا جس کو بہت شوق سے لکھ کر بھیجا تھا اور لکھا کہ یہ میری بد قسمتی ہے حضرت والا نے اس پر بھی متنبہ فرمایا کہ مجھ کو مسلمان کے منہ سے بد قسمتی کا اقرار اچھا نہیں معلوم ہوتا مسلمان تو بد قسمت ہوتا ہی نہیں مثلاً اسی واقعہ میں آپ کا خط گم ہوا آپ کو قلق ہوا اس پر آپ کو اجر ملا تو یہ خوش قسمتی ہوئی یا بد قسمتی البتہ جو معاصی اختیاریہ ہیں اُن کو خسارہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اھ

انہیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ حضور اس نادان اور ناتربیت یافتہ کو تربیت دیں۔ اس پر تحریر فرمایا کہ تربیت تو بڑے لوگوں کا کام ہے۔ میں ناکارہ خود ہی محتاج تربیت ہوں کسی کی کیا تربیت کرتا البتہ خدمت سے کسی کی بھی انکار نہیں۔ حسب طریقہ سے مجھ سے خدمت لی جائے۔ اھ

انہیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ حضوری میں جناب عالی سے مرعوب ہوں اور

غائبی ہیں کتابت کے وقت باقلم زبان ۔اس پر تحریر فرمایا کہ ان خیالات کو دل میں بھی نہ آنے دیجئے بلا رعایت کسی خاص قاعدہ وضابطہ کے بے تکلف جو دل میں آئے لکھئے صرف دو تین باتوں کا خیال کافی ہے اسی کو میں نے اوپر طریقہ سے تعبیر کیا ہے ایک تو واقعہ صاف لکھا جائے تکلف یا عبارت آرائی نہ ہو دوسرے بلاضرورت طول نہ ہو تیسرے ایک خط میں متعدد مضامین نہ ہوں لیکن اگر اس میں ارتباط ہو تو وہ ایک ہی مضمون شمار ہو گا ۔ اھ

اسی طرح اگر کوئی طالب اپنا مدعا مبہم الفاظ میں لکھتا ہے مثلاً مجھے غلامی میں قبول فرمالیجئے ۔ مجھے اپنے دامن میں ڈھانپ لیجئے ۔ میرے اوپر نظر توجہ فرما دیجئے وغیرہ وغیرہ تو تحریر فرما دیتے ہیں کہ یہ گول الفاظ ہیں صاف الفاظ میں لکھو کہ کیا چاہتے ہو ۔ اسی طرح اگر کوئی طالب لکھتا ہے کہ میری اصلاح فرمایئے یا لکھتا ہے کہ میری دستگیری فرمایئے یا لکھتا ہے کہ مجھے خدا کا راستہ بتایئے یا اور کوئی ایسی ہی درخواست کرتا ہے تو تحریر فرما دیتے ہیں کہ ان کی تفسیر لکھو تاکہ اگر وہ ان الفاظ کے مفہوم کو غلط سمجھے ہوئے ہو تو اس کو اصل مفہوم سمجھا دیا جائے ۔ غرض جب تک مقصود کو صاف طور پر متعین نہیں کرا لیتے تعلیم نہیں شروع فرماتے ۔ اور اگر کوئی طالب باوجود تنبیہ کے غیر مقصود کو اپنا مقصود قرار دیتا ہے تو تعلیم و تربیت سے عذر فرما دیتے ہیں اور تحریر فرما دیتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ مقصود اور مطلوب فی الدین نہیں اگر آپ کے نزدیک ہو تو کسی اور سے رجوع کیجئے مجھے اس کے حصول کی تدبیر معلوم نہیں اھ

چنانچہ ایک اور سلسلہ کے ایک اہل علم طبیب آیۂ کریمہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کا صحیح مفہوم نہ سمجھ کر اس کے حوالہ سے طبعی اطمینان قلب کی تحصیل کے

ذرائع بار بار دریافت کرتے رہے اور حضرت والا برابر اس کا غیر مقصود ہونا اپنے خاص طریق تفہیم پر سمجھاتے رہے جب اس پر بھی ان کا اصرار باقی رہا تو حضرت والا نے پھر وہی جواب لکھ دیا جو ابھی مذکور ہوا۔ اُن کے ایک خط کے مضامین کے ضروری جوابات دے کر آخری مضمون کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اول تو سب مقدمات متکلم فیہ ہیں فاین المدعیٰ۔ لیکن میں اس میں قیل وقال پسند نہیں کرتا اگر آپ کے ذوق میں سب دعاوی صحیح ہیں اور ایسا اطمینان مطلوب فی الدین ہے تو آخیر جواب یہ ہے کہ مجھ کو اس کا نسخہ معلوم نہیں کسی اور طبیب سے رجوع کیجئے۔ اھ

اس تنبیہ سے ان کی آنکھیں کھل گئیں اور حسب ذیل عریضہ بھیجا۔

"حضرت اکرم نفعنا اللہ بطول بقائکم وادام لنا برکاتکم۔ السلام علیکم گرامی نامہ موصول ہو کر موجب شرف و برکت ہوا جسے سابق خطوط کے ساتھ مکرر بغور میں نے پڑھا اور مجھے اپنی غلطی فکر و رائے پر متنبہ ہو کر حقیقت حال منکشف ہوئی اور یہ حضرت کی توجہ کی برکت ہے۔ (واقعی حسن کار اطمینان طبعی پر موقوف نہیں (اور اس کے لئے صرف علم وقدرت کی ضرورت ہے) اور نہ ایسا اطمینان مطلوب فی الدین ہو سکتا ہے۔ حضرت نے میرے خطوط کے جواب میں جو مختصر مگر لطیف انتباہات وہدایات فرمائے ہیں وہ میرے واسطے نافع ہوئے اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی نفع مند ہوں گے۔ اس پر حضرت والا نے اظہار مسرت فرمایا اور تحریر فرمایا:۔ ھنیئاً لکم العلم۔ اھ

اس سلسلہ کی پوری خط وکتابت امداد الفتاویٰ میں موجود ہے اور النور بابت شعبان ورمضان وشوال ۵۲ھ میں تحت عنوان احکام الایقان لاقسام الاطمینان

شایع بھی ہو چکی ہے۔

اس واقعہ سے حضرت والا کے خاص طریق افہام وتفہیم کا بدرجہ کمال نافع ہونا ثابت ہوتا ہے فللہ الحمد۔ اھ

(۳) حضرت والا بہ استثنار مواقع خصوصیت غیر جوابی خطوط کے جواب نہیں دیتے کیوں کہ قاعدہ سے ڈاک کا محصول خود جواب طلب کرنے والے پر ہے نہ کہ جواب دینے والے پر اور حضرت والا خود بھی اس قاعدہ کے اس قدر سختی کے ساتھ پابند ہیں کہ اگر کسی جان نثار خادم کو بھی اپنی ضرورت سے جواب طلب خط تحریر فرماتے ہیں تو ہمیشہ جوابی ہی تحریر فرماتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ جب میری ہی غرض ہے تو ان پر خواہ مخواہ کیوں محصول کا بار ڈالا جائے۔ گو اکثر ایسے خدام اپنے ہی پاس سے محصول دے کر جواب بھیجتے ہیں اور حضرت والا کا جوابی کارڈ یا لفافہ واپس کر دیتے ہیں لیکن حضرت والا اپنی طرف سے کبھی اُن پر بار نہیں ڈالتے۔

(۴) حضرت والا کو خطوط کے بلاتاخیر جواب دینے کا اس قدر اہتمام ہے کہ شاید و باید۔ یہاں تک کہ خطوط لکھنے والے پہلے سے حساب لگا لیتے ہیں کہ فلاں دن جواب آئے گا۔ اور اگر ڈاک خانہ کی غلطی سے (اور اکثر یہی سبب ہوتا ہے) یا اور کسی خاص وجہ سے اُس روز جواب نہیں پہنچتا تو متردد ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ بعض نے یہ خیال کر کے کہ کہیں تاخیر کا سبب نصیب اعدا علالت طبع نہ ہو بر وقت خط نہ پہنچنے پر فوراً دریافت خیریت کا عریضہ لکھا۔

اکثر دیکھا گیا کہ پچاس پچاس خطوط روزانہ آئے۔ جن میں اکثر طویل ہوتے ہیں۔ مگر سب کے جواب سے ہر روزہ فارغ ہوتے رہے خواہ عصر سے مغرب تک اور نہ

مغرب سے عشاء بلکہ عشاء کے بعد تک برابر مشغول رہنا پڑا۔ اور جس زمانہ میں سفر فرمایا کرتے تھے تو کئی کئی دن کی ڈاک یکجائی پہنچتی تھی اُس حالت میں خود احقر نے بارہا دیکھا کہ جب تک اکثر خطوط کا جواب لکھ کر کام کو اپنے قابو میں نہیں کرلیا راتوں کو سوئے نہیں بلکہ ایسا بھی ہوا کہ وعظ سے آدھی رات کو فارغ ہو کر تشریف لائے اور واپسی پر ڈاک کو لے بیٹھے اور دردسر کی حالت میں بھی سر کو بار بار ہاتھ سے دباتے جاتے اور جواب لکھتے جاتے۔ جب کوئی عرض کرتا کہ حضرت اس وقت آرام فرمالیں اور خطوط کے جوابات صبح تحریر فرما دیجئے گا تو فرماتے کہ میری طبیعت پر کام کا تقاضا اتنا ہوتا ہے کہ اگر میں کام پڑے رہنے کی حالت میں سونا بھی چاہوں تو نیند نہیں آسکتی پھر کام ہی کیوں نہ کروں۔ اھ

حضرت والا کے انضباط اوقات اور روز کا روز کام ختم کر دینے پر بڑے بڑے اہل محکمہ اور اہل ضابطہ حیران ہو ہو گئے ہیں اور اُن کو ماننا پڑا ہے کہ بلا اعانت خداوندی اور قوت روحانی کے کوئی شخص اتنا اور اس شان کا دماغی کام شب و روز کر نہیں سکتا اور ایک دو روز کی بات نہیں بلکہ حضرت والا کی تو ساری عمر اسی حالت میں گزری ہے اور اس ضعف پیری میں بھی بعون اللہ تعالیٰ وہی عالم ہے۔

واقعی دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے کہ اکثر و بیشتر بعد مغرب بھی بعد عشاء بھی قبل فجر بھی لالٹین جلائے ہوئے اور بعد عصر بھی وقتِ غروب تک آنکھوں پر زور دے دے کر برابر مطالعہ اور تحریر کا کام کرتے رہتے ہیں۔ بس بلا مبالغہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مشین ہے جو کسی قوت غیبیہ برقیہ کے سہارے رات دن بلا تکان چل رہی ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ

اللہ تعالےٰ حضرت والا کو صحت و عافیت کاملہ دائمہ اور فیوض و برکات عامہ تامّہ کے ساتھ غیر معمولی طویل عمر نصیب فرمائے آمین ثم آمین یا رب العالمین ۔

(۵) حضرت والا ڈاک کے پہنچتے ہی فوراً اسی کی جانب ہمہ تن متوجہ ہو جاتے ہیں ۔ اور جو خطوط اہل خصوصیت کے ہوتے ہیں ان کو چھانٹ کر الگ رکھتے جاتے ہیں تاکہ جواب تحریر فرماتے وقت ان کو مقدم کیا جائے ۔ یہ تقسیم تو محض شان خط پہچاننے کی بناء پر ہوتی ہے پھر بعد کو سرسری مطالعہ فرمانے سے جو خطوط بلحاظ مضامین قابل تقدیم معلوم ہوتے ہیں ان کو بھی الگ رکھ لیتے ہیں ۔ نیز جن خطوط کے جواب غور طلب یا طویل ہوتے ہیں یا اُن کے جواب کے لئے مراجعت کتب کی ضرورت ہوتی ہے جس کو بعض حالات میں گوارا فرماتے ہیں اُن کو عموماً صبح کے وقت کے لئے جو نسبتہً فراغ اور گنجائش کا وقت ہوتا ہے رکھ لیتے ہیں ۔ جن خطوط میں کوئی ناگوار مضمون ہوتا ہے ان کا جلدی سے جواب لکھ کر فوراً قبل از وقت ہی ڈاک میں ڈلوا دیتے ہیں ۔ اور فرمایا کرتے ہیں کہ ایسے خطوط کا پاس رکھا رہنا بھی مجھے اذیت دہ ہوتا ہے ۔

(۶) حضرت والا اب ضعف پیری اور قلت فرصت کی وجہ سے بہ استثناء مواقع خصوصیت ایسے استفتوں کے جواب لکھنے سے عذر فرما دیتے ہیں جن میں مراجعت کتب کی ضرورت ہو اور تحریر فرما دیتے ہیں کہ مجھ کو مراجعت کتب کی نہ فرصت نہ قوت کسی اور جگہ سے تحقیق کر لیا جائے اھ

بعض صاحبوں نے اصرار فرمایا کہ ہمیں تو حضور ہی کے فتوے پر اطمینان ہوتا ہے تو تحریر فرما دیا کہ اس اطمینان کی یہ بھی تو صورت ہو سکتی ہے کہ جب اور جگہ سے فتویٰ حاصل کر لیا جائے تو اس فتوے کو میرے پاس بھیج کر مجھ سے بھی اس کی

تصدیق کرالی جائے۔

حضرت والا عرصہ سے اس اہتمام میں ہیں کہ اپنی مختلف دینی خدمات کو رفتہ رفتہ دوسروں کی طرف منتقل فرمائیں، چنانچہ فتویٰ نویسی تو بہت ہی کم کر دی ہے اور بعض خاص صورتوں میں جن کی بقدر ضرورت تفصیل قریب ہی عنوان دوم اصول متعلقہ تعلیم و تربیت میں گزر چکی ہے۔ طالبین کو بھی اپنے خلفاء مجازین کے سپرد فرما دیتے ہیں اور ایک بار اس کا راز یہ فرماتے تھے کہ دین کی بہت سی خدمات کا کسی ایک ہی شخص سے وابستہ ہو جانا ہرگز مناسب نہیں کیوں کہ انسان کے ساتھ موت اور حیات لگی ہوئی ہے۔ اس کے انتقال کے بعد ایک ساتھ اتنی خدمات بند ہو جائیں گی۔ گو چند روز ہی کے لئے سہی تو اس کا دین پر برا اثر پڑے گا یا کم از کم اہلِ حاجت چند روز مشوش ہی رہیں گے۔ اھ

ایک بار یہ بھی فرمایا کہ میں اس لئے بھی دینی کاموں کو مختلف جگہوں میں تقسیم کرتا رہتا ہوں کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے مرنے کا بھی کسی کو صدمہ نہ ہو۔ کہ اتنے کام ایک ساتھ بند ہو گئے۔ بس تو مسلمانوں کی اتنی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتا کہ کوئی میرے مرنے کا بھی افسوس کرے گو طبعی افسوس کا انسداد قبضہ سے باہر ہے۔

غرض حضرت والا کو اب ایسے کاموں کی ہرگز تکلیف نہ دینی چاہیئے جو اور جگہ بھی ہو سکتے ہیں۔ بس اب تو حضرت والا سے صرف اصلاح اعمال ہی کے متعلق خط و کتابت کرنی چاہیئے کیوں کہ یہ خدمت اور جگہ اس اہتمام و انتظام سے نہیں ہو رہی گو حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ یہ خدمت اور خدمتوں سے چھوٹی ہے لیکن ہے یہ بھی ضروری جیسے بڑے بڑے مدرسوں کے مقابلہ میں (جہاں بڑی بڑی

کتابیں پڑھائی جاتی ہیں بغدادی قاعدہ اور الف بے تے نہیں پڑھائی جاتی، چھوٹا مکتب جس میں آ ب ت پڑھائی جاتی ہے کوئی چیز نہیں لیکن اگر کسی زمانہ میں بڑے ہی بڑے مدرسے رہ جائیں تو اس وقت اس کی ضرورت ہوگی کہ کوئی چھوٹا مکتب بھی قائم کیا جائے جس میں قاعدہ بغدادی کی تعلیم ہو۔ اھ

متعدد مصالح کی بنا پر جن میں سے بعض مختلف مواقع پر غالباً ذکر بھی کی جا چکی ہیں حضرت والا کسی عورت کے خط کا جواب اس وقت تک نہیں تحریر فرماتے جب تک وہ اس خط پر اپنے شوہر یا کسی محرم کے دستخط کرا کر نہیں بھیجتی۔ یہاں تک کہ ایک بے پردہ بڑے درجہ کی عورت کو بھی جو ایک کالج کی پرنسپل تھی اپنے اس معمول سے مطلع فرما دیا اور پھر اس نے بھی اپنے شوہر کے دستخط کرا کر بھیجے۔ اس معمول سے وہ عورتیں مستثنیٰ ہیں جو اہل قرابت ہیں یا جن کے مردوں سے مثل اہل قرابت کے تعلق ہے۔

اگر کسی کے خط میں حضرت والا کے کسی پچھلے جواب کا حوالہ ہوتا ہے تو جب تک اس کو طلب فرما کر ملاحظہ نہیں فرما لیتے جواب نہیں تحریر فرماتے اور محض نقل کو کافی نہیں سمجھتے کیوں کہ عموماً لوگوں کو پوری بات نقل کرنے کا اہتمام نہیں ہے۔ ایسے موقعوں پر تحریر فرما دیتے ہیں کہ میرا پہلا خط بجنسہٖ بھیج دیں۔ اھ

اگر ایسے متعدد خطوط ہوں تو ہدایت فرما دیتے ہیں کہ ان پر ترتیب وار نمبر ڈال دیئے جائیں لیکن پن یا ڈورے سے نتھی کرنے کو ناپسند فرماتے ہیں کیونکہ ڈورے سے نتھی ہونے کی صورت میں سارے خطوط کو ایکساتھ لئے ہوئے پڑھنا پڑتا ہے اور جواب لکھنا پڑتا ہے۔ جو دقت طلب اور موجب خلجان ہے۔ راحت اسی میں رہتی ہے کہ سب خطوط جدا

جُدا ہوں اور نمبر پڑے ہوئے ہوں تاکہ جس خط کو چاہئیں نکال کر آسانی کے ساتھ پڑھ لیں اور جواب لکھ دیں۔ اور پن لگانے میں چبھ جانے کا اندیشہ ہے چنانچہ کئی بار حضرت والا کے ہاتھ میں پن چبھ گئی جس سے بہت تکلیف ہوئی۔ اھ

پچھلا خط طلب فرمانے کا یہ مطلب نہیں کہ کاتب خود اس کے متعلق کچھ نہ لکھے بلکہ اس کو چاہیئے کہ جس مضمون کا حوالہ دے اس کو خود بھی اپنے خط میں پورا پورا نقل کر دے۔ پچھلا خط تو محض اس لئے منگوایا جاتا ہے کہ اگر ضرورت ہو اور کاتب کی نقل عبارت محولہ کے سمجھنے کے لئے ناکافی ہو تو اصل خط کو دیکھ لیا جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ کاتب صاحب تو محض حوالہ دے کر سبکدوش ہو جائیں اور حضرت والا خود ہی اس مضمون کو ڈھونڈھنے اور پڑھنے اور حوالہ کے سمجھنے کی دقت اٹھائیں۔ اھ

ایک طالب کو ایسی ہی بے عنوانی پر تحریر فرمایا کہ خط سابق رکھنا خلاف اصول ہے تازہ خط کے ساتھ صرف ایک اخیر کا خط آنا چاہیئے اور تازہ خط میں بھی مضمون پورا لکھنا چاہیئے۔ خط سابق صرف احتیاطاً منگایا جاتا ہے۔ میرے پاس وقت زیادہ نہیں ہے اس لئے میرے ساتھ آسانی کی بے حد رعایت چاہیئے۔ اھ

حضرت والا خط کے ہر مضمون کا جواب اُس کے محاذ میں احتیاط کے لئے لکیر کھینچ کر ساتھ کے ساتھ حاشیہ پر تحریر فرماتے جاتے ہیں تاکہ مضمون اور جواب دونوں بہ یک وقت مکتوب الیہ کی نظروں کے سامنے ہوں اور وہ جواب کو اچھی طرح سمجھ سکے اسی لئے حضرت والا کی یہ ہدایت ہے کہ خط کے ہر صفحہ پر نصف صفحہ یا کم از کم ثلث صفحہ کا حاشیہ جواب کے لئے چھوڑ دینا چاہیئے۔

اسی مصلحت سے کہ مضمون اور جواب دونوں ساتھ ہوں حضرت والا ایسے مضامین کا جواب جن میں سوال و جواب کے انطباق کی ضرورت ہو کارڈ پر نہیں تحریر فرماتے بلکہ تحریر فرما دیتے ہیں کہ ایسے امور کے جواب کے لئے کارڈ کافی نہیں لیکن لفافہ کے انتظار میں خطوط کو محفوظ نہیں رکھتے ورنہ انبار کے انبار خطوط امانت رکھنے پڑیں بعض کم فہم حضرت والا کے اس تحریر فرمانے پر کہ جواب کے لئے کارڈ کافی نہیں محض لفافہ بھیج دیتے ہیں جس پر حضرت والا تحریر فرما دیتے ہیں کہ وہ مضمون کہاں ہے جس کا جواب چاہا جاتا ہے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ میرے پاس محفوظ ہے حالانکہ تم کو اس سمجھنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ کسی قاعدہ سے اُس کا محفوظ رکھنا میرے ذمہ نہیں۔ اھ

حضرت والا خود تو بمصالح مذکورۂ بالا اپنا جواب مکتوب الیہ ہی کے خط پر تحریر فرماتے ہیں لیکن اگر مکتوب الیہ جواب الجواب کو حضرت والا ہی کے جواب پر لکھ کر بھیجتا ہے تو چونکہ جواب الجواب کی صورت میں بھی ایسا کرنا موجب خلجان ہوتا ہے نیز اپنے سے بڑے کے لکھے ہوئے خط پر اُس کا جواب لکھنا خلاف تہذیب بھی ہے اس لئے بہت تاکید کے ساتھ اس کی ممانعت فرما دیتے ہیں اور تحریر فرما دیتے ہیں کہ جس کو آدمی بڑا سمجھے گو وہ واقع میں بڑا نہ ہو اس کے لکھے ہوئے پرچہ پر جواب لکھنا خلافِ تہذیب اور خلافِ ادب ہے اھ

اور اپنا ادب کرانے کے متعلق حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اس کا منشاء یہ نہیں ہے کہ میں اپنے آپ کو قابلِ تعظیم سمجھتا ہوں یا میں اپنی تعظیم کرانا چاہتا ہوں۔ لاحول ولاقوۃ میں کیا چیز ہوں جو میری تعظیم کی جائے لیکن اس عدم تعظیم پر اس لئے نکیر ہے کہ جب کسی نے ایک شخص کو اپنے اعتقاد میں معظم سمجھ لیا ہے تو پھر وہ اب

اپنے اعتقادِ عظمت کا حق کیوں نہیں ادا کرتا۔ اپنے اعتقاد کے خلاف اس کے ساتھ کیوں معاملہ کرتا ہے ورنہ مجھ کو تو واللہ اس تصحیح معاملہ کی تعلیم کرتے ہوئے بھی نہایت خجلت ہوتی ہے مگر بضرورت اصلاح کہنا ہی پڑتا ہے۔ اھ

اس نمبر میں چند ایسے ضروری امور جنکی رعایت نہ کرنے سے حضرت والا کو سخت اذیت ہوتی ہے۔ بطور نمونہ کے مختصراً عرض کر کے عنوان ہذا کو انشاء اللہ تعالیٰ ختم کر دیا جائے گا۔ کاتبین خطوط ان باتوں کا خاص طور سے لحاظ رکھیں۔

(۱) امور یہ ہیں:۔

کاتبین خطوط کو چاہئے کہ جواب کے لئے بجائے ٹکٹ بھیجنے کے لفافہ یا کارڈ بھیجیں جس پر اپنا پورا پتہ اور نام صاف طور پر خود ہی لکھ دیں اور اس پر ٹکٹ بھی خود ہی چسپاں کر دیں اور اگر دستی بنا ہوا لفافہ ہو تو سوائے ایک طرف کے اس کے بقیہ اطراف کو خود ہی چسپاں کر دیں بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ اس کھلی ہوئی طرف پر بھی گوند لگا کر اور خشک کر کے چھوڑ دیں تاکہ حضرت والا کو سوائے جواب لکھنے اور خط کو لفافہ کے اندر رکھ کر بند کر دینے اور روانہ کرا دینے کے اور کوئی زحمت نہ کرنی پڑے اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو دیکھنے والے روزمرہ دیکھتے ہیں کہ حضرت والا کو سخت اذیت ہوتی ہے اور سخت زحمت اٹھانی پڑتی ہے کیونکہ ٹکٹ رکھنے کی صورت میں بعض اوقات باوجود خطوط کو بحفاظت کھولنے کے ٹکٹ گر جاتے ہیں اور بعض اوقات حضرت والا ٹکٹوں کو چسپاں کرنے کی غرض سے نکال کر رکھتے ہیں تو ہجوم خطوط اور ہجوم مشاغل کی وجہ سے جو دوران تحریر جوابات میں بھی برابر پیش آتے رہتے ہیں ٹکٹوں کے رکھنے کی جگہ یاد سے اتر جاتی ہے۔ بہر صورت ٹکٹوں کو ڈھونڈھنے میں بڑی

وقت ہوتی ہے اور بڑا وقت صرف ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بہت دفعہ ایسا ہوا کہ کوئی گرا ہوا ٹکٹ نظر پڑا تو سارے لفافے کھول کھول کر دیکھنے پڑے تاکہ یہ پتہ چلے کہ وہ کس خط کا ٹکٹ ہے۔ اور بعض مرتبہ پتہ نہ چل سکا تو حسب معمول اس کو ایک مہینہ تک امانت رکھ کر پھر بھی پتہ نہ لگنے کی صورت میں بمصارف لقطہ خیرات کر دینا پڑا، اور بعض مرتبہ دو خطوط کے جوابی لفافے بلا ٹکٹ ملے تو اس احتمال پر کہ نہ معلوم ان میں سے کون سے لفافہ کا یہ ٹکٹ ہے ایک لفافہ پر تو وہ ملا ہوا ٹکٹ لگایا اور احتیاطاً دوسرے پر بھی اپنے پاس سے ٹکٹ لگایا۔ ٹکٹوں کو لفافہ پر چسپاں کر کے نہ بھیجنے کی صورت میں یہ بھی خرابی ہے کہ بعض اوقات ان پر کافی گوند نہیں ہوتا تو وہ اچھی طرح چپکتے نہیں چنانچہ بہت مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ حضرت والا نے ٹکٹ چسپاں کر دیا۔ لیکن بعد کو وہ خود بخود اُکھڑ گیا اور الگ پڑا ہوا پایا گیا اور اُس خط کو تلاش کرنے کے لئے پشتارۂ خطوط کو الٹنا پلٹنا پڑا۔ اگر ٹکٹ خود لگا کر نہ بھیجنے میں یہ مصلحت ہو کہ جس طرف سے لفافہ بند کیا جاتا ہے اس طرف لگایا جا سکے تاکہ مضبوطی ہو جائے اور لفافہ راستہ میں کھلنے نہ پائے جیسا کہ بعض نے پوچھنے پر یہی مصلحت لکھی تو اس کی یہ بھی تو صورت ہو سکتی ہے کہ جس پرت کو بند کیا جاتا ہے اس کے کنارہ پر ٹکٹ کے آدھے حصہ کو خود چسپاں کر دیا جائے۔ اور آدھا حصّہ یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح ٹکٹ بھی گرنے سے محفوظ ہو جائے گا اور وہ مصلحت بھی پوری ہو جائے گی اور حضرت والا آسانی کے ساتھ لفافہ کو بند کر سکیں گے۔ اسی ہفتہ کی بات ہے ایک صاحب نے دستی لفافہ بنا کر بھیجا جس کی سب اطراف کھلی ہوئی تھیں اور کسی طرف بھی گوند نہیں لگا ہوا تھا نہ ٹکٹ چسپاں تھا۔ حضرت والا نے تنبیہاً لفافہ کی اطراف

....

.... کو بدستور کھلا ہوا ہی رکھا البتہ خط کو گرنے سے محفوظ کرنے کے لئے سوئی سے ڈورے کا ایک چھوٹا سا ٹانکا لگا دیا۔ غرض حضرت والا کو ان سب کوتاہیوں سے بہت ہی اذیت ہوتی ہے۔

اسی طرح پتہ لکھا ہوا جوابی لفافہ نہ ہونے کی صورت میں بھی حضرت والا کو سخت زحمت ہوتی ہے کیوں کہ حضرت والا کاتب ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا پتہ جواب کے لفافہ پر ہونا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ غلطی نقل وغیرہ کا کوئی احتمال ہی نہ رہے اور اگر خود کاتب ہی کا لکھا ہوا پتہ غلط یا ناصاف ہو تو خط نہ پہنچنے کا وہ خود ہی ذمہ دار ہوگا حضرت والا کو افسوس اور خجلت نہ ہوگی چنانچہ کچھ عرصہ ہوا ایک خط پتہ کی غلطی کی وجہ سے حضرت والا کے پاس لوٹا تو حضرت والا نے فرمایا کہ دیکھئے اگر میرے ہاتھ کا لکھا ہوا پتہ ہوتا تو مجھ کو کس قدر افسوس ہوتا۔ انہیں مصالح کی بناء پر حضرت والا کا معمول ہے کہ اگر جوابی لفافہ پر پتہ لکھا ہوا نہیں ہوتا تو خط کو اس طرح تہ فرماتے ہیں کہ خط کے اندر کا وہ مقام جہاں خود کاتب کے ہاتھ کا پتہ لکھا ہوا ہوتا ہے اوپر رہتا ہے پھر اس کو لفافہ کے اندر رکھ کر لفافہ کے اوپر کے حصہ کے کاغذ کو اس طرح کاٹ دیتے ہیں کہ وہ کاتب کا لکھا ہوا پتہ لفافہ کے اندر سے دکھائی دینے لگتا ہے۔ پھر اس پتہ لکھے ہوئے مقام کو لفافہ کے کٹے ہوئے حصہ کے کناروں سے بذریعہ گوند چپکا دیتے ہیں تاکہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکے اور پتہ برابر نمایاں طور پر دکھلائی دیتا رہے یا اگر کافی جگہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ احتمال ہوتا ہے کہ گوند اچھی طرح نہ لگے گا اور راستہ میں خط الگ ہو کر گر جائے گا یا یہ احتمال ہوتا ہے کہ گوند کے لگ جانے سے

کھولتے وقت خط کا ایسا حصّہ پھٹ جائے گا جس پر مضمون ہے تو پھر بجائے گوند لگانے کے ڈورے سے سی دیتے ہیں۔ پھر لفافہ کے اندر رکھ دینے اور چپکا دینے یا سی دینے کے بعد پتہ کے آس پاس جو عبارت زائد ہوتی ہے اس کو اچھی طرح قلمزد فرما دیتے ہیں تاکہ صرف پتہ ہی پتہ رہ جائے۔ اور ڈاک والے آسانی سے اس کو پڑھ لیں۔ اگر کوئی ٹکٹ بھیجتا ہے لفافہ نہیں بھیجتا تو خط کو اسی طرح تہ فرما کر جس طرح مذکور ہوا خط ہی پر ٹکٹ چسپاں کر کے ڈاک میں ڈلوا دیتے ہیں۔

اوپر کے بیان سے ناظرین کرام نے اندازہ فرما لیا ہوگا کہ حضرت والا اپنے اصول کو برتنے میں اس امر کا کس قدر اہتمام رکھتے ہیں کہ نہ ڈاک والوں کو کوئی پریشانی ہو نہ خط کے ضایع ہو جانے کا احتمال رہے نہ خط پانے والے کی کوئی مصلحت فوت ہو حالانکہ وہ بوجہ اپنی کوتاہیوں کے اتنی رعایت کا مستحق بھی نہیں ہوتا۔

اس سارے اہتمام میں حضرت والا کا بہت وقت صرف ہو جاتا ہے اور سخت دِقّت اٹھانی پڑتی ہے اور گو حضرت والا اپنا ایک منٹ بھی فضول صرف فرمانا اور خواہ مخواہ دِقّت اُٹھانا ہرگز گوارا نہیں فرماتے۔ لیکن چونکہ یہاں اس کی ضرورت اور مصلحت ہوتی ہے اس لئے باوجود بہت تعب ہونے کے نہایت سکون کے ساتھ یہ سب کارروائی کرتے رہتے ہیں حالانکہ اس کو دیکھ دیکھ کر پاس بیٹھنے والوں کو بھی سخت خلجان ہوتا ہے لیکن چونکہ حضرت والا کی طبع مبارک بفضلہ تعالیٰ فطری طور پر نہایت بااصول ہے اس لئے جہاں واقعی ضرورت ہوتی ہے وہاں تو سخت سے سخت تعب بھی موجب پریشانی نہیں ہوتا اور جہاں ضرورت نہ ہو وہاں ذرا سا تعب بھی برداشت نہیں فرما سکتے۔

اسی ہفتہ کی بات ہے ایک لفافہ کو اسی طرح کاٹ چھانٹ رہے تھے اتفاق سے جناب مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند بھی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس میں تو خود پتہ لکھدینے سے بھی کہیں زیادہ وقت صرف ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ بلا سے کیونکہ مصلحت ہے اور میں اس لئے بھی ایسا کرتا ہوں کہ خط بھیجنے والے صاحب کو یہ تو معلوم ہو جائے کہ اُن کی اس حرکت سے مجھے کتنی تکلیف پہنچی اور آئندہ ایسی حرکت نہ کریں اور ہمیشہ کے لئے عملی تنبیہ ہو جائے۔ اھ

اس عملی تنبیہ کے علاوہ حضرت والا لفافہ پر بالتصریح بھی تحریر فرما دیتے ہیں کہ اگر پتہ لکھا ہوا لفافہ بھیج دیتے تو مجھ کو یہ تکلیف نہ ہوتی۔ بعض کو زجراً بلا جواب ہی خط واپس فرما دیتے ہیں اور تحریر فرما دیتے ہیں کہ جتنا وقت جواب لکھنے میں صرف ہوتا ہے وہ پتہ کو لفافہ پر لانے اور تنبیہی عبارت کے لکھنے ہی میں صرف ہو گیا اب دوسرے خطوط کے جواب لکھنے ہیں اس لئے خط بلا جواب واپس ہے۔ اھ

غرض اس طرح کاتب کو عمر بھر کے لئے سبق ہو جاتا ہے اور پھر کبھی اس سے ایسی اذیت دہ حرکت سرزد نہیں ہوتی۔

دیگر

بعض کاتبین لفافہ کو اس طرح چسپاں کرتے ہیں کہ کھولتے وقت بڑی دشواری ہوتی ہے اور بعض اوقات اندر کا خط پھٹ جاتا ہے۔ اسی طرح بعض کاتبین لفافہ اتنا تنگ بناتے ہیں یا خط کی تہ اتنی بڑی بنا کر رکھتے ہیں کہ اوپر کا لفافہ کھولنے کے لئے کوئی جگہ ہی نہیں رہتی ایسی صورت میں بھی دقت کے علاوہ بعض اوقات خط ہی پھٹ جاتا ہے۔

دیگر

کاتبین کو یہ بھی چاہیے کہ جواب کے لئے جو ٹکٹ بھیجیں وہ بالکل صاف ہو میلا یا داغدار یا چھلا ہوا یا اور کسی طرح سے مشکوک حالت میں نہ ہو کیوں کہ حضرت والا ایسے ٹکٹ لگاتے ہی نہیں تاکہ خدانخواستہ کوئی قصہ نہ کھڑا ہو جائے جیسا کہ بہت سے لوگوں پر ایسی صورتوں میں ڈاک خانہ کی طرف سے فوجداری کے مقدمات قائم کر دیئے گئے ہیں۔

چونکہ حضرت والا بلاضرورت شرعیہ خلاف احتیاط کام کرنا جس میں اپنی آبرو کا یا اور کسی قسم کے ضرر کا اندیشہ ہو خلاف مصلحت بلکہ خلاف شریعت سمجھتے ہیں اس لئے مشکوک ٹکٹ ہرگز نہیں لگاتے۔ بلکہ جن مستعمل ٹکٹوں پر مُہر کا نشان بہت کم یا بالکل نہیں ہوتا ان کو فوراً چاک فرما دیتے ہیں تاکہ کوئی ردی میں سے بھی نکال کر مکرر استعمال نہ کر سکے۔

دیگر

حضرت والا رنگین روشنائی سے لکھے ہوئے خطوط کو بھی پسند نہیں فرماتے کیونکہ گو بعض اقوال پر گنجائش ہے لیکن پڑیہ کے رنگ میں اسپرٹ کے شبہ ہونے کی وجہ سے حضرت والا اس سے احتیاط ہی فرماتے ہیں۔

بعض اوقات دیکھا گیا کہ اچکن کی جیب میں کوئی رنگین روشنائی سے لکھا ہوا خط رکھ لیا پھر نماز کے اندر یاد آیا تو نماز کی حالت ہی میں اس کو جیب میں سے نکال کر پھینک دیا لیکن بوجہ اختلافی گنجائش ہونے کے نماز کو دہرایا نہیں۔ اسی طرح بعض اوقات اس پر تر ہاتھ بھی لگ جاتا ہے جس کو دھونا پڑتا ہے اور بعض اوقات

ایسا بھی ہوا کہ دھونے سے بھی پورے طور پر نہیں چھوٹا اور کپڑوں پر لگ گیا تو کپڑے بھی خراب ہوئے۔ غرض چونکہ حضرت والا کو رنگین روشنائی کے لکھے ہوئے خطوط سے تکلیفیں پہنچتی ہیں اس لئے طالبین اس کی بھی حتی الامکان احتیاط رکھیں تو بہتر ہے۔ اگر کسی وقت اور سیاہی نہ ہو تو پنسل ہی سے لکھ دیں لیکن ذرا ہاتھ دبا کر تاکہ تحریر دھندلی نہ ہو جو پڑھنے ہی میں نہ آئے یا پڑھنے میں دقت ہو ویسے بھی اس کا بہت خیال رکھیں کہ جو کچھ لکھیں بہت صاف حروف میں روشن سیاہی سے لکھیں تاکہ خط آسانی سے پڑھا جا سکے اور عبارت بھی بہت واضح لکھیں کہ مطلب فوراً سمجھ میں آتا چلا جائے۔ جو خطوط پڑھے نہیں جاتے یا آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے اُن کا بہت غور کر کے مطالعہ کرنے یا مطلب سمجھنے میں حضرت والا اپنا وقت صرف نہیں فرماتے۔ کیوں کہ اتنا وقت ہی نہیں ملتا اور تنبیہہ لکھ کر بلا جواب واپس فرما دیتے ہیں ورنہ اور سب کام پڑے رہ جائیں۔

بعض ایسے ہی خطوط کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ حروف باریک روشنائی تاریک خط پڑھنے میں بہت تکلّف ہوتا ہے اس لئے بلا جواب واپس ہے اسی طرح بہت لمبے خطوط کو یہ لکھ کر واپس فرما دیتے ہیں کہ نصف صفحہ یا دس بارہ سطروں سے زیادہ کا مضمون ایک خط میں نہ ہونا چاہئے۔ کیوں کہ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔

دیگر

حضرت والا سے دنیوی امور کے متعلق کوئی مشورہ دریافت نہ کرنا چاہئے نہ کوئی اور استدعا کرنی چاہئے۔ کیوں کہ حضرت والا کو نہ ایسے امور سے دلچسپی نہ ایسے امور کا تجربہ۔ چنانچہ اسی بنا پر حضرت والا عموماً اس سے عذر فرما دیتے ہیں۔ اور اگر

مواقع خصوصیت میں کوئی مشورہ دیتے بھی ہیں تو اکثر اس عنوان سے کہ اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو یہ کرتا۔

حضرت والا مشورہ دینے سے اس لئے بھی گریز فرماتے ہیں کہ آج کل لوگ عموماً مشورہ کی حقیقت ہی نہیں سمجھتے اور اس کے مضر ہونے پر یا مفید نہ ہونے پر خود مشیر کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ مشورہ تو محض دوسرے کی اعانت کے لئے ہوا کرتا ہے کہ رائے قائم کرنے میں اس کو سہولت ہو۔ اھ

اور حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ آج کل مشورہ دینے میں اکثر یہ بھی خرابی ہے کہ معتقدین بوجہ غلو فی الاعتقاد کے مشورہ کے متعلق یہ غلط عقیدہ رکھتے ہیں کہ شیخ کے قلب میں مضر یا غلط بات آہی نہیں سکتی اور اس میں یقینی خیر سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف کرنے میں یقینی ضرر سمجھتے ہیں یہ سب غلو فی الاعتقاد ہے جس کی اصلاح ضروری ہے۔

دیگر

اسی طرح حضرت والا تعویذ گنڈوں کے شغل کو بہت ہی ناپسند فرماتے ہیں کیوں کہ اول تو اس میں عوام کا اور دنیا داروں کا بہت ہجوم ہو جاتا ہے۔ جس سے دینی ضرر اور تضییع اوقات کا قوی اندیشہ ہے دوسرے اس کے متعلق لوگوں نے عقیدہ میں بھی بہت غلو کر رکھا ہے اور اس کو اس کے درجہ سے بھی آگے بڑھا رکھا ہے۔ چنانچہ اس کے برابر نہ دعا کو مؤثر سمجھتے ہیں نہ ان تدابیر کو جو ایسے مقاصد کے لئے موضوع ہیں اور اگر اثر ہو جائے تو اس کو بزرگی کی علامت سمجھتے ہیں۔

حضرت والا اس کے متعلق ہمیشہ تقریراً و تحریراً علماً و عملاً اصلاح عقیدہ فرماتے رہتے ہیں۔ اور عملیات کے اثر کو زیادہ تر قوت خیالیہ کا ثمرہ قرار دیا کرتے ہیں جسکی تحقیق میں بعض بہت بسوط تقریرات قلمبند بھی ہوچکی ہیں چنانچہ حسن العزیز جلد اول کے ایک بڑے ملفوظ نمبر ۱۳۵ میں مسمریزم اور قوت خیالیہ کے حیرت انگیز کرشمے بیان فرمائے گئے ہیں۔ جو قابل ملاحظہ ہیں۔

غرض حضرت والا تعویذ گنڈوں کے مشغلہ کو بہت ناپسند فرماتے ہیں لیکن چونکہ حضرت حاجی صاحبؒ نے ارشاد فرمادیا تھا کہ اگر لوگ تعویذ مانگنے آئیں تو جو کچھ اُس وقت سمجھ میں آیا کرے لکھ کر دے دیا کرنا اس لئے حضرت والا امتثالاً للامر معمولی شکایات درد سر بخار نظر وغیرہ کے تعویذ اسی طرح مرحمت فرمادیا کرتے ہیں کہ نہ عاملوں کی قیود کا لحاظ فرماتے ہیں نہ ان کے خاص عملیات کی کوئی پابندی فرماتے ہیں بلکہ اکثر تو کوئی مناسب حال آیت یا حدیث یا دعا لکھ کر دیدیتے ہیں جو عین وقت پر خیال میں آجاتی ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ اکثر مواقع پر مقصد برآری بھی فرما دیتے ہیں چنانچہ حال ہی میں بندہ زادہ نے دوکان کھولی تو حضرتِ والا سے برکت کے لئے تعویذ منگوایا اور دعا بھی کرائی جس کی برکت سے بفضلہ تعالیٰ باوجود بالکل نئی دوکان ہونے کے توقع سے کہیں زیادہ مال فروخت ہونے لگا۔ فالحمد للہ۔

بندہ زادہ ہی کے عرض کرنے پر وسعتِ رزق کے لئے حضرت والا نے پانچوں نمازوں کے بعد یا بَاسِطُ ۷۲ بار پڑھنے کو بتا دیا۔ کچھ عرصہ بعد اُس نے پھر کوئی اور وظیفہ پوچھا تو تحریر فرمایا کہ دواؤں میں تو یہ بات ہوتی ہے کہ اگر ایک دوا نافع نہ ہو تو دوسری دوا نافع ہوجاتی ہے لیکن دعاؤں میں یہ تفصیل نہیں۔ وہی پہلی

دعا کافی ہے اسی کو معمول رکھا جائے جب اللہ تعالےٰ کو منظور ہو گا قبول فرما لیں گے۔ اھ

ایک صاحب نے اپنی تشویشات بیان کر کے کچھ پڑھنے کو پوچھا تو فرمایا کہ تشویشات کا علاج پڑھنا نہیں بلکہ تدابیر ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کوئی تدبیر ہی بتا دیجئے۔ فرمایا کہ ہر تشویش کی جدا تدبیر ہے۔ جب کوئی خاص تشویش پیش آئے اس کے متعلق دریافت کیا جائے۔ اھ

اس واقعہ کو نقل فرما کر فرمایا کہ لوگ ان غلطیوں میں مبتلا ہیں حالانکہ وہ پڑھے لکھے سمجھدار آدمی ہیں۔ اھ

غرض حضرت والا تعویذات اور عملیات کے متعلق بھی جو لوگوں نے غلو کر رکھا ہے اس کی بھی بحیثیت مجددِ ملّت اور مصلح اُمّت ہونے کے اصلاح فرماتے ہیں۔

حضرت والا آسیب سحر وغیرہ یا بڑے بڑے امراض کے تعویذات سے عموماً یہ فرما کر انکار فرما دیتے ہیں کہ میں عامل نہیں ہوں مگر از راہ شفقت یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ اگر کسی عامل کا مجھ سے پتہ پوچھا جائے گا تو بتا دوں گا چنانچہ اگر وہ پوچھتا ہے تو بتا بھی دیتے ہیں تاہم اگر کوئی باوجود انکار کے اور اپنے عامل نہ ہونے کو ظاہر کر دینے کے اصرار کرتا ہے تو اس شرط پر تعویذ عطا فرما دیتے ہیں کہ اگر اثر نہ ہو تو مکرر مجھ سے درخواست نہ کی جائے کیوں کہ میں عامل نہیں ہوں کہ اگر ایک تعویذ سے نفع نہ ہوا تو دوسرا لکھ دوں۔ اھ

چونکہ حضرت والا کو تعویذ گنڈوں کے شغل سے بوجوہ مذکورۂ بالا بالکل دلچسپی نہیں اس لئے فرمایا کرتے ہیں مجھے دو صفحہ کا مضمون لکھنا اتنا گراں نہیں ہوتا جتنا

دو سطر کا تعویذ لکھنا گراں ہوتا ہے۔ نیز حضرت والا غیر مباح کام کے لئے ہرگز تعویذ نہیں دیتے بلکہ جہاں احتمال بھی کسی مفسدہ کا ہوتا ہے وہاں بھی انکار فرما دیتے ہیں چنانچہ ایک بار کسی نے کسی عورت کو اپنے ساتھ نکاح پر راضی ہو جانے کے لئے تعویذ لیا اس کے بعد وہ عورت کچھ متوجہ ہوئی تو تعویذ لینے والا بلا نکاح بدکاری میں مبتلا ہو گیا جس کی خود اسی نے آکر حضرت والا کو اطلاع کی اور کہا کہ اب اُس تعویذ میں اثر نہ رہا ہو گا۔ دوسرا تعویذ دے دیجئے۔ بس اس واقعہ کے بعد سے حضرت والا نے اس قسم کے تعویذ ہی لکھنے موقوف فرما دیئے۔

اسی طرح ایک صاحب نے تفریق کا تعویذ مانگا اور لکھا کہ ایک نوجوان فاروقی النسل اپنے تمام رشتہ داروں کی مرضی اور دستور خاندان کے خلاف تیموری نسل کی ایک ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے جس کے تمام رشتہ دار بجز اس کی والدہ کے اس پیوند سے ناراض ہیں۔ اس کا حضرت والا نے یہ جواب تحریر فرمایا کہ اتنا تامل ہے کہ تفریق وہاں جائز ہے جہاں اتفاق حرام ہو کیا کسی عورت سے نکاح کرنا حرام ہے جو تنافر کی تدبیر کی جائے اگر اس جزو میں مجھ کو مطمئن کر دیا جائے تو تعویذ لکھ دوں گا۔ اھ

حضرت والا بوجہ قلت فرصت نیز درخواستوں کی کثرت کو رد کنے کے لئے ایک خط میں ایک سے زیادہ تعویذ نہیں بھیجتے نہ زبانی درخواست پر ایک بار میں ایک سے زیادہ تعویذ دیتے ہیں۔ اور زبانی درخواست پر جمعہ کے دن بالکل تعویذ دیتے ہی نہیں کیوں کہ اُس روز اطراف و جوانب سے بہت لوگ نماز پڑھنے آتے ہیں اگر جمعہ کے روز بھی یہ سلسلہ جاری رکھا جائے تو یہ سوچ کر کہ آئے

تو ہیں ہی لاؤ تعویذ بھی لیتے چلو بہت کثرت سے لوگ بضرورت و بلاضرورت تعویذ مانگیں اب تو وہی شخص اس غرض کے لئے خاص طور سے آتا ہے جس کو واقعی ضرورت ہوتی ہے۔ اھ

غرض حضرت والا کا ہر معمول نہایت اصول صحیحہ کے مطابق ہے اور ضرورت و مصلحت پر مبنی ہے اور بہت تجربوں کے بعد مقرر کیا گیا ہے اور سب معمولات کا حاصل وہی ہے جو پہلے بھی کبھی کسی موقع پر عرض کیا گیا ہے کہ نہ خود حضرت والا کو کلفت ہو نہ دوسروں کی ضرورت واقعیہ اٹکی رہے۔

زبانی تعویذ مانگتے ہیں لوگ اس قدر بے اصول اور ناتمام طریق سے درخواست کرتے ہیں کہ حضرت والا کو سخت اذیت ہوتی ہے۔ اکثر یا تو صرف یہ کہتے ہیں کہ تعویذ دے دیجئے اور جس بات کا تعویذ چاہئے اس کا نام نہیں لیتے یا صرف حال کہہ دیتے ہیں اور یہ درخواست نہیں کرتے کہ تعویذ چاہتے ہیں یا محض دعا یا مشورہ اور بعض لوگ صرف حالات تو کہہ دیتے ہیں لیکن ان کا سبب خود متعین نہیں کرتے کہ ان کے خیال میں یہ حالات کسی مرض سے ناشی ہیں یا آسیب سے یا نظر بد وغیرہ سے اور پھر ان امور میں سے کس چیز کا تعویذ لکھانا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں حضرت والا فرما دیتے ہیں کہ حالات سن کر تشخیص سبب کرنا میرا کام نہیں کیوں کہ یہ تو طبیب کا منصب ہے طبیب تو حالات سُن کر سبب کی تشخیص کر لیتا ہے مگر میں تو طبیب نہیں۔ میں ان حالات سے کیا سمجھوں کہ کیا سبب ہے اور کس چیز کا تعویذ لکھ دوں۔ بجائے مفصل حالات کہنے کے مجھ سے تو بس صرف یہ ایک مختصر سی بات کہہ دو کہ فلاں چیز کا تعویذ چاہئے۔ اھ

غرض اکثر لوگ ادھوری ہی بات کہتے ہیں اور جیسی کہ عام بیہودہ اور بے اصول رسم ہوگئی ہے ہر شخص ادھوری بات کہہ کر اس کا منتظر رہتا ہے کہ مخاطب خود ہی سوال کر کر کے بات کو پورا کرائے جو کسی قاعدہ سے بھی اس کے ذمہ نہیں۔

چونکہ حضرت والا خود اس امر کا انتہا درجہ کا لحاظ رکھتے ہیں کہ کسی پر ایسا بار نہ ڈالا جائے جو اس کے ذمہ نہ ہو اس لئے خود بھی کسی کا بیجا طور پر ڈالا ہوا بار اٹھانا حضرت والا کا معمول نہیں۔ لہذا مذکورہ بالا صورتوں میں جب تک وہ خود پوری بات واضح طور پر نہیں کہتا اور با اصول درخواست نہیں کرتا تعویذ مرحمت نہیں فرماتے اور فرما دیتے ہیں کہ ریل کا ٹکٹ یا سودا لینے وقت یا کسی حاکم سے درخواست کرتے وقت بھی کبھی ادھوری بات کہہ سکتے ہو پھر اس کا سبب سوائے بے فکری اور دل میں ملانوں کی وقعت نہ ہونے کے اور کیا ہے اھ

غرض ایسے لوگوں سے فرما دیتے ہیں کہ جب پوری بات کہو گے تب تعویذ ملے گا۔ اگر کوئی شخص ایسی تنبیہہ سے سمجھ جاتا ہے اور پوری بات کہہ دیتا ہے تب بھی اکثر فوراً اس کی درخواست نہیں قبول فرماتے بلکہ فرما دیتے ہیں کہ اب تو آدھ گھنٹہ بعد آکر پھر سلیقہ سے درخواست کرو گے تب تعویذ ملے گا اس وقت تو تم نے تکلیف دے کر قلب کو مکدر کر دیا ہے۔ ایسی صورت میں اگر تعویذ لکھوں گا بھی تو بوجہ انشراح قلب نہ ہونے کے اس میں اثر نہ ہوگا اور اس میں یہ بھی بڑی مصلحت ہے کہ عملی تنبیہہ ہو جانے کے بعد پھر عمر بھر کسی کے ساتھ ایسا اذیت دہ معاملہ نہ کرو گے۔ اھ

اگر وہ حضرت والا کے اس فرمانے سے کہ کیا یہ پوری بات ہوگئی نہیں سمجھتا کہ کیا کمی رہ گئی ہے اور کیا کوتاہی ہوئی ہے تو اس سے فرما دیتے ہیں کہ باہر جا کر کسی

سے پوری بات کہنے کا اور درخواست کرنے کا سلیقہ سیکھ کر آؤ۔ پھر جب وہ کسی سے سلیقہ سیکھ کر آتا ہے اور پوری بات کہتا ہے تو اس سے بھی یہی ارشاد ہوتا ہے کہ اب تو جب آدھ گھنٹہ کے بعد اگر پوری بات کہو گے تب تعویذ ملے گا۔ چنانچہ جب وہ دوبارہ آکر پوری بات کہہ دیتا ہے تو حضرت والا فوراً تعویذ مرحمت فرما دیتے ہیں حضرت والا کی اس عملی تنبیہ سے یہی غرض ہوتی ہے کہ آئندہ کے لئے اچھی طرح سبق ہو جائے۔

جو بہت تنگ کرتا ہے اور باوجود سمجھا دینے کے بھی بار بار کوتاہی کرتا ہے اس کو ہدایت فرما دیتے ہیں کہ لکھوا کر پیش کرے اور اگر لکھوا کر پیش کرنے میں بھی کوئی اذیت دہ حرکت کرتا ہے تو پھر فرما دیتے ہیں کہ بذریعہ ڈاک کے منگاؤ۔

غرض یہ ہرگز گوارا نہیں ہے کہ کسی کا کام نہ ہو لہذا کام لینے کے پورے اصول اور قواعد بتا دئے جاتے ہیں لیکن اگر کوئی خود ہی اُن طریقوں سے کام نہ لے تو کام نہ ہونے کا وہ خود ہی ذمہ دار ہے نہ کہ حضرت والا۔

دیگر

اگر کوئی طالب حضرت والا سے حزب البحر یا دلائل الخیرات یا بزرگوں کے اسی قسم کے دوسرے اوراد واحزاب کی اجازت طلب کرتا ہے تو اول یہ سوال فرماتے ہیں کہ اس طلب اجازت کی غرض کیا ہے اگر جواب ملتا ہے کہ دنیوی حاجات کے لئے بطور عمل کے معمول بنانا ہے تو تحریر فرما دیتے ہیں کہ میں عامل نہیں ہوں اور بعض نے اپنی یہ نیت ظاہر کر کے اجازت حاصل کرنی چاہی کہ اس سے ہمارا مقصود قرب و رضاء حق حاصل کرنا ہے تو ان کی اس ہوشیاری کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ کیا اِن

دعاؤں سے پہلے قرب حق حاصل کرنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا اگر نہیں تھا تو جن بزرگوں سے یہ دعائیں منقول ہیں ان کو قرب حق کس طریق سے حاصل ہوا جو وہ اس قابل ہوئے کہ ان پر یہ دعائیں الہام فرمائی گئیں لہذا ظاہر ہے کہ تھا تو بس تم بھی وہی طریقہ کیوں نہ اختیار کرو تاکہ تم بھی ویسے ہی ہو جاؤ اھ

اس پر وہ ساکت ہو جاتے ہیں اور ان کے غلو فی الاعتقاد کی اصلاح ہو جاتی ہے بعضوں کو جن کا معمول دلائل الخیرات کی منزلیں تھیں یہ تجویز فرمایا کہ ایک منزل پڑھ کر یہ دیکھا جائے کہ اس میں کتنا وقت صرف ہوتا ہے بس روزانہ اتنی ہی دیر کوئی ماثور درود شریف پڑھنا زیادہ افضل ہے۔اھ

دیگر

حضرت والا باستثناء مواقع خصوصیت باوجود اجازت کے بیرنگ خطوط نہیں بھیجتے کیوں کہ مکتوب الیہ کا پتہ نہ لگنے کی صورت میں احتمال ہے کہ وہ حضرت والا ہی کے پاس لوٹ کر آجائے اور خواہ مخواہ حضرت والا کو محصول برداشت کرنا پڑے جیساکہ بعض اوقات مکتوب الیہ کی بدانتظامی سے واقع بھی ہو چکا ہے۔

دیگر

ایک صاحب نے ایک بہت ہی چھوٹا سا پرچہ لکھ کر بھیج دیا حضرت والا نے حاضرین سے فرمایا کہ یہ تو مختصر نویسی میں مجھ سے بھی بڑھ گئے اور پھر یہ جواب تحریر فرمایا کہ جواب لکھنے کے لئے جگہ ہی نہیں اس لئے جواب نہیں دیا جاتا۔اھ

اس سے حضرت والا کا مقصود ان کو متنبہ کرنا تھا کہ جس سے کام لیا جائے اس کا ادب یہ ہے کہ یا تو جواب کے لئے ایک پرچہ رکھا جائے یا خط میں کافی

جگہ چھوڑ دی جائے۔

دیگر

اگر کوئی جوابی رجسٹری بھیجتا ہے تو اس کے متعلق حضرت والا کا یہ معمول ہے کہ اگر قرائن سے معلوم ہوا کہ کوئی جھگڑے کا معاملہ ہے اور بھیجنے والا اس لئے رسید طلب کرتا ہے کہ مرسل الیہ خط پانے سے انکار نہ کر سکے تو واپس فرما دیتے ہیں۔ اور جہاں اس قسم کا شبہہ نہیں ہوتا وہاں وصول فرما لیتے ہیں لیکن جوابی رجسٹری بھیجنے کو پسند نہیں فرماتے اور فرمایا کرتے ہیں کہ رسید تو وہاں طلب کی جاتی ہے جہاں یہ احتمال ہو کہ مرسل الیہ خط پانے سے انکار کر دے گا جس کا حاصل یہ ہوا کہ مرسل کو مرسل الیہ کے کاذب ہونے کا احتمال ہے اور کسی مسلمان پر بلا دلیل شرعی کاذب ہونے کا احتمال ظاہر ہے کہ معصیت ہے نیز اس سے مرسل کا مقصود بھی تو حاصل نہیں ہوتا کیوں کہ اُس کا مقصود تو یہ ہے کہ مرسل الیہ اس کے خاص مضمون کے پہنچنے کا انکار نہ کر سکے لیکن رسید صرف اس بات کو ظاہر کرے گی کہ کوئی خط پہنچا۔ مگر اس کو ظاہر نہیں کر سکتی کہ کس مضمون کا خط پہنچا۔ لہذا ہر حال میں رسید طلب کرنا ایک فضول حرکت ہے رہی حفاظت وہ غیر جوابی رجسٹری سے بھی ہو سکتی ہے۔ اھ

دیگر

اگر کوئی طالب اپنے عریضہ میں اس کی معافی طلب کرتا ہے کہ بہت دن سے حضرت والا کی خدمت میں عریضہ نہیں لکھا تو اس کو آئندہ اس سے بے فکر کرنے کے لئے تحریر فرما دیتے ہیں کہ میں کسی کے خط کا منتظر نہیں رہا کرتا معافی چاہنے کی ضرورت نہیں اطمینان رکھو۔ اھ

حضرت والا ایسے موقع پر حاضرین سے یہ بھی فرما دیا کرتے ہیں کہ اگر کوئی خط نہ لکھے گا تو میرا کیا نقصان کرے گا خود اپنا نقصان کرے گا۔ مجھ سے معافی مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ واقعی یہ معافی چاہنا بالکل بے اصول ہے کیونکہ اس کے تو یہ معنی یہ ہوئے کہ حضرت والا کو طالبین کے خطوط کا انتظار رہتا ہے حالانکہ وہ اپنی ہی مصلحت سے خطوط بھیجتے ہیں حضرت والا کو انتظار کی کیا ضرورت پڑی ہے۔

دیگر

اگر منی آرڈر کے کوپن میں کوئی مضمون نہیں ہوتا یا مبہم مضمون ہوتا ہے جس سے بھیجی ہوئی رقم کا مصرف یا اور کوئی ضروری جزو صاف طور پر واضح نہیں ہوتا تو حضرت والا اس کو واپس فرما دیتے ہیں اور اس پر سبب واپسی بھی تحریر فرما دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوپن میں یہ بھی لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اس رقم کے متعلق جداگانہ عریضہ بھیجا جا رہا ہے تب بھی واپس فرما دیتے ہیں کیوں کہ اگر خط کے انتظار میں رقم وصول کر لی گئی اور پھر خط کے مضمون کو پڑھ کر وہ رقم قابل واپسی سمجھی گئی تو پھر علاوہ امانت رکھنے کی ذمہ داری کے واپسی میں بڑی دقت اور مزید صرف ہے پہلے حضرت والا رقم وصول فرما کر خط کا انتظار فرمایا کرتے تھے لیکن جب اس میں گوناگوں خلجانات پیش آئے تب واپسی کا معمول مقرر فرما لیا۔

اسی طرح اگر کوئی بذریعہ بیمہ یا رجسٹری کے رقم بھیجتا ہے تو بجز مواقع اطمینان کے اس کو بھی واپس فرما دیا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس میں بھی وہی سب دقتیں ہیں

جو ابھی مذکور ہوئیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ ہوا ایک بڑی رقم جو میری یاد میں تقریباً پانچسو روپیہ کی تھی بذریعہ بیمہ آئی تو اس کو حسب معمول واپس فرما دیا پھر جب انہوں نے جداگانہ عریضہ میں تفصیلات ضروریہ لکھ کر پھر بھیجنے کی اجازت مانگی تو چونکہ وہ کسی ترکہ کی رقم تھی اور مصارف خیر میں صرف کرنے کے متعلق بعض ورثہ کی اجازت نہیں حاصل کی گئی تھی اس لئے حضرت والا نے بھیجنے سے ممانعت فرما دی اور جب بعد کو انہوں نے سب ورثہ کی رضامندی حاصل کر کے اجازت طلب کی تب اجازت مرحمت فرمائی۔ اگر اول ہی بار بیمہ وصول کر لیا جاتا تو بڑی دقت ہوتی اور سخت خلجان پیدا ہو جاتا۔ اس قسم کے اکثر واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ اور ایسے مواقع پر ہمیشہ حضرت والا حاضرین کو متوجہ فرمایا کرتے ہیں کہ دیکھئے لوگ مجھے وہمی کہتے ہیں اگر میں وہمی ہوں تو پھر میرے وہم اکثر صحیح کیوں نکلتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ میں نے اپنے اکثر معمولات بہت سے تجربوں کے بعد مقرر کئے ہیں اگر اوروں کو ایسے تجربے ہوں تو وہ مجھ سے بھی زیادہ وہمی ہو جائیں۔

اسی طرح ایسے مواقع پر جہاں حضرت والا کی تشخیص و تجویز اور احتمالات صحیح ثابت ہوتے ہیں جیسا کہ اکثر ہوتا رہتا ہے یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کسی طبیب کو اللہ تعالیٰ انبض کی پہچان عطا فرمائے اور وہ نبض دیکھ دیکھ کر لوگوں کے باریک باریک امراض بھی پہچان لیا کرے تو کیا اس کو بھی وہمی کہیں گے اھ

حضرت والا اکثر بڑے بڑے بیموں اور منی آرڈروں کو خلاف اصول ہونے کی بناء پر واپس فرماتے رہتے ہیں اور جب وہی واپس کردہ رقوم اصول کے مطابق مکرر موصول ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو اس وقت حضرت والا حاضرین سے

یہ بھی فرما دیا کرتے ہیں کہ دیکھئے جو آنے والی چیز ہوتی ہے وہ آتی ہی ہے چاہے اس کو لاکھ واپس کیا جائے پھر کیوں نیت خراب کی جائے اور خلافِ اصول کا ارتکاب کیا جائے۔ اھ

رقوم مرسلہ کے متعلق حضرت والا کی احتیاط کے بعض اور واقعات بھی بمناسبت مقام نیز اس خیال سے بھی عرض کئے جاتے ہیں کہ سبق آموز ہوں کیونکہ گو اس قسم کی احتیاط صریح طور پر واجب ہے اور جن جزئیات فقہیہ پر حضرت والا کا عمل ہے وہ سب کے نزدیک واجب العمل ہیں کسی کو مجال انکار نہیں لیکن ان کی طرف آج کل عام طور سے ذہن ہی نہیں جاتا۔

حضرت والا کی خدمت میں حال ہی میں ایک صاحب نے کسی مصرف خیر کے لئے ایک معتدبہ رقم بھیجی اور لکھا کہ میں بہت بیمار ہوں یہاں تک کہ صحت سے مایوسی ہے۔

چونکہ حضرت والا کو تحفظ حقوق کا غایت درجہ اہتمام ہے اور معاملات میں ہمیشہ احکام شرعیہ اور جزئیات فقہیہ غامضہ دقیقہ کو پیش نظر رکھتے ہیں لہذا بوجہ اس کے کہ اُن کے خط میں کوئی لفظ وصیت کا نہ تھا حضرت والا نے ان کو شرعی وصیت کا ایک مضمون لکھ کر بھیج دیا کہ وہ اس پر اپنے دستخط کر کے واپس بھیج دیں تاکہ وصیت شرعاً بھی صحیح ہو جائے اور خیال تھا کہ اگر وصیت نامہ دستخط ہو کر آگیا تو فبہا ورنہ وہ رقم واپس کر دی جائے گی لیکن چونکہ اُن صاحب نے وہ رقم بہ نیت وصیت ہی بھیجی تھی اس لئے انہوں نے بلا تامل وہ مضمون اپنے دستخط کر کے حضرت والا کی خدمت میں بھیج دیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت والا اس

رقم کو واپس فرما دیتے بلکہ اگر حضرت والا کو یہ معلوم نہ ہوتا کہ وہ رقم اُن صاحب کے ترکہ کے ثلث سے بہت کم ہے جس کی وصیت بحالتِ یاس بھی جائز ہے اس کو فوراً ہی واپس فرما دیتے۔

چنانچہ جب جناب حاجی محمد یوسف صاحب رنگونی رحمۃ اللہ علیہ کا جو حضرت والا کے ایک نہایت مخلص اور متمول خادم مجاز تھے انتقال ہوا تو ان کے بالغ ورثہ نے ایک کثیر رقم بھیجی جس کی مرحوم نے حضرت والا کے نام بذریعۂ تحریر وصیت فرمادی تھی لیکن حضرت والا نے تحریر فرما دیا کہ چونکہ مرحوم کے بعض ورثہ نابالغ ہیں اس لئے اگر یہ وصیت کسی شرعی حجت سے ثابت ہو تب وہ نابالغ ورثہ کے مقابلہ میں شرعاً نافذ ہو سکتی ہے ورنہ نہیں لہذا وہاں کے علمار کے سامنے شرعی حجت پیش کر کے اور اُن پر یہ بھی ظاہر کر کے کہ وہ وصیت نامہ کس کس کے سامنے لکھا گیا یا حاجی صاحب نے کس کس کے سامنے تحریر کرنے کا اقرار کیا اور کس کس کے پاس اور کہاں کہاں رہا ان سے باقاعدہ فتوےٰ حاصل کیا جائے اور پھر وہ فتوےٰ میرے پاس بھیجا جائے۔ اگر میرے نزدیک بھی وہ حجت شرعاً کافی ہو گی تو وصیت کردہ رقم بخوشی قبول کر لوں گا ورنہ عذر کر دوں گا۔ چنانچہ وہاں سے باقاعدہ فتوے مکمل حجت شرعیہ کے ساتھ آگیا جس پر حضرت والا کو بھی پورا اطمینان ہو گیا اور پھر وہ رقم بخوشی قبول فرمائی گئی۔

اسی طرح جناب حاجی صاحب ممدوحؒ کے انتقال کے بعد حضرت والا نے ان کی ایک کثیر رقم جو پہلے سے ایک خاص مصرف خیر کے لئے امانت تھی واپس فرمادی اور یہ نہیں کیا کہ پہلے دریافت فرماتے کیونکہ اس صورت میں تو ورثہ ازراہ

مروت واپس کرنے سے ممانعت ہی کر دیتے چاہے مصلحت ہوتی یا نہ ہوتی برخلاف اس کے رقم پہنچ جانے کے بعد اُنہوں نے بالکل آزادی سے رائے قائم کی اور پھر اس رقم کو بالغ ورثہ نے اپنے حصہ میں لگاکر اور نابالغوں کے حصہ کا عوض ان کو اپنے پاس سے دیکر واپس بھیج دیا کہ اسی مصرف خیر میں بدستور صرف فرمایا جائے۔

چونکہ اب اس صورت میں کوئی محذور شرعی نہ رہا تھا اس لئے حضرت والا نے بلا تامل منظور فرماکر اُسی مصرف خیر میں صرف فرما دیا۔

حضرت والا کی اسی قسم کی احتیاط اور اہتمام تحفظ حقوق کا ایک اور واقعہ بھی اس جگہ بمناسبت مقام استطراداً نقل کیا جاتا ہے۔

جناب حکیم نور احمد صاحب کانپوریؒ نے جو حضرت والا کے مجازین میں سے تھے مرض الموت میں اپنے تین قطعہ مکانات کی حضرت والا کے نام بذریعۂ تحریر وصیت تملیکی کر دی اور بحالت ضعف و تکالیف مرض بمشکل تمام عدالت میں پہنچ کر وصیت نامہ کی رجسٹری بھی کرا دی لیکن چونکہ وہ کانپور میں تھے اور حضرت والا تھانہ بھون میں اس لئے بعد مسافت اور تنگیٔ وقت کی وجہ سے وہ حضرت والا کو بالکل اطلاع نہ کر سکے چنانچہ حضرت والا اس ساری کارروائی سے بالکل بے خبر رہے۔ یہاں تک کہ اتفاق سے حضرت والا کا بہ سلسلہ سفر کانپور تشریف لے جانا ہوا تو اُس وقت اِن سب واقعات کی اطلاع ملی۔ چونکہ حقوق العباد کا معاملہ تھا اس لئے حضرت والا نے حکیم صاحب مرحوم کے ورثہ کی نہایت اہتمام سے تحقیق کی لیکن معلوم ہوا کہ انہوں نے کوئی وارث نہیں چھوڑا۔ البتہ یہ شا کہ ان کے کوئی عزیز تھے جو مفقود ہیں۔

حضرت والا کو مرحوم کی اس ساری کارروائی سے ذوقاً یہ مفہوم ہوا کہ اگر ان کو گنجائش وقت ملتی تو وہ بوجہ کوئی وارث نہ ہونے کے مصارف خیر میں وقف کرتے لیکن چونکہ ان کو کوئی آدمی قابل اعتماد نہ ملا اس لئے ان کو یہ خیال ہوا کہ حضرت والا کے نام وصیت نامہ لکھ دوں اور یہ اس اعتماد پر کیا کہ حضرت والا ان مکانات کی آمدنی کو مصارف خیر ہی میں صرف فرمائیں گے یہ سب ذوقاً معلوم ہوا۔

غرض حضرت والا نے ان تینوں مکانات کو بجائے اپنی ملک میں رکھنے کے غایت احتیاط کی بنا پر یتیم خانہ کانپور میں شرائط خاصہ کے ساتھ وقف فرما دیا اور وقف نامہ کی باقاعدہ رجسٹری بھی کرا دی۔ نیز رسالہ تنبیہات وصیت کے تتمہ سابعہ کے ضمیمہ ثالثہ میں اس کا اعلان بھی شائع فرما دیا جس میں یہ بھی تحریر فرما دیا کہ اس اعلان کی غرض یہ ہے کہ میرا کوئی وارث دعویٰ نہ کرے۔ اور چونکہ مرحوم کے ایک عزیز مفقود الخبر سنے گئے تھے اس لئے ان کی حفاظتِ حق کی نیز اگر اسی طرح کوئی اور وارث بعد میں معلوم ہوں ان سب کی حفاظت حقوق کی یہ صورت فرمائی گئی کہ وقف نامہ کے اندر اس کے متعلق بھی مضمون تحریر فرما دیا گیا اور مزید احتیاط یہ فرمائی گئی کہ تنبیہات وصیت کے ضمیمہ خامسہ تتمہ سابعہ کے مضمون رابع میں بھی اس کے متعلق اعلان فرما دیا گیا جو ذیل میں بلفظہٖ نقل کیا جاتا ہے:-

مضمون رابع متعلق مکانات و آراضی

نمبر ۱

حکیم نور احمد کے جن مکانات کا ذکر ضمیمہ ثالثہ تتمہ سابعہ کے مضمون رابع میں ہے کہ شرائط خاصہ کے ساتھ یتیم خانہ کانپور میں وقف کر دیئے گئے - ان شرائط میں شرط اہم جو بخیال حفاظت حقوق العباد خاص طور پر قابل اشاعت ہے یہ ہے کہ مرحوم کے کسی شرعی وارث کی مجھ کو تحقیق نہیں ہوئی سو اگر واقع میں بھی ایسا ہی ہے تب تو یہ مکانات کل وقف ہیں اور اگر کوئی شرعی وارث حجت شرعیہ کے موافق ثابت ہو جائے تو اگر وہ اس وقف کو جائز رکھے (اور شرعاً جائز رکھنے کے شرائط کا پایا جانا ضروری ہے) تب بھی کل وقف ہے اور اگر وہ جائز نہ رکھے یا اُس کا جائز رکھنا کسی عارض کے سبب جائز نہ ہو تو مجموعہ مکانات کا ایک ثلث وقف ہے اور دو ثلث اُس وارث کا حق ہے اور اب سے لے کر اس کی میراث شرعی ملنے تک حساب سے جو کچھ اس وقف کی آمدنی ہو اس کا دو ثلث بھی اُس وارث کو واپس کیا جائے اور اگر وقف مذکور کی آمدنی میں اس وقت اس قدر رقم موجود نہ ہو تو اس دو ثلث کی آمدنی کو بقیہ ایک ثلث کی آمدنی سے اوّل پورا کیا جائے اس کے بعد مصارف یتیم خانہ میں صرف کیا جائے - اھ

احتیاطاً اس وقف نامہ کی رجسٹری عدالت کانپور کا پورا پتہ لکھے دیتا ہوں تاکہ حقدار کو حاجت کے وقت اس کی نقل لینا سہل ہو - تاریخ ۲۱ - مارچ ۱۹۲۳ء بہی نمبر ۱ جلد ۱۰۵ صفحات ۹۷، ۳۹، ۳۹ نمبر ۱۳۹ فقط -

غرض حضرت والا نے تمام شرعی پہلوؤں کا لحاظ فرما کر اُن مکانات کا وقف نامہ مرتب فرمایا تھا جس کو دیکھ کر سب رجسٹرار نے بھی بیحد تحسین کی اور کہا کہ میں نے اس سے قبل ایسا واضح اور ہر پہلو سے مکمل وقف نامہ نہیں دیکھا۔ حالانکہ حضرت والا قانون داں بھی نہ تھے۔

اسی طرح اگر کسی رقم کے متعلق حضرت والا کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ اس کے وصول ہونے سے قبل بھیجنے والے کا انتقال ہو چکا ہے تو اس کو بھی واپس فرما دیتے ہیں کیونکہ موہوب لہٗ کی ملک ہونے کے لئے محض روانگی رقم کافی نہیں بلکہ قبضہ شرط ہے اور یہاں چونکہ وہ رقم بھیجنے والے کے انتقال کے بعد وصول ہوئی اور قبل انتقال یعنی اس وقت جبکہ وہ رقم معطی کی ملک تھی حضرت والا کا قبضہ نہیں ہوا اس لئے وہ رقم باوجود وصول ہو جانے کے بھی حضرت والا کی ملک نہیں ہوئی بلکہ وارثوں ہی کی ملک رہی اور اگر قبل بیمہ یا منی آڈر پہنچنے کے بھیجنے والے کے انتقال کی خبر مل جاتی ہے تو اس کو وصول ہی نہیں فرمایا جاتا۔

اسی طرح اگر کسی رقم کے دوران صرف میں اس کے بھیجنے والے کے انتقال کا علم ہو جاتا ہے تو پھر فوراً اس کا صرف کیا جانا روک دیا جاتا ہے اور بقیہ رقم کے متعلق خصوصیت کے محل پر تو اطلاع کر کے استفسار فرما لیا جاتا ہے اگر جواب ہر پہلو سے اطمینان بخش ہوا تو اُس پر عمل فرما لیا جاتا ہے ورنہ رقم کو واپس فرما دیا جاتا ہے اور جو خصوصیت کے مواقع نہیں ہوتے ان میں بلا استفسار ہی واپس فرما دیا جاتا ہے۔ اسی قسم کی احتیاطیں مدختم کے متعلق بھی کی جاتی ہیں جن کے ذکر کے قبل مدختم کی حقیقت عرض کرنا ضروری ہے تاکہ مقصود سمجھ میں آسکے۔

مدختم کی مختصراً یہ حقیقت ہے کہ عرصہ سے بہ ایماءِ حضرت والا رفاہِ عام کے لئے نیز مساکین مقیمین خانقاہ کی اعانت کی مصلحت سے روزانہ بعد عصر ختم خواجگان کا وظیفہ پڑھا جاتا ہے جس میں بعض شرائط مناسبہ پر مساکین مقیمین خانقاہ شریک وظیفہ ہوتے ہیں اور جو صاحبان اپنی کسی دنیوی مباح حاجت کے لئے دعا کرانا چاہتے ہیں وہ ایک آنہ یومیہ کے حساب سے داخل کر دیتے ہیں اور ایسے سب صاحبوں کے لئے وظیفہ ختم ہونے کے بعد روزانہ نام لے لے کر ان کی حاجت مطلوبہ کی دعا مانگی جاتی ہے اور چونکہ عملیات اور رقی پر اجرت لینا جائز ہے اس لئے رقوم موصولہ سب شرکاءِ وظیفہ کو حصہ رسد تقسیم کر دی جاتی ہیں۔ اگر کوئی بلا اجرت دعا کرانا چاہتا ہے تو سات دن تک اس کے لئے مفت بھی دعا کر دی جاتی ہے۔

اس مدختم کی جو رقوم موصول ہوتی ہیں اُن کے متعلق حضرت والا کی بعض اہم احتیاطیں عرض کی جاتی ہیں مثلاً جو صاحب صرف دینی دعا کرانا چاہتے ہیں ان کی رقم نہیں قبول کیجاتی کیونکہ ایسی دعا دین ہے اور باستثناء مواقع مذکورہ کتب فقہ دین پر اجرت لینا جائز نہیں۔

اسی طرح اگر کسی مریض نے صحت کی دعا کے لئے کوئی رقم بھیجی اور قبل اُس رقم کے ختم ہونے کے اس کے انتقال کی خبر مل گئی تو فوراً اس کی رقم کی تقسیم بند کرا دی جاتی ہے۔ اور بقیہ رقم واپس فرما دی جاتی ہے۔ بعض ورثہ نے چاہا کہ بقیہ رقم میں مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی جائے تو انکار فرما دیا گیا کہ دعائے مغفرت پر اجرت لینا جائز نہیں اور مثلاً اگر کوئی متمول شخص ایک آنہ یومیہ سے زائد بھیجنا چاہتا ہے تو زائد رقم نہیں قبول فرمائی جاتی چنانچہ ایک بار ایک والیٔ ملک نے اور ایک بار ایک ملک کے

ولی عہد نے زیادہ رقم بھجوانی چاہی تو انکار فرما دیا گیا اور وہی ایک آنہ یومیہ لیا گیا۔ البتہ اول الذکر نے جب بعد کامیابی غالباً ڈیڑھ سو روپیہ مساکین کی دعوت اور کپڑوں کے لئے بھیجنے کی اجازت چاہی تو اس کی اجازت مرحمت فرما دی گئی چنانچہ انہوں نے روپیہ بھیج دیا اور اس کو اس کے مصرف میں صرف فرما دیا گیا۔

غرض اس قسم کی سیکڑوں احتیاطیں ہیں جو حضرت والا معاملات میں رات دن برتتے رہتے ہیں جن سے حضرت والا کا غایت درجہ اہتمام حفظ حقوق اور صفائی معاملات جو آج بفضلہ تعالیٰ شہرۂ آفاق اور موافقین و مخالفین سب کے نزدیک مسلم ہے ظاہر و باہر ہے اور جن سے مشاہدہ کرنے والے ہمیشہ عملی سبق حاصل کرتے رہتے ہیں اور جو ہزاروں تقریروں اور تحریروں سے بڑھ کر موثر ہوتی ہیں۔ بس اب اسی مضمون پر پنج گنج اشرف کے اس عنوان سوم کو ختم کیا جاتا ہے اور عنوان چہارم شروع کیا جاتا ہے۔

عنوان چہارم

اصول متعلقۂ واردین

(۱) حضرت والا اُن نو واردین کو جو ابتدائی ضروری سوالات کا بھی واضح جواب نہیں دیتے ایک چھپا ہوا نقشہ بغرض خانہ پُری حوالہ فرما دیتے ہیں تاکہ وہ اطمینان سے سارے ضروری سوالات کا جواب خود لکھ کر یا اَن پڑھ ہوں تو کسی سے لکھوا کر اس مطبوعہ نقشہ کو واپس کر دیں اور اس طرح جانبین کلفت و خلجان سے محفوظ رہیں وہ نقشہ یہ ہے:۔

خانقاہ ہذا میں آنے والوں سے ابتدائی سوالات کے نقشہ کی مصلحت اور اُس کی ضرورت

بعض حضرات احقر کے پاس خاص مقاصد کے لئے تشریف لاتے ہیں جن کی بجا آوری اُن کے مفصل حالات ضروریہ کے مطلع ہونے پر موقوف ہوتی ہے مگر اکثر کا میرے سوال

کرنے پر بھی جواب نہیں ملتا یا بہت ہی ناتمام ملتا ہے یا کئی کئی بار کے پوچھنے پر ملتا ہے
جس سے طبعاً اذیت ہوتی ہے اور اذیت سے تنگی و کدورت جو ان کے مقاصد میں
مخل ہوتی ہے چونکہ اس کی وجہ پوچھنے پر اکثر نے تصریحاً یہ وجہ بیان کی کہ زبانی سوال سے انتشار
ہوجاتا ہے اس لئے سہولت کے لئے ذیل کا نقشہ تجویز کرتا ہوں کہ میں یہ نقشہ پیش کردیا کروں
اور وہ اس کی خانہ پُری خود یا کسی سے کرا کر مجھ کو عنایت فرما دیا کریں جانبین کو اس میں
راحت ہوگی۔" اشرف علی"

۱	نام	
۲	وطن اصلی	
۳	اس وقت کس مقام سے آنا ہوا اور اس مقام میں کتنا قیام رہا ہے	
۴	شغل و وجہ معاش	
۵	موروثی زمین تو آپ کے پاس نہیں	
۶	علمی استعداد اُردو یا عربی یا انگریزی میں کس قدر رہے	
۷	اصلی مقصد آنے سے کیا ہے محض ملاقات یا کچھ کہنا اور لکھ کر دینا یا زبانی اور مجمع میں یا تنہائی میں۔	
۸	کسی سے بیعت ہیں یا نہیں اور کس سے۔	

۹	اگر مجھ سے بیعت ہیں تو بیعت کو کتنا زمانہ ہوا اور تعلیم کس کے متعلق ہے۔	
۱۰	میرے مواعظ و رسائل کیا کیا دیکھے ہیں۔	
۱۱	اگر مجھ سے کچھ خط و کتابت ہوئی ہے تو وہ پاس ہے یا نہیں اگر ہے تو دکھلایا جائے	
۱۲	کتنا قیام ہوگا۔	
۱۳	کہاں قیام ہوگا۔	
۱۴	خانقاہ میں اول بار آنا ہوا ہے یا پہلے بھی آئے ہیں اگر پہلے بھی آئے ہیں تو کتنا قیام ہوا تھا۔	
۱۵	یہاں کے انتظام طعام کی آپ کو خبر ہے یا نہیں۔	
۱۶	باہر والا بڑا اعلان قلمی دیکھ لیا یا نہیں۔	(دستخط اشرف علی)

(۴) نیز نو واردین کی سہولت اور اپنے بھی حرج اوقات کے انسداد کے لئے حضرت والا نے اپنی نشستگاہ کے باہر اپنا نظام الاوقات بصورت اعلان آویزاں فرما رکھا ہے جس میں اس کی پوری رعایت ہے کہ دوسروں کو بھی عرض حال اور مجالست

کا کافی موقع مل سکے اور اپنا بھی حرج اوقات نہ ہو۔ اس اعلان کی نقل یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

اعلان انضباط اوقات احقر

تاکہ نہ اہل حاجت کا حرج یا تکلیف ہو نہ احقر کا

نمبر ۱ صبح سے بارہ بجے تک مجھ کو متفرق ایسے کام رہتے ہیں جو تنہائی میں ہو سکتے ہیں اُس وقت کسی سے ملنے میں یا بات چیت کرنے میں تکلیف بھی ہے حرج بھی ہے۔

نمبر ۲ البتہ اوپر کے نمبر سے تین شخص مستثنیٰ ہیں۔ ایک وہ شخص جو تازہ آیا ہو اور صرف ملاقات کا مصافحہ کرنا چاہتا ہو دوسرا وہ جو جا رہا ہے اور صرف رخصت کا مصافحہ کرنا چاہتا ہے۔ تیسرا وہ شخص جس کو ایسی حاجت ہو کہ اس میں مہلت نہیں ہو سکتی مثلاً درد زہ وغیرہ کا تعویذ لینا ہو یا فوری ضرورت کا کوئی مسئلہ پوچھنا ہو جس میں تاخیر نہ ہو سکے مگر ان تینوں شخصوں کو چاہئے کہ آتے ہی کہہ دیں کہ ہمارے اس وقت آنے کی یہ وجہ ہے تاکہ معلوم نہ ہونے سے پریشانی نہ ہو۔

نمبر ۳ پھر بارہ بجے سے نماز ظہر سے فارغ ہو کر اپنی مجلس میں بیٹھنے تک میرے قیلولہ و نماز کا وقت ہے اس میں ملاقات سے اور نیز سب خدمات سے معافی چاہتا ہوں۔

نمبر ۴ پھر جب ظہر پڑھ کر اپنی مجلس میں حاضر ہو جاؤں اس وقت سے عصر کی اذان ہونے تک عام اجازت ہے آنے کی بیٹھنے کی ہر قسم کی

بات چیت کی تعویذ وغیرہ مانگنے کی البتہ جمعہ کا دن تعویذ سے مستثنیٰ ہے۔

نمبر ۵ پھر اذان عصر سے نماز سے فارغ ہونے تک کے لئے وہی قاعدہ ہے جو قیلولہ کے وقت کا ہے جو نمبر تین میں مذکور ہے

نمبر ۶ پھر عصر سے فارغ ہونے کے بعد سے عشاء سے فارغ ہونے تک کے لئے وہ قاعدہ ہے جو صبح سے بارہ بجے تک کے وقت کا ہے جو نمبر ا میں مذکور ہے اور وہی لوگ یہاں بھی مستثنیٰ ہیں جو نمبر ۲ میں مذکور ہیں

نمبر ۷ عشاء کے بعد تو علی الاطلاق معذوری ظاہر ہے، باستثناء اضطرار شدید

نمبر ۸ یہ قواعد تو ان صاحبوں کے لئے ہیں جو مجمع میں اپنا مقصود ظاہر فرما سکتے ہیں اور جو کسی کو کچھ پوشیدہ کہنا ہو اس کے لئے یہ قاعدہ ہے کہ اگر تحریر کو کافی سمجھیں تو میری مجلس سے ملحق سہ دری کی دیوار میں ایک بکس لگا ہے اس میں لکھ کر ڈال دیں اور جس موقع پر جواب چاہتے ہوں اس کا پورا پتہ لکھ دیں مثلاً فلاں نمبر کے حجرہ میں یا مسجد کے ممبر پہ۔ ہمیشہ بعد نماز فجر کے ایسے پرچے نکالے جاتے ہیں۔ اس طریقہ سے تحریری جواب مل جائے گا اور اگر وہ پوشیدہ بات زبانی ہی کہنا چاہیں تو ایسے ہی پرچہ کے ذریعہ سے تنہائی کا وقت پوچھ لیں۔ میں جو وقت تبلاؤں اس وقت بات کریں اور اکثر بعد مغرب کا وقت تبلایا کرتا ہوں۔

نمبر ۹ بعض مہمانوں کو میں خاص اجازت دے کر تنہائی کے وقت میں بٹھلا لیتا ہوں دوسرے حضرات اپنے کو ان پر قیاس نہ کریں اور اسی طرح ایک کو کوئی خدمت پنکھا وغیرہ کی کرتا ہوا دیکھ کر دوسرے اس کی تقلید نہ کریں جب تک خاص اجازت حاصل نہ کرلیں اسی طرح دوسری خدمت بھی بلا صریح اجازت

نہ کریں جیسے جوتا اٹھانا یا لوٹا بھر کر رکھنا وغیرہ ذلک۔

نمبر ۱۰ راستہ میں بھی کوئی صاحب میرے ساتھ نہ چلیں نہ گھر جا کر پکاریں۔

نوٹ

یہ سب قواعد اُن صاحبان کے لئے ہیں جو محض عقیدت مندی کے ماتحت ہو کر آتے ہیں اور جن کو کوئی دوسرا تعلق بھی ہو اُن کے لئے یہ ضوابط نہیں۔ البتہ اگر کسی کو کسی خاص قاعدہ کا پابند کر دوں اُس کو اُس کی پابندی لازم ہے۔

نوٹ

کسی وقت ضرورت سے کچھ ترمیم کر دوں تو ترمیم ہی پر عمل ہوگا۔ اسی طرح ذاتی ملازموں کے لئے دوسرے ضوابط ہیں جو اُن کو زبانی بتلا دیئے گئے ہیں فقط

اس نظام الاوقات کے اندر رمضان المبارک کے زمانہ میں بر بنا ضرورت وقتیہ بعض تغیرات بھی فرما دیئے جاتے ہیں جن کا اعلان خود اپنے قلم مبارک سے لکھ کر شعبان کی اخیر تاریخ میں آویزاں کرا دیا جاتا ہے جس کی نقل یہ ہے۔

دو ضروری اطلاعیں

(یہ دونوں اطلاعیں وہی ہیں جو گزشتہ رمضان میں کی گئیں تھیں)

اطلاع اوّل وقت تنگ ہے اور مشاغل زیادہ اس لئے رمضان گزرنے تک صبح کی مجلس موقوف کر دی گئی۔ ایک دو منٹ کے لئے ضروری بات کی زبانی اجازت ہے۔

اطلاع دوم | جن حضرات کو یہاں کے زمانہ قیام میں مکاتبت کی اجازت نہیں وہ تو کسی قسم کا پرچہ نہ لکھیں اور جن کو اجازت ہے وہ سہ دری والے لیٹر بکس میں نہ ڈالیں بلکہ ڈاک کے ذریعہ سے بھیجیں اور جواب ملنے کا ذریعہ یہ ہوگا کہ عصر کے بعد حافظ اعجاز کے پاس جا بیٹھیں ان کے پاس ایک بکس رہے گا وہ اس کو کھول کر پرچہ والوں کا نام لے کر پکار پکار کر حوالہ کر دیں گے اور مناسب یہ ہے کہ ڈاک میں ڈالنے سے دوسرے روز جواب کا انتظار کریں اور شاذ و نادر بعض اوقات تیسرے روز ملنا بھی محتمل ہے فقط

کتبہ اشرف علی عفی عنہ ۔ یکم رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ

لیکن احقر نے حضرت والا کو بعض اہل خصوصیت مقیمین کے خطوط کے جوابات بجائے لیٹر بکس میں ڈلوانے کے مجلس شریف ہی میں دستی حوالہ فرماتے ہوئے بھی دیکھا ہے جس سے حضرت والا کا کمال اعتدال ظاہر ہوتا ہے ورنہ جو لوگ اصول کے پابند ہوتے ہیں ان کی پابندی اصول اکثر خشکی کی حد تک پہنچ جاتی ہے ۔ اور وہ استثنا کرنا جانتے ہی نہیں حالانکہ جہاں پابندی اصول فطرت سلیمہ کا مقتضا ہے وہاں مواقع خصوصیت و ضرورت میں مستثنیات کا ہونا بھی فطرت سلیمہ ہی کا مقتضا ہے ۔ چنانچہ حضرت والا کا کوئی بھی قاعدہ ایسا نہیں جس میں مستثنیات نہ ہوں گو وہ صرف بقدر ضرورت ہی ہوتے ہیں کیوں کہ مستثنیات کی کثرت تو بے اصولی ہی کی ایک فرد ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت والا کے یہاں کا استثنا بھی بہت با اُصول ہے یعنی صرف بعض احوال خاصہ میں اور صرف بقدر ضرورت اور صرف ایسے لوگ مستثنےٰ فرمائے جاتے ہیں جو خاص اہل تعلق ہیں یا اہل قرابت ہیں یا جو کسی خاص درجہ کا اعزاز و امتیاز رکھتے ہیں

یا جو اہلِ ضرورت شدیدہ ہیں۔

۲۳۔ اگر کوئی نیا طالب بذریعہ تحریر حاضری خدمت کی اجازت چاہتا ہے تو سب سے پہلے اُس سے یہ سوال فرماتے ہیں کہ تمھارے آنے کی ایسی کون سی غایت و غرض ہے جو یہاں آنے پر موقوف ہے۔ طالبین کی طرف سے اس سوال کے مختلف جوابات ملتے ہیں لیکن جب تک وہ ایسی غایات ظاہر کرتے رہتے ہیں جو یہاں آنے پر موقوف نہیں گو فی نفسہ مقصود بھی ہوں مثلاً اصلاح۔ دعا کرانا۔ تعویذ لینا وغیرہ۔ اس وقت تک حضرت والا ان غایات پر برابر جرح فرماتے رہتے ہیں اور آنے کی اجازت نہیں مرحمت فرماتے۔

البتہ اگر کوئی یہ لکھتا ہے کہ حاضری سے مقصود محض ملاقات ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ بزمانہ قیام نہ مخاطبت کروں گا نہ مکاتبت بس مجلس میں بالکل خاموشی کے ساتھ بیٹھا رہا کروں گا۔ تو پھر حضرت والا بخوشی آنے کی اجازت مرحمت فرما دیتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ بس یہی ایک مقصود ایسا ہے جو بغیر یہاں آئے حاصل ہو ہی نہیں سکتا ورنہ اور سب مقاصد ایسے ہیں جن کے لئے یہاں آنا ضروری نہیں لہذا بس اسی ایک مقصود کے لئے یہاں آنا چاہئے۔ اور عدم مخاطبت و مکاتبت کی قید کی مصالح عنقریب نمبر ۲۴ میں مذکور ہوں گی۔

غرض حضرت والا کسی کو اس وقت تک آنے کی اجازت نہیں مرحمت فرماتے جب تک وہ صاف طور سے یہ نہیں لکھ دیتا کہ حاضری کا مقصود صرف ملاقات ہے اور نہ اس کے ساتھ ہی یہ وعدہ بھی نہیں کر لیتا کہ دوران قیام میں نہ مخاطبت کرونگا نہ مکاتبت اور جس کو محض اس پر قناعت نہ ہو اس کو اختیار ہے نہ آئے۔

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کوئی اجازت حاصل کرکے آنا چاہے گا اس کے لئے تو یہی شرط ہے کہ جب تک یہ سب معاملات طے نہ ہو جائیں نہ آئے۔ لیکن اگر کوئی بلا اجازت طلب کئے آجائے تو میرے یہاں کوئی پہرہ نہیں چوکی نہیں جو چاہے چلا آئے اور جب چاہے چلا آئے مگر یہاں آنے کے بعد بھی اُس سے وہی سوال ہوگا اور قیام کی بھی وہی شرائط ہوں گی۔ اھ

چنانچہ بعض بلا اجازت آنے والوں سے جب یہی سوال ہوا تو انہوں نے بے تکے جوابات دیئے اور ایسی بے ڈھنگی بے اصول اور اذیت دہ باتیں کیں اور اتنی ناگواری بڑھی کہ ان کو دوسری ہی ریل گاڑی سے واپس کر دیا گیا یا وہ خود واپس چلے گئے اور مصلحت بھی یہی تھی کیوں کہ بلا معاملہ صاف ہوئے قیام جانبین کے لئے موجب بے لطفی و تکدر ہوتا۔ واپسی کی نوبت تو خیر کم آتی ہے لیکن اکثر ایسے نو واردین سے جن سے اذیت دہ حرکات سرزد ہوتی ہیں طلب معافی پر یہ فرما دیتے ہیں کہ معاف کرنے کو تو میں نے معاف کر دیا لیکن یہ جو اذیت مجھ کو ہوئی یہ کس مد میں رہی کیا یہ خالی ہی گئی جس غرض کے لئے یہاں آئے ہو یعنی قیام وہ تو جبھی پوری ہوگی جب اس اذیت کا کچھ تدارک کیا جائے گا جب وہ تدارک پوچھتا ہے تو اکثر خود اُسی سے تجویز کرایا جاتا ہے۔ کیوں کہ حضرت والا پہلے تو خود تدارک تجویز فرما دیا کرتے تھے لیکن اب اکثر خود کوئی تدارک تجویز نہیں فرماتے تاکہ خواہ مخواہ حضرت والا پر سختی کا الزام نہ رکھا جائے چنانچہ جب وہ خود یا اوروں سے مشورہ کرکے جس کی حضرت والا خود ہی اس کی سہولت کے لئے ہدایت فرما دیتے ہیں اپنے لئے کافی اور مناسب تدارک تجویز کر لیتے ہیں تو حضرت والا اسی کو بلکہ اکثر اس میں

بھی کچھ اپنی طرف سے تخفیف فرما کر منظور فرما لیتے ہیں اور اگر اس کا تجویز کیا ہوا تدارک کافی اور مناسب نہیں ہوتا تو اس سے برابر جرح قدح فرماتے رہتے ہیں یہاں تک کہ یا تو اسی کے ذہن میں مناسب تدارک آجاتا ہے یا خود حضرت والا مناسب تدارک تجویز فرما دیتے ہیں۔ تدارک اکثر یہی ہوتا ہے کہ کسی قریب کے مقام پر جا کر وہاں سے پھر حاضری کی اجازت طلب کی جائے اور بعض کے لئے صرف اس پر بھی اکتفا فرمایا گیا کہ لکھ کر خانقاہ میں یہ اعلان آویزاں کر دیا جائے کہ مجھ سے فلاں اذیت دِہ حرکت سرزد ہوئی اور بعض کے لئے یہ تجویز فرمایا گیا کہ سب مقیمین خانقاہ سے فرداً فرداً اپنی غلطی کا اظہار کیا جائے تاکہ نفس کو گرانی ہو اور آئندہ کے لئے اس کو تنبیہ ہو۔ اھ

حال ہی میں ایک صاحب نے اپنے لئے یہ تدارک تجویز کیا کہ سہارن پور جا کر مکرر حاضری کی اجازت حاصل کریں جس کو منظور فرما لیا گیا لیکن اُسی وقت پھر اُن سے کوئی اذیت دِہ حرکت سرزد ہوئی جب اس کی وجہ دریافت فرمائی تو غلط تاویلات کرنے لگے جن سے حضرت والا کو بوجہ خلافِ صدق وخلوص ہونے کے سخت نفرت ہے۔ چونکہ یہ مرض شدید تھا اس کے ازالہ کے لئے شدید اور مزید تدارک کی ضرورت واقع ہوئی لہذا حضرت والا نے بجائے سہارن پور جانے کے دہلی جانا تجویز فرمایا فرمایا۔ پھر بار بار افسوس فرماتے رہے کہ واللہ مجھ کو سخت قلق ہے اور خود اُن سے بھی زیادہ قلق ہے لیکن کیا کرتا۔ بدون اس تدارک کے ان کی اصلاح ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ اھ

وہ چونکہ طالب صادق تھے اس لئے بخوشی دہلی جانا منظور کر لیا اور وہاں سے حاضری کی مکرر اجازت طلب کی اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا پھر حضرت والا

نے بخوشی اجازت مرحمت فرما دی لیکن اجازت نامہ پیش کرتے وقت یہ بے تکا پن کیا کہ پہلے تو خط جیب سے نکالا جس کو حضرت والا لینے کے لئے آمادہ ہوئے لیکن پھر اس کو فرش پر رکھ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیئے جس سے حضرت والا کو سخت اذیت ہوئی اگر مصافحہ کرنا تھا تو پہلے مصافحہ کر لیتے پھر جیب سے خط نکالتے اور اگر خط نکال کر حضرت والا کو خط لینے کے لئے آمادہ کر دیا تھا تو خط ہی دے دیتے مصافحہ نہ کرتے یا بعد میں کرتے۔ اس پر حضرت والا نے اپنے پاس سے اُٹھا دیا۔

ایسے مواقع پر حضرت والا حاضرین سے فرمایا کرتے ہیں کہ اگر میں لوگوں کی ان حرکتوں پر صبر کروں تو ان کی اصلاح بھی نہ ہو اور میرے قلب کے اندر ان کی طرف سے تکدر بھی پیدا ہو جائے۔ اور اب تو چوں کہ میں اپنی اذیت کا اظہار کر دیتا ہوں اور بعض لوگ اذیت کا تدارک بھی کر دیتے ہیں اس لئے میری طبیعت صاف رہتی ہے۔

ایک بار ایک شخص مجلس خاص کے وقت آبیٹھا اس سے حضرت والا نے یہ فرمایا کہ یہ مجلس خاص کا وقت ہے بعد ظہر کے پاس بیٹھنا اس وقت جاؤ اس پر وہ چلا گیا۔ بعد کو حاضرین سے فرمایا کہ دیکھئے اگر میں مروّت میں آکر اس سے کچھ نہ کہتا تو جب تک یہ بیٹھا رہتا مجھ کو سخت الجھن رہتی اور اس کی طرف سے قلب میں کدورت پیدا ہو جاتی اور اب جو یہ میرے کہتے ہی چپکے سے چلا گیا میرے قلب میں اس کی قدر ہوئی اور اس سے محبت پیدا ہو گئی۔ اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ کونسی صورت بہتر ہے۔ اھ

مذکورۂ بالا تدارکات کے متعلق جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ بزرگانِ سلف نے تو اس سے بھی سخت سخت سزائیں تجویز فرمائی ہیں۔ چنانچہ طبقات شعرانی میں ایک بزرگ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کی خدمت میں ایک طالب آئے اور یہ کہا کہ میں بہت دور سے آیا ہوں۔ اس احسان جتلانے پر اُن کے لئے یہ سزا تجویز فرمائی گئی کہ تین برس تک یہاں آنے کی اجازت نہیں اسی طرح اس کتاب میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک طالب مقیم تھے وہ ایک لاکھ درہم تو اپنے پاس سے اور ایک لاکھ قرض لے کر خرچ کر چکے تھے لیکن ہنوز ان کو کلام کرنے کی بھی اجازت نہیں ملی تھی۔

اسی قسم کی اور بہت سی حکایات طبقات شعرانی میں موجود ہیں جن کو حضرت والا نقل فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ آج کل کے طالبین بھی کوئی طالبین ہیں کہ ذرا سی سیاست کا بھی تحمل نہیں اور پھر حضرت مولانا رومیؒ کا یہ شعر پڑھ دیتے ہیں ؎

تو بیک زخمے گریزانی ز عشق — تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق اھ

۴۔ جب حضرت والا نے دیکھا کہ حاضری خانقاہ کی شرائط کے متعلق طالبین بہت گڑبڑ کرتے ہیں اور طے ہونے میں بڑا وقت صرف ہو جاتا ہے تو خاص اپنے صرف سے حاضری کے متعلق ایک مکمل دستور العمل طبع فرما لیا جس کی نقل یہ ہے:

دستور العمل طالبان تعلق مرکب از مراتب سبعه

اوّلاً یہاں کی ابتدائی آمد میں ہر حال میں بدون مخاطبت و مکاتبت کے سکوت محض کے ساتھ چندے مجالست و مصاحبت بغرض حصول بصیرت و

مناسبت۔

ثانیاً | یہاں سے جاکر اگر تعلق رکھنا چاہیں اپنے مستقر سے اپنی اصلاح کے متعلق زیادت مناسبت کے لئے **مراسلت و مکاتبت**

ثالثاً | مکرر آمد میں اگر یہاں کے قیام میں صرف مکاتبت چاہیں تو قبل آمد بذریعۂ خط مجھ سے **تحقیقِ موافقت وضروری مناسبت واخذ اجازت مکاتبت۔**

رابعاً | بعد حصولِ اجازت نامہ جس کو آنے کے وقت دکھلانا ضروری ہوگا یہاں کے قیام میں صرف **مکاتبت بلامخاطبت۔**

خامساً | بعد مناسبت نامہ جو مکاتبت طویلہ سے حاصل ہو سکتی ہے میری اجازت کے بعد یہاں کے قیام میں **مکاتبت ومخاطبت**

اور یہ سب تفصیل بقاء تعلق کی صورت میں ہے،

سادساً | اگر اختلاف مذاق کے سبب مناسبت سے مایوسی ہو جائے تو پھر مصلحت کے لئے نہ کہ کدورت کے سبب **تجویز مفارقت و مجانبت ومشورۂ رجوع بجانب محل مناسبت۔**

سابعاً | لیکن اس حالت میں بھی اگر خواہش کریں تو طلب دعاو دریافت خیریت کے لئے **خط بھیجنے کی اجازت علی المواظبت** وبشرط عدم انقباض سکوت کے ساتھ **اجازت مجالست ومصاحبت۔**

خلاصہ

۱۔ محض مجالست۔

۲۔ مستقر سے مُراسلت۔

۳۔ بعد مناسبت ضروریہ واخذ اجازت مجالست مع مکاتبت بلا احتیاط مخاطبت

۴۔ بعد مراسلت طویلہ ومناسبت تامہ واخذ اجازت مجالست مع مکاتبت ومخاطبت۔

وبصورت عدم حصُولِ مناسبت

۵۔ مشورہ رجوع بجانب محل مناسبت۔

۶۔ صرف برائے طلب دعا وخیریت اجازت مراسلت۔

۷۔ بشرط عدم انقباض اجازت مجالست بلا مکاتبت ومخاطبت فقط

کتبہ اشرف علی عفی عنہ

اس دستور العمل سے جانبین کو بہت سہولت ہو گئی۔ جب کوئی نیا طالب حاضری کی اجازت طلب کرتا ہے حضرت والا دستور العمل ملفوف فرما دیتے ہیں۔ پھر اگر وہ عدم مخاطبت وعدم مکاتبت بزمانۂ قیام کی شرط کے ساتھ اجازت حاضری طلب کرتا ہے۔ اجازت مرحمت فرما دی جاتی ہے اور یہ بھی ہدایت تحریر فرما دی جاتی ہے کہ آتے ہی اس خط کو پیش کر دیا جائے۔ چنانچہ آنے والا

آتے ہی اُس خط کو پیش کر دیتا ہے - اس کو بلا تامل قیام کی اجازت مل جاتی ہے اور کسی ردّ و کد کی نوبت نہیں آتی بشرطیکہ خلاف اصول کوئی حرکت سرزد نہ ہو -

حضرت والا خود بھی فرمایا کرتے ہیں کہ نئے آنے والوں کے لئے بزمانۂ قیام عدم مخاطبت و عدم مکاتبت کی شرط اللہ تعالیٰ نے خوب میرے دل میں ڈال دی ورنہ عدم مناسبت مزاج اور عدم واقفیت طریق کی وجہ سے لوگ بے اصول باتیں اور بے تکے سوالات کر کر کے مجھ کو بڑی ایذائیں پہنچاتے اور بڑا وقت ضائع کرتے میرا بھی اور اپنا بھی اب تو اللہ کا شکر ہے میں بھی اپنے کام میں اطمینان سے مشغول رہتا ہوں اور اُن لوگوں کو بھی نہایت یکسوئی اور سکون کے ساتھ میری باتیں سننے اور اطمینان سے اُن پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے ورنہ اگر قیل وقال کی اجازت ہوتی تو مجلس کیا ہوتی چوپال ہوتی بڑے پریشان ہوتے اور بڑا پریشان کرتے اور یہاں سے بالکل کورے جاتے - اب تو بہ کثرت اس مضمون کے خطوط آتے رہتے ہیں کہ خموشی کے ساتھ بیٹھنے سے بہت نفع حاصل ہوا - خموشی کے ساتھ بیٹھ کر سننے کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ایک صحابی سے فرمائش کی کہ قرآن سناؤ انہوں نے عرض کیا کہ آپ پر تو خود نازل ہوا ہے میں کیا سناؤں فرمایا کہ مجھے یہ محبوب ہے کہ جو کچھ مجھ پر نازل ہوا ہے اس کو میں دوسرے کی زبان سے سنوں - اھ

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ قرآن خود پڑھنے میں تو ثواب زیادہ ہے اور دوسرے سے سننے میں لطف اور اثر زیادہ ہے - اھ

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ یہاں آنے والوں کے متعلق میرے جتنے

معمولات ہیں اُن سب کا منشا تعلیم ادب ہے۔ یہ اصل ہے اور سب فروع جو کہ
زمانہ اور مصالح اور ضرورتوں کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں اور اس اصل کی
صریح تائید حدیث کانّ علیٰ رؤسنا الطیر سے ہوتی ہے۔ بلکہ بوجہ اس کے
کہ اس معمول کے منافع کھلے ہوئے ہیں اگر یہ تائید نہ بھی ہوتی تب بھی اس کے مستحسن
اور قابل عمل ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا تھا جیسے کتب طب میں بڑے بڑے مجرب
نسخے موجود ہیں اور وہ سب قابلِ استعمال سمجھے جاتے ہیں حالانکہ اُن میں سے کسی
کی بھی تائید حدیث سے نہیں ہوتی لیکن اس تائید سے اس معمول کی اور بھی تقویت
ہو گئی۔ اور حسن بڑھ گیا۔ اھ

حضرت والا اس عدم مخاطبت و مکاتبت بزمانہ قیام کی یہ مصالح بھی بیان فرمایا
کرتے ہیں کہ نئے آنے والے پہلے خموشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے میرا طرز تربیت
میری عادات میری خصوصیات مزاج دیکھیں اور میری باتیں سنیں اور اُن پر اطمینان
سے غور کریں۔ پھر یہاں سے جا کر آزادی کے ساتھ رائے قائم کریں اگر میرا طریقہ
اور مزاج پسند نہ آئے اور مجھ سے مناسبت پیدا ہونے کی توقع نہ ہو تو کسی
دوسرے سے رجوع کریں اور اگر میری سب باتیں پسند ہوں تو پھر اصلاح کے
متعلق مجھ سے خط و کتابت کریں۔ شروع ہی اصلاح خاص کی نیت سے یہاں
نہ آئیں بلکہ یہ دیکھنے اور سیکھنے کے لئے آئیں کہ آیا باہم مناسبت ہو گی یا نہ ہو گی
اور اگر ہو گی تو اپنی اصلاح کے متعلق خط و کتابت کرنے اور اپنے امراض نفس
کے پیش کرنے کا صحیح اور نافع طریق کیا ہے۔

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہونے والوں

کی یہ دونوں اغراض نہایت سہولت کے ساتھ بہ احسن وجوہ حاصل ہو جاتی ہیں کیونکہ بوجہ اس کے کہ حضرت والا کی فطرت ہی میں بے تکلفی سادگی صفائی اور آزادی ہے حضرت والا اپنا مسلک اپنا طرز تربیت، اپنی عادات و خصوصیات مزاج غرض اپنا سارا کچا چٹھا تقریراً و عملاً و قالاً و حالاً نہایت واضح طور پر بلا ادنیٰ خوف لومۃ لائم رات دن ظاہر فرماتے رہتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات بعض شرعی رخصتوں پر اسی قصد سے عمل فرماتے ہیں کہ آنے والے دیکھ لیں اور ضرورت سے زیادہ عابد و زاہد نہ سمجھیں مثلاً کبھی کبھی نوافل کا بیٹھ کر بھی ادا فرما لینا اکثر بچوں سے خوب ہنسنا بولنا اور مزاح فرمانا۔ غصہ کی باتوں پر خوب کھل کر غصہ فرمانا اور دور دراز سے نہایت عقیدتمندانہ حاضر ہونے والوں کو بھی خلاف اصول امور پر بلا ادنے پروائے زوال عقیدت نہایت آزادی کے ساتھ روک ٹوک فرمانا اس کی ایک غرض حضرت والا یہ بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ جتنے کسی کو میرے بارہ میں عمر بھر وسوسے آتے ہوں اور اشکالات پیدا ہوتے ہوں وہ ایک دم سے آجائیں اور ختم بھی ہو جائیں اور پھر عمر بھر کے لئے یکسوئی ہو جائے یا تو ہمیشہ کے لئے معتقد ہو کر یا ہمیشہ کے لئے غیر معتقد ہو کر۔ ورنہ اگر میں اپنے آپ کو بنائے ہوئے رکھتا تو عمر بھر بھی کسی کو یکسوئی نہ ہوتی۔ جب کوئی بات اپنے خیال کے خلاف دیکھتے اپنے دل میں کہتے کہ یہ ایک اور بات نکلی۔ پھر کوئی بات دیکھتے پھر یہی کہتے کہ لو اب یہ ایک اور بات نکلی۔ غرض عمر بھر اطمینان نہ ہوتا۔ اب تو بُرا بھلا جیسا بھی میں ہوں سب کو سابقہ پڑتے ہی معلوم ہو جاتا ہے پھر چاہے کوئی رہے یا جائے اور مجھے بھی یکسوئی ہو جاتی ہے اور اس خیال کے لوگوں سے میرا شروع ہی میں پیچھا چھوٹ جاتا ہے جو

بزرگی اسی کو سمجھتے ہیں کہ بالکل بے حس ہو جائے جیسے بُت کہ اگر اُن کے ساتھ تعظیم کا برتاؤ کیا جائے تب انہیں کوئی حس نہیں اور اگر اہانت کا برتاؤ کیا جائے تب انہیں کوئی حس نہیں دوسرے یہ کہ بزرگی کا دعوےٰ کس نے کیا اور بلانے کا اعلان کس نے دیا ہے۔ میں تو ایک طالب علم ہوں۔ اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے دین کی جو باتیں سنی ہیں وہ سناتا رہتا ہوں اور ان کی صحبت کی برکت سے دین کی جو حقیقت سمجھ میں آئی ہے اس کو ظاہر کرتا رہتا ہوں۔ اگر کسی کے جی کو لگے قبول کرے نہ لگے نہ قبول کرے۔ اختیار ہے۔ للّو پتّو مجھے آتی نہیں نہ میں اس کو مفید سمجھوں۔ گو بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ رفتہ رفتہ اپنے طریق پر لانا چاہیئے لیکن میں اس کے خلاف ہوں کیونکہ میرا تجربہ ہے کہ جس نے اپنے ذہن میں جو معیار بزرگی کا صحیح یا غلط قرار دے رکھا ہے وہ اسی وقت تک اس کا معتقد ہے جب تک وہ اس معیار کے مطابق اس کو سمجھے ہوئے ہے اور جہاں ذرا اُس معیار سے ہٹا ہوا پایا بس سارا اعتقاد جاتا رہا۔ معتقد فیہ تو اس خیال میں رہتا ہے کہ یہ شخص ہمارا معتقد ہے حالانکہ وہ درحقیقت اپنے ہی خیال کا معتقد ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر کسی معتقد کا اعتقاد جاتا رہے تو معتقد فیہ کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اس کا معتقد تھا ہی نہیں بلکہ ایک خیالی شخص کا معتقد تھا تو ایسے خیالی معتقد کے کم ہو جانے کا افسوس ہی کیا۔ بلکہ خوش ہونا چاہیئے کہ اچھا ہے قبل تعلق ہی پیچھا چھوٹ گیا ورنہ تعلق قائم ہو جانے کے بعد اگر قطع تعلق کی نوبت آتی اور ضرور آتی تو بہت ناگواری ہوتی اور جب تک تعلق رہتا بہت ستاتا اسی لئے میں شروع ہی سے ہر طالب کے ساتھ ایسا صاف معاملہ کرتا ہوں کہ اس کی

نوبت ہی نہ آنے پائے۔ شروع ہی میں فیصلہ ہو جائے ادھر یا اُدھر۔ نہ وہ دھوکہ میں رہے نہ ہیں۔ میرا تو بس یہ مذاق ہے ؎

ہر کہ خواہد گو بیاؤ ہر کہ خواہد گو برو

دار و گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ ردّ و قبول خلق کا مطلق خیال نہ ہونا حضرت والا کے اعلےٰ درجہ کے باکمال اور مخلص وصادق ہونے کی علامت ہے جس پر ایک تاجر نے اپنی اصطلاح میں خوب کہا کہ کیوں کسی کی خوشامد کریں کیا مال گیلا ہے اھ

حضرت والا کے اس طرز سے تو آنے والوں کو مناسبت و عدم مناسبت کا اندازہ بسہولت ہو جاتا ہے جو آنے کی پہلی غرض تھی اور دوسری غرض یعنی اپنی اصلاح کرانے کا صحیح طریق معلوم کرنا وہ اس طرح پوری ہوتی ہے کہ حضرت والا کی مجلس شریف میں زیادہ تر اسی کا تذکرہ رہتا ہے۔ نیز حضرت والا طالبین کے خاص خاص خطوط کے خاص خاص مضامین بھی مع جوابات کے حاضرین مجلس کو بلا اظہار نام سناتے رہتے ہیں اور ان کی غلطیوں کی زبانی توضیح بھی فرماتے رہتے ہیں۔ جس سے حاضرین کو اپنی اصلاح کے متعلق خط و کتابت کرنے اور اپنے امراض نفس پیش کرنے کا سلیقہ آجاتا ہے۔ چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ پاس رہنے سے اصلاح نہیں ہوتی بلکہ مناسبت پیدا ہوتی ہے اور اپنے امراض کو پیش کرنے کا اور میرے جوابات کو سمجھ کر اُن پر عمل کرنے کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے۔ اھ

اب اس نمبر کو ایک طالب کے خط کی نقل پر ختم کیا جاتا ہے جو حُسنِ اتفاق

سے ابھی آیا ہے۔ یہ صاحب خموشی کے ساتھ کچھ دن مقیم خانقاہ رہ کر حال ہی میں واپس گئے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ دورانِ قیام میں جو سکون اور اطمینانِ قلب حضرت والا کی صحبت بابرکت سے حاصل ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے خاص کر اپنے نفس کے عیبوں پر بصیرت کے ساتھ اطلاع ہوئی خاص کر بدگمانی کا مرض مجھ میں شدید ہے۔ حضرت والا اس کا علاج تجویز فرمائیں - اھ

دیکھئے یہ صاحب پہلی ہی بار کی حاضری میں بفضلہ تعالیٰ اچھی طرح راہ پر لگ گئے اور جو اصل مقصود اس تعلق سے ہے یعنی اصلاح اعمال اس میں صحیح طریقہ پر مشغول ہو گئے اور حضرت والا نے بھی فوراً ہی باقاعدہ تعلیم شروع فرما دی ورنہ بہت سے طالبین تو اس مقصود میں اپنی بے اصولی اور بے راہی اور ناواقفی کی وجہ سے مہینوں کی خط و کتابت کے بعد بھی کامیاب نہیں ہو پاتے۔ یہ سب اسی دستور العمل کی برکات ہیں جو حضرت والا نے طالبان تعلق کے لئے مقرر فرما رکھا ہے جس کی نقل اس نمبر کے شروع میں بعنوان "دستور العمل طالبان تعلق مرکب از مراتب سبعہ" ہدیۂ ناظرین کی جا چکی ہے۔

اب طالب مذکور کے اس خط کا جس کی ابھی سطور بالا میں نقل پیش کی گئی ہے جو جواب باصواب حضرت والا نے ارقام فرمایا ہے وہ بھی بتتمیم فائدہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ بوجہ اس کے کہ وہ حضرت والا کے ابتدائی طریق تعلیم کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ بھی نئے طالبین کے لئے سبق آموز ہو گا۔

طالب مذکور نے جو بدگمانی کا علاج پوچھا تھا اس کے متعلق بہ محققانہ استفسارات فرمائے کہ وہ بدگمانی اختیار سے ہوتی ہے یا بلا اختیار اور صرف

بدگمانی ہوتی ہے یا اس کے موافق عمل بھی ہوتا ہے اور کیا ہوتا ہے مع ایک دو مثال کے لکھواہ

سُبحان اللہ حضرت والا کے استفسارات کیا ہوتے ہیں جن سے نہ صرف جزئیات بلکہ کلیات طریق بھی بادنیٰ تامل مستنبط کئے جا سکتے ہیں

۵۔ حضرت والا طالبین کا بالقصد مجتمع ہو کر آنا ناپسند فرماتے ہیں لیکن اگر اتفاق سے اجتماع ہو جائے تو اس کا مضائقہ نہیں۔ اس عدم اجتماع کی مصالح کے متعلق حسن العزیز جلد اول کا ملفوظ نمبر ۳۶ بلفظہٖ نقل کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے وہو ہذا۔

احقر کے چند احباب کا قصد حضرت کی خدمت میں بمقام تھانہ بھون حاضری کا ہوا حضرت اس زمانہ میں کانپور تشریف لائے ہوئے تھے حضرت نے فرمایا کہ اگر محض ملاقات کے لئے آئیں تو جس طرح چاہیں چلے آئیں لیکن اگر کچھ اور ارادہ ہو (یعنی اصلاح کا) تو مجموعی طور پر نہ آئیں بلکہ ہر شخص تنہا آئے ورنہ نفع نہ ہوگا کیوں کہ یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص کے ساتھ اس کے مناسب حال برتاؤ کرنا چاہئے اور اگر سب ایک ساتھ آئے تو سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا پڑے گا۔ اور اگر کسی کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنا مناسب ہوا تو اس کو اپنے ساتھیوں سے شرمندگی ہوگی۔ بس ہر شخص کا الگ الگ آنا ہی ٹھیک ہے یہ تو آخرت کا سفر ہے مُردے قبروں میں علیحدہ علیحدہ ہی جاتے ہیں۔ ایک صاحب نے عریضہ میں اپنے ہمراہ اپنے والد صاحب کو بھی لانے کا قصد ظاہر کیا تو تحریر فرمایا کہ آپ کے ساتھ تشریف لائے تو ان کو مخدوم بنا کر رکھنا پڑے گا جس

کے لئے میں تو بسر و چشم آمادہ ہوں لیکن اُن کو نفع نہ ہوگا۔ مذکورہ بالا مصالح کی بنا پر حضرت کسی کا کسی کے ساتھ آنا پسند نہیں فرماتے انتہیٰ بلفظہ

اسی کے متعلق ایک اور خاص واقعہ بھی یاد آیا۔

ایک طالب کو ایک بیجا حرکت پر ایک خلیفۂ مجاز کے سپرد فرما دیا گیا تھا جو مدت تک انہیں خلیفۂ مجاز کے ہمراہ سالانہ حاضر خدمت ہوتے رہے پھر ایک بار تنہا حاضر ہوئے تو رخصت کے وقت فرمایا کہ میں آپ کے اب کی بار کے آنے کا خاص اثر اپنے قلب میں پاتا ہوں کیوں کہ اس مرتبہ آپ تنہا آئے اس سے قبل چونکہ آپ دوسرے کے تابع ہو کر آتے تھے اس لئے مجھ کو کوئی خاص توجہ نہ ہوتی تھی۔ یہ خیال ہوتا تھا کہ یہ تو ان کے ہمراہی ہیں۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ چونکہ حضرت والا کی طبع مبارک فطرۃً نہایت حسّاس اور سلیم ہے اس لئے جو بات جس درجہ کی ہوتی ہے اس کا حضرت والا پر اسی درجہ کا اثر ہوتا ہے۔

اس پر ایک اور واقعہ یاد آیا۔ ایک صاحب نے ایک مریض کے لئے دعائے صحت کی درخواست کی۔ حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ تم اپنی طرف سے یہ درخواست کر رہے ہو یا مریض نے یہ درخواست کی ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ مریض نے درخواست کی ہے اس پر اظہار ناراضی فرمایا کہ پھر تم کو یہی کہنا چاہیئے تھا کہ مریض نے درخواست کی ہے۔ تم نے تو اس طرح کہا جیسے خود تم ہی اپنی طرف سے ان کے لئے دعا کرا رہے ہو۔ ان دونوں عنوانوں کے اثر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ خود مریض کی درخواست سے قلب پر زیادہ

اثر ہوتا ہے اور زیادہ توجہ کے ساتھ دعا نکلتی ہے۔ ایسی باتوں کا بہت خیال رکھنا چاہیئے تم کو جذبات کی اتنی بھی حس نہیں۔ اھ

۶۔ اصول متعلقہ بیعت میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت والا محض بیعت کے لئے سفر کی نہ اجازت مرحمت فرماتے ہیں نہ بوجہ غیر ضروری ہونے کے محض اس غرض کے لئے کسی کا آنا پسند فرماتے ہیں کیوں کہ بیعت بذریعۂ خط کے بھی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح محض دعا یا محض تعویذ کے لئے بھی کسی کا آنا پسند نہیں فرماتے کیوں کہ یہ غرض بھی بذریعۂ خط کے بہ آسانی اور صرف چند پیسوں کے خرچ میں حاصل ہو سکتی ہے بلکہ تعویذ تو قصداً ایسے لوگوں کو نہیں دیتے اور فرما دیتے ہیں کہ بذریعۂ خط کے گھر پہنچ کر منگوا لینا تاکہ اس کی عام شہرت ہو جائے اور یہ سلسلہ آگے کو نہ چلنے پائے۔ اور دوسرے لوگ اس غرض کے لئے ۔۔۔۔ سفر کر کے نہ آئیں اور بے ضرورت پریشانی اور خرچ سے بچ جائیں۔

۷۔ حضرت والا کے یہاں آنے والوں کے لئے کوئی لنگر خانہ نہیں ہے۔ بلکہ آنے والوں اور مقیمین خانقاہ کے لئے اُنکی درخواست پر بعض لوگ بطور خود بقیمت کھانے کا انتظام کر دیتے ہیں اس میں نہایت سکون اور جانبین کو بڑی آزادی اور راحت رہتی ہے ورنہ اگر لنگر خانہ ہوتا تو بڑی چپقلش رہتی اور بہت سے تو محض روٹیوں ہی کے لئے پڑے رہتے صادق اور غیر صادق طالبین کا امتیاز ہی مشکل ہو جاتا۔ چنانچہ ایک فہیم اہل علم طالب نے جب وہ تلاش پیر کے لئے نکلے تو منجملہ اور شرائط کے اپنے ذہن میں یہ بھی طے کر لیا تھا کہ ایسے پیر سے مرید

ہونگا جس کے یہاں لنگر خانہ نہ ہوگا کیونکہ لنگر خانہ ہونے کی صورت میں تو اگر طالبین کا ہجوم ہوا تو وہ قابلِ اعتبار ہی کیا ہوگا۔ روٹیوں کی بدولت ہوگا۔

حضرت والا اس کی یہ مصلحت بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ اگر میرے یہاں لنگر خانہ ہوتا تو میری ہر وقت اسی پر نظر ہوتی کہ آنے والے کچھ دیں اور اب تو بفضلہ تعالیٰ کبھی اس کا وسوسہ بھی نہیں ہوتا بلکہ جو شخص میرے قیود و حدود خاصہ کے خلاف ہدیہ دیتا ہے میں نہایت استغناء کے ساتھ واپس کر دیتا ہوں (حدود و قیود ہدیہ آگے اصول متفرقہ میں انشاء اللہ تعالیٰ ملاحظہ سے گزریں گے ۱۲ جامع)

اس کے متعلق حضرت والا سندھ کے ایک پیر صاحب کا واقعہ بھی نقل فرمایا کرتے ہیں کہ اسی لنگر خانہ کی بدولت وہ چھ ہزار کے مقروض ہو گئے تھے میرے پاس (یعنی حضرت والا کے پاس ۱۲ جامع) ایک صاحب کے نام سفارش نامہ لکھوانے آئے تھے کہ وہ چھ ہزار روپیہ قرض حسنہ دیدیں کہتے تھے کہ مرید آ آ کر روٹیاں تو کھا گئے اور بہت سے تو مہینوں پڑے رہے لیکن کچھ دیا نہیں۔ میں نے پوچھا کہ اب جو کسی سے قرض لینے کا قصد ہے تو قرض کہاں سے ادا کیجئے گا کہا مریدوں ہی سے وصول ہو گا اور میرے پاس کہاں سے آئے گا میں نے دل میں کہا کہ ماشاء اللہ اب بھی آپ کو مریدوں سے ہی توقع ہے۔ اگر وہ ایسے ہی دینے والے ہوتے تو قرض ہی کیوں ہوتا۔ غرض یہ خرابیاں ہیں لنگر خانہ کی۔ پھر لنگر خانہ کے انتظام کا جھگڑا کون اپنے سر لیتا میری طبیعت تو ایسی ہے کہ مجھے ہر وقت اسی کا شغل ہو جاتا اور ہر وقت

کا ایک روگ لگ جاتا کیونکہ اول تو میں کسی پر ادنیٰ بار بھی نہیں ڈالتا دوسرے میں انتظامات کو دوسروں کے سپرد کرکے مطمئن ہو جانے کو ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لئے کافی نہیں سمجھتا۔ چنانچہ میرے اس خیال اور معمول کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ سے بھی ہو گئی جو کسی کتاب میں میری نظر سے گزرا تھا۔ آپ نے ایک بار بعض خاص خاص حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا کہ چونکہ خلافت کے متعلق کام اب بہت بڑھ گئے ہیں اُن کا اکیلا کرنا مشکل ہے۔ اس لئے اگر میں صرف اہم اہم امور کی نگرانی تو اپنے ذمہ رکھوں اور بقیہ کو دوسرے معتمدین کے سپرد کر دوں تو کیا یہ سپردگی مجھ کو نگرانی سے بری الذمہ کرنے کے لئے کافی ہو جائے گی یا نہیں۔ اس پر سب نے بالاتفاق کہا کہ یہ کافی نہیں بلکہ کام سپرد کرنے کے بعد یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ آیا وہ کام اچھی طرح ہوا بھی یا نہیں۔ اھ

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ اس بارہ میں میرا بھی یہی فیصلہ ہے کہ جب تک کسی کام کو خود کر سکے اس وقت تک تو کرے اور جب اپنے قابو کا نہ رہے تو بجائے اس کے کہ دوسروں کے ذریعہ سے اس کو کرائے اس کو بالکل چھوڑ ہی دے کیونکہ میرا تجربہ ہے کہ محض دوسروں کے اعتماد پر کام چھوڑ دینے سے وہ کام اکثر مکمل نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک بار ایک بزرگ کے استغنار کا میں نے یہ حال سُنا کہ وہ خود روپیہ پیسہ کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے بلکہ نقد اور غیر نقد سب ہدایا محض ان کے سامنے رکھ دیئے جاتے ہیں پھر ان کو خدام فوراً اٹھا کر مناسب مواقع اور ضروریات میں صرف کر دیتے

ہیں اور وہ بزرگ خود سارے انتظامات سے بالکل الگ تھلگ اور یک سو رہتے ہیں چونکہ مجھ میں بھی فطرۃً بہت آزاد مزاجی ہے اس لئے مجھے ان کا یہ معمول بہت پسند آیا اور جی چاہا کہ میں بھی اسی طرح سب انتظامی امور سے علیحدگی اختیار کرلوں لیکن اللہ تعالیٰ نے فوراً میری اس طرح دستگیری فرمائی کہ اسی روز شام کے وقت اپنے ملازم کو گھر میں سے گیہوں دیئے گئے کہ جلال آباد جاکر مشین میں پسوا لائے وہ خلافِ معمول جلدی سے آٹا لے کر چلا آیا میں نے اظہار تعجب کیا کہ بڑی جلدی پس گئے اُس نے کہا کہ رات ہونے والی تھی اور مجھے دو ڈھائی میل چل کر واپس آنا تھا اس لئے مشین والوں نے میری رعایت سے مجھ کو پسا ہوا آٹا دے دیا اور اس کے بدلے میں پسائی کے پیسے اور گیہوں رکھ لئے میں نے کہا کہ یہ معاملہ تو ناجائز ہوا اگر یہ آٹا کھایا جائے گا تو سب کو سود کا گناہ ہوگا اس کو جاکر واپس کرو اور اپنے ہی گیہوں کا آٹا پسوا کر لاؤ۔ اس واقعہ سے مجھے فوراً تنبہ ہوا کہ انتظامات کو دوسروں کے سپرد کر دینے میں یہ خرابیاں ہیں۔ پھر میں نے دل میں کہا کہ بس جی وہی طرز ٹھیک ہے جو اپنے بزرگوں کا رہا ہے اس کو نہیں بدلنا چاہیئے اور جو معاملات اپنے متعلق ہیں ان میں خود بھی ضرور دخل دینا چاہیئے ۔ اھ

اس استطرادی مضمون کے بعد پھر لنگرخانہ کے مضمون کی طرف عود کرتا ہوں۔ گو حضرت والا کے یہاں لنگرخانہ تو نہیں ہے لیکن جن مہمانوں کو کھانا کھلانا ہی مناسب اور مصلحت ہوتا ہے وہاں نہایت فراخ دلی کے ساتھ کھانا کھلاتے ہیں اور ملازمین کو حکم ہے کہ ریل گاڑیوں کے آنے کے بعد آکر پوچھیں کہ

کوئی مہمان تو نہیں ہے۔ اکثر مہمانوں کو تو خانقاہ ہی میں کھانا بھیج دیا جاتا ہے اور بعض خاص مہمانوں کو دولت خانہ پر بلا کر اپنے ساتھ بھی کھانا کھلاتے ہیں لیکن اگر خود بھوک نہیں ہوتی تو خواہ مخواہ کا تکلف بھی نہیں فرماتے اُن کو کھانا کھلا دیتے ہیں اور خود عذر فرما دیتے ہیں اور بعض دفعہ کھانے میں تو شریک نہیں ہوتے لیکن کھانا کھانے کے وقت مہمانوں کے پاس بیٹھے رہتے ہیں۔ اگر مختلف مرتبہ کے مہمان ہوتے ہیں تو ملازم کو تاکید فرما دیتے ہیں کہ ہر ایک کو الگ الگ کھانا دیا جائے، تاکہ اگر کوئی مہمان کسی دوسرے مہمان کے ساتھ کھانا گوارا نہ کرے تو اس کو تنگی نہ ہو۔ پھر اگر وہ خود ہی ساتھ کھائیں تو ان کو اختیار ہے۔

حضرت والا ہر ایک مہمان کے ساتھ اس کے درجہ کے مطابق برتاؤ فرماتے ہیں۔ ایک بار حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ مہمان ہوئے تو ایک نکتہ چیں صاحب نے گن کر بتایا کہ بہتر برتنوں میں کھانا تھا حالانکہ چار پانچ کھانے والے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ اتنا تکلف کیوں کیا۔ حضرت والا نے عرض کیا کہ اس تکلف کے باعث تو خود حضرت ہی ہیں۔ اگر جلد جلد تشریف لادیں تو پھر ایسا نہ ہو چونکہ سالہا سال میں تو کبھی تشریف لانا ہوتا ہے اس لئے جی چاہتا ہی ہے کہ جو جو اچھی چیزیں ہو سکیں پیش کر دی جائیں ورنہ پھر موقع نہ ملے گا۔

اسی طرح ایک بہت بڑے درجہ کے نواب مہمان ہوئے تو اُن کے لئے بھی متعدد کھانے پکوائے گئے۔ ان کے عذر تکلیف دہی پر فرمایا کہ بفضلہ تعالیٰ کوئی چیز باہر سے نہیں منگوانی پڑی یہاں تک کہ گوشت بھی گھر ہی کے مرغ کا ہے یہ بھی فرمایا کہ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ میں آپ کو دکھاؤں کہ اللہ تعالیٰ

نے مجھ کو بفضلہ کھانے پینے کو کافی دے رکھا ہے تاکہ آپ کو مسرت بھی ہو اور میری طرف سے بے فکری بھی رہے کہ خدائے تعالیٰ نے سب سامان راحت کا عطا فرما رکھا ہے ۔ حاجتمند نہیں ۔ اھ

تعطیلات کے مواقع پر دیوبند اور سہارنپور کے مدارس سے بڑی بڑی تعداد میں طلبہ آتے ہیں ۔ اگر قرائن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کو کھانے کے لئے خرچ کی ضرورت ہے تو ہر ایک سے جدا جدا بذریعۂ ملازم پوچھوا لیا جاتا ہے جو ضرورت ظاہر کرتا ہے اس کی نقد سے اعانت فرما دی جاتی ہے اور وہ کئی کئی دن تک مہمان رہتے ہیں ۔

اسی طرح بعض دفعہ بہت بہت سے علماء کرام اور اراکین مدارس دینیہ بھی دینی امور کے مشورہ کے لئے تشریف لاتے ہیں اور حضرت والا کے مہمان رہتے ہیں

غرض مہمان داری کا کوئی معین ضابطہ نہیں ہے جس وقت جیسی ضرورت اور مصلحت دیکھی عمل فرمالیا ۔ چنانچہ ایک بار بہت سی مستورات کسی گاؤں سے بلا اطلاع اور بلا حصول اجازت مُرید ہونے کو چلی آئیں گھر میں کھانے کے انتظام کے لئے متفکر ہوئیں لیکن حضرت والا نے فرما دیا کہ کیوں فکر میں پڑیں جنس دیدو چولھا بتادو اور کہدو کہ آپ ہی پکائیں اور کھائیں ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ۔

غرض حضرت والا کے یہاں صرف بقدر ضرورت و مصلحت ہی مہمانداری ہوتی ہے ۔ حضرت والا ضرورت سے زیادہ جھگڑا اپنے سر نہیں لیتے بلکہ جو خاص مہمان ہوتے ہیں ان کی مہمانداری میں بھی اپنا معتدبہ حرج اوقات نہیں ہونے دیتے ۔ کچھ دیر خصوصیت کے ساتھ متوجہ رہ کر اور راحت و آرام کے سب ضروری انتظامات کر کے اور اجازت لے کر پھر اپنے کام میں مشغول ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ حضرت والا

کے استاد مکرم حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کی تشریف آوری پر بھی یہی عمل فرمایا اور سب ضروری انتظامات فرمانے کے بعد جب تصنیف کا وقت آیا تو نہایت ادب کے ساتھ تھوڑی دیر کے لئے تصنیف کا کام کرنے کی اجازت حاصل کر لی گو پھر جلدی ہی تشریف لے آئے کیونکہ کام میں بوجہ غایت تعلق خاطر دل ہی نہ لگا لیکن بالکل ناغہ اُس روز بھی نہ کیا۔

جب کسی خاص مہمان کی آمد ہوتی ہے تو معمول سے زیادہ تعب برداشت فرما کر پہلے ہی ضروری کاموں سے فارغ ہو لیتے ہیں تاکہ ان کی جانب متوجہ ہونے کے لئے کافی وقت مل سکے۔ بعض خاص مہمانوں سے بات چیت کرنے کے لئے جو ہر روز واپس جانے والے ہوتے ہیں اپنا قیلولہ بھی ناغہ فرما دیتے ہیں اور ڈاک کا کام بھی کچھ دیر کے لئے ملتوی فرما دیتے ہیں اور پھر اس کو خاص تعب برداشت فرما کر روانگی ڈاک سے قبل پورا فرما دیتے ہیں۔ جہاں کوئی خاص مقتضی ہوتا ہے یا مصلحت دیکھتے ہیں وہاں کم قیام کرنے والوں کو پاس بیٹھنے کا زیادہ سے زیادہ موقع عطا فرماتے ہیں اور اس کی کوشش فرماتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے ان کے مناسب حال دین کی باتیں ان کے کانوں میں پڑ جائیں۔ چنانچہ یہ ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کم قیام کرنے والے جمع ہو جاتے ہیں تو بہت زیادہ وقت افادات میں صرف فرماتے ہیں اور بہت جوش و خروش اور سرگرمی کے ساتھ نہایت عجیب و غریب اور نافع حقائق و معارف دیر دیر تک (یہاں تک کہ بعض اوقات کھانے کا وقت بھی بہت موخر ہو جاتا ہے) زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرماتے رہتے ہیں تاکہ آنے والوں کی تسلّی بھی ہو جائے اور اشاعت طریق بھی خوب ہو جائے جس کے حضرت والا بہت ہی حریص ہیں

بشرطیکہ سچے طالبین کا مجمع ہو اور یہ فن کا مسلّم مسئلہ ہے کہ شیخ کو اشاعت طریق کا حریص ہونا چاہئے۔ بحمداللہ تعالیٰ حضرت والا تو حالاً و قالاً تحریراً و تقریراً اشاعت طریق کے ایسے حریص ہیں کہ بس رات دن اسی کی دھن ہے اور یہی کام ہے

کم قیام کرنے والوں کی موجودگی میں علاوہ ظہر کے بعد کی عام مجلس کے صبح بھی ضروری کاموں سے فارغ ہونے کے بعد خاص مجلس منعقد فرماتے ہیں جس کی ایسے حضرات کو اطلاع کرا دی جاتی ہے اور اطلاع دینے کی سہولت کے لئے ان کو ہدایت فرما دی جاتی ہے کہ مجلس کے وقت کے قریب سب صاحب فلاں جگہ موجود رہا کریں تاکہ یکجائی اطلاع ہو سکے۔ اور فرداً فرداً ہر شخص کے پاس اطلاع کنندہ کو نہ جانا پڑے۔

غرض حضرت والا آنے والوں کی مصالح کی بیحد رعایت فرماتے ہیں لیکن اسی حد تک جس حد تک واقعی ضرورت ہوتی ہے اور اپنا معتدبہ حرج اور فانت بھی نہیں ہوتا۔

بعض بہت ہی خاص اعزاز و امتیاز و خصوصیت والے مہمانوں کی آمد کے وقت حضرت والا اپنی جگہ سے اٹھ کر معانقہ بھی فرماتے ہیں لیکن اکثر ایسے موقعوں پر حاضرین مجلس کو کھڑے ہونے سے یہ فرما کر روک دیتے ہیں کہ سب کی طرف سے میں ہی اٹھتا ہوں اور سب صاحب بیٹھے رہیں بالخصوص دنیوی اعزاز رکھنے والوں کے ملنے اٹھنے کے وقت تو اوروں کو اٹھنے سے یہی کہہ کر ضرور منع فرما دیتے ہیں۔ بعض خاص اہلِ تعلق کے لئے حضرت والا کا یہاں تک جی چاہتا ہے کہ اسٹیشن پر ان کے استقبال کے لئے پہنچیں لیکن محض اس خیال سے کہ ان کو سخت شرمندگی ہو گی اپنی اس خواہش

پر عمل نہیں فرماتے۔ اسی طرح چاہے جتنا عزیز مہمان ہو اور اس کے زیادہ قیام کو چاہے کتنا ہی دل چاہتا ہو لیکن قیام پر کبھی اصرار نہیں فرماتے بلکہ قصداً روانگی سنتے ہی فوراً فرما دیتے ہیں کہ جس میں راحت ہو وہی کیا جائے گو بعض بے تکلف موقعوں پر مزاحاً یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ یہ آنا کیا ہوا پانی بھی نہ ہوا۔ اگر ریل کے وقت کے قریب اُن سے تغافل بھی ہوتا ہے تو عام دستور کے خلاف حضرت والا خود اطلاع فرما دیتے ہیں کہ جانے کا وقت آگیا ہے تاکہ ریل کے نکل جانے سے اُن کو اُن کے عزم کے خلاف رکنا نہ پڑے اور افسوس نہ ہو۔

۸۔ اگر کوئی ایسا طالب جس کو آمد و رفت کی عام اجازت حاصل ہے کسی موقع پر احتیاطاً حاضری کی خاص اجازت حاصل کرتا ہے تو اس کو اس شرط پر اجازت مرحمت فرما دی جاتی ہے کہ کوئی حرج نہ ہو اور قرض نہ لینا پڑے اور کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

ایک خادمہ مسماۃ نے نہایت اشتیاق و آرزو کے ساتھ حاضری کی بذریعۂ عریضہ اجازت چاہی تو تحریر فرمایا کہ اگر کبھی تمہارے شوہر اپنی خوشی سے ہمراہ لے آئیں بشرطیکہ قرض نہ کرنا پڑے اور کوئی حرج بھی کسی قسم کا نہ ہو اور تم اُن پر تقاضا کر کے تنگ بھی نہ کرو اور پردہ میں اور نماز میں بھی سفر میں خلل نہ پڑے تو اجازت ہے۔ اھ

یہ جواب مکتوبات حسن العزیز جلد اول سے نقل کیا گیا ہے۔

غرض حضرت والا بدون ضروری قیود و شرائط کے حاضری کی اجازت نہیں مرحمت فرماتے۔

۹۔ حضرت والا تاکید فرمایا کرتے ہیں کہ آنے والوں کی کسی بے عنوانی پر

سوائے میرے حاضرین خانقاہ میں سے کوئی دوسرا روک ٹوک نہ کرے نہ ان کو بلا پوچھے کوئی مشورہ دے۔ فرمایا کرتے ہیں کہ روک ٹوک کے لئے کیا میں اکیلا کچھ کم ہوں۔ میں ہی بہت کچھ روکتا ٹوکتا رہتا ہوں۔ اگر دوسرے بھی روکیں ٹوکیں تو بیچارہ آنے والا پریشان ہی ہو جائے پھر ہر ایک کا روکنا ٹوکنا گوارا بھی تو نہیں ہوتا۔ کہ میرے ہی قصد سے یہاں آتے ہیں دوسروں کے روکنے ٹوکنے سے دل شکنی ہو گی جو مجھے ہرگز گوارا نہیں۔ پھر ہر شخص کو نصیحت کرنا آتا بھی نہیں۔ نیز اس میں بڑی خرابی یہ ہے کہ آنے والے دوسرے روکنے ٹوکنے والوں کو مقرب اور دخیل سمجھ کر ان سے مرعوب و مغلوب ہوں گے اور اپنی حاجات کا وسیلہ بنائیں گے اور اس طمع میں ہدایا وغیرہ سے ان کی خدمت بھی کریں گے جس سے فریقین کے لئے سینکڑوں مفاسد کا باب مفتوح ہو جائے گا اور اس میں خود میرے لئے بھی خرابی ہے کیوں کہ اپنے بہت سے معین اور مددگار دیکھ کر میرا بھی دماغ خراب ہو جائے گا۔ اب تو الحمدللہ میں کسی کو اپنا معاون اور مددگار نہیں سمجھتا اللہ کے سوا کسی پر میری نظر نہیں کہنے کی تو بات نہیں لیکن اس وقت ذکر آ ہی گیا تو کہتا ہوں کہ میں دنیا میں اپنے آپ کو بالکل اکیلا سمجھتا ہوں سوائے اللہ تعالیٰ کی اکیلی ذات کے کسی کو اپنا نہیں سمجھتا بس یہ سمجھتا ہوں کہ میں دنیا میں بالکل اکیلا ہوں اور ایک اکیلے شخص کے ساتھ ایک اکیلی ذات ہے اور کوئی نہیں۔ لوگوں کو تو اپنے خدام پر اور محبین پر نظر ہوتی ہے۔ میری کسی پر بھی نظر نہیں۔ میں کسی کو اپنا محب اور معین و مددگار نہیں سمجھتا۔ یہ بھی ایک وجہ ہے میری خشکی کی کہ میں کسی کو اپنا محب بنانا یا رکھنا نہیں چاہتا۔ ہر شخص سے آزادی کے ساتھ جو مناسب سمجھتا ہوں برتاؤ کرتا ہوں۔ الحمدللہ یہ کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوتا۔

کہ ایسا برتاؤ نہ کرو کہیں فلاں شخص ہمارا ساتھ نہ چھوڑ دے - اور یہ میں دعوے سے نہیں کہتا بلکہ یہ کہتے ہوئے ڈر بھی لگتا ہے کہ خدا جانے اس میں کتنی واقعیت ہے۔ اپنے نزدیک تو واقعیت کے خلاف نہیں کہہ رہا اگر کمی بیشی ہو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے جیسے مرنے کے وقت ہر شخص اکیلا ہی جائے گا میں مرنے سے پہلے ہی اپنے آپ کو بالکل اکیلا سمجھتا ہوں کسی کو اپنا ساتھی نہیں سمجھتا - اھ

اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ بنیٰ اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے میری اس وضع کو اپنے فضل و کرم سے نباہ رکھا ہے کیوں کہ وہ عین وقت پر غیب سے میری ہر حاجت پوری فرما دیتے ہیں اور ایسے طریق سے میری راحت کا سامان مہیا فرما دیتے ہیں جہاں سے گمان بھی نہیں ہوتا - اسی لئے میرا یہ طرز آزادی و استغنار کا نبھ بھی رہا ہے ورنہ اگر احتیاج ہوتی تو سارا استغنا دھرا رہ جاتا اور ساری آزادی رکھی رہ جاتی - اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ کس درجہ رفیع حالت ہے جس پر اس نااہل کا رائے زنی کرنا بھی آفتاب کو چراغ دکھانا ہے باوجود رات دن خدمتِ خلق اللہ میں مشغول و منہمک رہنے کے کیا انتہا ہے۔ شدتِ تعلق مع اللہ کی اور کیا ٹھکانا ہے غلبۂ فنار کا اور کیا حد ہے کمالِ عبدیت کی اور کیا شان ہے استغنار عن غیر اللہ کی ایسے ہی حضرات تو بے ہمہ و باہمہ اور جامع بین الاضداد اور مُوۡتُوۡا قَبۡلَ اَنۡ تَمُوۡتُوۡا کے مصداق ہوتے ہیں ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ۔

۱۰۔ اس نمبر میں آداب ملاقات آداب کلام آداب مجلس وغیرہ کے متعلق بعض ایسے امور بطور نمونہ عرض کئے جاتے ہیں جن کی رعایت رکھنا بوجہ ان کے فطری اور طبعی اور غیر محتاج الی التعلیم ہونے کے حضرت والا وار دین کے ذمہ سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے ان میں اخلال حضرت والا کو سخت موجب گرانی ہوتا ہے اور فرمایا کرتے ہیں کہ یہ تو ایسے عام اصول ہیں جن کا ہر شخص کو ہر شخص سے ملنے کے وقت لحاظ رکھنا ضروری ہے

ابتدائی ملاقات کے آداب

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی نئے شخص سے ملنے جائے تو اس کے اوقات ملاقات وغیرہ کے متعلق وہاں کے مقیمین سے ضروری باتیں دریافت کرنے کے بعد ملاقات کرے۔

دیگر

ابتدائی ملاقات کے لئے حضرت والا نے کوئی وقت مقرر نہیں فرما رکھا تاکہ آنے والوں کو انتظار نہ کرنا پڑے اصولاً پہنچنے کے بعد جلد ہی ملاقات کر لینی چاہئے ورنہ اجنبی شخص کو دیکھ کر حضرت والا تعارف کے منتظر رہتے ہیں ایک صاحب نے آکر ملاقات ہی نہ کی اور حضرت والا کو انہیں دیکھ دیکھ کر اُلجھن ہوتی رہی جب رخصت کے وقت انہوں نے مصافحہ کیا تو بہت اظہار ناراضی فرمایا اور آئندہ آنے کی اور خط و کتابت کی بالکل ممانعت فرما دی انہوں نے واسطہ کے ذریعہ سے

معافی طلب کی تو اس شرط پر آنے کی اجازت دینے کا وعدہ فرمایا کہ اپنی اصلاح کا تعلق کسی خلیفہ مجاز سے رکھا جائے اور فرمایا کہ جب ایسی موٹی موٹی باتوں میں غلطیاں کی جاتی ہیں۔ تو کیوں کر باہم مناسبت ہو سکتی ہے غرض آنے والوں کو پہنچنے کے بعد جلدی ہی ملاقات کر لینی چاہیے لیکن سلام و مصافحہ کے وقت اس کا لحاظ کر لینا چاہیئے کہ حضرت والا باتوں میں مشغول نہ ہوں اور ہاتھ بھی مصافحہ کے لئے خالی ہوں آرام نہ فرما رہے ہوں وغیرہ وغیرہ غرض موقع و محل دیکھ کر ملنا بہر حال ضروری ہے اگر مشغول دیکھیں تو بیٹھ جانا چاہیئے انتظار میں کھڑا نہ رہنا چاہیئے کیونکہ یہ تقاضے کی صورت ہے جس سے قلب پہ بار ہوتا ہے۔

دیگر

سلام و مصافحہ کے بعد فوراً اپنا پورا تعارف کرا دیا جائے اور اگر قبل حاضری حضرت والا سے خط و کتابت ہو چکی ہو تو سب سے اخیر کا خط بھی پیش کر دیا جائے گفتگو بیٹھ کر کی جائے اور صاف اور اتنی آواز سے کہ بہ آسانی سنائی دے سکے بات پوری کہی جائے ادھوری بات کہہ کر اس کے متوقع نہ رہیں کہ جب حضرت والا مزید سوال کریں گے تب پوری بات کہیں گے گو ابتدا میں حضرت والا خود ہی سوال فرماتے ہیں کہ جو کچھ کہنا ہو وہ کہہ لیجئے تاکہ اجنبی آنے والے کی طبیعت کھل جائے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جب اپنا حال کہنے بیٹھیں تب بھی بار بار حضرت والا ہی کی طرف سے سوالات کے متوقع رہیں سوال کا فوراً جواب دیں منتظر رکھنے میں سخت ایذا ہوتی ہے اگر اس وقت کوئی جواب سمجھ میں نہ آئے تو یہی کہہ دیں کہ پھر سوچ کر جواب دوں گا۔ اکثر نو واردین باوجود بار بار مطالبہ جواب

کے کچھ جواب ہی نہیں دیتے سکوت محض کئے بیٹھے رہتے ہیں جس پر حضرت والا یہ
فرما کر اٹھا دیتے ہیں کہ جب میرے سوالات کا جواب ہی نہیں دیا جاتا تو پھر یہاں
بیٹھنے ہی سے کیا فائدہ بلکہ بعض اوقات ایسے شخص کو جس سے زیادہ اذیت پہنچتی ہے۔
مجلس میں بھی نہیں بیٹھنے دیتے کیوں کہ ایسے شخص کے پاس بیٹھنے سے بھی اذیت
ہوتی ہے بعض لوگ مجلس سے اُٹھائے جانے کے بعد دیوار کی آڑ میں کھڑے ہو
جاتے ہیں اس کی بھی اجازت نہیں دیتے کیونکہ یہ تو مجلس ہی میں بیٹھنا ہوا بلکہ یہ
تو ایک طرح سے دھوکہ دینا ہے اور تجسُّس کی صورت ہے جو کہ منہی عنہ ہے۔

دیگر

یہ بات بھی خاص طور سے خیال رکھنے کے قابل ہے کہ اگر کوئی غلطی ہو جائے
تو بلا تاویل اور بلا تامل اس کا اقرار کر لینا چاہئے اور اگر اس کا سبب دریافت
فرمایا جائے جیسا کہ حضرت والا کا اکثر معمول ہے تو جو اصل سبب ہو اس کو ظاہر
کر دیا جائے اور سبب اس لئے دریافت فرمایا جاتا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے
کہ آیا اپنی غلطی کی حقیقت بھی سمجھی ہے یا نہیں اگر کوئی اصل سبب نہیں ظاہر کرتا
تو اس سے برابر استفسارات فرماتے رہتے ہیں اور جو عذرات غیر واقعیہ مثلاً
ناواقفی حماقت کم فہمی وغیرہ وہ پیش کرتا رہتا ہے ان کو بدلائل رد فرماتے رہتے
ہیں اور وہ دلائل ایسے صاف اور معقول ہوتے ہیں کہ ان کو ماننا ہی پڑتا ہے
اور چونکہ اکثر غلطیاں موٹی ہی موٹی ہوتی ہیں لہذا بے فکری ہی کے سبب
سے ہوتی ہیں اور بے فکری قلتِ ادب و عظمت کے سبب سے ہوتی ہے
جس کی اکثر حضرت والا شکایت فرمایا کرتے ہیں اور حاکموں کی مثال دیا کرتے ہیں کہ

یہاں یہ لوگ کیوں ایسی غلطیاں نہیں کرتے وجہ یہی ہے کہ دنیا کی طلب اور عظمت قلب میں ہے دین کی نہیں۔

دیگر

اگر کوئی خط یا پرچہ پیش کرنا ہو تو سامنے رکھ دیں اور کہہ بھی دیں کہ یہ پرچہ ملاحظہ ہو اس کو ہاتھ میں نہ لئے رہیں کیوں کہ اس میں تقاضا ہے کہ اگر ہاتھ کسی کام میں گھرے بھی ہوں تب بھی فوراً ہاتھوں کو خالی کر کے لو۔

دیگر

اگر پرچہ بھی پیش کرنا ہو اور مصافحہ بھی کرنا ہو پہلے مصافحہ کر لیں پھر پرچہ جیب سے نکال کر پیش کریں بعضوں نے پرچہ لئے ہوئے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے تو حضرت والا کو سخت اذیت ہوئی کیوں کہ حضرت والا یہی نہ سمجھ سکے کہ آیا پرچہ پیش کرنا مقصود ہے یا مصافحہ کرنا اسی طرح بعض نے پہلے تو پرچہ جیب سے نکالا اور جب حضرت والا پرچہ لینے کے لئے آمادہ ہوئے تو انہوں نے جھٹ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دئے اس سے بھی سخت اذیت ہوئی۔

دیگر

آنے کی جو غرض ہو اس کو صاف صاف بیان کر دیا جائے اور اگر کسی اور سفر کے ضمن میں حضرت والا کی خدمت میں حاضری ہوئی ہو تو اس کو بھی ظاہر کر دیا جائے بعض لوگ دور دراز سے آنا ظاہر کرتے ہیں اور بہت ہی مختصر قیام کا ارادہ بتاتے ہیں تو حضرت والا کو کھٹک پیدا ہو جاتی ہے پھر استفسارات کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کسی قریب کے مقام تک تو آنا کسی اور کام سے ہوا تھا

اور اس مقام سے جی چاہا کہ حضرت والا کی زیارت بھی کر آئیں ایسے مواقع پر حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میرے اوپر صرف اتنے ہی سفر کا احسان رکھا جائے جتنا میرے لئے ہوا ہے نہ کہ اتنے لمبے سفر کا اور وہ بھی اتنے مختصر قیام کے لئے۔ غرض حضرت والا کو اس وقت تک قناعت نہیں ہوتی جب تک کوئی اپنا پورا تعارف نہیں کرا دیتا اور اپنا اصل مقصود صاف صاف نہیں ظاہر کر دیتا تاکہ اسی کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے بعض بظاہر ذی وجاہت آنے والوں نے باوجود استفسارات اپنا پورا تعارف نہیں کرایا تو صاف فرما دیا کہ میری کوئی غرض نہیں ہے آپ ہی کی مصلحت سے تعارف حاصل کرنا چاہتا ہوں اگر آپ تعارف نہیں کرانے آپکو اختیار ہے۔ لیکن اس صورت میں اگر میری طرف سے بھی محض ضابطہ کا برتاؤ ہو تو مجھکو بھی معذور سمجھا * بھی یہی کیا کہ باوجود حضرت والا کے استفسارات کے اپنا کافی تعارف نہیں کرایا جس پر حضرت والا نے یہی فرما دیا جو ابھی مذکور ہوا اور گو حضرت والا کو بعد میں اوروں کے ذریعہ سے ان کا تعارف ہو گیا لیکن ان کے ساتھ پھر بھی خصوصیت کا برتاؤ نہیں فرمایا نہ مجلس میں ممتاز جگہ بیٹھنے کے لئے فرمایا جیسا کہ ایسے حضرات کے لئے حضرت والا کا معمول ہے جب تقریباً ہفتہ عشرہ قیام کرنے کے بعد انہوں نے خود ہی بذریعہ تحریر اپنا پورا تعارف کرایا تب بعد اظہار شکایت ان کے ساتھ خصوصیت کا برتاؤ شروع فرما دیا اور مجلس میں بھی ممتاز جگہ بٹھانے لگے۔

غرض حضرت والا کی یہ ایک خاص امتیازی صفت ہے کہ ہر شے کو اپنی حد پر رکھتے ہیں اور جس حالت اور جس وقت کا جیسا مقتضا ہوتا ہے اس کے مطابق عمل فرماتے ہیں طبیعت کو مصلحت اور عقل پر غالب نہیں ہونے دیتے۔

* حاشیہ: [illegible] اہل علم [illegible] *

دیگر

جن کو حضرت والا کی طرف سے کھانے کے لئے کہہ دیا گیا ہو اُن کو کھانے کے وقت خانقاہ ہی میں رہنا چاہیئے تاکہ تلاش کرنے میں دقت نہ ہو۔

دیگر

حضرت والا کو واردین و مقیمین خانقاہ کا آپس میں تعلقات پیدا کرنا ہرگز پسند نہیں بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ بس خانقاہ کا یہ رنگ ہوے

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

چنانچہ بفضلہ تعالیٰ و بتوجہات حضرت والا ماشاء اللہ یہی رنگ ہے البتہ جن میں پہلے ہی سے تعلقات قائم ہیں ان کو آپس میں بقدر ضرورت ملنے جلنے کی ممانعت نہیں لیکن کثرت سے ملنا جلنا اور فضول باتیں کرنا اور وقت ضائع کرنا ان کے لئے بھی پسند نہیں فرماتے چنانچہ ایک بار فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ یہاں ہر شخص اپنے اپنے کام میں لگا رہے بلکہ یہ جی چاہتا ہے کہ بلا ضرورت کوئی کسی سے بات بھی نہ کرے ۱۰ھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے رسالہ الامر المحکم المربوط فیما یلزم اھل طریق اللہ من الشروط کو اسی شرط پر ختم فرمایا ہے کہ لایترک الشیخ المریدین یجتمعون اصلا دونہ الا اذا جمعھم بحضرتہ ومتی ترکھم یجتمعون دونہ فقد اساء فی حقھم یعنی شیخ کو چاہیئے کہ مریدین کو آپس میں بھی اپنی مجلس کے علاوہ جمع نہ

ہونے دے اور جو شیخ اس میں مسامحت کرے وہ مریدین کے حق میں بُرا کرتا ہے ۔ اھ

نئے آنے والوں سے بالخصوص اُمراء سے میل جُول پیدا کرنے کی مقیمین خانقاہ کو خاص طور سے ممانعت ہے بلکہ بعض کو اس پر زجر و توبیخ بھی فرمائی گئی اور بعض کو خطاب عام کے پیرایہ میں متوجہ کیا گیا چونکہ حضرت والا خود نہایت استغناء کے ساتھ رہتے ہیں اس لئے چاہتے ہیں کہ میرے اہلِ تعلق بھی نہایت استغناء کے ساتھ رہیں۔ لیکن خشونت اور بد اخلاقی کی اجازت نہیں ۔ مقیمین خانقاہ کا خواہ مخواہ بطور معمول کے آپس میں مل کر کھانا کھانا یا بلا اخذ اجازت ایک دوسرے کی دعوت کرنا بھی خلاف قواعد خانقاہ ہے ۔ اور اہل قصبہ سے تعلقات پیدا کرنے کی تو سخت ممانعت ہے یہاں تک کہ اسی بنا پر ایک مقیم خانقاہ کو جو مثل بعض دیگر حضرات کے اپنے وطن کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلے آئے تھے خانقاہ سے باہر جانے کی بالکل ہی ممانعت فرما دی گئی تھی ۔ اور انہوں نے بھی اس کو ایسا نباہا کہ پھر وہ سالہا سال خانقاہ سے کبھی باہر نکلے ہی نہیں یہاں تک کہ اب بفضلہ تعالےٰ ان کو مدینہ طیّبہ ہجرت کر جانے کا موقع مل گیا اور وہیں مقیم ہیں ۔

خدمت کے آداب

حضرت والا کسی سے اس وقت تک خدمت لینا گوارا نہیں فرماتے جب تک اس سے بالکل دل نہ کھل جائے بلکہ جن سے دل کھلا ہوا ہے ان سے بھی بطور خود شاذ و نادر ہی اور کسی بہت ہی خفیف کام کی فرمایش کرتے ہیں ۔ البتہ اگر وہ

خود سبقت کرتے ہیں تو منع نہیں فرماتے لیکن مسلط ہو جانا ان کا بھی گوارا نہیں کبھی کبھار کا مضائقہ نہیں حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بعض کام خود ہی کرنے سے اچھا ہوتا ہے اور یہ بھی شکایت فرمایا کرتے ہیں کہ بعضوں کی خدمت تو خدمت کیا زحمت ہوتی ہے کیونکہ ان کو خدمت کرنے کا سلیقہ ہی نہیں ہوتا مثلاً بعضوں نے استنجے کے لئے ایسا پانی دیدیا جو بہت تیز گرم تھا جس کی اس وقت خبر ہوئی جب پانی ڈالنا شروع کر دیا گیا پھر چونکہ بدن تر ہو چکا تھا اس لئے باہر نکل کر پانی کو معتدل بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ غرض بڑی مشکل سے پھونک پھونک کر اسی پانی سے استنجا کرنا پڑا جس سے سخت تکلیف ہوئی اسی طرح بعضے وضو کے لئے زیادہ گرم یا بہت کم گرم پانی دیدیتے ہیں اسی لئے میں دو لوٹوں میں جدا جدا گرم اور ٹھنڈا پانی منگواتا ہوں تاکہ خود اپنے مزاج کے مطابق اس کو کر لوں اور گرم پانی کا لوٹا پورا بھرا ہوا منگواتا ہوں اور ٹھنڈے کا آدھا بھرا ہوا۔ تاکہ اس کو اپنی مرضی کے موافق کرنے میں سہولت رہے۔ بعضے لوگ سہ دری کا پنکھا جھلنے لگتے ہیں حالانکہ ان کو جھلنے کا سلیقہ نہیں ہوتا چنانچہ اگر کوئی کھڑا ہو کر جانے لگتا ہے تو یہ حضرت جھلنا موقوف ہی نہیں کرتے اور اس بیچارہ کے سر میں زور سے چوٹ لگتی ہے۔ جن کو میں نے پنکھا جھلنے کی اجازت دے رکھی ہے ان کو یہ بھی بتلا رکھا ہے کہ جب کوئی کھڑا ہونے لگے تو فوراً رسی کو ہاتھ سے بالکل ہی چھوڑ دے تاکہ کوئی احتمال ہی چوٹ لگنے کا نہ رہے ورنہ اگر رسی کو تانے رہا تو اول تو یہ احتمال ہے کہ رسی ہاتھ سے چھوٹ جائے اور پنکھا سر میں جا لگے دوسرے یہ احتمال تو اکثر واقع ہوتا ہے کہ جانے والے کو اس کا ٹھیک انداز نہیں ہوتا کہ جھلنے والا پنکھے کو کتنا کھینچے گا اور کتنی دیر تک کھینچے رہے گا اس لئے اس کو چوٹ لگ جانے

کا اندیشہ ہی لگا رہتا ہے اور بعض وقت چوٹ لگ بھی جاتی ہے اور کھینچے رہنے میں ایک صورت تقاضے کی بھی ہوتی ہے کہ جلدی سے نکلو ہم تمہارے جانے کے منتظر ہیں اور رسی بالکل چھوڑ دینے کی صورت میں جانے والا اطمینان اور آزادی سے پنکھے کو بچا کر نکل سکتا ہے اس میں کوئی احتمال ہی چوٹ لگنے کا نہیں غرض اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں کہاں تک بیان کی جائیں۔ پھر ہر شخص کی طبیعت اور مزاج اور عادت بھی جدا ہے واقفکار ہی سمجھ سکتا ہے کہ کس طریق سے خدمت کرنے میں راحت پہنچے گی اور ہر شخص پر یہ اطمینان بھی نہیں کہ بہ خلوص ہی سے خدمت کرے گا کیوں کہ بعد کو اغراض نکلتی ہیں اور بعض سے خدمت لینا طبعاً گراں ہے مثلاً اہل علم سے سیّد سے اور بوڑھوں سے خدمت لیتے ہوئے مجھ کو بہت گرانی ہوتی ہے۔ اھ

دیگر

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ سب اپنے اپنے کام میں لگے رہیں خواہ مخواہ میری خدمت کے لئے مجھ پر مسلّط نہ ہوں تاکہ وہ بھی آزاد رہیں اور میں بھی آزاد رہوں کیونکہ آزادی بڑی دولت ہے خلاصہ میرے مذاق کا حریت ہے کہ چاہے اہانت ہو چاہے تعظیم جس سے آزادی میں فرق آئے اپنی یا دوسرے کی اس سے مجھ کو اذیت ہوتی ہے اور ہر مسلمان کا یہی مذاق ہونا چاہئے کہ غیر اللہ سے بالکل آزاد رہے کیوں کہ خدائے تعالےٰ کی عبدیت مخلوق کی عبدیت کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتی ہے۔ اھ

حضرت والا لوگوں سے خدمت نہ لینے کی یہ مصلحت بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ کسی پر لوگوں کو مقرب اور مخصوص ہونے کا گمان نہ ہو۔ جس میں خود اس کے لئے

بھی اور دوسروں کے لئے بھی بڑی بڑی خرابیاں ہیں اور ایک یہ بھی خرابی ہے کہ بعض احوال میں ایسا شخص خدمت کر کے بس یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں نے حق ادا کر دیا اور اپنے کام میں مشغول نہیں ہوتا۔ اھ

دیگر

اس جگہ حسن العزیز جلد اول سے بھی ملفوظ نمبر ۹۹ کا وہ حصہ جو اس مقام کے مناسب ہے نقل کیا جاتا ہے وھو ہذا۔ ایک دیہاتی نے بعد عشاء جب حضرت گھر تشریف لے جانے لگے۔ حضرت کا جوتا اٹھا کر پہننے کے واسطے آگے بڑھ کر رکھدیا۔ حضرت کے استعمال میں دو جوڑے رہتے ہیں ایک مضبوط جوتا جو صبح کے وقت جنگل جانے کے لئے پہنا جاتا ہے اور ایک معمولی جوتا گھر کے استعمال کے لئے ان صاحب نے وہ جوتہ رکھ دیا جس کو شب کے وقت گھر جاتے ہوئے پہننا حضرت کا معمول نہ تھا۔ اس وجہ سے حضرت کو دوبارہ خود تکلیف کرنی پڑی اور خلجان ہوا وہ جدا۔ حضرت نے فرمایا کہ ارے بھائی جس شخص کو کسی کے معمولات کی خبر نہ ہو اس کو خدمت نہیں کرنا چاہئے۔ اب دیکھو تمہاری خدمت سے کس قدر زحمت ہوئی بھلا ایسی خدمت سے کیا فائدہ نکلا۔ اسی لئے مجھے اپنے کام خود ہی کرنے میں راحت رہتی ہے کیونکہ جو شخص معمولات سے باخبر نہ ہو وہ خدمت کس طرح کر سکتا ہے۔ اسی شخص نے شب گزشتہ بھی جوتا لاکر رکھا تھا۔ اس وقت چلتے ہوئے صرف یہ بات فرمائی تھی کہ اوہو آپ نے بڑا بھاری کام کیا دس بیس کوس سے اتنا بھاری اسباب لاد کر لے آئے ارے میاں یہ بھی بھلا کوئی خدمت ہوئی کوئی ایسا کام کیا ہوتا جس سے کچھ آرام تو پہنچتا جوتا کیا میں خود نہیں لا سکتا تھا

دوسری شب کو پھر وہی کام کیا اور ایسے بے ڈھنگے پن سے جیسا اوپر مذکور ہوا۔
سن کر پھر یہی فرماتے رہے کہ قلوب میں رسوم کچھ ایسی غالب ہو گئی ہیں کہ چھوٹتی
نہیں۔ بس انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ سب لوگ جوتے اُٹھا اٹھا کر رکھتے ہیں لاؤ
ہم بھی یہی کریں محض رسم پرستی رہ گئی ہے۔ مجھے شرم بھی آتی ہے کہ ایک شخص محبّت
سے خدمت کرتا ہے اُسے کیا منع کروں لیکن کیا کروں میرا سخت حرج ہو جاتا ہے۔
اور مجھے اپنا ایک منٹ بھی ضائع ہونا سخت گراں گزرتا ہے۔ ہاں جسے سوائے
مخدومیت کے اور کچھ نہ کرنا ہو وہ چاہے اسی قصہ میں رہے اب دیکھئے میں کتاب
گھر لے جا رہا ہوں۔ رات کو بھی لکھوں گا۔ ان کی خدمت سے اتنی پریشانی فضول ہوئی
اور جھک جھک میں وقت ضائع ہوا وہ الگ اب آج ان کو سمجھایا یہ رخصت ہو
جائیں گے کل کو دوسرے نئے صاحب تشریف لائیں گے اب میں بس اسی قصہ
کا ہو لیا کہ روز یہی سبق پڑھایا کروں اور بعض بات عمل میں تو معمولی ہوتی ہے لیکن
اس کو دوسرے کو سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جوتا رکھنے کی حرکت اس احقر نے بھی
کی تھی۔ فرمایا کہ بس جناب آپ پابندی نہ کیجئے نہ میں اوروں کو مقید کرنا چاہتا
ہوں نہ خود مقید ہونا چاہتا ہوں اللہ کے فضل سے بہت سے خدمت کرنے والے
ہیں۔ آپ کی ضرورت نہیں۔ آپ جس کام کے لئے آئے ہیں اسی میں لگے رہئے
مجھے راحت اسی سے ہوتی ہے بلکہ خدمت سے اُلٹی کلفت ہوتی ہے۔ اھ

ان ارشادات کی بنا پر ایسے لوگوں کیلئے بھی جن سے دل کھلا ہوا ہے اسلم یہی ہے کہ قبل کسی خدمت کیلئے
سبقت کرنے کے حضرت والا سے اجازت لے لیں جیسا کہ خود بھی فرمایا کرتے ہیں اور جن سے دل کھلا ہوا نہ
ہو وہ تو کسی خدمت کا ارادہ ہی نہ کریں بلکہ اجازت بھی نہ لیں کیونکہ ایسوں کی خدمت سے سخت اذیت اور ناگواری ہوتی ہے۔

اور تاکید کے ساتھ روک دیتے ہیں۔ اور اگر کبھی مروت میں آ کر اجازت بھی عطا فرما دیتے ہیں تو جب بعد کو تکلیفیں پہنچتی ہیں اس وقت ممانعت کرنی پڑتی ہے۔ اھ

جس وقت حضرت والا کسی خدمت سے روک دیں فوراً رک جانا چاہئے ورنہ اصرار سے سخت ایذا ہوتی ہے اور اصرار ادب کے بھی خلاف ہے۔ بعض نے جوتا لینے پر اصرار کیا تو فرمایا کہ اچھا لے لیجئے لیکن میں انہیں پہنوں ہی گا نہیں۔ ننگے پاؤں گھر جاؤں گا جب یہاں تک ارشاد فرمانے کی نوبت پہنچی تب وہ حضرت باز آئے اور ایک اسی بات کی کیا تخصیص ہے جس وقت جس بات کے لئے ارشاد فرمایا جائے فوراً تعمیل کرنی چاہئے بار بار کہنے کا منتظر نہ رہنا چاہئے کیوں کہ حضرت والا کوئی بات محض تکلف سے نہیں فرماتے اور جو کچھ فرماتے ہیں خوب سوچ سمجھ کر فرماتے ہیں اور قطعی بات فرماتے ہیں جس میں تغیر و تبدل کی گنجائش ہی نہیں ہوتی لہذا اصرار بالکل عبث بلکہ مضر اور جانبین کے لئے موجب تکدیر و تکدر ہوتا ہے۔ لوگ عام عادت کے موافق تعمیل ارشاد بلا بار بار کہے اس امید میں نہیں کرتے کہ شاید رائے ڈھیلی ہو جائے پھر جب لتاڑ پڑتی ہے تب مانتے ہیں یہ بہت ایذا دہ خصلت ہے۔

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے اپنی ضروریات اتنی مختصر کر رکھی ہیں کہ ان کو میں خود ہی پورا کر لیتا ہوں کسی دوسرے کا محتاج نہیں چنانچہ آج کل فلاں فلاں سے میں نے کام لینا چھوڑ دیا ہے کیوں کہ اُن سے ہمیشہ تکلیف پہنچتی تھی گو پہلے ان سے بہت کام متعلق تھے اور ایک تو تنخواہ دار ملازم ہی ہے لیکن الحمد للہ مجھے کوئی تنگی پیش نہیں آئی حالانکہ کئی ماہ ہو گئے اُن سے کسی قسم کا کام نہیں لیا گیا یہ

اسی کی برکت ہے کہ بوجہ آزادمزاجی کے میری ضروریات ہی بفضلہ تعالیٰ بہت کم ہیں جن
کو میں خود ہی پورا کر لیتا ہوں اھ

کسی کی طرف دیکھنے کے آداب

اکثر نو واردین حضرت والا کی نشست و برخاست کو اس طرح تکا کرتے ہیں کہ
حضرت والا کو بھی اس کا علم ہو جاتا ہے جو نہایت نازیبا حرکت ہے کیوں کہ اس سے
دوسرے کی آزادی میں فرق آجاتا ہے اور قلب پہ بڑا بار ہوتا ہے ایسے موقعوں پر
حضرت والا اکثر اظہار ناراضی میں یہ فرمایا کرتے ہیں کہ کیا کوئی تماشا ہو رہا ہے جو
اس طرح مجھے تک رہے ہو۔

اگر دیکھنے ہی کا شوق ہو تو اس طرح کہ حضرت والا کو یہ محسوس نہ ہو کہ فلاں شخص
مجھ کو مسلسل تک رہا ہے یا اہتمام کے ساتھ دیکھ رہا ہے۔

دیگر

اسی طرح بعضے لوگ جو پہلے سے صف میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں حضرت والا
کے مسجد میں آنے کے وقت اس غرض سے کہ مصلیٰ پر جانے کے لئے جگہ دیدیں
یا تو منہ موڑ موڑ کر حضرت والا کو دیکھنے لگتے ہیں یا کھڑے ہو جاتے ہیں یا ہٹنے
لگتے ہیں اس سے بھی حضرت والا کو سخت اذیت و گرانی ہوتی ہے۔ فرمایا
کرتے ہیں کہ میرے آنے کی وجہ سے کوئی تغیر نہ ہونا چاہئے جو جس طرح بیٹھا ہے
بیٹھا رہا کرے یہ مجھے سخت گراں گزرتا ہے کہ میرے آتے ہی ایک ہل چل پیدا
ہو جائے۔ میرے لئے جگہ دینے کا کوئی اہتمام نہ ہونا چاہئے۔ میں خود جدھر سے

چاہوں گا آزادی کے ساتھ مصلے پر چلا جاؤں گا اگر جگہ نہ ہوگی کندھے پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کر دوں گا اس وقت اپنے بدن کو قدرے جھکا کر تھوڑی سی جگہ نکلنے کے لئے ویدی جایا کرے اور یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ یہ تو ان کو تکلیف سے بچانا ہوا اور ایک تکلیف اس میں خود مجھ کو بھی ہوتی ہے کہ بعض اوقات میں کسی طرف جگہ دیکھ کر اس طرف سے نکلنا چاہتا ہوں اور بیٹھنے والا اسی طرف جھک کر دوسری طرف سے جگہ دینے لگتا ہے تو مجھ کو اپنا ارادہ بدلنا پڑتا ہے اور اس ارادہ بدلنے کے بعد بھی بعض اوقات کامیابی نہیں ہوتی کیوں کہ وہ جگہ بھی اسی طرح گھر جاتی ہے - غرض سخت خلجان ہوتا ہے نکلنے کے موقع کو بس میری ہی رائے پر چھوڑ دیا جائے جس طرف سے میں مناسب سمجھوں گا آپ چلا جاؤں گا میں چاہتا ہوں کہ نہ مجھ کو تکلیف ہو نہ میری وجہ سے کسی دوسرے کو تکلیف ہو نہ میرے ساتھ کوئی ایسا معاملہ کیا جائے جس سے میری شان ظاہر ہو کیوں کہ مجھے اس سے بھی تکلیف ہوتی ہے - اسی طرح جب میں مسجد میں نماز پڑھانے کے لئے آتا ہوں تو بعضے لوگ خواہ مخواہ میرے پیچھے پیچھے ہو لیتے ہیں اس سے بھی مجھے سخت اذیت ہوتی ہے اول تو شبہہ سا ہوتا ہے کہ گویا میرے ہی منتظر بیٹھے تھے اور مسجد میں کسی کا ایسا انتظار کرنا محض لغو حرکت ہے دوسرے اس صورت میں میں مقید بھی ہو جاتا ہوں کیوں کہ اگر کسی ضرورت سے لوٹنا ہو تو یہ خیال کر کے کہ پیچھے پیچھے لوگ آرہے ہیں لوٹنے کو طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ ان کو ہٹنا پڑے گا اور تکلیف ہوگی - نیز مسجد میں اس حالت سے جانا کہ لوگ پیچھے پیچھے جا رہے ہیں بُرا معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ ایک شان اور نمود کی سی صورت ہے - پھر بعضے اس سے یہ ناجائز فائدہ بھی

اٹھاتے ہیں کہ میرے پیچھے پیچھے آ کر صف میں اس جگہ کھڑے رہ جاتے ہیں جو اکثر باوجود میری ممانعت کے میرے نکلنے کے لئے چھوڑ دی جاتی ہے حالانکہ ان کو وہاں بوجہ اس کے کہ بعد کو آئے کھڑے ہونے کا کوئی استحقاق نہیں ہوتا اور چونکہ وہ جگہ بہت تنگ ہوتی ہے اس لئے جو وہاں پہلے سے موجود ہوتے ہیں ان کو تنگی ہوتی ہے۔

اور بعضے مسجد کے اندر عین اس وقت جب میں نماز پڑھانے کے لئے جاتا ہوا ہوتا ہوں مصافحہ کرنے لگتے ہیں جس سے میں مجبوس ہو جاتا ہوں اور بعض دفعہ وقت بھی تنگ ہوتا ہے جس کی وجہ سے میں تو ادھر جانا چاہتا ہوں جلدی اور ادھر ان کو ایسے وقت سوجھتی ہے مصافحہ کی جس سے قلب میں سخت تنگی واقع ہوتی ہے اور بعضے نماز ہو چکنے کے بعد جب میں کچھ وظیفہ پڑھنے لگتا ہوں محض میرے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں جس سے وظیفہ میں یکسوئی نہیں رہتی ایک بار ایک صاحب نے وظیفہ میں آ کر مصافحہ کرنا چاہا جب میں متوجہ نہ ہوا تو آپ نے زور سے کہا مصافحہ میں نے بھی بلا متوجہ ہوئے اسی انداز سے کہہ دیا وظیفہ۔

میں اس کی بڑی احتیاط رکھتا ہوں کہ کسی کے وظیفہ میں خلل انداز ہوں کیونکہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کو بڑی غیرت آتی ہے کہ جو بندہ اس کے ذکر میں مشغول ہو اس کو دوسری طرف متوجہ کیا جائے۔ اور بعضے وظیفہ پڑھتے ہیں آ کر میرے پیچھے بیٹھ جاتے ہیں ایک ایسے ہی شخص کا میں نے خوب علاج کیا وہ میرے پیچھے آ کر بیٹھا تو میں اٹھ کر اس کے پیچھے جا بیٹھا وہ اٹھنے لگا تو میں نے ڈانٹا کہ خبردار جو اپنی جگہ سے ہٹے اب تو وہ بڑا گھبرایا اور بہت کسمسایا

لیکن کیا کرتا مجبوراً بیٹھا رہا میں بھی خوب ترتیل کے ساتھ اپنا وظیفہ بہت دیر تک پڑھتا رہا جب اطمینان سے اپنا وظیفہ پورا کر چکا اس وقت میں نے اس کو اُٹھنے کی اجازت دی - پھر میں نے پوچھا کہ کچھ تکلیف بھی ہوئی اُس نے کہا اجی بڑی تکلیف ہوئی لیکن ڈر کے مارے بیٹھا رہا میں نے کہا کہ بس ایسے ہی کسی کے پیچھے بیٹھنے سے مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے اُس نے کہا کہ آپ تو بزرگ ہیں میں نے کہا کہ آپ بھی بزرگ ہیں کیونکہ مسلمان ہیں اور میں ہر مسلمان کو بزرگ سمجھتا ہوں خبردار جو پھر کبھی ایسی حرکت کی - اھ

حضرت والا اس قسم کی تنبیہات فرما کر فرما دیا کرتے ہیں کہ یہ سب سخت ایذاء اور خلاف تہذیب حرکات ہیں، ان کا صرف یہیں نہیں بلکہ ہر جگہ خیال رکھنا ضروری ہے - اھ

سلام و پیام دیگراں

حضرت والا کو طالبین کا دوسروں کی طرف سے سلام و پیام خط ہدیہ وغیرہ لانا بھی پسندیدہ نہیں بالخصوص جن سے حضرت والا کو بے تکلفی نہ ہو - بعضے تو اہلِ خصوصیت کے ہدایا اور خطوط وغیرہ لاکر ان کو ذریعۂ تقرب بناتے ہیں - اور خصوصیت کے برتاؤ کے متوقع رہتے ہیں اور بعضے صرف دوسروں ہی کے سلام و پیام پہنچانے میں لگے رہتے ہیں اور اپنی فکر نہیں کرتے اور * تعلق کا حق ادا کر دیا - جو طالبین پوری طرح اپنی اصلاح کے اہتمام میں مشغول ہوں وہ اگر کبھی کبھار کسی کا سلام پیام بھی پہنچا دیں تو خیر اس کا مضائقہ نہیں - اھ

سفارش کرنا

طالبین کسی کا سفارشی خط بھی نہ لائیں نہ کسی سے سفارش کرائیں کیوں کہ امرِ دین میں سفارش کا کیا کام جس کے ساتھ جیسا معاملہ کرنا مناسب ہو گا حضرت والا اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمائیں گے سفارش لانے کے تو یہ معنی ہیں کہ اثر ڈال کر اپنی مرضی کے موافق معاملہ کرانا چاہتے ہیں جس کا طالب کو نہ حق ہے نہ اس امر میں اس کی مرضی کا اتباع اس کے لئے نافع ہے۔ حضرت والا ایسی سفارشوں کا کوئی خاص اثر نہیں لیتے بلکہ اکثر ایسے سفارشیوں کو بے نیل مرام ہی واپس کر دیتے ہیں تاکہ اس حرکت کا نازیبا اور غیر نافع بلکہ مضر ہونا اُن کو اور اُن کے سفارش کرنے والوں کو معلوم ہو جائے اور آئندہ کے لئے سفارشوں کا سلسلہ بند ہو چنانچہ ایک صاحب مدت تک ایک اور صاحب کے ذریعہ سے بیعت کی درخواست کرتے رہے لیکن کامیاب نہ ہوئے اور جب انہوں نے خود لکھا تو پہلے ہی خط میں بیعت فرما لیا۔

ہدیہ پیش کرنا

نو واردین بلکہ ایسے سب آنے والوں کو جن سے حضرت والا کا خوب اچھی طرح دل کھلا ہوا نہ ہو عموماً حضرت والا کی خدمت میں کسی قسم کا ہدیہ نہ پیش کرنا چاہیئے اور اگر بہت ہی جی چاہے تو پہلے اجازت حاصل کر لیں پھر اگر حضرت والا

شرائط ہدیہ موجود نہ ہونے کے عذر سے انکار فرمائیں تو اس کے بعد ہرگز اصرار نہ کریں۔ ہدیہ کے متعلق شرائط و آداب انشاء اللہ تعالیٰ آگے عنوان پنجم "اصول متفرقہ" میں آتے ہیں وہاں ملاحظہ ہوں۔

مجلس کے آداب

آج کل مجلس عام کا وقت ظہر کے بعد سے تا اذان عصر ہے جیسا کہ اعلان انضباط اوقات میں مذکور ہے جو نشستگاہ کے باہر دیوار پر آویزاں ہے اور جس کی نقل اپنے موقع پر اوپر کے کسی عنوان میں گزر چکی ہے دیگر اوقات میں بجز ابتدائی اور رخصتی ملاقات کے حضرت والا کی خدمت میں نہ جائیں۔ اگر صبح کی مجلس خاص ہو رہی ہو تو اسمیں بھی بلا خاص اجازت حاصل کئے نہ بیٹھیں اور اگر ایسے وقت محض ابتدائی یا رخصتی ملاقات کرنی ہو تو ملاقات کر کے اور ※بیان کر کے فوراً وہاں سے چلے آئیں۔ مجلس شریف میں جہاں حضرت والا بیٹھتے ہیں اس کی بائیں میں جو گوشہ ہے۔ وہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جن کو کوئی بات کہنی ہوتی ہے یا صرف ملاقات کرنی ہوتی ہے بعض لوگ اس جگہ مستقل طور پر بیٹھنے لگے تو متنبہ فرمایا کہ یہ تو دیکھنا چاہئے کہ اگر یہ مستقل طور پر بیٹھنے کی جگہ ہوتی تو خالی کیوں ہوتی لوگ پہلے سے بیٹھے ہوئے ہیں وہ یہاں کیوں نہ بیٹھتے ایسی باتوں کی طرف خیال نہ کرنا آداب مجلس کے خلاف ہے اھ

غرض حضرت والا کی بائیں میں جو جگہ ہے وہاں مستقل طور پر نہ بیٹھیں بات کہہ کر یا ملاقات کر کے جہاں عام اہل مجلس کے بیٹھنے کی جگہ ہے وہاں جا بیٹھیں

※ اتنا کا ذیلی فقرہ احقر کا اور آگے کی عبارت صاحبِ ملفوظ کی ※

اشرف الاسلام حصہ ۳۵ ص ۱۱۱

لیکن اس طرح کہ جو پہلے سے بیٹھے ہوئے ہوں ان کو تنگی نہ ہو اور اور کسی کو اس کی جگہ سے اُٹھایا یا ہٹایا نہ جائے اگر قریب جگہ ہو تو بلا ضرورت دور نہ بیٹھیں۔ بعضے باوجود قریب جگہ ہونے کے دور بیٹھے یا قریب کی جگہ خالی ہو جانے کے بعد بھی دور ہی بیٹھے رہے تو اس پر تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ آپ تو اس طرح بیٹھے ہیں کہ آنے والے دیکھ کر خواہ مخواہ مرعوب ہوں کہ اوہ بڑی پُر رعب مجلس ہے۔ کسی کو پاس بیٹھنے کی بھی ہمت نہیں تو کیا آپ مجکو لوگوں کی نظر میں بھیڑیا بنانا چاہتے ہیں۔ اھ

اسی طرح بعضے بے ڈھنگے لوگ بوقت ملاقات بہت ہی قریب مل کر بیٹھ گئے تو اس پر بھی تنبیہ فرمائی کہ اگر ادب کریں گے تو اتنا کہ جو تکلف اور تصنع کی حد تک پہنچ جائے گا اور بے تکلفی برتیں گے تو اتنی کہ جو بیہودگی کی حد تک پہنچ جائے گی کچھ ایسا مذاق خراب ہوا ہے کہ اعتدال پر کوئی رہا ہی نہیں الا ماشاء اللہ یا تو افراط ہے یا تفریط حالانکہ حضرت حق جلشانہ کا ارشاد ہے وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا جس کی تفسیر و تائید ان روایات سے ہوتی ہے خیر الامور اوسطھا وخیر الاعمال اوسطھا ذکرھما فی المقاصد الحسنۃ والاول فی کنوز الحقائق ایضا وھما یصلحان للتائید وان لم یثبت سندھما) اور فطرت سلیمہ کا بھی یہی مقتضا ہے اھ

دیگر

دوران مجلس میں حضرت والا کی سہ دری کا مغربی حصہ اہل خصوصیت کے بیٹھنے کے لئے مخصوص ہے وہاں صرف ایسے صاحبوں کو بیٹھنا چاہئے جن کو حضرت والا خود وہاں بیٹھنے کے لئے ارشاد فرمائیں یا جن کو پہلے سے معلوم ہے کہ حضرت والا

اُن کو وہیں بٹھایا کرتے ہیں بلکہ موخرالذکر صاحبوں کو تو از خود وہیں بیٹھنا چاہیے تکلف نہ کرنا چاہیئے کیونکہ جب حضرت والا کو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ عام جگہ پر بیٹھے ہیں تو حضرت والا کو خاص طور سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ وہاں کہاں جا بیٹھے یہاں آجایئے اگر جگہ بھی کم ہوتی ہے تو مزاحاً یہ فرما کر بلا لیتے ہیں کہ آیئے انشاءاللہ جگہ ہوجائے گی کیونکہ حضرت شیخ سعدیؒ فرما گئے ہیں کہ دہ درویش در گلیمے بخسپند۔ اھ

دیگر

جس کو آدمی اپنے سے بڑا سمجھے اس کے سامنے نمایاں طور پر تسبیح لے کر بیٹھنا خلاف ادب ہے کیونکہ یہ ایک دعوے کی سی صورت ہے اس لئے حضرت والا کے مواجہ میں تسبیح لیکر نہ بیٹھیں یا تو رومال اوپر سے ڈال کر پڑھیں یا محض زبان سے پڑھتے رہیں اور جس وقت حضرت والا مجلس میں کچھ ارشاد فرما رہے ہوں اُس وقت تو زبان سے بھی کوئی وظیفہ وغیرہ نہ پڑھیں بلکہ ہمہ تن گوش ہوکر حضرت والا کے ارشادات کو سننے لگیں لیکن جیسا کہ اوپر بھی عرض کیا جا چکا ہے حضرت والا کی جانب ٹکٹکی باندھ کر مسلسل نہ دیکھتے رہیں نہ دوران ملفوظات میں نہ ویسے کیونکہ ایسا کرنے سے دوسرے کے قلب پر سخت بار ہوتا ہے اور وہ اپنی حرکات و سکنات میں آزاد نہیں رہتا اور یکسوئی نہیں رہتی کیوں کہ ہر وقت یہی خیال لگا رہتا ہے کہ یہ شخص اہتمام کے ساتھ مسلسل مجھے کیوں تک رہا ہے۔

دیگر

مجلس میں بیٹھ کر آپس میں بات چیت کرنا خلاف آداب مجلس ہے اس کی حضرت والا ممانعت فرماتے رہتے ہیں اور فرما دیتے ہیں کہ اگر بات چیت کرنی

ہو تو مجلس سے باہر جا کر کریں۔ اگر کسی سے کوئی بہت ہی ضروری اور مختصر بات مجلس ہی میں کہنے کی مجبوری ہو تو چپکے چپکے نہ کہیں بلکہ اس طرح کہیں کہ حضرت والا بھی سن سکیں نہ تو سرگوشی کریں نہ بہت پکار کر کہیں متوسط آواز سے اور ذرا کھل کر کہیں۔

دیگر

حضرت والا عام ارشادات میں صرف اہل خصوصیت کو اپنا مخاطب بناتے ہیں۔ مخاطب کو چاہئے کہ وہ خاص طور سے حضرت والا کی جانب متوجہ رہے اور جو قابل تحسین باتیں ہوں اُن پر بشرہ سے اور اگر موقع ہو تو زبان سے بھی اظہار بشاشت کرے کیونکہ حسب ارشاد حضرت والا یہ آداب تخاطب میں سے ہے۔ ورنہ بے حس وحرکت اور ساکت وصامت بیٹھے رہنے سے خطاب کرنے والے کو یہی پتہ نہیں چلتا کہ میرا مخاطب بات کو سمجھا بھی یا نہیں اور پھر مضامین کی آمد ہی بند ہو جاتی ہے۔ اھ

اسی طرح حسب ارشاد حضرت والا آداب مخاطبت میں سے یہ بھی ہے کہ سنی ہوئی بات کو بھی اس طرح سنے کہ جیسے پہلے سے سنی ہوئی نہیں ہے تاکہ بات کہنے والے کا دل افسردہ نہ ہو جائے۔ اھ

دیگر

جن کو مخاطبت کی اجازت بھی ہو وہ بھی بلا ضرورت نہ بولیں زیادہ تر حضرت والا ہی کو کلام فرمانے دیں تاکہ سب حاضرین کو جو زیادہ تر اسی غرض سے مجلس شریف میں حاضر ہوتے ہیں حضرت والا کی زبان فیض ترجمان سے مضامین نافعہ

سننے کا زیادہ سے زیادہ موقع نصیب ہو۔ دوسروں کے زیادہ بولنے سے اہلِ مجلس کو تنگ ہوتے ہیں نے خود دیکھا ہے۔ یہ فعل علاوہ خلاف آداب مجلس ہونے کے بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ طریق محبت کے بھی خلاف ہے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

عجب است با وجودت کہ وجود من بماند
تو بگفتن اندر آئی و مرا سخن بماند

دیگر

حضرت والا کے دوران کلام میں دخل در معقولات نہ کریں نہ بے جوڑ سوالات کریں نہ اس وقت کوئی اشکال پیش کریں کہ ان سب باتوں سے کلام کا لطف برباد ہو جاتا ہے اور مضامین کی آمد بند ہو جاتی ہے۔ اگر کسی تقریر کے متعلق ضروری بات پوچھنی ہو تو ختم مضمون کے بعد سلیقہ کے ساتھ پوچھیں بشرطیکہ مخاطبت کی اجازت بھی پہلے سے حاصل ہو۔ اھ

دیگر

مجلس میں بیٹھے ہوئے پاؤں یا ہاتھ کو فضول نہ ہلائیں جیسے کہ بعضوں کی عادت ہوتی ہے بالخصوص انگریزی خوانوں کی۔ ایک بار احقر سے یہی حرکت سرزد ہوئی کہ بیٹھا ہوا پاؤں ہلا رہا تھا فوراً تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ یہ آداب مجلس کے خلاف ہے اگر سب اسی طرح اپنے اپنے پاؤں ہلانے لگیں تو ساری مجلس میں ایک زلزلہ کی سی کیفیت پیدا ہو جائے اس عادت کو بہت اہتمام کے ساتھ ترک کرنا چاہیئے کیونکہ علاوہ لغویت کے اس میں آزاد خیال لوگوں کے ساتھ تشبہ بھی ہے۔ اھ

اسی طرح کسی پاس رکھی ہوئی چیز کو فضول بطور مشغلہ کے خواہ مخواہ چھیڑیں نہیں

جیسی کہ بعضوں کی عادت ہوتی ہے نہ نشستگاہ کی موجودات پر نظر دوڑائیں۔
یہ سب امور آداب مجلس کے خلاف ہیں ان سے بہ اہتمام خاص احتراز رکھیں۔

راستہ چلنے کے آداب

مصافحہ یا بات چیت راستہ چلتے ہیں نہ کریں اگر اتفاق سے سامنا ہو جائے
تو صرف سلام کا مضائقہ نہیں۔

دیگر

راستہ چلتے پشت کی جانب سے کسی قسم کا تخاطب نہایت بد تہذیبی ہے چنانچہ
حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے حضرت امام ابو یوسفؒ کو وصیت
فرمائی تھی کہ اگر تم کو کوئی پشت کی طرف سے خطاب کرے تو اس کا جواب مت دو
کیوں کہ اس نے تمہاری بڑی اہانت کی اور تم کو اس نے گویا جانور سمجھا۔ جانوروں
ہی کو پشت کی طرف سے خطاب کیا جاتا ہے۔

دیگر

حضرت والا کو راستہ چلتے وقت کسی کا خواہ مخواہ ساتھ ہو لینا پسند نہیں کیونکہ
چلنے میں آزادی نہیں رہتی حضرت والا اپنے اس معمول کی تائید طبقات کبریٰ میں دیکھکر
بہت مسرور ہوئے۔ اس میں لکھا ہے کہ حضرت امام احمد ابن حنبلؒ بھی راستہ
میں اپنے ہمراہ کسی کو نہیں چلنے دیتے تھے۔ اھ

اس میں علاوہ آزادی نہ رہنے کے یہ بھی خرابی ہے کہ حضرت والا باقتضا

ہمراہیوں کے اچھا راستہ چھوڑ دیتے ہیں اور خود ناہموار راستہ پر ہو لیتے ہیں جس کی وجہ سے ویسے بھی تکلیف ہوتی ہے اور بعض اوقات تو پاؤں نالی میں چلا جاتا ہے یا ٹھوکر لگ جاتی ہے جس سے اذیت ہوتی ہے۔ جب کئی بار ایسا ہوا تو پھر حضرت والا نے اپنے اس اقتضائے طبعی پر عمل کرنا بہ تکلف چھوڑ دیا مگر اول تو خلاف طبیعت عمل کرنے میں اذیت ہوتی ہے۔ دوسرے بعض اوقات ذہول ہو جاتا ہے

دیگر

حضرت والا کو راستہ میں کسی کا پیچھے چلنا بھی گوارا نہیں۔ چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ بعض اوقات کسی وجہ سے رُکنا ہو گیا تو پیچھے آنے والا ٹکرا جاتا ہے حضرت والا کو یہ بھی گوارا نہیں کہ جو شخص راستہ چل رہا ہو وہ حضرت والا کی وجہ سے رُک جائے یا اپنی رفتار سست کر دے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اپنی چال چلتا رہے اور جب حضرت والا تک پہنچے تو ایک پہلو ہو کر آگے نکلا ہوا چلا جائے۔ اس بے تکلفی سے تو حضرت والا کو بہت راحت اور مسرت ہوتی ہے لیکن اگر کوئی بہت ہی مؤدب ہو اور وہ آگے نہ نکلنا چاہے تو زیادہ فصل سے پیچھے چلے تاکہ حضرت والا پیروں کی آہٹ نہ سنیں ورنہ اس علم سے کہ کوئی پیچھے پیچھے آ رہا ہے حضرت والا کو سخت اُلجھن ہوتی ہے۔ غرض راستہ چلنے میں حضرت والا کے ساتھ نہ رہنا چاہیئے۔ البتہ اگر خود ہی ساتھ لے لیں یا باتیں فرمانے لگیں تو اور بات ہے۔ راستہ میں کسی کا ساتھ ہو لینا علاوہ مقید ہو جانے کی وجہ سے ناگوار ہونے کے اس لئے بھی ناگوار ہوتا ہے کہ انہماک مشاغل کثیرہ کے بعد تو کہیں تھوڑی دیر کے لئے فراغ کی نوبت آتی ہے اُس میں بھی لوگ آ کر مخل ہو جاتے ہیں چنانچہ

ایسے مواقع پر مثلاً راستہ چل رہے ہوں یا وظیفہ پڑھ رہے ہوں اگر کوئی مخل ہوتا ہے تو خفا ہو کر فرمانے لگتے ہیں کہ آپ لوگوں کو خدا کا خوف نہیں آتا کہ کسی وقت چین ہی نہیں لینے دیتے وظیفہ تک بھی اطمینان سے نہیں پڑھنے دیتے۔ راستہ چلتے بھی آگھیرتے ہیں۔ اس ظلم و ستم کی بھی کوئی انتہا ہے۔ کیا ہر وقت آپ صاحبوں ہی کے کام میں رہوں اپنا کام کسی وقت کروں ہی نہیں۔ اھ

نیز اکثر راستہ چلتے ہوئے بھی حضرت والا مسائل مشکلہ میں غور و فکر فرماتے رہتے ہیں اس لئے بھی کسی کا مخل ہونا ناگوار ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ فلاں مسئلہ کا حل جب میں گھر جاتے ہوئے فلاں مکان کے قریب پہنچا اُس وقت اللہ تعالےٰ نے قلب میں ڈالا۔ فلاں بات جنگل میں فلاں موقع پر سمجھ میں آئی جب میں تلاوت کرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ فلاں اشکال اُس وقت حل ہوا جب میں لیٖن کے قریب تھا اسی وقت اس کو قلمبند کر لینے کے لئے لوٹا تاکہ ذہن سے نکل نہ جائے اور پھر دوبارہ جا کر تلاوت اور مشی کو پورا کیا۔ اھ

بعض اوقات حضرت والا قریب مغرب تک کام کرنے کے بعد بھی گھر جاتے ہوئے راستہ میں کوئی اخبار یا مضمون پڑھتے ہوئے تشریف لے جاتے ہیں۔ غرض دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ حضرت والا کا کوئی وقت کام سے خالی نہیں رہتا تو جو ہر وقت اس درجہ مشغول رہتا ہو ظاہر ہے کہ اس کو کسی کا بیجا طور پر وقت بے وقت مخل ہونا کس درجہ ناگوار ہوگا۔ لہذا اس کا سب لوگوں کو بہت خیال رکھنا چاہئے کہ بے موقع اور بے وقت حضرت والا کو اپنی طرف مشغول نہ کریں اور اس میں ان کا کوئی حرج بھی نہیں کیوں کہ حضرت والا نے خود ہی لوگوں کی ضرورتوں پر نظر فرما کر

بقدرِ ضرورت سب کے کاموں کے لئے اوقات مقرر فرما رکھے ہیں کسی کا کوئی کام اٹکا نہیں رہ سکتا ہاں اگر کوئی یوں چاہے کہ جس طرح میں حساب لگا کر آیا ہوں اُسی طرح اور اُسی وقت میرا کام کر دیں تو یہ تو محتاج الیہ کو اپنا تابع بنانا ہوا جس کا اس کو کسی قاعدہ سے بھی حق حاصل نہیں۔

رخصت ہونے کے آداب

ابتدائی ملاقات کی طرح رخصتی ملاقات کا بھی کوئی وقت مقرر نہیں لیکن جب رخصتی ملاقات کے لئے آئیں تو آتے ہی کہہ دینا چاہیئے کہ میں جا رہا ہوں کیونکہ بعض اوقات محض سلام و مصافحہ کرنے سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ آمد کا مصافحہ ہے یا رخصت کا اور دونوں کے آثار و لوازم جُدا جُدا ہیں اشتباہ سے خلجان ہوتا ہے۔

دیگر

عین چلتے وقت تعویذ وغیرہ کی درخواست یا اور کوئی حاجت پیش نہ کریں بلکہ بہت پہلے سے پیش کریں تاکہ حضرت والا کو قلت وقت کی وجہ سے اس کے پورا کرنے میں تنگی پیش نہ آئے۔ بعضوں نے تنگ وقت میں کوئی درخواست کی تو اظہار ناپسندیدگی فرما کر اس کو رد فرما دیا اور فرمایا کہ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ جب آپ کا حکم ہو چاہے مجھے فرصت ہو یا نہ ہو فوراً مجھ کو سب کام چھوڑ کر تعمیل حکم کرنا چاہیئے جس سے کام لینا ہو کیا اس کو اس طرح مقید کرنا چاہیے۔ اھ

بس اب احقر اس نمبر کو ختم کرتا ہے کیونکہ استیعاب مقصود نہیں نہ استیعاب ہو سکتا ہے اس لئے کہ ہر شعبۂ اخلاق کے متعلق سینکڑوں آداب ہیں جن کی حضرت دن رات دن علماً و عملاً حالاً و قالاً تعلیم فرماتے رہتے ہیں۔ کہاں تک بیان کئے جا سکتے ہیں اور کہاں تک یاد آ سکتے ہیں۔ جتنے عرض کئے گئے فہیم و سلیم کو نمونہ کے لئے اتنے ہی کافی و وافی ہیں۔ انہیں سے ان شاء اللہ تعالیٰ بشرط تدبّر و تفکر و اہتمام و التزام بقیہ آداب ضروریہ کے بھی سمجھ لینے کی مناسبت پیدا ہو جائے گی کیوں کہ اس قسم کے سب آداب طبعی اور فطری ہیں۔ تھوڑی سی تنبیہ بھی کافی ہے بقول مشہور ؎

اگر در خانہ کس است یک حرف بس است۔

بس اس نمبر کے ساتھ عنوان چہارم[۴] بھی ختم ہوا۔ الحمد للہ اب عنوان پنجم[۵] شروع کرتا ہوں۔

وباللہ التوفیق

عنوان پنجم

اصول متفرقہ

اس عنوان کے تحت میں مختلف امور کے متعلق حضرت والا کے چند متفرق اصول نیز جو بعض اصول متعلقہ عنوانات ماسبق بعد میں یاد آئے اُن کو لکھ کر اس مضمون پنج گنج اشرف کو انشاء اللہ تعالیٰ ختم کر دیا جائے گا اور اس کے ساتھ ہی اس باب ارشاد و افاضۂ باطنی کو بھی بند کر دیا جائے گا کیوں کہ وہ بلا قصد بہت طویل ہو گیا گو باوجود طول کے بھی وہ ہنوز بالکل ناتمام اور تشنۂ تکمیل ہے اور ہمیشہ تشنۂ تکمیل ہی رہے گا چاہے جتنی خامہ فرسائی کی جائے بمصداق ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

ہدیہ کے متعلق اصول

حضرت والا کے یہاں ہدیہ کے متعلق بہت سی شرائط اور بہت سی حدود وقیود اور بہت سے قواعد وضوابط ہیں جو سراسر مصلحت بلکہ شرعی وعقلی ضرورت پر مبنی ہیں اور سربسر سنت سنیہ اور فطرت سلیمہ اور اصول صحیحہ کے مطابق ہیں اُن سب کا حاصل یہ ہے کہ جب تک ہدیہ دینے والے کے متعلق حضرت والا کو پورا اطمینان اور شرح صدر نہیں ہو جاتا کہ یہ بالکل صدق وخلوص سے ہدیہ دے رہا ہے اور یہ میرے متعلق کسی قسم کے دھوکہ میں نہیں ہے اور اس ہدیہ کے قبول کرنے میں کسی دینی یا دنیوی مصلحت میں خلل نہیں پڑتا نہ اس کی نہ میری خواہ وہ گرانی ہی کے درجہ میں ہو اُس وقت تک ہدیہ قبول نہیں فرماتے اور جن پر ان امور کے متعلق پورا اطمینان ہو چکا ہے کہ وہ جو کچھ دیں گے ان سب امور کی رعایت کر کے دیں گے اُن کے لئے کوئی قواعد وضوابط نہیں۔ بلکہ مزاحاً فرمایا کرتے ہیں کہ ایسے لوگ تو اگر مجھے اپنا سارا گھر بھی بخش دیں تب بھی انکار نہیں۔ اھ

ہدیہ کے متعلق احقر ہی کے قلمبند کئے ہوئے بعض پرانے ملفوظات حسن العزیز جلد اول میں حسنِ اتفاق سے ایسے نظر پڑے جن میں حضرت والا نے بضمن واقعات بہت سے آداب ہدیہ اور اپنے بہت سے اصول وشرائط متعلق ہدیہ مع اُن کی مصالح وحکم وتائیدات منصوصہ کے خود تیار فرمائے ہیں اُن میں سے بعض کا اس جگہ ملخصاً نقل کر دینا انشاءاللہ تعالیٰ ناظرین کے لئے اس موضوع کے متعلق کافی معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ ہوگا اور احقر کو رکھنے کے تعب سے بچ

جائے گا جس کے لئے بوجہ قرب اختتام رخصت میرے پاس وقت بھی نہیں۔

نقل ملفوظات متعلق ہدیہ از حسن العزیز جلد اوّل

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۷۸)

ایک کاشتکار ٹپی ملحقہ تھانہ بھون مسمیٰ مساوی کا کچھ گڑ ہدیہ لایا حضرت نے فرمایا کہ مساوی میں تو موروثی زمین کی بہت کثرت ہے اس نے کہا کہ یہ گڑ موروثی زمین کا نہیں ہے اور یہ بھی کہا کہ جو کھیت موروثی کا ہے اس میں ایکھ نہیں حضرت نے فرمایا کہ پیداوار تو سب ملی جلی ہوتی ہے اس نے کہا کہ نہیں علیحدہ علیحدہ ہے پھر بعد کو وہ شخص یہ کہنے لگا کہ میرے پاس موروثی کوئی کھیت نہیں حضرت نے فرمایا کہ ابھی ابھی تم خود اقرار کرچکے ہو کہ جو کھیت موروثی ہے اس میں ایکھ نہیں اب میں کیسے یقین کر لوں کہ کوئی کھیت موروثی کا نہیں اجی ہم ایسے متقی تو کہاں ہیں کہ دور تک کی تحقیق کریں لیکن اس طرح بھی آنکھیں نہیں بند کی جاتیں بھائی دیکھ کر تو مکھی نہیں نگلی جاتی پھر عام خطاب کے طور پر فرمایا کہ ایک تو یہ بات ہے کہ دل میں شبہ پڑ گیا دوسرے یہ کہ باوجود اس کے کہ مساوی بالکل تھانہ بھون سے ملا ہوا ہے لیکن وہاں کے لوگوں کو اس قدر اجنبیت دین سے ہے جیسے کوئی دیہات پانچ سو کوس پر اہل علم سے ہو۔ کوئی بندہ خدا کا کبھی کوئی دین کی بات پوچھنے نہیں آتا ہاں اگر آتے ہیں تو کوئی دودھ دینے آتا ہے کوئی گڑ چاول لاتا ہے اور میں لیتا نہیں کیوں کہ اس شخص سے کوئی چیز لینے میں نہایت ذلت معلوم ہوتی

ہے جس کو خود کوئی نفع نہ پہنچا سکے۔ ہاں جو دینی نفع حاصل کرتا رہے وہ اگر محبت سے کبھی کچھ دے تو کس کو انکار ہے کیونکہ آخر پیری گذر رہی اسی پر ہے لیکن یہ شرط ہے کہ دینے میں بجز محبت کے اور کوئی نیت نہ ہو یہاں تک کہ ثواب کی بھی نیت نہ ہونی چاہیئے گو جب حق تعالیٰ کے تعلق کی وجہ سے دیا تو ثواب اس کو مل ہی گیا۔ دیکھئے اگر کوئی اپنے باپ یا لڑکے کو کچھ دے تو نیت ثواب کی نہیں ہوتی لیکن ثواب ملتا ہے جیسے حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دے تو اُس کو ثواب ملتا ہے حالانکہ بیوی کو کوئی ثواب کی نیت سے نہیں دیتا بلکہ اگر اس کو ثواب کی نیت کی خبر ہو جائے تو اس کو ناگوار ہو اور وہ انکار کر دے کہ کیا میں خیرات خوری ہوں پھر فرمایا کہ ان لوگوں کی نیت بھی ہم لوگوں کے دینے میں وہی ہوتی ہے جو پیر شہیدوں کی قبروں پر چڑھاوا چڑھانے میں ہوتی ہے کہ اگر ان ملانوں کا حصہ اس میں ہو جائے گا تو برکت ہو جائے گی کھیت میں خوب ایکھ پیدا ہوگی غرض دینے میں نیت بھی خراب ہوتی ہے پھر حضرت نے اس شخص سے فرمایا کہ بھائی اگر محبت سے کوئی چیز لائے تھے تو ڈھنگ سے لائے ہوتے اب تم دو برس تک برابر ملتے جلتے رہو اور دین کی باتیں پوچھتے پاچھتے رہو اور لاؤ کچھ نہیں گڑ دینے کے لئے نہ آؤ بلکہ گڑ لینے کے لئے آؤ یعنی دین کی باتیں سیکھنے جب تعلق بڑھ جائے تب کوئی چیز لانے کا بھی مضائقہ نہیں لیکن پھر بھی پہلے پوچھ جاؤ کہ فلاں چیز لانا چاہتا ہوں کیونکہ اگر کسی وجہ سے نہ لینا ہوا تو قبل لانے ہی کے انکار کر دینے سے اتنا رنج نہیں ہوتا جتنا لائی ہوئی چیز کے انکار کر دینے سے ہوتا ہے اس کا ہمیشہ خیال رکھنا وہ شخص ایسی واضح گفتگو کے

بعد بھی پھر اصرار کرنے لگا اس پر ترشرو ہو کر فرمایا کہ بھلا دیکھئے کہاں تک طبیعت میں تغیر نہ آئے آخر میں بھی بشر ہوں لوگ مجھ کو سخت کہتے ہیں اگر کوئی میرے پاس رہ کر ان حرکتوں کو دیکھے تو امید ہے کہ وہ مجھ سے بھی زیادہ سخت ہو جائے۔ جب حضرت نے خود انکار فرما دیا تو کہنے لگا کہ طالب علموں کو تقسیم کرا دو حضرت نے ناراضی کے لہجہ میں فرمایا کہ تم نے طالب علموں کی اچھی قدر کی گویا وہ ایسی گری پڑی چیز کے مستحق ہیں جو چیز یہاں سے مردود ہو گئی وہ ان کے لائق ہوئی سو ہمارے یہاں کے طالب علم گو حاجت مند سہی لیکن بحمداللہ وہ ایسے نہیں کہ ہر گری پڑی چیز پر رال ٹپکانے پھریں کچھ دیر بعد اس شخص نے پھر پوچھا کہ جی تو پھر کیا کہو ہو۔ غرض برابر ایسی ہی حرکتیں کرتا رہا جو پاس بیٹھنے والوں کو بھی ناگوار ہوتی تھیں آخر میں اس نے ایک شخص سے اشارہ کیا کہ تم ہی کہہ دو یہ حرکت مزید بر آں تھی آخر میں معلوم ہوا کہ یہ گڑ زکوٰۃ عشر کا تھا یہ سب سے بڑھ کر ہوئی اس پر حضرت نے فرمایا کہ دیکھئے لوگ مجھ کو خواہ مخواہ وہمی کہتے ہیں گو گذشتہ واقعات نہ یاد رہیں لیکن ان کا اثر تو قلب پر رہتا ہے اب دیکھئے اگر میں بلا پوچھے گچھے لے لیتا اور بعد کو معلوم ہوتا تو طبیعت کو کس قدر ناگوار ہوتا اور اس کی زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوتی وہ تو اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ قلب میں پیشتر ہی نفرت پیدا ہو گئی تھی ورنہ انہوں نے اپنی طرف سے کیا کسر رکھی تھی پھر یہ شعر فرمایا ؎

قتل ایں خستہ بشمشیر تو تقدیر نبود
ورنہ ہیچ از دل بے رحم تو تقصیر نبود

بھلا ایسی صورت میں سوچنے سے کوئی کہاں تک احتمالات نکال سکتا ہے

لیکن وہ تو حق تعالیٰ دستگیری فرماتے ہیں قلب میں بحمد اللہ بس ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی
کہہ گیا ہو اُس شخص کی ناسمجھی کی باتوں پر ارشاد فرمایا کہ جو دین کا پابند نہیں ہوتا اس کی
دنیا کی سمجھ بھی خراب ہو جاتی ہے اور جو شخص دیندار ہوتا ہے گو تجربہ دنیا کا نہ ہو لیکن دنیاوی
امور میں بھی اس کی سمجھ سلیم ہو جاتی ہے حلال روزی میں بھی یہی اثر ہے برخلاف اس کے
حرام روزی سے فہم مسخ ہو جاتا ہے ایک صاحب نے عرض کیا کہ بوجہ دیہاتی اور کم سمجھ
ہونے کے اس سے یہ حرکتیں سرزد ہوئیں فرمایا کہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت
ہوا کہ ان کی خطا نہیں لیکن اگر کوئی بے عنوانی ناسمجھی ہی سے کرے لیکن دوسرے
کو تو اس سے پریشانی اور تکلیف ہوتی ہی ہے اگر کوئی شخص بلا قصد شکار کے
کسی کو چھرا مار دے تو وہ مجرم نہ سہی لیکن دوسرے کے چوٹ تو آخر لگے ہی
گی اور اگر سب لوگ جاہلوں کی جہالت پر تحمل ہی کر لیا کریں تو ان کی جہالت کی
اصلاح کبھی ہو ہی نہیں سکتی کیوں کہ اس طرح سے تو اُس کو اپنی جہالت کا علم ہی
نہ ہو گا اور ہمیشہ بے تہذیب اور بے سلیقہ ہی رہے گا اب یہ شخص کبھی کسی کے
ساتھ ایسی حرکت نہ کرے گا اور گو طالب علموں کے واسطے لے لینے میں بعض
قواعد سے گنجائش بھی تھی لیکن بمصلحت اصلاح نہ لینا ہی ضروری تھا کیونکہ پھر یہ شخص یہ
سمجھتا کہ اجی ہم لے گئے تھے اور وہ لے ہی لیا گیا کبھی اس کو جائز ناجائز کی فکر بھی
نہ ہوتی اب اس کو ہمیشہ کے لئے یہ بات معلوم ہو گئی کہ ناجائز چیز ایسی بری ہوتی
ہے اور آئندہ اس کے متعلق احتیاط رکھنے کی فکر ہو گی قطعی بے پروائی اس باب
میں اس کو اب نہ رہے گی اور جب کبھی کوئی چیز لانے کا قصد ہو گا تو بہت احتیاط
مدنظر رکھ کر لائے گا گویا ہمیشہ کے لئے کافی سبق ہو گیا ورنہ اگر اس کی حرکتوں پر تحمل کر

لیا جاتا تو اس کی کچھ بھی اصلاح نہ ہوتی۔

دیگر

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۹۳)

(یکم جمادی الاول ۳۳ھ پنجشنبہ) ایک صاحب جو عرصہ ہوا بیعت ہوئے تھے آئے اور نقد اور کپڑا بطور ہدیہ کے پیش کیا ان صاحب نے اس عرصہ میں نہ کبھی کوئی خط بھیجا تھا نہ کوئی دین کی بات پوچھی تھی خفگی کے ساتھ سب چیزیں پیش کردہ اٹھا کر واپس کر دیں اور تیز لہجہ میں فرمایا کہ بس اسی لئے پیر بنایا تھا کہ چڑھاوا چڑھاتے رہیں۔ آپ نے میری سخت ذلت کی گویا آپ نے مجھ کو ایسا سمجھا کہ اجی روپیہ اور چیتھڑے دیکھتے ہی پگھل جائیں گے تو آپ نے مجھ کو دوکاندار سمجھا سو گو میں متقی پرہیزگار تو نہیں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ دوکاندار بھی نہیں گو میری گزر اسی پر ہے لیکن الحمد للہ یہ میری کمائی بھی نہیں جس شخص کو مجھ سے دین کا کچھ بھی نفع نہ پہنچا ہو اس سے کوئی چیز لینا سخت ذلت کی بات ہے یہ تو ایسا ہوا کہ گویا میں نے آپ کو اسی واسطے بیعت کیا تھا لوگوں نے پیری مریدی کا ناس کر رکھا ہے یہ سب خرابی ڈالی ہوئی ان پیرزادوں کی ہے انہوں نے یہ مسئلہ گھڑ رکھا ہے کہ جو خالی ہاتھ جائے وہ خالی ہاتھ آئے بلا کچھ دیئے فیض حاصل ہو ہی نہیں سکتا اگر کچھ نہ ہو تو استنجا کے ڈھیلے ہی لے جائے پس یہ تصوف کا ماحصل لوگوں کے ذہنوں میں بٹھا رکھا ہے۔ اس وقت یہ جو کچھ آپ لائے ہیں محض اس رسم کے پورا کرنے کے واسطے لائے ہیں کہ سامنے جائیں تو خالی لٹھ ایسے

کس طرح جا کھڑے ہوں اور بلا کچھ دئے وہاں روٹیاں توڑیں اس میں تو شیخی کرکری ہوتی ہے ورنہ میں یہ پوچھتا ہوں کہ اتنے عرصہ میں آج ہی یہ کیوں محبت کا جوش اٹھا اس سے پہلے اگر کبھی خط وغیرہ نہیں بھیجا تھا تو کوئی ہدیہ ہی بھیجا ہوتا کیونکہ بہت سی چیزیں ڈاک کے ذریعہ سے بھیجی جا سکتی ہیں، یہ نہ ہوا کہ کبھی آٹھ آنے پیسے ہی بھیج دیتے اس سے خدا نہ کرے میرا یہ مطلب نہیں کہ اب آپ ڈاک کے ذریعہ سے چیزیں بھیجا کریں کیونکہ بفضلہ تعالیٰ مجھ کو واپس کرنا بھی آتا ہے یہ یقینی ہے کہ اگر آپ ڈاک کے ذریعہ سے بھی کچھ بھیجتے تو بھی میں واپس ہی کرتا لیکن اس وقت یہ شکایت تو نہ ہوتی کہ بس منہ دیکھ کر ہی محبت کا جوش اٹھا اُن صاحب نے قسم کھا کر محبت کا موجب تحریک ہونا ظاہر کیا تو فرمایا بس قسمیں نہ کھائیے کیونکہ اس میں حق تعالیٰ کے نام کی بے ادبی ہوتی ہے اور قسم کھانے سے میرا منہ بند ہو جائے گا پھر خواہ آپ کی کیسے ہی لغو تقریر ہو میں اس میں کچھ نہ کہہ سکوں گا بلکہ میں یقین دلاتا ہوں کہ بلا قسم کے بھی تسلیم کر لوں گا اگر آپ میرے اس سوال کا کوئی معقول جواب دے دیں جس سے چار سننے والوں ہی کو تسلی ہو جائے خواہ خود مجھ کو نہ ہو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اُن چار آدمیوں کی اس کے تسلیم کر لینے میں تقلید کر لوں گا وہ سوال یہی ہے کہ اگر محبت کی وجہ سے آپ نے ہدیہ دیا ہے تو اس کی کیا وجہ کہ اس سے پہلے کبھی کیوں محبت نہ ہوئی اُن صاحب نے یہ بھی عرض کیا کہ حضور نے جو ارشاد فرما دیا تھا اس پر میں عمل کر رہا ہوں فرمایا کہ کبھی آپ نے یہ بھی کیا ہے کہ طبیب سے منضج کا نسخہ پوچھ کر بس عمر بھر اسی کو گھونٹا کئے ہوں اور مسہل کا نسخہ پوچھنے کی آپ نے ضرورت نہ سمجھی ہو اگر صرف ایک ہی مرتبہ کی تعلیم پر کاربند ہو کر پھر کچھ پوچھنا گچھنا نہ تھا تو اس کے

لئے بیعت ہی کی کونسی ضرورت تھی ارشاد مرشد حضرت حاجی صاحب کی کتاب موجود ہے میری بھی کتابیں موجود ہیں بس انہیں میں سے دیکھ کر عمل کرنا شروع کر دیا ہوتا اور تعجب ہے آپ کو اتنے عرصے میں کبھی کسی مسئلہ کے پوچھنے کی بھی ضرورت پیش نہ آئی بھلا ایسے مرید ہونے سے کیا فائدہ - اسی لئے میں نے عام طور سے بیعت کرنا چھوڑ دیا ہے اور اس قدر سختی پر بھی اگر میں نے کسی کو مرید کر لیا ہو تو یہ سمجھئے کہ اُس کی طرف سے بہت ہی زیادہ اصرار ہوا ہوگا تب میں نے مرید کیا ہوگا لیکن اس پر بھی یہ کیفیت ہے - تیسرے دن جب یہ صاحب رخصت ہونے لگے تو انہوں نے معافی کی درخواست کی فرمایا کہ جی آپ نے کوئی ایسا قصور نہیں کیا جس کی معافی کی ضرورت ہو البتہ جس سبب سے میں نے آپ کا ہدیہ قبول نہیں کیا اس کا تدارک ہونا چاہئے یعنی اب آپ برابر خط و کتابت جاری رکھیں اور اگر آپ کی تسلی یوں نہیں ہوتی تو لیجئے میں لکھے دیتا ہوں کہ میں نے معاف کر دیا پھر فرمایا بھلا آپ ہی انصاف سے کہئے کہ میری شکایت کیا بیجا ہے - خط و کتابت نہ کرنا دلیل کام نہ کرنے کی ہے - کیوں کہ جو شخص کام کرتا ہے ممکن نہیں کہ اُس کو کچھ پوچھنا پاچھنا نہ پڑے - پھر اُن صاحب نے کم از کم کپڑوں کا جوڑا ہی قبول فرما لینے کی درخواست کی اور عرض کیا کہ محض محبت سے سلوا کر لایا تھا فرمایا کہ آپ کو محبت تو ہے لیکن کم سمجھی کے ساتھ کم سمجھی کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں باوجود ایک مرتبہ کے انکار کے پھر اصرار کرنا تو گویا مجھ کو رائے دینا ہے میں آپکی رائے کا اتباع کروں یا آپ کو میری رائے کا اتباع کرنا چاہئے گویا آپ شیخ بننا چاہتے ہیں آپ کو یہ سمجھنا کہ میرے انکار ہی میں مصلحت ہے شیخ کا حق ادا کرنا ہے اور اگر آپ نے یہ سمجھا کہ میں نے بد نفسی

سے انکار کیا تھا تو آپ نے شیخ کا حق ادا نہیں کیا تو گویا آپ مجھ سے مصلحت فوت کرنے کی درخواست کرتے ہیں اب آپ کو عمر بھر کے لئے تنبیہ ہو گئی کیونکہ قاعدہ ہے کہ عملی تنبیہ کبھی نہیں بھولتی قولی تنبیہ کبھی یاد رہتی ہے کبھی نہیں یاد رہتی دوبارہ قبول کر کے یہ ساری مصلحتیں ہیں کیسے برباد کر دوں اپنی تو دنیا سنواروں اور دوسرے کا دین بگاڑوں یہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا آپ سمجھ سکتے ہیں کہ میں بلا مصلحت کس طرح لینے سے انکار کر سکتا تھا جبکہ میری گزر اسی پر ہے نہ میرے یہاں کوئی تجارت ہوتی ہے نہ کھیتی ہوتی ہے یہی میری آمدنی ہے کوئی بھی شخص ایسا دنیا میں ہے جس کو کوئی چیز آتی ہوئی بری معلوم ہوتی ہو اور اگر کسی کو اس کی روزی آتی ہوئی بری معلوم ہوتی ہو تو یہ اس کی سخت برائی ہے ۔ اس قدر تقریر کے بعد بھی ان صاحب نے ذکر کیا کہ میں ایک جوڑی کھڑاؤں بنوا کر لایا ہوں اس پر فرمایا کہ یہ توجہ کا پھسلانا ہوا کہ بھائی حلوا کھالے اگر حلوا نہیں کھاتا تو لے بھائی چاول کھالے اگر چاول نہیں تو دودھ ہی پی لے کیا آپ نے مجھے بچہ سمجھ لیا ہے یہ تو آپ میرے ساتھ ہنسی سی کر رہے ہیں کچھ سمجھ سے بھی تو کام لینا چاہئے خیر اب آپ مجھ سے خط و کتابت کرتے رہیں جب میرا دل آپ سے کھل جائے گا اور میں دیکھ لوں گا کہ ہاں اب آپ کام میں لگ گئے ہیں تب ہدیہ کا بھی مضائقہ نہیں لیکن اگر کبھی کوئی چیز بھیجنے کو جی چاہے تو یہ ضرور کیجئے گا کہ پہلے دریافت کر بھیجئے گا میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میرے معمول اور قاعدہ اور طبیعت کے خلاف نہ ہوا تو اجازت بھی دے دوں گا یہ نہ سمجھئے کہ ہمیشہ انکار ہی کر دیا کروں گا ہاں اگر کوئی ہدیہ خلاف میرے معمول کے ہوگا تو انکار بھی کروں گا یہ صاحب متعدد چیزیں لائے تھے چنانچہ زیادہ مقدار میں گڑ بھی

تھا جو رکھے رکھے پگھل گیا تھا جس کا ساتھ واپس لے جانا انہوں نے مشکل بتلایا حضرت نے
فرمایا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو طالب علموں کو تقسیم کیا جا سکتا ہے انہوں نے بہت
خوشی سے منظور کر لیا ان کے رخصت ہو جانے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ میری
طبیعت کچھ ایسی ہے کہ متعدد چیزیں اگر کوئی شخص ہدیہ میں دے تو بہت بوجھ
معلوم ہوتا ہے مثلاً دس روپے ایک ساتھ کوئی دے تو اُن کا لینا گراں نہیں
معلوم ہوتا اگر دس روپے کی متعدد چیزیں دے تو ہر ہر چیز کا الگ الگ بار ہوتا
ہے اور مجھے ایسے معاملات میں شبہ بہت ہوتا ہے متعدد چیزوں میں نیت یہ
ہوتی ہے کہ اس چیز کی بھی قدر ہو اُس چیز کی بھی قدر ہو پھر فرمایا بس روپیہ سب سے
بہتر ہدیہ ہے کیوں کہ اس سے جتنی ضرورت کی چیزیں ہیں سب آ سکتی ہیں
جب میں حج سے واپس آیا تو ایک صاحب نے محبت سے ایک روپیہ کی
مٹھائی منگا کر میری دعوت کرنی چاہی میں نے کہا کہ میاں مٹھائی میرے حصے
میں بھلا کتنی آئے گی میری خوشی ہی کرنی ہے تو روپیہ ہی مجھے کیوں نہ دیدو
انہوں نے بہت خوشی سے روپیہ دیدیا میں اپنے صرف میں لے آیا مٹھائی کا
میں کیا کرتا ایک صاحب نے خط میں دریافت کیا کہ میں ایک جوتا ہدیہ میں بھیجنے
کی اجازت چاہتا ہوں میں نے لکھ دیا کہ میرے پاس کئی جوڑے موجود ہیں پھر
انہوں نے لکھا کہ جو چیز پسند ہو وہ بھیج دوں میں نے لکھ بھیجا مجھے دماغ کا کام
بہت کرنا پڑتا ہے مجھے بادام لیکر بھیج دو چنانچہ اُنہوں نے بادام بھیج دئے میں
نے کھا لئے یہ بے تکلفی بہت اچھی بات ہے لیکن ایسی بے تکلفی زیادہ
ملنے جلنے سے یا زیادہ خط و کتابت سے پیدا ہوتی ہے بلا اس کے طبیعت

کھلتی نہیں ان صاحب کا گڑ زیادہ مقدار میں تھا فرمایا کہ میں اس معاملہ میں بہت بدگمان ہوں کیونکہ مجھے بہت تجربہ ہو چکا ہے زیادہ مقدار میں دینے والے بس یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے حق ادا کر دیا عمل کو پھر ضروری نہیں سمجھتے زیادہ مقدار میں اہتمام و تکلف بھی بہت کرنا پڑتا ہے یہ کیا ضرور ہے کہ سارا گھر ہی خالی کر دے ہنسکر فرمایا کہ تھوڑا تھوڑا دینے میں پیر کی دنیا کا بھی نفع ہے کیوں کہ تھوڑا تھوڑا کر کے بہت جمع ہو جاتا ہے ؎

چرا ستانی از ہر یک جوِ سیم
کہ گرد آید ترا ہر روز گنجے

اگر لوگ بہت بہت دیں تو جن کے پاس کم ہے ان کی ہمت بھی دینے کی نہ پڑے اس سے بہت نقصان ہے۔

دیگر

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۹۹ ملخصاً)

اُن صاحب کا ذکر فرمایا جن کا ہدیہ رد فرما دیا تھا کہ دیکھئے انہیں سے جھک جھک ہوئی سچ کہتا ہوں مجھے نہایت خوف معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ یوں نہ فرمائیں کہ ارے نالائق ہم تو تجھ کو دلواتے ہیں اور تو واپس کر دیتا ہے نہایت خوف ہوا کرتا ہے حق تعالیٰ معاف فرمائیں پھر فرمایا کہ گو اُن کے ہدیہ میں غالب محبت ہی ہو لیکن کچھ آمیزش اس کی بھی ضرور تھی کہ وہاں روٹیاں کھائیں گے کچھ نہ دینا ذلت کی بات ہے اس لئے میں نے اب ان روٹیوں

کے قصہ ہی کو موقوف کر دیا بس ایک وقت کھانا کھلا دیتا ہوں وہ بھی جہاں مصلحت
سمجھتا ہوں پھر کہہ دیتا ہوں کہ اپنا انتظام کر لیجئے تاکہ لوگوں کو یہ خیال بھی نہ ہو باستثناء
خاص خاص موقعوں کے پھر فرمایا کہ یہ جو اُن کے ساتھ ہیں وہ بھی مرید ہونے کے لئے
آئے ہیں لیکن اب اُن کی ہمت نہ ہو گی کہ یہاں تو بڑی سختی ہوتی ہے سو گو مجھ سے
کوئی مرید نہ ہو لیکن اتنا فائدہ تو ضرور ہوتا ہے کہ اس کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مرید ہونا
ایسی معمولی بات نہیں ہے اب اگر کسی دوسری جگہ جائے گا تو اس کے ذہن میں یہ
ضرور رہے گا کہ بیعت کی کچھ شرائط بھی ہیں اور اگر اس کو اتنی سمجھ نہ بھی ہوئی تو اور
سننے والوں کو تو حقیقت طریق کی معلوم ہو ہی جائے گی میں لوگوں کو یہی دکھلانا چاہتا
ہوں کہ اصل طریق کیا ہے بس کوئی میری سختی کو جھیل لے پھر دیکھے کہ میں عمر بھر کے لئے
اس کا خادم ہوں احقر نے عرض کیا کہ اخلاق کی ایسی مفصل تعلیم تو بہت مدت سے نہ
ہوئی ہو گی فرمایا کہ جی ہاں میں تو کہا کرتا ہوں کہ علماء درسی کتابیں پڑھاتے ہیں اور
میاں جی الف بے تے سو الف بے تے پڑھانا میرے سپرد ہوا ہے عرض
کیا گیا کہ خدا کرے یہ طریقہ خوب رواج پکڑ جائے فرمایا کہ مشکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر
اور دو ایک جگہ بھی اس کا اہتمام ہوتا تو اُمید ہوتی لیکن بعض اور حضرات اس قدر سختی
کے خلاف ہیں فرماتے ہیں کہ اس طرح تو پھر کوئی بھی نہ آئے لیکن اپنی اپنی رائے ہے
میرا خیال ہے کہ اگر سب جگہ یہی ہونے لگے تو پھر خوب لوگ آنے لگیں کیوں کہ پھر
آخر جائیں گے کہاں میری نظر ذکر و شغل کی طرف اس قدر نہیں ہے جتنی کہ اخلاق
پر کیوں کہ ان کا تعلق دوسروں سے ہے۔

دیگر

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۱۰۰)

ہدیہ کے موجب اندیشہ ہونے کے تذکرہ میں فلاں مولانا صاحب نے عرض کیا کہ ایسی حالت میں ہدیہ لے لے بعد کو اس کی مکافات کر دے۔ فرمایا کہ جناب اس طرح کس کس کے ہدیہ کو یاد رکھے۔ بالخصوص میری طبیعت میں تو اس قدر جلدی اور تقاضا ہے کہ اگر کسی کا ایک پیسہ بھی میرے پاس ہوتا ہے تو بس یہ تقاضا ہوتا ہے کہ جلدی اپنے پاس سے علیحدہ ہو ایک مرتبہ میں نے اپنے گھر کے لوگوں سے ایک روپیہ لیا تھا آدھی رات کو خیال آیا کہ دینا ہے بس چین نہ پڑا اٹھ کر دیکھا کہ آیا جاگ رہی ہیں یا سو رہی ہیں چونکہ اُن کی بھی نیند کم ہے انہوں نے کہا کیا ہے میں نے کہا یہ روپیہ اپنا لے لو انہوں نے کہا یا اللہ ایسی کیا جلدی تھی میں نے کہا کہ میرے پاس سے لے لو ورنہ مجھے رات بھر نیند نہیں آئے گی جب ان کو دیدیا تب نیند آئی ایسی بری طبیعت ہے اسی طرح رات میں جب کوئی مضمون ذہن میں آتا ہے تو اسی وقت چراغ جلا کر پرچہ لکھ کر سرہانے رکھ لیتا ہوں جب اطمینان ہوتا ہے اسی جلدی اور تقاضا کی بنا پر کبھی بطور ناز کے میں حق تعالیٰ سے دعا کیا کرتا ہوں کہ یا اللہ مجھے تو آپ بلا سزا ہی کے بخش دیجئے گا ورنہ سزا میں مجھے کیسے صبر ہو سکے گا کہ کب مغفرت ہو گی۔

دیگر

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۳۵۶)

فرمایا کہ اہل علم کو اموال کے باب میں بہت احتیاط چاہیے لینے میں بھی اور دینے میں بھی ایک صاحب نے جو موافقین میں سے ہیں خط شکایتی لکھا ہے کہ ہدیہ میں سختی نہ کرنا چاہیئے لینا چاہیئے اور مہمانوں میں خرچ کرنا چاہیئے ۔ فلاں مولوی صاحب نے خوب کہا کہ احمق ہیں جو یہ مشورہ دیتے ہیں ۔ یعنی خواہ مخواہ دو کام اپنے سر لیں ۔ ایک تو لینے کا اور ایک اس کے خرچ کرنے کا اُن صاحب نے یہ بات بطور طعن کے لکھی تھی اس لئے کہ ان کی مہمانی نہیں کی گئی تھی ۔ پھر فرمایا کہ میرے یہاں لینے کے بھی شرائط ہیں کہ ایک معتد بہ مدت تک ملتے جلتے رہنے سے دل خوب مل گئے ہوں اور بے تکلفی ہو گئی ہو ایک دفعہ میں ایک دن کی آمدنی سے زیادہ ہدیہ نہ ہو مثلاً اگر پندرہ روپیہ ماہوار کا ملازم ہے تو ایک بار میں ۸ ر آٹھ آنہ سے زیادہ نہ دے ۔ اور دو ہدیوں کے درمیان کم از کم ایک ماہ کا فصل ہو ۔ اور پابندی کے ساتھ نہ دے ۔

اسی طرح میں خرچ بھی خواہ مخواہ نہیں کرتا ۔ بلکہ قریب قریب سال بھر کا خرچ اپنے پاس جمع رکھتا ہوں مہمانوں میں بھی عرف کا پابند نہیں ۔ جس کے ساتھ جیسی خصوصیت ہوئی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا گیا کسی کو گھر پر بلا کر کھلا یا کسی کو پیسے بھیج دیئے کہ بازار سے لے کر کھالیں ۔ کسی کو کچھ بھی نہیں ظاہر ہے کہ شرائط کی شدت سے آمدنی کم ہو گی ۔ پھر اگر خرچ میں وسعت کی جائے تو میری نیت خراب ہونے لگے

اور شرائط کی پابندی ہو سکے۔ ایک پیر صاحب میرے پاس آئے بس لنگر خانہ کی بدولت
چھ ہزار کے مقروض ہو گئے تھے چاہتے تھے کہ کسی رئیس کو سفارش قرض دینے کی
کر دی جائے میں نے پوچھا کہ یہ قرض خواہ مخواہ کیوں کر لیا کہا کہ یہی خیال تھا کہ جو لوگ
کھا جاتے ہیں وہی دیں گے لیکن کسی نے کچھ نہیں دیا میں نے کہا کہ اب جو قرض لو گے
اس کو کہاں سے ادا کرو گے کہا کہ مرید ہی دیں گے میں نے (دل میں) کہا اِنا للہ
اب بھی مریدوں ہی پر نظر ہے تو جناب یہ حالت ہو جاتی ہے خرچ بڑھانے میں۔ دین کی
یہ خرابیاں ہیں اب الحمد للہ سال بھر کا خرچ ہمیشہ میرے پاس جمع رہتا ہے اس سے
اطمینان رہتا ہے حدیث شریف میں بھی ہے کہ حضور ازواج مطہرات کو سال بھر کا
خرچ دیدیا کرتے تھے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ سال بھر کا
خرچ ذخیرہ کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ اب مجھے کسی بڑے سے بڑے ہدیہ کے
واپس کر دینے میں وسوسہ بھی نہیں ہوتا جبکہ میرے شرائط کے موافق نہ ہو بس بیدھڑک
خلاف شرائط ہدیہ کو واپس کر دیتا ہوں وسوسہ بھی نہیں آتا کیونکہ کیا سال بھر تک کچھ
نہ آئے گا اس سے بہت اطمینان رہتا ہے۔

ایک بار احقر نے کثرت مہمانان دیکھ کر کچھ ہدیہ پیش کیا تو فرمایا کہ یہ زیادتی
ہے (پچھلے ہدیہ میں اور اس ہدیہ میں فصل کم تھا) لیکن اصرار پر رکھ لیا بعد کو بذریعہ
ایک عزیز صاحبزادے کے واپس فرما دیا کہ اس وقت مجھے واپس کرتے ہوئے
شرم آئی تھی دلجوئی کے خیال سے یہ بھی کہلا بھیجا کہ اس کو واپس کرنا نہ سمجھیں بلکہ
انشاء اللہ کسی اور موقع پر دیکھا جائے گا بعد کو بالمشافہ فرمایا کہ آپ نے مہمانوں کی
وجہ سے دیا تھا لیکن میرے پاس آج کل بحمد اللہ فراغت ہے جس طرح کہ روپیہ کے آنے

سے حظ ہوتا ہے اسی طرح اب مجھے معلوم ہوا کہ روپیہ کے زیادہ ہو جانے کی حالت میں خرچ کرنے میں بھی حظ ہوتا ہے

ایک منصف صاحب نے جنہوں نے تعلیم بذریعہ خط حاصل کی ہے لیکن حاضری خدمت کی نوبت نہیں آئی پندرہ روپیہ احقر کے پاس بھیجے کہ ان کی جانب سے حضور میں بطور ہدیہ محقر پیش کر دئے جائیں فرمایا کہ چونکہ ان سے ملاقات نہیں ہوئی اس لئے ان کا مذاق نہیں معلوم محض کتابوں کو دیکھ کر اعتقاد ہوا ہے کتابیں تو اشتہار ہیں اشتہاری عقیدت کا کیا اعتبار ہاں میرے پاس رہ کر میرا طرز عمل دیکھ جاتے اور پھر بھی معتقد رہتے تو وہ دوسری بات تھی مجھے اجنبی شخص سے جس سے پوری پوری بے تکلفی نہ ہو ہدیہ لیتے ہوئے شرم آتی ہے ممکن ہے وہ اپنے اعتقاد میں مجھے نہ معلوم کیا سمجھ رہے ہوں اور میں بعد ملاقات کچھ اور ثابت ہوں پھر اُن کو اس ہدیہ کا بھی افسوس ہو چنانچہ ایک شخص نے ایک مسئلہ پوچھا اس کا جواب اُن کے مذاق کے خلاف دیا گیا تو کہنے لگے کہ ہم نے اتنے دنوں خدمت کی اور پھر بھی موقع پر ہماری مدد نہ کی فرمایا انہیں وجوہات سے مجھے اس ہدیہ کے قبول کرنے میں جو کہ منصف صاحب نے بھیجا ہے انقباض ہوتا ہے استفسار پر فرمایا کہ یہ لکھ دیجئے کہ اُس کے معمول کے خلاف ہے اس لئے عذر ہے لیکن یہ بھی لکھ دیجئے کہ وہ کسی کے ہدیہ کو تحقیر کی وجہ سے ہرگز رد نہیں کرتا اُس کے قلب میں ہر مسلمان کی بہت قدر ہے بالخصوص جو طالب ہو اس کی تو نہایت قدر ہوتی ہے برا نہ مانیں۔ جب بے تکلفی ہو جائے گی قبول کر لوں گا۔

دیگر

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۴۵۶ ملخصاً)

احقر کے گھر کے لوگوں نے حضرت والا کی دعوت کرنے کا مع متعلقین وچند اعزا و مہمان کے ارادہ کیا حضرت نے منع فرمادیا اور احقر کو ہدایت فرمائی کہ آپ یہاں مقیمانہ زندگی نہ بسر کیجئے بلکہ مسافرانہ طور پر رہیئے دعوتوں کو بالکل حذف کیجئے نہ میری نہ کسی کی اگر ایک پیسہ بھی کہیں سے بچ سکے تو بچائیے (احقر بو ضع تنخواہ طویل رخصت لے کر حاضر ہوا ہے اور توسیع کرانے کا بھی ارادہ ہے) احقر نے عرض کیا کہ کم از کم تنہا حضور کی دعوت کی تو اجازت ہونی چاہیئے فرمایا کہ اس جلسے میں یہ اجازت لینی نہیں چاہیئے تھی کیوں کہ اس وقت دوسری قسم کا اثر ہے اگر جی چاہتا ہے پھر کسی موقع پر پوچھ لیتے اور تنہا میری دعوت میں اس کی کیا ضرورت ہے کہ پہلے سے نوٹس دیا جائے یا کوئی خاص اہتمام کیا جائے اس کی یہ بھی صورت ہو سکتی ہے کہ اگر گھر میں کوئی خاص چیز پکی اور محبت سے کھلانے کو جی چاہا تو ایک پیالہ میں رکھ کر بھیج دی چاہے دو روٹیاں بھی اوپر سے رکھ دیں کوئی خاص تکلف کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کیا ضرور ہے کہ دعوت ہی ہو اور خاص طور سے اہتمام کر کے کوئی نئی چیز بھی پکوائی جائے اور آپ سے یہ بھی کہنا ہے کہ فلاں وقت جو آپ کے یہاں سے کھانا آیا تھا وہ زیادہ تھا۔ ابھی ہم دو میاں بیوی ہیں باقی اور تو سب جی جوڑا کنبہ ہے جس وقت چاہیں حذف کر دیں اگر کوئی چیز بھیجی جائے تو بس صرف اس قدر کہ ہم دونوں مل کر کھالیں مع اس

کھانے کی رعایت کے جو خود ہمارے یہاں پکا ہو۔ یعنی بس وہ کھانا ایک شخص کے لائق ہو پھر ہم چاہے سب خود کھالیں چاہے تھوڑا تھوڑا سب کو تقسیم کردیں آپ ایک شخص کے انداز سے زیادہ نہ بھیجیں۔

پھر فرمایا لوہاری میں ایک دوست نے میری دعوت کی بہت اصرار کرکے لے گئے میں سمجھا میں اکیلا ہوں گا جاکر کھالوں گا۔ وہاں جاکر دیکھا کہ پچاس ساٹھ آدمیوں کی دعوت ہے میرے اوپر سخت بار ہوا خیر میں چپ ہو رہا چلتے وقت انہوں نے ایک جوڑا اور دس روپے پیش کئے میں نے کہا یہ جوڑا کیسا انہوں نے کہا کہ شادی میں آپ کے لئے بنایا ہے میں نے کہا کہ کیا میں نائی ہوں کہ شادی میں جوڑا لوں روپیوں کی بابت بھی کہا کہ میں ہرگز نہ لوں گا۔ تم نے اتنا روپیہ کھانے میں برباد کردیا مجھے وہ کھایا ہوا ہی بُرا معلوم ہوتا ہے۔ مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو میں دعوت بھی منظور نہ کرتا۔

پھر فرمایا ہمیں تو وہ طرز دعوت کا پسند ہے جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ اُن کی دعوت ایک طالب علم نے کی۔ مولانا نے فرمایا کہ بھائی اس شرط سے قبول ہے کہ صرف وہی کھانا ہو جو تمہارے لئے دوسرے کے گھر سے آتا ہے (اُن کا کھانا کہیں مقرر تھا) انہیں تو مولانا کو کھلانا منظور تھا اس لئے مجبوراً انہوں نے اس شرط کو منظور کرلیا جو کھانا ان کے لئے آیا وہی مولانا کے سامنے لاکر رکھدیا مولانا نے کھالیا۔ پھر فرمایا کہ اس طرز سے دوسرے کا بھی فائدہ ہے کہ خرچ سے بچا اور انتظام کے جھنجھٹ سے بچا اور اپنا فائدہ ہے کہ سستا پیر ہوگا تو بہت آدمی دعوت کیا کریں گے اور اگر مہنگا ہوا تو جب پچاس ساٹھ

آدمیوں کے کھلانے کی توفیق ہو جب کہیں پیر صاحب کی دعوت کریں۔ اس طرح تو جناب کہیں برسوں میں جا کر دعوت نصیب ہوا کرے اور اگر سستا ہو تو دعوت کرنا مشکل ہی کیا ہے آج یہاں کل وہاں روز دعوت ہوا کرے تین سو ساٹھ دن دعوت ہی میں گذر جائیں۔ میں کہتا ہوں جو سنت کے موافق طریقہ ہوگا اس میں ہر طرح فائدہ ہی فائدہ ہے یہ طریقہ بالکل سنت ہے۔

حضورؐ کی دعوت ایک صحابی نے کی تھی راستہ میں ایک آدمی باتیں کرتا ہوا ساتھ ہو لیا جب میزبان کے دروازے پر پہنچے تو ٹھٹھک گئے اور میزبان سے دریافت فرمایا کہ بھائی ایک آدمی میرے ساتھ زائد ہے کہو تو آئے ورنہ لوٹ جائے۔ میزبان نے بخوشی منظور کر لیا۔ اس پر لوگ آج کل قیاس فاسد کرتے ہیں میں اس کے متعلق تقریر کرتا ہوں وہ بہت غور کے قابل ہے۔ لوگ کیا کرتے ہیں کہ دعوت میں اپنے ساتھ بے بلائے دو دو اور تین تین آدمی ساتھ لے جاتے ہیں اور اپنے تقویٰ کی حفاظت کے لئے میزبان سے پوچھ لیتے ہیں کہ بھائی ہمارے ساتھ دو اور ہیں یا تین اور ہیں اور تمسک کرتے ہیں اس حدیث سے حالانکہ یہ بالکل قیاس مع الفارق ہے جہاں یہ دیکھا کہ حضورؐ نے اپنے ساتھی کے لئے پوچھ لیا تھا یہ بھی تو دیکھا ہوتا کہ پوچھنے سے پہلے حضورؐ نے اُن میں مذاق کیا پیدا کر دیا تھا تم نے تو وہ مذاق اول پیدا کیا ہوتا۔ وہ مذاق کیا تھا آزادی کا تھا۔

ایک نظیر اس امر کی کہ حضورؐ نے صحابہ میں آزادی کا مذاق کس قدر پیدا کر دیا تھا بیان کرتا ہوں وہ اتنی بڑی نظیر ہے جس کے قریب قریب بھی آج کل نہیں

مل سکتی۔ مسلم میں ہے کہ ایک فارسی تھا شوربا نہایت اچھا پکاتا تھا ایک دن حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آج شوربا میں نے بہت اچھا پکایا ہے چل کر نوش فرما آیئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا "مگر اس شرط سے کہ عائشہ بھی شریک ہوں گی" وہ کہتا ہے "نہیں حضرت عائشہؓ نہیں" غور کیجیے حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ اُن کے لئے بھی کس آزادی کے ساتھ انکار کر دیا یہ مذاق کس کا پیدا کیا ہوا تھا حضورؐ ہی کا۔ اسی مذاق کے بھروسہ پر حضورؐ نے میزبان سے اپنے ساتھی کے لئے پوچھا تھا حضورؐ کو پورا اطمینان تھا کہ اگر جی چاہے گا تو منظور کر لے گا نہیں تو صاف انکار کر دے گا۔ آج کل بھلا یہ بات کہاں۔ پس جو شخص ہم سے مغلوب ہو اور جس کی بابت یہ یقین نہ ہو کہ اگر جی نہ چاہا تو کچھ لحاظ نہ کرے گا آزادی سے انکار کر دے گا اُس سے اس طرح پوچھنا کب جائز ہے اور اگر ایسے پوچھنے پر وہ اجازت بھی دیدے تو وہ اجازت عندالشرع ہرگز معتبر نہیں نہ اس پر عمل جائز۔

ہاں تو وہ صحابی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نہیں حضورؐ نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ نہیں تو ہم بھی نہیں دعوت میں شرط لگانے کا اختیار ہے اور داعی کو بھی اختیار ہے کہ وہ اُس شرط کو چاہے منظور کرے یا نہ کرے غرض دونوں کو اختیار ہے۔ وہ ایسے بزرگ اور آزاد تھے کہ نہیں تو نہ سہی اور چل دیئے تھوڑی دور چل کر پھر لوٹے۔ محبت کا جوش ہوا حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت شوربا بہت اچھا پکا ہے چل کر نوش فرمایئے حضورؐ نے فرمایا کہ اس شرط سے کہ عائشہ بھی ہوں۔ کہنے لگے عائشہ تو نہیں حضورؐ نے فرمایا اچھا تو ہم بھی نہیں پھر لوٹ گئے تیسری بار

پھر آئے اور پھر عرض کیا حضورؐ نے پھر وہی فرمایا کہ عائشہؓ بھی اب کی بار انھوں نے کہا کہ آپ کی یہی مرضی ہے تو اچھا عائشہؓ بھی۔

اس موقع پر ہمارے حضرت مولانا نے فرمایا کہ میری ایک رائے اس میں ہے وہ یہ کہ شوربا غالباً تھوڑا تھا اُن کا جی چاہتا تھا کہ حضورؐ تنہا پیٹ بھر کر کھالیں اگر حضرت عائشہؓ بھی ہوئیں تو حضورؐ کا پیٹ نہ بھرے گا۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ حضورؐ کی یہی خوشی ہے اخیر میں راضی ہو گئے۔ انہوں نے سوچا کہ اپنے نفس کی خوشی کے لیئے میرا جی چاہتا تھا کہ حضورؐ پیٹ بھر کر کھائیں اب یہی بھوکا رہنا چاہتے ہیں تو یہی سہی۔ اُس وقت تک حجاب نازل نہیں ہوا تھا حضورؐ آگے آگے حضرت عائشہؓ پیچھے پیچھے تشریف لے گئیں حضورؐ قبل پوچھنے کے یہ مذاق پیدا فرما چکے تھے۔ کوئی مولانا صاحب یا شاہ صاحب جو اس حدیث سے تمسک کرنا چاہتے ہیں پہلے یہ مذاق تو پیدا کریں ورنہ قبل اس کے پوچھنا بھی حرام اور اگر میزبان اجازت بھی دیدے تو اُس اجازت پر کسی زائد شخص کو لے جانا بھی حرام آج کل تو بس اندھا دھند ہو رہا ہے کسی کے یہاں دعوت ہوئی تو اپنے ساتھ اوروں کو بھی لے گئے کسی نے اعتراض کیا تو کہہ دیا کہ صاحب اجازت تو لے لی ہے۔

کسی کو داعی کی طرف سے سفر کے لئے زادِ راہ دیا جاتا ہے تو جو کچھ خرچ کرنے کے بعد باقی رہ جاتا ہے اکثر تو اُس کا تذکرہ بھی نہیں کرتے حالانکہ اُس کو واپس کرنا چاہیئے ورنہ خیانت ہے کیونکہ وہ اس کی ملک نہیں کیا جاتا بلکہ خرچ کرنے کے لئے بطور امانت کے دیا جاتا ہے اگر کسی نے بہت ہی ہمت کی

تو یہ کیا کہ بھائی اتنا بچ گیا ہے اب جیسا تم کہو بس اس کا جواب تو یہی ہے کہ آپ ہی خرچ کر لیجئے بڑی آفت برپا ہے واپس ہی کیوں نہ کر دیا جائے یہ ساری خرابی حُبِ دنیا کی ہے مال کی محبت رگ و ریشہ میں گھس رہی ہے ذرا سا بہانہ چاہیئے اباحت کے لئے۔

پہلے تو یہ فتویٰ تھا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے جب تک کہ حرمت نہ ثابت ہو۔ اب تو وہ حالت ہو گئی ہے کہ یہ کہنا چاہیئے کہ اصل اشیاء میں حرمت ہے جب تک کہ اباحت ثابت نہ ہو یہ فتویٰ دینا چاہیئے تب کہیں جا کر لوگ حرام سے بچیں گے بڑی گڑبڑ ہو رہی ہے۔ میں تو ہدیہ میں بھی یہاں تک سوچتا ہوں کہ بہت زیادہ جوشِ محبت سے تو نہیں دیا گیا عام طور سے اخلاص کی کمی تو ہدیہ قبول کرنے کی مانع ہوتی ہی ہے میرے یہاں اخلاص کی زیادتی بھی منجملہ موانع کے ہے کیوں کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت تو جوشِ محبت میں کچھ نہیں سوجھتا جب جوش ٹھنڈا ہوگا تب حساب کتاب کا ہوش آئے گا کہ دس تو پیر ہی کو دے دیئے اس لئے اگر کسی کو پانچ کی گنجائش ہوئی تو یہ کرتا ہوں کہ ڈھائی ہی لیتا ہوں اس پر بھی بفضلہ خوب ملتا ہے جو قسمت کا ہے وہ کہیں جا ہی نہیں سکتا ہم لوگوں کا یقین ہی خراب ہو گیا ہے۔ یوں سمجھتے ہیں کہ اگر واپس کر دیں گے تو پھر کہاں ملے گا۔ میں کہتا ہوں قسمت کا پھر بھی مل کر رہتا ہے اور جو نہیں ملتا وہ قسمت کا تھا ہی نہیں۔

پھر فرمایا کہ حضرت دین کی حفاظت بلا اس کے نہیں ہو سکتی۔ ہماری طرف جو کچھ لوگوں کی توجہ ہے وہ سب دین کی بدولت ہے پس ہم کو اُس دین کی

عزت قائم رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔ اگر اس کی عزت نہ رہے پھر ہمیں کون پوچھتا ہے۔ قصبہ گڑھی میں ایک خاں صاحب تھے بڑے بوڑھے آدمی تھے بڑی شفقت فرماتے تھے وہ مجھ کو کچھ دیتے تو بہت خوشی کے ساتھ لے لیتا۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ تو باپ کے برابر ہیں مجھ کو ان کا دینا ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے کہ اپنے بیٹے کو دے رہے ہوں اُن کے انتقال کے بعد اُن کے بیٹوں نے بھی وہی برتاؤ کرنا چاہا میں نے صاف انکار کر دیا کہ اب میں نہیں لے سکتا کیوں کہ تم تو میرے برابر کے بھائی ہو۔ میں تم سے اس وقت لوں جب تم کو بھی کچھ دوں وہ ماشاء اللہ نہایت خوش فہم و شائستہ ہیں انہوں نے کہا اچھا اب کی لے لو پھر ہم وعدہ کرتے ہیں کہ عمر بھر نہ دیں گے میں نے لے لیا اس کے بعد انہوں نے پھر کبھی نہیں دیا۔ اب یہ کرتے ہیں کہ کبھی مچھلی پکا کر بھیج دی کبھی شکار کا گوشت بھیج دیا اس میں کوئی ایسی بات نہیں مگر اللہ جانتا ہے شرم آتی ہے۔ بات یہ ہے کہ میں بھی بوجہ اس کے کہ خاں صاحب میرے والد کے دوست تھے اپنے آپ کو خاں صاحب کے لڑکے کے برابر سمجھتا تھا اور یہ بھی ان کے لڑکے ہیں اگر علاقہ عقیدت مندی کا یا بیعت کا ہوتا تو وہ دوسری بات تھی اُن کا علاقہ تو محض اپنے باپ کی وجہ سے ہے اس لئے وہ تو بھائی کے درجہ میں ہو گئے اور حیثیت دوسری ہو گئی (پھر فرمایا) اب کیا میری آمدنی کم ہو گئی۔ میں نے دیکھا ہے جس روز میں نے کوئی ہدیہ واپس کیا ایک دو زیادہ کر کے کہیں نہ کہیں سے خدا نے دلوا دے۔ تو میرا دماغ اور بھی خراب ہو گیا ہے۔ جب کوئی ہدیہ واپس کرتا ہوں تو الحمد للہ پورا وثوق ہوتا ہے کہ ضرور آئے گا اس لئے لوٹاتا

آسان ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اب تو یہ باتیں سختی معلوم ہوتی ہیں کچھ دن بعد جب لوگوں کو منافع نظر آئیں گے تب قدر ہوگی اور اب بھی بہتوں کو نظر آنے لگے ہیں۔ اور حضرت میں نے احباب سے یہ بھی کہہ رکھا ہے کہ یہاں آئیں تو دینے کی پابندی نہ کریں ورنہ جناب مہینوں بلکہ سالہا سال بھی توفیق ملاقات کی نہ ہو کیونکہ پہلے کچھ انتظام کرلو تب چلو۔ اب یہ ہے جب جی چاہے آؤ اور بے فکر ہو کر آؤ اور چاہے عمر بھر بھی کچھ نہ دو۔ لوگوں میں ایسی مشکل ہو رہی ہے کہ کھانا اور کھلانا۔ کھانے والے جاتے وقت حساب کرتے ہیں کہ چار دن میں اتنا کھایا ہوگا آٹھ آنے بڑھا کر دینا چاہیئے۔ ذلیل حالت ہے۔ میں نے یہ قصہ ہی نہیں رکھا باستثناء بعض اہل خصوصیت کے عام طور سے کھانا کھلانے کو بھی ضروری نہیں سمجھتا ہم بھی بے فکر تم بھی بے فکر۔ یہ حساب کتاب بھٹیاروں کا سا کیسا۔ اس پر بھی لوگ دیتے ہیں گو شرم تو آتی ہے لیکن چونکہ خلوص ہوتا ہے لے لیتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ خدا خلوص دے جہاں خلوص ہوتا ہے وہاں فلوس خود بخود آجاتا ہے کمی تو خلوص کی ہے۔

عرض کیا گیا جی چاہتا ہے کہ حضور کا مجموعی طریقہ قلمبند ہو کر محفوظ ہو جائے تو بہت نافع ہو آئندہ زمانہ کے لوگوں کے لئے بھی۔ فرمایا کہ جی میرا کیا طریقہ ہے دین کا طریقہ ہے۔ میں نے ایجاد نہیں کیا الحمد للہ مجھے اس کا بہت خیال رہتا ہے کہ کوئی دستور العمل سنت اور شریعت کے خلاف نہ ہو خدا تعالیٰ کی یہ بڑی رحمت ہے۔

ایک بات میں میرا خیال تھا کہ شاید سنت کے خلاف ہو وہ یہ کہ اگر بڑی رقم کا کوئی ہدیہ دیتا ہے تو گو دینے والے کی حیثیت سے زیادہ نہ ہو اور خلوص میں بھی کمی نہ ہو لیکن مجھے

زیادہ معلوم ہوتا ہے اور طبیعت پر بوجھ سا ہوتا ہے اور واپسی کو جی چاہتا ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ میں یہ کہتا تھا کہ یہاں کیا عذر شرعی ہے لیکن باوجود عذر سمجھ میں نہ آنے کے چونکہ طبعی بات کی مخالفت مشکل ہوتی ہے اس لئے میں انکار کر دیتا تھا لیکن میں سمجھتا تھا کہ یہ محض طبعی معذوری ہے۔ سنت میں اس کی اصل نہیں ہے۔ بہت دنوں مجھے یہ شبہ رہا۔ میں اپنے کو اس واپسی میں قاصر سمجھتا تھا مگر واپس کر دیتا تھا لیکن الحمدللہ میرا وہ شبہ جاتا رہا جب سے کہ میں نے ایک حدیث دیکھی کہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ کوئی خوشبو پیش کرے تو واپس مت کرو اور خود ہی اُس کی علت فرماتے ہیں کیونکہ بار اس کا کچھ زیادہ نہیں ہوتا اور فرحت کی چیز ہے پس عدم رد کی علت خفیف المحمل ہونے کو بتلایا میں نے کہا الحمدللہ اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ بوجھ پڑنا طبیعت پر یہ بھی ایک عذر معقول و مشروع ردِّ ہدیہ کا ہے۔ میں نے احتیاطاً اوروں سے بھی پوچھا کہ اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے یا نہیں کیونکہ مجھے خیال ہوا کہ کہیں میرے نفس نے یہ مطلب نہ تراشا ہو مگر وہ کہنے لگے کہ اجی صاف دلالت ہے۔

پھر فرمایا کہ ایک دفعہ بھائی نے چاہا کہ میں کچھ ماہوار تمھارے لئے مقرر کر دوں۔ سمجھدار آدمی ہیں بے تکلف لکھ دیا۔ میں نے لکھا کہ اس میں خرابی ہے اب تو میری نظر کسی خاص شخص پر نہیں اللہ پر ہے اور اگر مخلوق پر بھی ہے تو کسی مخلوق معین پر تو نہیں ہے اگر تم نے ماہوار مقرر کر دیا تو بریلی ہی میں دل پڑا رہے گا اول تو حساب لگانا پڑے گا کہ مارچ ختم بھی ہو گیا یا نہیں مئی ختم ہوئی یا نہیں جب پہلی تاریخ ہو گی تو یہ خیال ہو گا کہ آج تنخواہ وصول ہوئی ہو گی۔ آج روپیہ چلا ہو گا۔ آج آ رہا ہو گا نہ آیا تو پیچھے پریشانی کہ نہ معلوم کیا وجہ ہو گئی یہ جھگڑا تو یہاں ہو گا۔ اب تو یہ ہے کہ آ گوند ہے من حیث ...

لا یَحتَسِبُ کی شان تو نہ رہے گی کہ جہاں سے گمان بھی نہیں ہوتا وہاں سے حق تعالےٰ دیتے ہیں دوسرے بیں نے یہ لکھا کہ بُرا ماننے کی بات نہیں گو تمھاری تنخواہ ساڑھے چار سو روپیہ ہے لیکن ضرورتیں مختلف ہوا کرتی ہیں بعض دفعہ پانچ سو کا خرچ پڑجائے گا اس وقت تم کو گرانی ہوگی کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر وقت جوش محبت کا نہیں رہتا۔ وہ بڑے سمجھ دار آدمی ہیں انہوں نے لکھا کہ مجھے تعجب ہے کہ ایسی موٹی بات کی طرف لکھنے کے وقت مجھ کو توجہ نہ ہوئی آپ کے خط کو دیکھ کر آنکھیں کھلیں آپ کے خط کا ہر ہر حرف آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ میں رجوع کرتا ہوں اور اپنی رائے کو واپس لیتا ہوں بعد کو انہوں نے کہا کہ آخر اور لوگ بھی تو پیش کرتے ہیں اگر میرا جی چاہے تو مجھے خدمت سے کیوں محروم رکھا جائے۔

میں نے کہا کہ کیا اور لوگ معین کرتے ہیں جیسا کہ تم کرنا چاہتے تھے۔ غیر معین طور پر کچھ پیش کرو میں وعدہ کرتا ہوں کہ لے لوں گا۔ پھر جب میں بریلی جاتا تھا کبھی ٹکٹ لے دیتے۔ کبھی پچیس کبھی بیس روپیہ دے دیئے کبھی کچھ کپڑے بنوا دیئے اور کبھی کچھ بھی نہیں اور نہ زیادہ دہی ہوتا تھا کہ کچھ بھی نہیں۔ بس وہ میرے مذاق کو سمجھ گئے اور اس کے موافق عمل کیا۔ محبت کی بات تو یہی ہے پھر میں ایسا کرتا کہ کبھی کبھی قصداً گنگی بھائی کے پاس امانت رکھوا دیتا تاکہ انہیں اطمینان ہو جائے کہ ہاں اس کے پاس کافی سرمایہ موجود رہتا ہے۔ میرے گھر میں کہا کرتی ہیں مجھے اُن کی یہ بات بہت پسند آئی کہ ذرا سفر میں اچھی حیثیت سے جایا کرو کپڑے بھی اچھے ہوں جوتا بھی بنا ہو ایک آدھ جوتا اور بھی ساتھ بندھا ہو میں نے کہا کیوں مجھے کسی کو دکھلانا تھوڑا ہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ انما الاعمال بالنیات میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر لوگ تمہیں خستہ حالی میں دیکھیں گے

تو انہیں فکر ہوگی کہ آج کل تنگی میں ہیں کچھ دینا چاہیئے۔ اور اگر کپڑے بھی اچھے اور جوتا بھی نیا ہوگا تو سمجھیں گے کہ کسی چیز کی حاجت نہیں سب بے فکر رہیں گے مسلمانوں کو بے فکر کرنے کے لئے اچھی حیثیت بنا کر سفر کیا جائے تو عبادت ہے ایسی لطیف بات کہی کہ وہ دیکھ کر خوش ہوں گے کہ آرام میں ہیں اور بے فکر رہیں گے جب سے میں یہ کرتا ہوں کہ دو چار جوڑے جو اچھے ہوئے وہی چھانٹ کر سفر میں لے جاتا ہوں۔

پھر فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اس ہندی خدا میں ذرا بھی حرص نہیں ورنہ بڑا مصیبت ہوتا۔ حضرت ایسا ہوتا ہے کہ ہدیہ لیتے ہیں اگر میں کبھی اپنے معمول کو بھول جاتا ہوں تو وہ ٹوکتی ہیں کہ تمہارے معمول کے خلاف ہے یہ کیوں لے لیا۔ یہ کبھی سفارش نہیں کی کہ فلاں ہدیہ لے لو یہ بارہا کہا کہ یہ تمہارے معمول کے خلاف ہے یہ کیوں لے لیا پھر فرمایا کہ میں اس واسطے یہ سب باتیں سنا رہا ہوں کہ اگر ان میں سے کسی کو کوئی بات پسند آئے تو تقلید کی جائے کیوں کہ علمی تعلیم سے اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا عملی تعلیم کا اثر ہوتا ہے۔ واقعات سن کر بہت اثر ہوتا ہے کہ بھائی ایسا ہو بھی رہا ہے۔

فلاں صاحب وکیل یہاں آئے تھے بہت اچھے آدمی ہیں دیندار آدمی ہیں۔ علی گڑھ کے پڑھے ہوئے ہیں وہاں ماسٹر بھی تھے۔ بی، اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ہیں۔ شیخ عبدالحق دہلویؒ کی اولاد میں سے ہیں مجھے تو نقل نہ کرنا چاہیئے لیکن اگر نقل بھی کر دوں تو کون سا بڑا کمال ثابت ہو جائیگا کیوں کہ میں چیز ہی کیا ہوں۔ انھوں نے ایک بات کہی کہ دو باتیں اس وقت تک گم تھیں ظاہر نہیں کی جاتی تھیں کتابوں میں بھی کہیں پتہ نہ تھا ایک تو فن سلوک کے اصول۔ یہ کہیں نہیں سنے جاتے تھے اس

کو تربیت السالک (نام کتاب جس میں ذاکرین و شاغلین کے خطوط مع جوابات حضرت والا درج ہیں) نے بالکل صاف کر دیا - ایک معاشرت و معاملات پر گفتگو کسی نے نہیں کی۔ انہوں نے اس کی وجہ بھی تراشی کہ اس لئے گفتگو کی ہمت نہیں ہوئی کہ لوگ کہیں گے کہ تم خود ہی کیا کر رہے ہو الحمدللہ ایک یہ جزو دین کا مخفی تھا اب ظاہر ہوا - اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ ناظرین نے ملفوظات منقولۂ بالا سے بخوبی اندازہ فرما لیا ہوگا کہ حضرت والا ہدیہ قبول فرمانے میں کتنی احتیاط اور کس درجہ استغناء منسوب بالعبدیت سے کام لیتے ہیں اور اس کے متعلق حضرت والا کے جتنے بھی اصول ہیں وہ کیسے معقول اور مؤیدؔ بالمنقول ہیں۔

علاوہ ان واقعات کے جو حُسن العزیز سے ابھی نقل کئے گئے ہدایا کے متعلق اور بھی بہت کثرت سے واقعات اس وقت یاد آتے چلے جا رہے ہیں جو نہایت سبق آموز ہیں لیکن بوجہ عدم گنجائش وقت اور بخوف تطویل اُن سب کو نظر انداز کر کے صرف دو چار دلچسپ اور مختصر واقعات کو بیان کیا جاتا ہے -

ایک صاحب نے جو غالباً فوجی ملازم تھے کچھ نقد اور کچھ غیر نقد ہدیہ پیش کیا چونکہ وہ بالکل اجنبی شخص تھے اس لئے حضرت والا نے حسب معمول ملاطفت کے ساتھ عذر فرمایا کہ بدون کامل واقفیت اور بے تکلفی کی ملاقات کے کسی کا ہدیہ لینا میرے معمول کے خلاف ہے۔ انہوں نے اصرار کیا تو حضرت والا نے پھر نرمی سے سمجھایا کہ کسی کی طبیعت کے خلاف اصرار نہیں کیا کرتے لیکن وہ پھر بھی اصرار سے باز نہ آئے اور حضرت والا کا یہی معمول ہے کہ ابتداءً نہایت اخلاق اور نرمی سے پیش آتے ہیں لیکن جب دوسرے کی طرف سے ایذا شروع ہوتی ہے تو پھر اپنی

ایذا کا اظہار تیز لہجہ میں فرمانے لگتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ جب لوگ بلا اس کے مانتے ہی نہیں تو پھر کیا کروں کسی طرح اپنا پیچھا بھی چھوڑاؤں چنانچہ جب وہ صاحب اصرار سے باز ہی نہ آئے تو ایک بار پھر فرمایا کہ دیکھو اب مجھے غصہ آچلا ہے اب بھی اپنی چیزیں اُٹھا لو لیکن جیسا کہ بعد کو معلوم ہو گا وہ تو آئے ہی تھے یہ ٹھان کر کہ ہدیہ دے کر ہی ٹلوں گا چنانچہ اس کہنے پر بھی نہ ٹلے۔ تب تو حضرت والا بہت برافروختہ ہوئے اور ڈانٹ کر فرمایا کہ دور ہو نامعقول اٹھا اپنی چیزیں۔ پھر تو جلدی سے اپنی چیزیں اٹھا کر مسجد میں جا بیٹھے۔ غرض بڑی ہی مصیبت سے پیچھا چھوٹا۔

پھر دوسرے روز یا اُسی روز احقر سے اپنا سب حال صاف صاف بیان کیا کیونکہ بیچارے سیدھے سادھے فوجی آدمی تھے کہنے لگے کہ اجی میں اب اپنے یہاں کیا منہ لے کر جاؤں گا۔ بات یہ ہے کہ چلتے وقت مولانا کے ایک مرید سے اور مجھ سے اس ہدیہ ہی پر بحث ہوئی تھی وہ کہتے تھے کہ مولانا ہرگز نہ لیں گے اور میں کہتا تھا کہ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے ہدیہ بھی ایسی چیز ہے کہ کوئی نہ لے۔ میں دے کر ہی آؤں گا۔ انہوں نے کہا اگر تم نے وہاں اصرار کیا تو یاد رکھو کہ پٹو گے۔ چنانچہ واقعی انہیں کا کہنا صحیح نکلا۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ جب روپیہ اور چیزیں دیکھیں گے بھلا ممکن ہے کہ نہ لیں کیونکہ ہم نے تو کسی پیر کو انکار کرتے دیکھا نہیں۔ اھ

لیجئے یہ وجہ تھی آپ کے اصرار کی پھر بھلا حضرت والا کا قلب مصفا ایسے ہدیہ کو کیسے قبول کر لیتا

~~~~
~~~~

دیگر

اسی طرح ایک واقفکار رئیس نے جو ایک بڑے عہدہ دار بھی تھے پچیس روپیہ پیش کئے تو حضرت والا نے ان میں سے صرف دس روپیہ لے لئے اور پندرہ واپس فرمادیئے اور فرمایا کہ بس اتنے ہی کافی ہیں۔ پھر وہ تو چلے گئے لیکن اُن کے ساتھی رہ گئے انہوں نے حضرت والا سے اظہار تعجب کیا کہ آپ کو اُن کا ارادہ کیسے معلوم ہوگیا کیا کشف ہوگیا کیوں کہ اول اُن کا ارادہ صرف دس ہی روپیہ دینے کا تھا لیکن کہنے لگے کہ دس تو پیش کرتے ہوئے شرم آتی ہے اس لئے پندرہ روپیہ اور ملاکر پچیس روپیہ پیش کئے صرف دس روپیہ پیش کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ نہیں جی مجھے کشف نہیں ہوا کرتا۔ اللہ تعالیٰ ہی دستگیری فرماتے رہتے ہیں۔ دس روپیہ لینے کی تو ایک خاص وجہ تھی وہ یہ کہ گھر میں دس روپیہ کی لکڑیاں یکمشت لے لی گئی تھیں کیوں کہ اچھی مل گئی تھیں لیکن چونکہ اتفاق سے اس وقت دام نہ تھے دس روپیہ کا قرض ہوگیا تھا۔ چونکہ میرے قلب پر قرض کا بہت ہی بار ہوتا ہے اس لئے میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ میرا قرض ادا کرادیں جب وہ صاحب پچیس روپیہ دینے لگے تو میں نے خیال کیا کہ بالکل نہ لوں لیکن ڈر لگا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہیں ناشکری نہ ہو جائے اور اللہ میاں پھر نہ کہیں کہ مانگتا بھی ہے اور جب ہم دلواتے ہیں تو نخرے کرتا ہے لیتا نہیں اس لئے میں نے اُس میں سے دس روپیہ جو اللہ میاں سے مانگے تھے وہ تو لے لئے باقی واپس کردیئے۔ اھ

دیگر

حضرت والا ہدیہ کے متعلق ایک یہ دلچسپ واقعہ بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ ایک صاحب آئے تو میں نے ان سے تعارف حاصل کرنے اور سفر کا مقصود معلوم کرنے کے لئے ضروری سوالات کرنا شروع کئے لیکن اُنہوں نے کسی سوال کا جواب ہی نہ دیا جس سے مجھے ناگواری پیدا ہونے لگی اس پر اُن کے ساتھی نے یہ کہا کہ ان کو تو آپ سے اتنی محبت ہے کہ غائبانہ آپ کا نام سننے کی بھی تاب نہیں لا سکتے اور عرصہ سے خط و کتابت بھی کر رہے ہیں۔ یہ سن کر میری ناگواری جاتی رہی اور میں نے ان کو معذور سمجھ لیا۔ پھر انہوں نے بعد ظہر دس روپیہ ہدیہ دیئے۔ میں نے تعلق کی بنا پر لے لئے۔ بس روپیہ لینے تھے کہ اُن کی زبان کھل گئی اور ایسی کھلی کہ فضول فضول سوالات کرنے لگے جس سے مجھے ایذا ہونے لگی۔ میں نے سوچا کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ یا تو ضروری سوالات کے جواب بھی نہ دے سکتے تھے یا اب ایسی زبان کھل گئی کہ خود ہی سوالات کرنے لگے اور وہ بھی بالکل غیر ضروری اور ایذا دہ بس فوراً سمجھ میں آگیا کہ روپیوں نے انکی زبان کھول دی ہے بس روپیہ دے کر اپنے آپ کو سب قواعد سے مستثنیٰ سمجھ لیا ہے اور سمجھنے لگے ہیں کہ اب تو ہمیں حق حاصل ہو گیا ہے کہ بے تکلف جو چاہیں پوچھیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ ابھی میں آپ کے سوالات کا جواب نہیں دیتا ذرا ٹھہر جائیے پہلے میں آپ کے وہ دس روپے واپس کر دوں جنھوں نے آپ کی زبان کھول دی ہے پھر میں جو مناسب سمجھوں گا آزادی سے آپ کے سوالات کا جواب دوں گا پھر میں نے اُسی وقت نکال کر اُن کے دس روپے واپس دیدیئے اور کہا کہ ہاں اب

میں بھی آزاد ہوں اور آپ بھی آزاد ہیں جو کچھ چاہے پوچھئے لیکن جب روپے اُن کے پاس پہنچ گئے تو وہ پھر خاموش ہو گئے اور کسی سوال کی جرأت نہ ہوئی۔ میں خوش ہوا کہ میری تشخیص صحیح نکلی۔ اھ

دیگر

حضرت والا ایک یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ اہل قصبہ میں سے ایک صاحب نے جو کبھی کبھی کوئی کھانے کی چیز ہمارے گھر بھیج دیا کرتے تھے مجھ سے اپنے کسی معاملے کے متعلق جس کے بارہ میں ایک اور شخص سے اُن کا مقدمہ چل رہا تھا مسئلہ پوچھا میں نے حسب قواعد فقہیہ اس کا جواب لکھ دیا وہ جواب اتفاق سے ان کے خلاف تھا اور اُن کے فریق مخالف کے موافق۔ اس پر انہوں نے اوروں سے شکایت کی کہ دیکھو جی ہم ہمیشہ تو ان کی خدمت کرتے رہے اور وقت پر ہمارے خلاف فتویٰ لکھ دیا۔ میں نے جو سنا تو مجھے نہایت ناگوار ہوا اور میں نے کہلا بھیجا کہ اگر آپ نے مجھے کھلایا پلایا ہے تو میرے یہاں سے بھی آپ نے کچھ نہ کچھ ضرور کھایا پیا ہے کیونکہ اہل برادری میں تو باہم لینا دینا رہتا ہی ہے لیکن پھر بھی جو کچھ آپ نے مجھ کو دیا ہے اگر مجھے اُس کا حساب معلوم ہو جائے تو میں اُس کی قیمت بھی دینے کے لئے تیار ہوں۔ اھ

دیگر

حضرت والا ایک یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت مولانا خلیل احمد

صاحب رح میرے یہاں مہمان تھے اور ایک اور صاحب بھی مہمان تھے۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو اُن صاحب نے جیب سے ایک روپیہ نکال کر میرے سامنے پھینک دیا مولانا کو بہت ناگوار ہوا اور ان سے کچھ فرمانا چاہا۔ میں نے بہت ادب کے ساتھ روک دیا کہ جو کچھ کہنا ہو گا میں خود کہہ لوں گا آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ پھر مَیں نے اُن کو خوب ہی آڑے ہاتھوں لیا اور اظہار ناراضی کر کے ان کا روپیہ واپس کر دیا کہ کیا میں بھٹیارہ ہوں اھ

حضرت والا ان واقعات کو نقل فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ پہلے میں ہدیہ کے متعلق اتنی تنگی نہیں کیا کرتا تھا لیکن جب سے اس قسم کے تجربے ہوئے ہیں تب سے میں بہت زیادہ احتیاط کرنے لگا ہوں۔ اھ

دیگر

جناب مولوی منفعت علی صاحب بی۔اے۔ ایل۔ایل۔بی وکیل سہارنپور نے احقر سے فرمایا کہ انھوں نے حضرت والا کی خدمت میں بزمانۂ طالب علمی جب کبھی ہدیہ پیش کیا تو یہ فرما کر واپس فرما دیا کہ ابھی تو تم طالب علمی ہی کر رہے ہو ابھی تو تمہارا مجھ پر حق ہے پھر فرمایا کہ اگر میں اس طرح ہدایا لینے لگوں تو سونے کی دیواریں کھڑی کر لوں اھ۔ واقعی حضرت والا ہدایا قبول فرمانے میں وسعت فرماتے تو لاکھوں کی آمدنی ہوتی کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کے اندر مقناطیسی کشش رکھی ہے اور شان محبوبیت عطا فرمائی ہے۔

دیگر

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ ہدیہ پیش کرنے والے کا ادب تو یہ ہے کہ دوسروں سے چھپا کر دے بلکہ دے کر خود بھی فوراً علیحدہ ہو جائے اور ہدیہ لینے والے کا ادب یہ ہے کہ اس کو دوسروں پر ظاہر کر دے۔ چنانچہ حضرت والا کو بعض ہدیوں کا بالخصوص بعض بڑی بڑی اور بعض بہت چھوٹی چھوٹی مقدار کے ہدیوں کا مجلسِ عام میں ذکر فرماتے خود احقر نے سُنا ہے چنانچہ ایک بار بہت مسرت کے ساتھ فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے مجھ کو اکنی دی اور کہا کہ اس میں سے ایک پیسہ لے لیجئے اور تین پیسے واپس دیدیجئے اُس نے کوئی حساب اپنی سہولت کے لئے رکھا ہوگا۔ اُس کی اس بے تکلفی سے میرا بہت جی خوش ہوا۔ اھ

دیگر

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ ہدیہ اس طرح پیش کرے کہ جس کو ہدیہ دیا جا رہا ہے اُس کو کسی قسم کی مؤنت نہ اٹھانی پڑے۔ اسی وجہ سے حضرت والا نے عموماً ریلوے پارسل کے ذریعہ سے کسی چیز کے بھیجنے کی ممانعت فرما رکھی ہے کیونکہ اس میں ریلوے اسٹیشن سے منگوانے میں بڑی دقت اٹھانی پڑتی تھی اور ملازموں کو بھی بہت تکلیف ہوتی تھی۔ ایک بار ریلوے پارسل کے ذریعہ سے کسی نے نہایت عمدہ خربوزے بھیجے۔ ریل کے بابو نے حضرت والا کے ملازم سے بطور رشوت کے کچھ پیسے مانگے۔ جب ملازم نے آکر اطلاع کی تو حضرت والا نے فرمایا کہ وہ

پر یہ ہی کیا ہوا جس میں مؤنت اور بار پڑے۔ لہذا بلٹی خربوزے بھیجنے والے کے پاس واپس فرما دی۔ بابو صاحب منتظر ہی رہے جب خربوزے بگڑنے لگے تو اُس نے آدمی بھیجا کہ اچھا پیسے نہ دیجئے خربوزے منگوا لیجئے۔ لیکن اس سے کہہ دیا گیا کہ اب ہم نہیں منگواتے۔ پھر بابو خود لے کر آیا لیکن اُس سے کہدیا گیا کہ بلٹی واپس کر دی گئی ہے قاعدے کے مطابق جو کارروائی ہو وہ کرو چنانچہ خربوزے نیلام کر دیئے گئے۔ پھر حضرت والا سے ایک راوی نے بیان کیا کہ کئی بابو تھے جو سب ہندو تھے وہ آپس میں کہہ رہے تھے کہ ہم نے چوری کی چیزیں بہت کھائی ہیں لیکن جیسے یہ خربوزے کھائے ویسے کبھی نہیں کھائے۔ گو بہت اچھے تھے لیکن یہ معلوم ہوتا تھا کہ گوہ کھا رہے ہیں ایسی چوری کبھی نہیں کی۔ حضرت والا نے یہ روایت سن کر فرمایا کہ نالائقوں نے ایک مسلمان کا دل دکھایا اس لئے مزا نہ آیا۔ پھر اس واقعہ کی شہرت ہو گئی۔ دوسرے موقع پر نئے بابو نے پیسے مانگے تو دوسرے بابو نے کہا کہ بھائی یہ پیسے نہیں دیا کرتے ان سے نہ مانگو بس پھر کبھی کسی نے کچھ نہیں مانگا لیکن حضرت والا اُن کو بوجہ واسطہ ہونے کے خود ہی آئی ہوئی چیز دل میں سے کچھ بھیج دیا کرتے تھے پیسے کبھی نہیں دیئے۔

ملفوظات متعلقہ ہدایا

(ماخوذ از اشرف المعمولات ملخصاً)

دہلی سے ایک شخص مسئلہ فرائض لے کر آیا اور کچھ نذرانہ دینا چاہا فرمایا کہ میں نہ لوں گا۔ اور فرمایا کہ آج کل جو بزرگوں کو بصورت ہدایا دیا جاتا ہے اکثر اس کی

تین قسمیں ہیں۔ ایک تو بغرض دنیا یعنی رشوت دوسرے بغرض ثواب اُخروی یعنی صدقہ وخیرات تیسرے کسی امر دینی کی غرض سے (مثلاً استفسار کا جواب) اس کی اُجرت اور ہیں ان تینوں قسموں میں سے ایک قسم کا بھی ہدیہ نہیں لیتا۔ البتہ جو محبت سے دیا جائے وہ لے لیتا ہوں کیونکہ صدقہ لینا تو مجھے بوجہ غنی ہونے کے جائز نہیں اور اجرت امور دینیہ پہ لینا بھی جائز نہیں سمجھتا اور رشوت تو سب ہی کے نزدیک حرام ہے۔ اور جو محض محبت سے ہو وہ ہدیہ ہوتا ہے اس کا قبول کرنا سنت ہے۔

دیگر

ایک صاحب نے آکر مصافحہ کے ساتھ ہی کچھ دینا چاہا۔ ارشاد فرمایا کہ یہ طریقہ پیرزادوں نے اخفار کے خیال سے جاری کیا ہے یہ طریقہ خلافِ سنت ہے۔ کہیں ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مصافحہ میں لوگ دیا کرتے ہوں۔ یہ رسم قابلِ ترک ہے۔ اس میں اپنا نفس بھی خراب ہوتا ہے۔ ہر مصافحہ میں انتظار رہے گا کہ شاید کچھ وصول ہوجائے۔ مصافحہ دین کا کام ہے۔ اس کے ساتھ دنیا شامل کرنا ٹھیک نہیں۔

دیگر

ایک مرتبہ ایک شخص نے بذریعہ ریلوے پارسل مولانا مدظلہ کے پاس کچھ بھیجا بابو نے چار آنے رشوت کے مانگے اور رسید دینے سے انکار کر دیا ارشاد فرمایا کہ

اب ہم کوئی پارسل ہی نہ لیا کریں گے سب واپس کر دیا کریں گے۔ ہمارے پاس ہدیۃً آیا ہے بیعاً نہیں آیا کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنے پاس سے اس قسم کے بیہودہ مصارف گوارا کریں ہمارے پاس بلا ٹونٹ جو کچھ آئے گا لے لیں گے ورنہ واپس کر دیں گے۔ اور مولوی فلاں صاحب سے فرمایا جو پرچۂ ہدایات لوگوں کی اطلاع کے لئے چھپنے والا ہے اس میں لکھ دیا جائے کہ کوئی شخص ریل پر ہمارے نام کوئی چیز نہ روانہ کرے۔ ہمیں دقت ہوتی ہے اس کے بعد فرمایا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ مولوی کھانے کمانے ہی کے لوگ ہیں آئی ہوئی چیز کبھی واپس نہ کریں گے۔ ان کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ میرا بڑا مقصود یہ ہے کہ اہل علم کی ذلت نہ ہو چنانچہ اسی لئے میں نے ایسا کیا اس کے بعد جو پارسل آئے اُن کی بلٹی واپس کر دی کاتب ملفوظات لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ صاف بتلاتا ہے کہ حضرت مولانا مدظلہ کے دل میں دنیا کی ذرا بھی قدر نہیں اور نظر بڑی دور پہنچتی ہے باریک باریک مصالح پیشِ نظر رہتی ہیں جس کی طرف لوگوں کو التفات بھی نہیں ہوتا (اہلِ اللہ کے پاس دنیا خود آتی ہے اور وہ دور کرتے ہیں)

دیگر

میرا قاعدہ ہے کہ آس پاس کے گاؤں والوں کی جمعہ کی مہمانی موقوف ہے۔ نیز ایسے لوگ جو جمعہ کو ہدیہ لاتے ہیں وہ بھی نہیں قبول کرتا۔ اسی طرح نئے آدمی کا جس کی حالت معلوم نہ ہو ہدیہ قبول نہیں کرتا۔ تجربہ سے ان کی مصلحتیں معلوم ہوئی ہیں۔ اکثر لوگ جمعہ کی نماز پڑھنے آتے تھے اور خواہ مخواہ میرے یہاں مہمان بن کر ٹھہرتے تھے۔ اس میں ہمیشہ دقت ہوا کرتی تھی۔ اس لئے یہ قاعدہ رکھا گیا۔ ہاں جس کو مجھ سے ملنا مقصود ہو وہ جب چاہے آئے سر آنکھوں پر اور جب جمعہ کی مہمانی ایسے لوگوں کی

موقوف کی گئی تو ہدیہ قبول کرنا بھی موقوف کیا گیا کیونکہ یہ مناسب نہ تھا کہ جس میں میرا نقصان تھا اس کو تو موقوف کر دیا اور جس میں میرا فائدہ تھا اس کو جاری رکھتا۔ اس لئے مہمانی کے ساتھ وہ بھی موقوف کیا گیا۔ بعض لوگ آ کر پہلے ہدیہ پیش کرتے ہیں پھر کوئی اپنا کام بتلاتے ہیں یہ نہایت ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ جب کوئی کام لینا ہے مثلاً وعظ یا تعویذ وغیرہ بے تکلف لو اس کے ساتھ کچھ دینے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے کوئی دوکان خرید و فروخت کی تھوڑا ہی کھول رکھی ہے۔ جب کوئی ہدیہ دیکر کام کرانا چاہتا ہے تو میں کام تو کر دیتا ہوں لیکن ہدیہ واپس کر دیتا ہوں۔ اگر کوئی محض محبت سے ہدیہ دے تو اس کے قبول کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ یہ مبادلہ کی صورت اچھی نہیں معلوم ہوتی۔

دیگر

میں نے اپنا یہ معمول مقرر کر لیا ہے کہ جو نیا شخص آتا ہے اس سے ہدیہ نہیں لیتا۔ البتہ اگر قرائن قویہ سے خلوص ثابت ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ رسم پرست لوگوں نے اس ہدیہ لے جانے کی وجہ یہ نکالی ہے کہ اگر پیر کے پاس خالی ہاتھ جائے گا تو وہاں سے بھی خالی ہاتھ آئے گا۔ فقط۔

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ اب ہدیہ کے متعلق مضمون کو ختم کیا جاتا ہے کیونکہ ناظرین کرام کو حضرت والا کے اصول و شرائط ہدیہ کافی مقدار میں معلوم ہو چکے ہیں اور اس امر میں حضرت والا کا جو مذاق ہے اس کی کافی بصیرت حاصل ہو چکی ہے۔

تبرکات کے متعلق اصُول

چونکہ حضرت والا پر بفضلہ تعالیٰ توحید و تنزیہ باری تعالیٰ کا بہت غلبہ ہے اور ہر شے کو اس کے درجہ پر رکھنا اور مقصود و غیر مقصود میں فرق کرنا حضرت والا کا امتیازی وصف ہے جو ایک مجدد اور مصلح اور حکیم الامت میں ہونا لازمی ہے اس لئے تبرکات کے باب میں بھی حضرت والا کا مذاق نہایت معتدل ہے اور وہ یہ ہے کہ اُن کی برکت کا انکار نہیں بلکہ بزرگوں کے تبرکات کی برکتوں کے واقعات اپنے بھی اور دوسروں کے بھی مشاہدہ کیے ہوئے اکثر نہایت معتقدانہ طور پر بیان فرماتے رہتے ہیں۔ لیکن جو اصل دولت بزرگوں کے پاس ہے جس نے اُن حضرات کو اس قابل بنا دیا کہ اُس کی وجہ سے اُن کی چیزوں میں بھی برکت پیدا ہوگئی اُس دولت کی تحصیل کی جانب خود بھی ہمیشہ نظر رہتی ہے اور دوسروں کو بھی اسی کی تحصیل کی ترغیب دیتے رہتے ہیں اور فرماتے رہتے ہیں کہ بزرگوں کے اصل تبرکات تو اُن حضرات کے اقوال و اعمال و احوال ہیں اُن سے برکت حاصل کرنی چاہئے۔

چنانچہ جب حضرت والا کے پیر و مرشد اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز نے بغایت شفقت و عنایت اپنا کتب خانہ حضرت والا کو عطا فرمانا چاہا تو اس وقت بھی حضرت والا نے بغایت ادب و نیاز عرض کر دیا کہ حضرت کتابوں میں کیا رکھا ہے مجھے تو کچھ اپنے سینۂ مبارک سے عطا فرما دیجئے۔ اس پر حضرت حاجی صاحبؒ بہت مسرور ہوئے اور جوش میں آکر فرمایا کہ ہاں جی ہاں سچ تو یہی ہے کتابوں میں کیا رکھا

ہے۔ اھ اس واقعہ کو نقل فرما کر حضرت والا یہ شعر بھی فرما دیا کرتے ہیں ؎

صد کتاب و صد ورق در نار کن

سینہ را از نورِ حق گلزار کن

غرض حضرت والا کو تبرکات کے متعلق شغف نہیں نہ اعتقاداً نہ عملاً جیسا کہ آج کل لوگوں نے اس میں غلو کر رکھا ہے۔ بلکہ حفاظت عوام پر یہاں تک نظر ہے کہ جب حضرت والا نے اپنے پٹے دار بال کٹوائے تو ان کو خاص اہتمام کے ساتھ دفن کرا دیا تاکہ معتقدین کے ہاتھ میں نہ پڑنے پائیں اور وہ اُن کا کوئی ڈھونگ نہ بنا سکیں حجام کے پاس بھی نہیں رہنے دیئے تاکہ وہ اُن کو بیچنا شروع نہ کر دے۔ چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے تبرکات بعض لوگ معتقدین کے ہاتھ بڑی بڑی قیمتوں پر بیچنے پر آمادہ تھے۔ اھ

ایک بار اس احقر جامع اوراق کی موجودگی میں بمقام میرٹھ ایک صاحب سلسلہ شیخ نے حضرت حاجی صاحبؒ کے ایک خرقہ کو مجلس میں ایک ایک کے سامنے پیش کیا تاکہ اُس کو چوما جائے اور آنکھوں سے لگایا جائے تو حضرت والا نے فرمایا کہ مجھ کو ان کا یہ فعل اچھا نہیں معلوم ہوا۔ ایک ڈھونگ سا معلوم ہوا۔ اھ! یہ بھی فرمایا کہ میرے پاس تو جتنے حضرت حاجی صاحبؒ کے تبرکات تھے میں نے ایسوں کو دیدیئے جن سے یہ توقع تھی کہ وہ مجھ سے بھی زیادہ اُن کا ادب ملحوظ رکھیں گے۔ کیوں کہ مجھے اُن کے ادب کی نگہداشت دشوار نظر آئی اور میں نے اپنے دل کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کہ برکت کے لئے تو حضرت حاجی صاحبؒ کی تعلیمات

ہی کافی ہیں اگر اللہ تعالیٰ انہیں پر عمل کی توفیق بخشے تو ان کے مقابلہ میں ان ظاہری تبرکات کی حاجت نہیں۔ چونکہ حضرت والا کے قلب میں بزرگوں کا بہت ہی زیادہ ادب اور اُن سے انتہا درجہ کی محبت ہے یہاں تک کہ بارہا نہایت شد و مد کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں کہ بزرگوں کی شان میں ادنیٰ بے ادبی بھی موجب محرومی برکات باطنی ہے اس لئے باوجود عدم شغف کے بزرگوں کے تبرکات کا بھی بہت ادب فرماتے ہیں۔

چنانچہ ایک صاحب نے سوال کیا کہ شیخ کے تبرک کو پہن کر پاخانہ میں جانا جائز ہے یا نہیں تو فرمایا کہ جائز تو ہے مگر کچھ واجب بھی تو نہیں اور ہر جائز کام کا کرنا ضروری ہی کیا ہے۔ خود میری یہ حالت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامزد جُبّۂ شریف جو جلال آباد میں ہے اور اپنے اکابر سے اُس کی تصدیق و جدانی سُنی ہے جب تھانہ بھون میں آتا ہے تو اگرچہ اُس مکان کی طرف جہاں وہ رکھا جاتا ہے پاؤں کرنا جائز ہے مگر غلبۂ ادب کی وجہ سے غالب احوال میں اُس طرف پاؤں نہیں کر سکتا۔ اھ۔

جبّہ شریف کی زیارت بھی نہایت ذوق و شوق کے ساتھ کی اور اس طرح کہ اُس کے خدام سے یہ اجازت لے لی کہ مجھ کو بالکل تنہائی میں زیارت کا موقع دیدیا جائے چنانچہ وہ لوگ خود بھی ہٹ گئے اور حضرت والا نے بالکل تنہائی میں نہایت ذوق و شوق کے ساتھ مخلّے بالطبع ہو کر خوب اطمینان سے زیارت کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ اُس وقت حضرت والا پر نہ معلوم کیا کیا کیفیات طاری ہوئی ہوں گی جن کی سوائے حضرت والا کے اور کسی کو خبر نہیں بمصداق شعر ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید وصبا چہ کرد

چونکہ خدام جبہ شریف کو حضرت والا کی خاص طور سے خاطر عزیز تھی اس لئے انہوں نے اس طرح تنہائی میں زیارت کرنے کی اجازت بھی دیدی ورنہ وہ لوگ تو ایک لحظہ کے لئے بھی جبہ شریف کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے۔

اسی طرح ایک بہت ہی صالح اُمّی بزرگ تھے جن کا نام حاجی عبداللہ تھا وہ اول حضرت مولانا گنگوہی رح سے بیعت تھے پھر حضرت والا سے بھی بیعت ہو گئے تھے حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک بالکل معمولی کپڑے کا روئی دار عبا مجھ کو ہدیۃً دیا تھا اُس کی خود میں نے یہ برکت محسوس کی جس کا بارہا تجربہ کیا کہ جب تک میں اُس کو پہنے رہتا معصیت کے وساوس بھی بالکل نہ آتے اھ

حضرت والا تبرکات کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں برکت کا تو معتقد ہوں لیکن جو آج کل لوگوں نے اُن کے متعلق اعتقاد اور عمل میں غلو کر رکھا ہے اس کو ناجائز سمجھتا ہوں اھ

تبرکات حاصل کرنے کا سہل طریق

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بزرگوں سے تبرکات حاصل کرنے کا سہل طریق جس میں اُن کو کوئی تردد نہیں کرنا پڑتا یہ ہے کہ اپنی کوئی چیز اُن کو عاریۃً دیکر یہ عرض کر دیا جائے کہ کچھ دیر اس کو استعمال فرما کر واپس فرما دیں

میں نے ایک رومی شیخ کو حضرت حاجی صاحبؒ سے اسی طرح تبرک حاصل کرتے دیکھا تھا جو مجھ کو بہت پسند آیا تھا اور گو تبرکات تو بزرگوں کے ہوتے ہیں میں گنہگار اس قابل کہاں کہ مجھ سے تبرکات حاصل کئے جائیں لیکن بعض اپنے حسن ظن اور محبت سے مانگتے ہیں تو اگر اس وقت کوئی چیز نہ ہوئی تو میں اُن کو بھی یہی ترکیب بتا دیتا ہوں اور یہ صورت ہے بھی بہت راحت کی کیوں کہ اس میں مجھ کو کوئی تردد نہیں کرنا پڑتا اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کے بعض فہیم خدام ایسا ہی کرتے ہیں اور بعض کی درخواست پر حضرت والا اپنی خاص مستعمل اشیاء بھی مرحمت فرما دیتے ہیں۔ نیز چونکہ نوزائیدہ بچوں کے کرتوں کے لئے اکثر حضرت والا سے کپڑا بطور تبرک مانگا جاتا ہے اس لئے حضرت والا اپنے کہنہ مستعمل کرتوں میں سے ایسے بچوں کے ناپ کے چند چھوٹے چھوٹے کرتے قطع کراکر ایسے موقعوں کے لئے رکھ لیتے ہیں تاکہ وقت پر تردد نہ کرنا پڑے اور درخواست پر فوراً نکال کر دیا جاسکے۔

حضرت والا نے اپنے وصیت نامہ "الاستحضار للاحتضار" میں یہ وصیت فرمائی ہے کہ میری مستعمل چیزوں کے ساتھ متعارف طریق سے تبرکات کا سا معاملہ نہ کریں البتہ اگر کوئی محبت سے بطریق شرعی مالک بن کر مخفی طور پر اپنے پاس رکھے مضائقہ نہیں۔ اعلان اور دوسروں کو دکھلانے کا اہتمام نہ کیا جائے اھ سبحان اللہ انتظام دین اور کیا اہتمام اصلاح اُمت اور کیا حفظ حدود ہے۔

بعض اصول متعلق عنوانات ما سبق

جو بعد کو قابلِ اضافہ سمجھے گئے

(اصول متعلقہ عنوان دوم تعلیم و تربیت)

ایک طالب نے لکھا کہ فدوی اصلاح اعمال کی تعلیم کا خواستگار ہے حضرت والا نے حسب معمول تحریر فرما دیا کہ اصلاح اعمال کی تفسیر لکھو۔

انہوں نے اس کی یہ تفسیر لکھی کہ بسا اوقات ارکان اسلام کی تعمیل میں کسل پیدا ہوجاتا ہے۔ اگر بعض ارکان ہمت کر کے شروع بھی کرتا ہوں تو طمانیت اور دلجمعی بالکل نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے جو سرور اور خوشی ہونی چاہئے اس سے بالکل محروم ہوں۔ نیز تحصیل علوم شرعیہ اور اشتغال فنون دینیہ میں بسا اوقات ایسے موانع اور عوائق ظہور پذیر ہوتے ہیں جس سے طبیعت اور قلب کے اندر تنگی اور ضیق پیدا ہوجاتی ہے بس جناب سے یہی التجا ہے کہ تذکرۂ بالا امراض کا تدارک اور علاج فرما کر اتباع شریعت کو ہمارے لئے سہل فرمائیں گے۔ اھ

اس کا حضرت والا نے یہ جواب ارقام فرمایا کہ جن چیزوں پر خط کھینچ دیا ہے (یعنی کسل۔ طمانیت اور دلجمعی۔ سرور اور خوشی۔ موانع اور عوائق۔ تنگی اور

ضیق - اور سہل فرمانا ان کے حصول یا زوال کا اُس اصلاح سے کوئی تعلق نہیں جس اصلاح کی تعلیم میرا معمول ہے۔ اھ

پھر حاضرین مجلس سے زبانی فرمایا کہ دیکھئے لوگ ان غیر اختیاری چیزوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں - یوں چاہے خدائے تعالیٰ یہ سب چیزیں عطا فرمائیں لیکن ان کا ذمہ کون لے سکتا ہے - لوگ چاہتے ہیں کہ کوئی تعب ہی نہ اُٹھانا پڑے حالانکہ اس طریق میں تو لوہے کے چنے ہیں جو عمر بھر چبانے پڑتے ہیں اھ

دیگر

ایک وکیل صاحب نے اپنی طویل داستان لکھی جس میں ایک ان پڑھ صاحب کشف سے جن کی حالت پہلے مجذوبانہ سی تھی اپنا مرید ہونا لکھا - لیکن پھر وہ دنیا کے قصوں میں پھنس گئے نیز فقہ کا علم حاصل کرنے سے مانع ہوئے جس کی وجہ سے اُن سے قطع تعلق کر لیا بیعت کے زمانے کی کچھ کیفیات بھی لکھی تھیں سماع وغیرہ میں کیفیات کا طاری ہونا بھی لکھا تھا - حضرت والا کی تصانیف سے بہت زیادہ مناسبت بھی لکھی تھی اور لکھا تھا کہ دو سال سے مرشد مذکور الصدر سے اپنا تعلق ترک کر دیا ہے اور خیال آپ کی طرف مائل ہو گیا ہے اور جناب کے خیالات اور مواعظ سے مجھ کو خاص لگاؤ ہو گیا ہے براہِ کرم مجھے مشورہ دیجئے کہ آئندہ میں کیا کروں - اھ

غرض بڑی طویل داستان تھی حضرت والا نے اس کا عجیب عنوان سے جواب ارقام فرمایا تحریر فرمایا کہ کسی نے ایک کھڑے سے پوچھا تھا کہ تو اپنا اچھا

ہونا چاہتا ہے یا دوسروں کا کبڑا ہونا اُس نے کہا دوسروں کا کبڑا ہوتا تاکہ جس طرح یہ لوگ مجھ پر ہنستے ہیں میں بھی ان پر ہنس لوں۔ بس یہی مثل میری ہے کہ میں ایک طالب علم آدمی ہوں اور صغریٰ کبریٰ میں مقیّد دوسروں کو بھی اس رنگ پر لانا چاہتا ہوں اس سے میرے مشورہ کا حال تو معلوم ہو گیا اب آپ اپنے لئے مشورہ سوچ لیجئے۔ اھ

بعض اصولِ متفرقہ

(ماخوذ از اشرف المعمولات ملخصاً)

جن کا طالبین کو بہت اہتمام کے ساتھ لحاظ رکھنا چاہیئے

مناسب عنوان اوّل (متعلق بیعت)

(۱) ایک شخص نے آکر درخواست بیعت کی۔ دریافت فرمایا کہ تم کہاں سے آئے ہو اُس نے بیان کیا کہ میں ایک بارات میں آیا تھا وہاں سے بارادۂ بیعت یہاں آیا ہوں فرمایا کہ یہ کام ایسا نہیں کہ دوسرے کام کے ساتھ ہو یہ تو دلیل بے رغبتی کی ہے اس لئے اب میں بیعت نہ کروں گا۔ خاص کر اسی لئے مکان سے آنا چاہیئے اُس وقت گفتگو ہو گی۔ اھ۔

(۲) ایذاء شیوخ بلا قصد بھی وبال سے خالی نہیں ہوتی۔ اس لئے افراط فی الشفقت مضر ہے کیونکہ جتنی شفقت ہو گی اتنی ہی اس کی بے تمیزیوں سے زیادہ

ایذا ہو گی - اور بات بات میں رنج ہو گا۔ اب میں اس پر ایک دوسرے مسئلہ کی تفریع کرتا ہوں - جو چند روز سے میں نے تجویز کیا ہے جس میں میں مجبور ہوں۔ مگر لوگ میری مجبوری کو اب تک نہیں سمجھے اس بیان سے یہ تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ افراط فی الشفقت مضر ہے اور یہ مقدمہ پہلے سے معلوم ہے کہ مقدمۃ المکروہ مکروہ و مقدمۃ الواجب واجب کہ جو چیز کسی بُری شے کا سبب ہے وہ بھی بُری ہے اور جو ضروری شئے کا ذریعہ ہو وہ ضروری ہے تو چونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ افراط فی الشفقت مضر ہے اور مکروہ ہے اس لئے جو چیز افراط فی الشفقت کا سبب بنے وہ بھی واجب الترک ہو گی تو مجھے بیعت کرنے سے افراط فی الشفقت ہو جاتی ہے اس لئے میں نے بیعت کرنا چھوڑ دیا ہے۔ گو اس میں ایک فتویٰ کی بات بھی ہے کہ بیعت کی جو اصل تھی - آج کل اس سے تجاوز ہو گیا ہے بیعت کا خلاصہ ہے۔ معاہدۂ مرید بر اتباع و معاہدہ شیخ بر شفقت و اصلاح اب لوگوں نے اس کو اپنی حد سے بڑھایا ہے کہ جس سے عقیدہ اور عمل میں تغیر پیدا ہو گیا ہے -

عقیدہ میں تو یہ کہ جب تک ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت نہ کیا جاوے صرف زبانی معاہدہ کو کافی نہیں سمجھا جاتا - اس لئے کہا جاتا ہے کہ ہم تم کو تعلیم دیں گے اور ہر طرح تمہاری اصلاح کی تدبیر کریں گے مگر وہ کبھی راضی نہیں ہوتا گویا بزرگی کوئی برق ہے جب تک پیر کے ہاتھ سے ہاتھ نہ ملایا جائے وہ برق نہیں دوڑتی اگر یہی بات ہے تو لازم آتا ہے کہ ہمارا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے۔ کیوں کہ ایک زمانے میں بزرگوں نے اس طریقے سے بیعت کرنے کو ترک کر دیا تھا۔ اس لئے کہ اس زمانے میں بادشاہ رعایا سے اطاعت کی بیعت لیا کرتے تھے۔

تو اگر کسی دوسرے کو بیعت لیتے دیکھا جاتا تھا۔ اس پر بغاوت کا گمان کیا جاتا تھا کہ یہ بھی طالب سلطنت ہے تو بزرگوں نے اس خوف سے کہ کوئی بادشاہ سے چغلی نہ کھاوے اس طریقہ بیعت کو ترک کر دیا تھا صرف زبانی معاہدہ پر اکتفا کرتے تھے اور تعلیم فرمایا کرتے تھے تو بتلایئے اگر بدون اس خاص طریقے کے بیعت نہیں ہو سکتی تو آپ کا سارا سلسلہ بیعت ہی منقطع ہوا جاتا ہے۔ اگر ہو سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس سے انکار کیا جاتا ہے اور زبانی معاہدہ اور تعلیم کو ناکافی خیال کیا جاتا ہے جو چیز موقوف علیہ نہ ہو اس کو موقوف علیہ سمجھنا یہ غلو فی العقیدہ ہے یا نہیں۔ ضرور ہے اور اس کی اصلاح ہونی چاہئے اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ ہے کہ اس طریقے کو اسی ہیئت سے جاری رکھا جائے۔ اور زبان سے سمجھا دیا جائے کہ یہ ہاتھ میں ہاتھ دینا ظاہری بیعت ہے۔ اصل بیعت کام کرنا ہے۔ دوسرا یہ طریقہ ہے کہ اس ہیئت کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ دوسرے حضرات پہلے طریقے پر عمل کریں۔ اور مجھے چونکہ اس ہیئت خاصہ سے افراط فی الشفقت ہو جاتی ہے۔ اس لئے میں دوسرا طریقہ اختیار کرتا ہوں۔ اس طرح غلو فی العقیدہ کی بھی اصلاح ہو گئی اور ضرر کی بھی۔

(۴۳) میں بیعت کے وقت اس سے بھی منع کر دیتا ہوں کہ بھئی کسی سے لڑنا جھگڑنا نہیں میں نے دیکھا ہے کہ جو کم عقل لوگ لڑتے بھڑتے ہیں وہ اپنے بزرگوں کو گالیاں کھلواتے ہیں کیونکہ وہی حالتیں ہیں یا تو وہ اپنے بزرگوں کی تحریف کرے گا تو یہ بھی مجھے پسند نہیں یہ استخوان فروشی ہے کہ خواہ مخواہ اپنے بزرگوں کی تعریف کراتے پھریں جسے غرض ہوگی وہ خود آکے دیکھ لے گا تمہیں کیا ضرورت ترغیب

دبنے کی دوسری حالت یہ کہ وہ گالیاں دے گا۔ لوگ کیا کرتے ہیں کہ ایک مسئلہ کسی کے سامنے بیان کیا اُس نے ابھی تک تو انہیں کو بُرا بھلا کہا تھا اس کے بعد انہوں نے یہ کہہ دیا کہ فلاں بزرگ فرماتے تھے۔ بس اب ان بزرگ پر گالیاں پڑنا شروع ہوگئیں۔ بھلا اس کی کیا ضرورت کہ ایک مخالف کے سامنے اپنے شیخ کا ذکر کرنا اور گالیاں کھلوانا اول تو آپ کو جوش ہی کیوں آیا اگر آیا تھا تو اپنی ہی طرف منسوب رہنے دیا ہوتا یہ بالکل نادانی ہے کہ جوش آپ کو ہو اور نام لیں شیخ کا تاکہ تبرّا جو کچھ ہو وہ انہیں پر ہو۔

مناسب عنوان دوم

(متعلق تعلیم و تربیت)

(۱) مجھے طریق میں اس کا بہت خیال رہتا ہے کہ ایسی مختصر بات تبلائی جائے جو سب باتوں کو حاوی ہو چنانچہ ایک دفعہ میں نے اخلاق رذیلہ کا علاج دو لفظوں میں تجویز کیا تھا تأمّل و تحمّل کہ جو کام کرے سوچ کر کرے کہ شرعاً جائز ہے یا نہیں اور جلدی نہ کرے بلکہ تحمل سے کام کیا کرے اختصار کے ساتھ قافیہ کا بھی ضبط ہے اس سے یاد میں سہولت ہوتی ہے اس لئے ایک دوست کا فیصلہ ہے کہ یہ نثر میں شاعر ہے۔

(۲) میری عادت نہیں کہ خود کسی معاملہ میں دخل دوں میرے اوپر غیرت کا غلبہ زیادہ ہے اس لئے خود کسی معاملہ میں دخل دینے کو جی نہیں چاہتا یہ خیال ہوتا ہے کہ میرا تو کام نہیں ہیں کیوں دخل دوں کسی کو لاکھ دفعہ غرض پڑے اپنی اصلاح

کا طریقہ دریافت کرے ورنہ میری جوتی کو کیا غرض پڑی ہے کہ اپنے آپ تو کسی کو اپنی اصلاح کا قصد نہ ہو اور میں اُس کے پیچھے پڑتا پھروں۔ اگر کسی وقت شفقت کا غلبہ ہوتا ہے تو میں خود بھی نرمی سے کہدیتا ہوں۔

(۳) مولانا نے فرمایا کہ مجھ کو بہ نسبت عقیدت کے محبت زیادہ پسند ہے کیونکہ عقیدت خیالی چیز ہے ذرا میں زائل ہو جاتی ہے اور محبت زائل نہیں ہوتی۔

(۴) ایک شخص سے کچھ باتیں دریافت فرمائیں اُس نے سوالات کے جواب دینے میں محض تکلف کی راہ سے بلا کسی عذر کے سستی اور دیر کی اور بہت بہت دیر میں ایک ایک سوال کا جواب دیا پھر اُس شخص نے بیعت کی درخواست کی فرمایا کہ اول ادب اور تمیز حاصل کرنا چاہیئے اس کے بعد بیعت کی درخواست کرنا چاہیئے اور فرمایا کہ تم کو ابھی تمیز نہیں ہے کہ بلا وجہ تم نے ایک شخص کو دیر میں جواب دے کر انتظار کی تکلیف پہنچائی اور حرج کیا۔

(۵) کوئی ذکر و شغل کرتا ہو تو مجھے اس وقت تک اس کی قدر نہیں ہوتی جب تک کہ اس کے اعمال درست نہ ہوں۔ ذکر و شغل میں تو مزہ ہے اگر نہ کرے تو مر جائے عمل تو وہ ہے کہ جس میں کوفت ہو اور پھر بھی رضا حاصل کرنے کے لئے اُسے کرے اسی طرح چاہیے کہ خود تنگی اٹھائے اور دوسروں کے حقوق ادا کرے۔ ایک شاغل کے ذمہ قرض نکلا تھا اور انہوں نے اس کے ادا میں بہت کوتاہی کی تھی ایسے موقع پر یہ کلمات فرمائے اور نکال دیا اور فرمایا قرض ادا کرنے کے بعد میرے یہاں آ سکتے ہو جب تک قرض ادا نہ کرو یہاں مت رہو۔

(۶) فرمایا کہ جب معلوم ہو جائے کہ ایک شخص کو کسی عیب کی عادت ہے تو

معاف کرنے کو جی نہیں چاہتا جب تک کہ اس عیب کو نہ چھوڑ دے۔ اگر احیاناً کسی سے کوئی خطا ہو جائے تو معافی کا مضائقہ نہیں۔ میں ایسے شخص کو اپنے یہاں ہرگز نہیں رکھنا چاہتا جو دوسروں کے حقوق تلف کرے۔

(۷) مجھ کو علم کے پڑھانے لکھانے کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں ہے جس قدر تہذیب اخلاق و دیانت کا کیونکہ لکھنے پڑھنے کا اہتمام تو ہر جگہ ہوتا ہے لیکن اخلاق کی طرف کسی کو خیال بھی نہیں ہے۔ مثلاً میں اس پر زیادہ نظر نہیں کرتا کہ کس نے جماعت سے نماز پڑھی کس نے نہیں پڑھی کیونکہ اول تو عذر کا احتمال ہے دوسرے اس میں صرف فاعل کا حرج ہے۔ کسی دوسرے کو اذیت نہیں۔ بخلاف اس کے کہ کسی سے کوئی حرکت خلاف تہذیب سرزد ہو۔ اس کا اس لئے اچھی طرح تدارک کیا جاتا ہے کہ اس میں اوروں کو تکلیف ہوتی ہے۔

(۸) فرمایا کہ جو شخص مجھ سے بیعت کی درخواست کرتا ہے اول تو میں اُس کو کتابیں دیکھنے کو لکھ دیتا ہوں بالخصوص مواعظ کے مطالعہ کو تو میں اکثر لکھتا ہوں اور اس سے بہت نفع ہوتا ہے۔ اور اگر کسی شخص نے یہ لکھا کہ ہم نے کتابیں دیکھی ہیں تو میں لکھتا ہوں کہ کتابیں دیکھ کر اپنی حالت میں کیا تغیر کیا۔ اس سے وہ نفع ہوتا ہے کہ جو برسوں کے مجاہدہ میں بھی نہیں ہوتا۔ میں تو اول روز ہی کام میں لگا دیتا ہوں مگر لوگ قدر نہیں کرتے۔ اصل چیز فکر ہے۔ انسان جب فکر میں پڑتا ہے تو راستہ تلاش کرتا ہے۔ بس میں اول ہی گفتگو یا خط و کتابت میں طالب کے سر پر بوجھ رکھ دیتا ہوں اس کی وجہ سے اُسے فکر پیدا ہوتی ہے اس فکر کی وجہ سے راستہ خود بخود منکشف ہونے لگتا ہے۔

مناسب عنوان سوم

(متعلق واردین)

(۱) فرمایا کہ افسوس ہے لوگوں کے اخلاق بکثرت خراب ہو گئے بعض لوگ آتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ خاص آپ سے ملنے کو آیا ہوں اور کوئی دوسرا کام نہ تھا۔ حالانکہ اپنے کسی دینوی کام کے لئے آتے ہیں۔ میں اپنا مہمان سمجھ کر مہمانوں کا سا برتاؤ کرتا ہوں بعد کو ان کا قصد اس کے خلاف ظاہر ہوتا ہے تو سخت رنج ہوتا ہے۔ خرابی یہ ہے کہ صاف بات لوگ نہیں کہتے۔ اخلاق بگڑ گئے ہیں معاملات میں صفائی نہیں رہی اور ضرورت اظہار کی یہ ہے کہ مسئلہ ہے کہ مہمان کا اور حکم ہے اور ابن السبیل کا اور حکم ہے۔ مہمان کی مدارات تو ذمہ خاص شخص کے ہوتی ہے اور جو اپنے کام کے لئے آئے اور پھر راہ میں ٹھہر جائے وہ ابن السبیل ہے اُس کی مہمانی سب کے ذمہ ہے۔

(۲) میں نے خانقاہ میں قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ نہ کسی سے دوستی بڑھاؤ نہ دشمنی پیدا کرو۔ نہ زیادہ مجلس آرائی کرو کیوں کہ یہ مجلس آرائی فساد کی جڑ ہے۔

(۳) میری رائے اس باب (خلوت) میں یہاں تک ہے کہ گو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوں سے ملنا خلوت سے ہر حال میں بہتر ہو گا۔ مگر میں آج کل بھی کبھی اپنے احباب کو ایک مشورہ دیا کرتا ہوں وہ یہ کہ بعض لوگوں کو بزرگوں کی زیارت کا بہت شوق ہوتا ہے وہ آئے دن سفر ہی میں رہتے ہیں۔ آج ایک بزرگ

کے پاس جا رہے ہیں کل دوسرے بزرگ کے پاس۔ میں ان کو منع کیا کرتا ہوں کہ بزرگوں سے بہت نہ ملا کرو۔ بس ایک کو اپنا بزرگ بنا لو اور رجم کر اُس کے پاس رہو اور اُس کے پاس بھی زیادہ آمد و رفت نہ کرو۔ بلکہ ایک دفعہ بہت سارہ لو پھر اپنے گھر بیٹھو برس میں ایک دفعہ پھر مل لینا ہر مہینہ اس کے پاس بھی نہ جاؤ۔

(۴) میں تو کہتا ہوں کہ اپنے پیر کے پاس بھی کم جاؤ۔ زیادہ نہ لپٹو کیوں کہ گاہے گاہے خاص اوقات میں اُس کے پاس جاؤ گے تو اس کو ذکر میں مشغول دیکھو گے رزانت و متانت کی حالت میں پاؤ گے اس سے اعتقاد بڑھے گا۔ اور اگر ہر وقت چپٹے رہو گے تو کبھی ہگتے دیکھو گے کبھی موتتے ہوئے کبھی تھوکتے سنکتے دیکھو گے اس سے تمہیں اعتقاد کم ہو گا ہاں عقلاء کو تو ان حالات کے مشاہدہ سے اعتقاد بڑھتا ہے کیونکہ وہ جانیں گے کہ شیخ فرشتہ نہیں بشر ہے مگر بشر ہو کر بے شر ہے تو بڑا کامل ہے۔ اور ناقص العقل کبھی شیخ میں اور اس کی بیوی میں لڑائی جھگڑا دیکھے گا۔ اس کا ان باتوں سے اعتقاد کم ہو گا اور اگر اعتقاد بھی کم نہ ہو تب بھی ہر وقت نہ لپٹو کیونکہ آخر شیخ کو بھی تو اپنے اوقات کی پابندی ضروری ہے۔ زیادہ چپٹنے سے اس کو کدورت ہو گی اور شیخ کو مکدر کرنا طالب کے لئے مضر ہے۔ اس کی رعایت بہت ضروری ہے کہ جس کے پاس جاؤ ایسے وقت میں جاؤ کہ اُس وقت تمہارے جانے سے اس کو کدورت نہ ہو۔

(۵) ایک شخص نے آکر درخواست کی کہ مجھے کوئی ایسا تعویذ لکھ دیجئے کہ میری قوم مجھے سردار بنا لے۔ لیکن اس مطلب کو اس طرح ادا کیا کہ حضرت مولانا کی سمجھ میں نہیں آیا مولانا نے کئی مرتبہ اس سے پوچھا۔ لیکن اُس نے ناتمام جواب دیا۔

آخر بہت دیر کے بعد اُس کا مطلب سمجھ میں آیا۔ مولانا نے حاضرین کو خطاب کر کے فرمایا کہ جو لوگ سال دو سال میں صرف ایک ہی دفعہ کسی کے پاس آ جائیں۔ اُن کے اخلاق کی درستی کیا ہو سکتی ہے اور فرمایا کہ افسوس ہے آج کل بزرگوں نے بھی ان امور میں لوگوں کو روک ٹوک کرنا بالکل ترک کر دیا ہے کیونکہ دوسرے کی اصلاح میں اپنے کو کچھ نہ کچھ بد اخلاق بنانا پڑتا ہے۔ بدون اس کے اصلاح دوسرے کی نہیں ہوتی تو اکثر حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کیوں برے بنیں۔

(۹) فرمایا کہ ایک روز ایک صاحب معمر مجھ سے کھانے کے وقت ملنے آئے۔ میں اس وقت گھر میں تھا وہ آ کر دروازہ کے باہر بیٹھ گئے اور جو بچہ بھی گھر میں جاتا اس سے اپنے آنے کی خبر کہلا کر بھیجتے۔ مگر میں برابر اپنے کام میں مشغول رہا۔ میرے گھر میں کہنے لگیں کہ یہ شخص کتنی دیر سے اطلاع کر رہا ہے آپ کو ہو آنا چاہیے۔ میں نے کہا کہ مجھے صبح سے شام تک بہت سے آدمیوں سے معاملہ پڑتا ہے۔ میرے دل میں اس قدر رحم نہیں کہ اپنا کام چھوڑ کر محض ملنے کے لئے چلا جاؤں۔ آخر ظہر کے قریب اپنے کام سے فارغ ہو کر میں باہر گیا تو وہ شخص کہنے لگے کہ مجھے کچھ عرض کرنا ہے میں نے کہا کہ میں آپ کی بات سنوں گا۔ لیکن پہلے آپ یہ بتلایئے کہ آپ نے اپنی ضرورت کی رعایت کر کے مجھے بار بار اطلاع دے کر پریشان کیا۔ آپ نے یہ بھی سوچا کہ دوسرے کو بھی ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر ایسی ہی ضرورت تھی تو کیا میں ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے نہ آتا اُس وقت وہ ضروری بات آپ کہہ سکتے تھے وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ یہ سن کر نہایت پریشان ہوئے اور کہنے لگے کہ مولویوں کو ایسا نہ ہونا چاہئے۔ میں نے کہا

جناب میں نے مولویت کا دعویٰ ہی کب کیا ہے کہنے لگے کہ میں بہت سے مولویوں کے پاس گیا کسی نے مجھ کو ایسا نہیں کہا۔ میں نے کہا خیر آج تو آپ کو فائدہ ہو گیا کہ آئندہ کبھی آپ کسی کے پاس جاکر ایسی حرکت نہ کریں گے۔ آخر وہ سخت ناراض ہو کر چلے گئے۔

(۷) فرمایا بعض لوگ مل کر جانے وقت پچھلے پاؤں چلتے ہیں۔ یہ گراں گزرتا ہے کسی قدر ترچھا ہو جانا مضائقہ نہیں یہ طبعی بات ہے۔ زیادہ تعظیم و تکریم کرنے سے نفس خراب ہو جاتا ہے۔ فرعونیت آتی ہے۔ چنانچہ جب میں ترک ملازمت کر کے کانپور سے آیا۔ تو یہاں لوگوں کے تم کہنے سے بھی انقباض ہوتا تھا۔ کیونکہ وہاں پندرہ برس تک ہر وقت آپ اور جناب سنتا رہا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے لئے کھڑے ہونے کی بھی ممانعت کر دی تھی۔ مجلس میں ممتاز ہو کر بیٹھتے نہ تھے۔ حتیٰ کہ نئے آنے والوں کو پوچھنا پڑتا تھا کہ من محمد فیکم (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۸) بوقت صبح ایک ذاکر شاغل نے مسجد کے لوٹے میں پانی اور مسواک لاکر بخیال وضو رکھ دیا عمر دین موذن سے فرمایا کہ سب سے دریافت کرو کہ کس نے یہ مسواک لوٹے میں لاکر رکھی ہے۔ معلوم ہوا کہ فلاں شخص نے رکھی ہے فرمایا کہ ان کو بلاؤ جب وہ آئے تو فرمایا کہ جب آداب خدمت سے واقف نہیں ہو تو کیوں خدمت کرتے ہو گو محبت اور میری راحت کے خیال سے کرتے ہو۔ لیکن جس خدمت سے مجھے تکلیف پہنچے ایسی خدمت کرنے کا کیا فائدہ؟ اور میری خدمت تو چند طلبہ جن سے دل کھلا ہوا ہے اور میرے معمولات سے واقف بھی ہیں وہ لوگ کرتے ہیں

باقی جو لوگ یہاں رہ کر ذکر و شغل کرتے ہیں اُن لوگوں سے خدمت لیتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے اور درصورت خلاف مرضی مجھ کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے خدمت کرنے سے بڑے آدمیوں کو منع کرتا ہوں یہ تو سب طبعی خرابی ہوئی۔ اور شرعی خرابی یہ ہوئی کہ مسجد کا لوٹا وقف ہے اور مالِ وقف میں سب برابر ہیں۔ جب آپ نے پہلے سے بلاضرورت مسواک لاکر اس میں رکھ دی تو وہ محبوس ہو گیا۔ اب اس سے کوئی کام نہیں لے سکتا اور یہ ناجائز ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ خدمت کرنے سے تقرب ہو گا اور مجھ کو اپنا معبود بنانا چاہتے ہیں۔ میں ہرگز ایسی خدمتوں سے خوش نہیں ہوتا بلکہ جس کام کے لئے جو آئے اُس میں لگا رہے اور جو خدمت چاہے مجھ سے لے تو مجھ کو اُس میں راحت ہوتی ہے۔

(۹) ایک صاحب نے حضرت والا کی خدمت میں ایک لفافہ پیش کیا کہ یہ فلاں شخص نے بھیجا ہے دیکھ کر فرمایا کہ اس کو واپس کر دو وہ خود کیوں نہیں بھیجتے۔ واسطہ کی کیا ضرورت ہے وہ لوگوں پر اپنا بوجھ کیوں ڈالتے ہیں اور اُن صاحب سے کہا کہ آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آئندہ کو کسی کا سلام و پیام مجھ سے نہ کہا کیجئے آپ اپنا کام کرنے آئے ہیں یا لوگوں کے سفیر ہیں۔

(۱۰) ایک صاحب نو وارد حضرت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں سے اٹھ کر سب لوگوں کے پیچھے جا بیٹھے حضرت والا نے فرمایا کہ آپ وہاں کیوں جا بیٹھے۔ آپ میرے پاس آجائیے۔ اُن صاحب نے کہا کہ وہاں جگہ تنگ ہے۔ اس پر حضرت والا نے ایک مولوی صاحب سے فرمایا کہ آج آپ ہی ایثار کریں۔ آپ پیچھے بیٹھ جائیے۔ اور اپنی جگہ خاں صاحب کو دید یجئے۔ آپ تو ہمیشہ

کے رہنے والے ہیں۔ نوواردوں کی رعایت کیا کیجئے میں ہمیشہ اس کا خیال رکھتا ہوں میں اکیلا کیا کروں. کوئی سنتا ہی نہیں اور یہ بھی فرمایا کہ زاہدانِ خشک کا فتویٰ ہے کہ ایثار قربات میں جائز نہیں مگر محققین نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ بھی ایک قربت ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ رعایت ادب کی کرنا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اہل مکہ میں یہ بات بہت ہی اچھی ہے کہ وہ حج کے زمانہ میں مسافروں کی رعایت سے خود طواف کرنا چھوڑ دیتے ہیں. حالانکہ یہ کوئی واجب شرعی نہیں ہے مگر جائز ہے۔ اس میں مسافروں کو بہت سہولت ہے۔

مناسب عنوان چہارم

(یعنی خط و کتابت)

(۱) فرمایا کہ سوال اس طرح کرنا چاہئے کہ اس کی عبارت مختصر ہو اور معنی خیز ہو۔ بعض لوگ خط میں سوال اس طرح لکھتے ہیں کہ جس شخص کو اس معاملہ کی حقیقت نہ معلوم ہو وہ اس عبارت سے کبھی نہیں سمجھ سکتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوال کے اجزاء حل کرنے کی مکرر ضرورت ہوتی ہے۔

(۲) فرمایا کہ دستی خط کی کچھ قدر میرے دل میں نہیں ہوتی اور سمجھتا ہوں کہ اس کے جواب کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اگر اُن کو ضرورت ہوتی تو پیسہ خرچ کر کے ڈاک میں بھیجتے۔

(۳۳) فرمایا کہ مجھ کو آج کل کی نئی عبارت سے بیحد نفرت ہے عجیب رنگ کی عبارت ہوتی ہے مغالطات جھوٹی باتیں باطل کو حق کے پیرایہ میں دکھا دینا اس کا خاصہ ہے کسی بڑے مکار شخص نے ایجاد کی ہوگی۔

اب احقر اس عنوان پنجم اصول متفرقہ کو بھی جو پنج گنج اشرف کا اخیر عنوان ہے ختم کرتا ہے۔

حضرت والا کے جتنے اصول وضوابط پنج گنج اشرف میں بیان کئے گئے ہیں اُن سے ناظرین کرام نے بخوبی اندازہ فرمایا ہوگا کہ حضرت والا کے یہاں ہر بات نہایت منظم ہے اور ہر چیز کا ایک نہایت معقول ضابطہ ہے اور جو اس کے خلاف عمل کرتا ہے اُس پر ناخوشی کا اظہار فرمایا جاتا ہے لیکن حضرت والا تجسّس ہرگز نہیں فرماتے البتہ جب خود کسی کی بے عنوانی ظاہر ہو جاتی ہے تو پھر تسامح بھی نہیں فرماتے سبحان اللہ یہی طریق شریعت کے مطابق بھی ہے

بے اصول لوگ ان ضابطوں کو سختی سمجھتے ہیں حالانکہ تمام شریعت مقدسہ ضابطہ اور انتظام ہی کا مجموعہ ہے اور بزرگان سلف کا بھی یہی طریق رہا ہے

حضرت والا اپنے معمولات کی تائید میں بکثرت دلائل شرعیہ اور اقوال اکابر نقل فرمایا کرتے ہیں اور انتظام کی شرعی اور عقلی ضرورت پر بہت پُرزور تقریرات فرماتے رہتے ہیں جن میں سے بعض مختلف مواقع پر پیش بھی کی جا چکی ہیں اور بعض بطور نمونہ مختصراً یہاں بھی نقل کی جاتی ہیں۔

ماخوذ از اشرف المعمولات بحاصلہ

فرمایا کہ آج کل لوگوں کو دوسرے کی راحت و تکلیف کا ذرا خیال نہیں۔ اب اگر کوئی انتظام کرنے لگے تو اُسے قانون ساز کہتے ہیں۔ چنانچہ میرے یہاں اس قسم کی باتوں پر روک ٹوک اور انتظام بہت ہے جس پر عنایت فرماؤں نے مجھے بہت کچھ خطاب دے رکھے ہیں ایک صاحب نے تو میرے منہ پر کہا کہ تمہارے مزاج میں تو انگریزوں کا سا انتظام ہے۔ افسوس گویا اسلام میں انتظام ہی نہیں بس اسلام تو اُن کے نزدیک بے انتظامی کا نام ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ انگریزوں میں مسلمانوں کا سا انتظام ہے تو ایک درجہ میں صحیح ہو سکتا ہے۔ اھ

دیگر از اشرف المعمولات

ایک مرتبہ نماز عصر کے وقت مؤذن سے ایک معمار نے کہ وہ اس وقت اپنی تعمیر کے کام میں مشغول تھا اذان کہنے کی اجازت چاہی مؤذن نے اس کو اجازت دیدی تو اُس نے خلاف معمول باورچی خانے کی چھت پر کھڑے ہو کر کہ وہاں حضرت مولانا کی نشستگاہ تیار ہو رہی تھی اذان کہہ دی۔ جب وہ اذان کہہ چکا تو مولانا نے اُس سے بلا کر دریافت کیا کہ تم نے کس کی اجازت سے اذان کہی ہے اُس نے عرض کیا کہ مؤذن نے مجھے اجازت دیدی تھی۔ مولانا نے مؤذن کو بُلا کر تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ تم نے بلا ضرورت کیوں اجازت دی۔ پھر فرمایا کہ بدانتظامی سے دوسروں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے اور اپنے کو بھی۔

دیکھئے اس وقت اس واقعہ میں کتنی مصلحتیں فوت ہوئیں اس معمار نے اتنی دیر کام کا حرج کیا اور موذن کو اپنے کام سے بیفکری ہوئی اور اس کی عادت پڑنا ٹھیک نہیں اور اہل محلہ کو خواہی نخواہی وحشت ہوئی کہ وہ سمجھیں گے کہ اب چھت پر اذان ہوا کرے گی ہمارے گھروں کی بے پردگی ہوگی اور وہ غریب لوگ ہیں بوجہ لحاظ کے کچھ نہیں کہہ سکتے مگر اُن کو کلفت و پریشانی تو ہوئی۔ یہ تمام خرابی معمول بدلنے سے اور بے انتظامی سے ہوئی اور فرمایا کہ کیسا افسوس ہے کہ امور دنیا میں تو ہر شخص کے یہاں انتظام اور اہتمام ہے اور امور دین میں اس قدر بے اہتمامی اور بے انتظامی شائع ہوئی ہے کہ کچھ بھی انتظام نہیں رہا لوگ سمجھتے ہیں کہ دین میں انتظام نہیں ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔

شمائل ترمذی میں مروی ہے کان لہ عتاد فی کل شیٔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ہر (ضروری) امر کا سامان تھا (جس کا منشا ضابطہ کی رعایت والتزام ہے پس اس سے آپ کی انتظامی شان ثابت ہوگئی) حتّٰی کہ ایک روز ازواج مطہرات نے بستر مبارک کو ڈوتہ کرکے بچھا دیا تھا۔ اُس روز حضور دیر میں بیدار ہوئے فرمایا کہ آج ضرور کوئی جدید بات ہوئی ہے آخر بستر کو ایک تہ کرا دیا پھر فرمایا حجرے میں نوافل پڑھ لینا تو خیر بغیر انتظام بھی ممکن ہے لیکن عظیم الشان سلطنت کا کام بغیر انتظام کیونکر ہو سکتا ہے۔ تو اگر دین میں انتظام بالکل نہیں تھا تو حضرات صحابہ کرامؓ کو یہ عظیم الشان سلطنت کیا بے انتظامی ہی سے مل گئی تھی حاشا و کلا دین میں تو یہاں تک انتظام ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے تکبیر شروع کی تو آپ نے منع فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ تکبیر اُس کا حق ہے جو اذان کہے

اور یہ انتظام ہی ہے کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ قاضی انصار میں سے ہونا چاہئے اور موذن اہل حبشہ میں سے کیونکہ اہل حبشہ قوی ہوتے ہیں اور اس لئے اُن کی آواز بھی بلند ہوتی ہے۔

دیگر از اشرف المعمولات

فرمایا کہ ہر شخص کو چاہیئے کہ اپنے تمام کاموں کو انتظام کے ساتھ کرے اس سے اپنے کو بھی راحت ہوتی ہے اور دوسروں کو بھی۔

دیگر از یادداشت احقر

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ یہ معمولات اور انتظامات میں نے اپنی مدت کے تجربوں کے بعد مقرر کئے ہیں اب اگر کسی کو ان سے اچھے معمولات اور انتظامات معلوم ہوں وہ مجھ کو بتائے میں بجان ودل قبول کرنے کو تیار ہوں. بشرطیکہ میری سمجھ میں آجائیں ورنہ اُن میں جو خرابیاں مجھ کو نظر آئیں گی وہ ظاہر کردونگا اور جب اُس مشیر کی طرف سے اُن کا قابلِ اطمینان جواب ہوجائے گا تو واللہ میں اپنا تمام انتظام بدلنے پر تیار ہوں کیونکہ یہ کوئی شرعی مسئلہ تو ہے نہیں اپنی اور اپنے دوستوں کی سہولت کے لئے اور وہ بھی مدتوں کے تجربوں کے بعد اور الحمد للہ شریعت کے مطابق دستور العمل مقرر کیا ہے اگر اب انہیں باتوں کا خیال رکھ کر کہ شریعت کے موافق بھی ہو اور جانبین کی سہولت اور راحت کی بھی پوری رعایت ہو کوئی دوسرا دستور العمل بنادے میں مان لوں گا۔ لوگ

معمولات ہیں تو بدلیل صلاح دیتے نہیں اور اُن کے نتائج ہیں اعتراض کرتے ہیں۔ اھ

دیگر از یادداشت احقر

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اکثر قانون و مروت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور گو میرے قوانین و ضوابط کو خلاف مروت سمجھا جاتا ہے۔ مگر ان کی قدر بعد میں معلوم ہو گی۔ لوگ تمسک کیا کریں گے بلکہ اب بھی جب مفاسد پیش آتے ہیں تب ان کی قدر و منزلت معلوم ہو جاتی ہے اور میرا حوالہ دیا جاتا ہے اور مجھ کو یاد کیا جاتا ہے بات یہ ہے کہ یہ قوانین میں نے سوچ سوچ کر نہیں گھڑے ہیں تجربوں نے اِن قوانین کے پابند ہونے پر مجبور کیا ہے اور جس کو بھی اس قسم کے معاملات پیش آئیں گے اُس کو ایسے ہی قوانین کی ضرورت پیش آئے گی بلکہ میں تو قانون بنانے میں بھی اہل معاملہ کی سہولت اور راحت کی بہت رعایت رکھتا ہوں دوسروں سے تو یہ رعایت بھی نہ ہو سکے گی۔ اھ

دیگر از یادداشت احقر

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بزرگان سلف میں تو یہاں تک انتظام کا اہتمام تھا کہ ایک بزرگ نے اپنا یہ معمول مقرر فرما رکھا تھا کہ جب کوئی نیا طالب اگر مہمان ہوتا تو اُس کو روٹی اور سالن تناسب کے ساتھ بھیجتے یعنی جتنی روٹیاں ہوتی تھیں انہیں کے لحاظ سے سالن کی بھی مقدار ہوتی تھی اور پھر جو کھانا بچ کر آتا اُس کو دیکھتے کہ آیا روٹی اور سالن تناسب ہی سے بچکر آیا ہے یا کم زیادہ اگر

ان دونوں چیزوں کی مقدار متناسب نہ ہوئی تو صاف فرما دیتے کہ بھائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے اندر انتظام نہیں ہے اور ہماری طبیعت میں انتظام ہے لہذا ہمارا تمہارا نباہ نہ ہو گا کسی ایسے پیر کو ڈھونڈھو جس میں انتظام نہ ہو۔

اسی طرح دو شخص حضرت سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بغرض بیعت حاضر ہوئے وہ کہیں آپس میں یہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے وطن کی مسجد میں جو حوض ہے وہ یہاں کے حوض سے بہت بڑا ہے۔ یہ بات سلطان جی نے بھی سُن لی فوراً طلب فرمایا اور پوچھا کہ کیا تم نے دونوں حوضوں کی پیمائش کر لی ہے۔ عرض کیا پیمائش تو نہیں کی انداز سے کہا ہے۔ فرمایا انداز کا کیا اعتبار بلا تحقیق بات کیوں کہی اچھا جاؤ ناپ کر آؤ۔ چنانچہ وہ ڈرتے ڈرتے گئے کہ کہیں ہماری بات غلط نہ نکلے لیکن خیر جب وہاں پہنچ کر ناپا تو واقعی وہ حوض ایک بالشت بڑا ہی نکلا اس پر وہ بہت خوش ہوئے کہ ہماری بات غلط نہ نکلی اور جب حاضر ہوئے تو اپنے نزدیک سرخرو بن کر عرض کیا کہ حضرت ناپنے پر بھی وہی حوض بڑا نکلا فرمایا کہ تم نے تو کہا تھا کہ وہ حوض اس حوض سے بہت بڑا ہے کیا صرف ایک بالشت بڑے ہونے پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ بہت بڑا ہے معلوم ہوتا ہے تمہارے اندر احتیاط کا مادہ نہیں ہے لہذا ہمارے یہاں تمہارا کام نہیں اور کہیں جاؤ چنانچہ ان کو بیعت میں قبول نہیں فرمایا۔ اھ

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ وہ حضرات تو امتحان لیتے تھے میں تو امتحان بھی نہیں لیتا ہاں ایسا برتاؤ ضرور کرتا ہوں جس سے آنے والے کے جذبات اصلیہ سب ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اھ

اکابر سلف کی کتب میں بھی حضرت والا کے معمولات کی تائیدات بکثرت ملتی ہیں

جن کو دیکھ کر یا سن کر حضرت والا کو بہت اطمینان اور سرور ہوتا ہے اور فرمایا کرتے ہیں کہ گو میں نے کتابیں دیکھ دیکھ کر اپنے معمولات مقرر نہیں کئے لیکن الحمد للہ بزرگوں کی برکت سے قلب میں وہی باتیں آتی ہیں جو سلف کا معمول تھیں۔ لوگ تو سلف کی تائید سے افسردہ ہو جاتے ہیں کہ ہم موجد نہ رہے اور مجھ کو اس سے نہایت مسرت ہوتی ہے کہ الحمد للہ اب اپنی بات پر اطمینان ہو گیا۔ اھ

حضرت والا طبقات کبریٰ سے بھی جس کا آج کل انتخاب فرما رہے ہیں اپنی تائیدات بکثرت نقل فرمایا کرتے ہیں۔

غرض حضرت والا کا یہ کوئی نیا طریق نہیں ہے بلکہ حضرت والا نے تو پُرانے ہی طریق کو جو مردہ ہو چکا تھا اور جس سے اتنی اجنبیت ہو گئی تھی کہ اس کو ایک بالکل نیا طریق سمجھا جانے لگا تھا از سرِ نو زندہ کیا ہے۔

اب آخر میں حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "الامر المحکم المربوط فیما یلزم اہل طریق اللہ من الشروط" سے حضرت والا کے معمولات کی چند تائیدات مع ترجمہ ملخصاً نقل کر کے پنج گنج اشرف کو ختم کیا جاتا ہے۔ وھی ھذہ۔

(۱) ولا معنی الشفقۃ والرحمۃ الا ان تنقذ اخاک من النار الی الجنۃ وتنقلہ من الجھل الی العلم ومن الذم الی الحمد ومن النقص الی الکمال	اور شفقت و رحمت کے اس کے سوائے کوئی معنی نہیں کہ تم اپنے بھائی کو عذابِ دوزخ سے نکال کر جنت کی طرف لے جاؤ اور جہل سے علم کی طرف اور مذمت سے حمد کی طرف اور نقصان سے کمال کی طرف منتقل کرو

---

(۲) فلا بد من مؤدب بہ وھو الاستاذ	الغرض سالک کیلئے مؤدب کی سخت ضرورت ہے اور

فان هذا الطريق لما كان
في غاية الشرف والعزة حفّت
به الآفات والقواطع والامور
المهلكة من كل جانب فلا
يسلكه الا شجاع مقدام و
يكون معه دليل علاّم و
حينئذ تنفع الفائدة فعلى الشيخ
ان يوفي حق مرتبته وعلى المريد
ان يوفي حق طريقه اعلم
ان مقام الشيخوخة ليس هو
الغاية فان الشيخ ايضاً
طالب من ربه ما ليس عنده
فان الله يقول لنبيه
عليه السلام

اس کا نام اصطلاح میں اُستاد اور معلم اور شیخ ہے
اس لئے کہ یہ طریق چونکہ شرف و عزت میں انتہائی
درجہ رکھتا ہے اس لئے اس پر ہر طرف سے
آفات اور موانع اور ایسے امور کا ہجوم ہے
جو انسان کو ہلاک کرنے والے ہیں اس لئے
اس راستہ پر وہی چل سکتا ہے جو بہادر قوی
الہمت اور پیش قدمی کرنے والا اور اس کے
ساتھ کوئی ماہر تجربہ کار رہبر بھی ہو اُس وقت
اس راستہ پر چلنے کا فائدہ ظاہر ہو سکتا ہے
اس لئے شیخ کے ذمہ واجب ہے کہ وہ اپنے مرتبہ
(تادیب و تعلیم) کا حق پورا ادا کرے اور مرید
کے ذمہ واجب ہے کہ طریق کا حق ادا کرے خوب
سمجھ لیجئے کہ مقام شیخوخت (یعنی کسی کا پیر اور
مصلح ہو جانا) یہ انتہائی مقصود نہیں کیونکہ شیخ بھی
اپنے رب سے اس مرتبہ کا طالب ہے جو اس
کو حاصل نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے۔

وقل رب زدني علماً فصفة
الاستاذ ان يكون عارفا
بالخواطر النفسية والشيطانية

وقل رب زدنی (یعنی اور دعا کیجئے کہ
اے میرے رب میرا علم زیادہ فرما دیجئے) اس
لئے شیخ اور استاد کی یہ صفت ہونی چاہئے کہ

والملکیۃ والربانیۃ عارفاً بالاصل الذی تنبعث منہ ھٰذہ الخواطر عارفاً بحرکاتہا الظاھرۃ عارفاً بما فیہا من العلل والامراض الصارفۃ عن صحۃ الوصول الی عین الحقیقۃ عارفاً بالادویۃ واعیانہا عارفاً بالازمنۃ التی تحمل المرید فیہا علی استعمالہا عارفاً بالامزجۃ عارفاً بالعوائق والعلائق الخارجۃ مثل الوالدین والاولاد والاھل والسلطان عارفاً بسیاساتہم ویجذب المرید صاحب العلۃ من ایدیہم ھذا کلہ اذا کان المرید لہ رغبۃ فی طریق اللّٰہ وان لم یکن لہ رغبۃ فلا ینفع۔

وہ خواطر نفسانی و شیطانی اور ملکوتی و ربانی سے پورا واقف ہو نیز اس اصل کا پہچاننا بھی ضروری ہے جس سے یہ خطرات منبعث (یعنی پیدا) ہوئے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان خطرات کے ظاہری حرکات سے (یعنی انبعاثات سے جن کا وجود محسوس ہے) اور ان میں جو امراض و علل ہیں جو عین حقیقت کی طرف پہنچنے سے مانع ہیں پورا واقف ہو (خواطر نفسیہ و شیطانیہ میں تو بالذات بھی امراض و علل واقع ہو جاتے ہیں اور خواطر ملکیہ و ربانیہ میں بعض اوقات دوسرے عوارض سے بعض علل کی آمیزش ہو جاتی ہے تو شیخ کا ان سب سے واقف ہونا شرط ہے) اور ضروری ہے کہ امراض کی دواؤں اور ان کی کیفیات و حقیقت سے بھی واقف ہو اور ان اوقات سے بھی واقف ہو جن میں مرید کو ان دواؤں کے استعمال پہ آمادہ کیا جائے نیز مریدوں کے اختلافِ مزاج اور خارجی علائق و موانع کو مثلاً والدین اور اہل و عیال اور بادشاہ وغیرہ (تعلقات کی مانعیت) کو جانتا ہو اور ان کی سیاست و تدبیر سے واقف ہو اور مریض مرید کو ان کے (یعنی ان علائق و موانع کے) ہاتھ سے نکالے اور یہ سب اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ مرید کو اللہ کے راستہ میں رغبت ہو اور اگر اسی کو رغبت نہیں

تو پھر کوئی نفع نہیں

(۳) ومن شرط الشیخ ان لا یترک المرید یبرح من منزلہ البتۃ الا باذنہ لحاجۃ یوجہ فیھا	شیخ کیلئے یہ شرط ہے کہ مرید کو آزاد نہ چھوڑے کہ جہاں چاہے جائے بلکہ جب گھر سے نکلے تو اجازت لے کر نکلے اور جس کام کے لئے جائے شیخ کی اجازت سے جائے۔
(۴) ومن شرطہ ان یعاقب المرید علیٰ کل ھفوۃ تصدر منہ ولا سبیل الی الصفح عنہ فی زلۃ فان فعل فلم یوف حق المقام الذی ھو فیہ فھو امام غاش لرعیتہ غیر قائم لحرمۃ ربہ فان النبی علیہ السلام یقول من ابدی لنا صفحتہ اقمنا علیہ الحد۔	شیخ کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مرید کو ہر لغزش پر جو اُس سے صادر ہو تنبیہ و زجر و توبیخ کرے اور اُس میں عفو و مسامحت کو راہ نہ دے اور اگر عفو[1] سے کام لیا تو اُس نے اُس مقام (شیخوخت) کا حق ادا نہ کیا جس پر وہ قائم ہے بلکہ وہ ایک بادشاہ ہے جو اپنی رعیت سے خیانت کرتا ہے اور اپنے رب کی حرمت و عظمت پر قائم نہیں اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من ابدی لنا صفحتہ اقمنا علیہ الحد یعنی جو شخص ہمارے سامنے اپنا چہرہ ظاہر کرے گا (مراد یہ ہے کہ جس کا جرم ظاہر ہو جائے گا) ہم اُس پر حد قائم کریں گے۔
(۵) الشیخ اذا لم یکن صاحب ذوق واخذ الطریق من الکتاب و افواہ	شیخ جب کہ صاحب ذوق نہ ہو اور طریق کو محض کتب تصوف دیکھ کر یا لوگوں سے سن سنا کر حاصل کیا اور

[1] عفو سے مراد عدم مواخذہ ہے ۱۲

الرجال وقعد يربی به المريد طلباً
للمرتبة والرياسة فانه
مهلك لمن تبعه لانه لا يعرف
مورد الطالب ولا مصدره فلا بد ان
يكون عند الشيخ دين الانبياء و
تدبير الاطباء وسياسة الملوك و
حينئذ يقال له استاذ و يجب على الشيخ
ان لا يقبل مريدا حتى يختبره ۔

وجاہت وریاست کے لئے مریدوں کی اصلاح وتربیت
کرنے بیٹھ گیا تو وہ مرید کے لئے مہلک ہے اس
لئے کہ وہ طالب سالک کے مصدر ومورد اور تغیر
حالات کو نہیں سمجھتا اس لئے ضروری ہے کہ شیخ
کو انبیاء علیہم السلام کا دین اور اطباء کی تدبیر اور
بادشاہوں کی سیاست حاصل ہو اُس وقت اُس
کو استاد کہا جا سکتا ہے اور شیخ پر واجب ہے کہ کسی
مرید کو بغیر امتحان وآزمائش کے قبول نہ کرے۔

(٦) ومن شرطه ان يحاسب
المريد على انفاسه وحركاته ويضيق
على قدر صدقه فی اتباعه فانه
طريق الشدة ليس للرخاء
فيه مدخل لان الرخص انما هی للعامة

اور شیخ کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مرید کے
ہر سانس اور ہر حرکت کا محاسبہ کرے اور جتنا زیادہ
اس کو مطیع و متبع دیکھے اُس پر اس معاملہ میں تنگی کرے
کیوں کہ یہ راستہ ہی شدت کا ہے اس میں نرمی کو دخل
نہیں کیونکہ رخصتیں تو عوام کے لئے ہیں۔

(٧) ومتى رأيت الشيخ ترك المريد
يستدل عليه فی المسائل بالادلة
الشرعية او العقلية ولا يزجره
ويجره عليها فقد خانه فی
التربية والاولى بالشيخ اذا رأى
المريد يجنح الى استعمال عقله

اور جب تم کسی شیخ کو دیکھو کہ وہ مرید کو آزاد چھوڑے
ہوئے ہے اور مرید اس کے مقابلہ (یعنی مخاطبہ) میں
ادلہ شرعیہ یا عقلیہ سے استدلال کرتا ہے اور شیخ
اُس کو زجر و توبیخ نہیں کرتا تو سمجھ لو کہ وہ تربیت میں
خیانت کر رہا ہے اور شیخ کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ
جب وہ کسی مرید کو دیکھے کہ وہ نظریات میں اپنی

في النظر بأنه ولا يرجع الى رأيه
في ما يدل له عليه فليطرده عن
منزله فانه يفسد عليه بقية اصحابه
ولا يفلح هو في نفسه ويجب على الشيخ
اذا علم حرمته سقطت من قلب
المريد ان يطرده عن منزله
بسياسته فانه اكبر الاعداء
ويجب له الاشتغال بظواهر
الشريعة وطريق العبادة في العموم۔

عقل کا استعمال کرتا ہے اور شیخ نے جو کچھ اُس کو
بتلایا ہے اس میں شیخ کی رائے کی طرف رجوع نہیں
کرتا تو چاہئے کہ اُس کو اپنی مجلس (یا خانقاہ) سے
نکال دے اس لئے کہ وہ دوسرے مریدوں کو بھی
خراب کر دے گا اور خود کوئی فلاح نہ پائے گا
اور شیخ کے ذمہ واجب ہے کہ جب یہ سمجھے کہ کسی مرید کے
قلب میں سے اُس کی حرمت اور بڑائی نکل گئی تو اس
کو اپنی سیاست کے ذریعہ اپنے گھر سے نکال دے کیونکہ وہ
سب سے بڑا دشمن ہے اور ایسے شخص کیلئے ظواہر شریعت
اور عام طریق عبادت کا اشتغال واجب ہے۔

---

(٨) ويجب على الشيخ ان يكون له وقت
مع ربه ولا يتكل على ما حصل له
من قوة الحضور

اور شیخ پر واجب ہے کہ اپنے لئے کوئی وقت خلوت
مع اللہ کے لئے رکھے اور اُس قوتِ حضور پر اعتماد
نہ کرے جو اُس کو حاصل ہو چکی ہے۔

---

(٩) ومن شرط الشيخ ان لا يترك
مريده يجالس احدا سوى اخوته
الذين معه تحت حكمه ولا
يزور ولا يزار ولا يكلم احدا
في خير ولا في شر ولا يحدث
بما طرأ عليه من كرامة ووارد

اور شیخ کی شرائط وآداب میں سے یہ بھی ہے کہ
مرید کو کسی کے پاس نہ بیٹھنے دے سوائے اُن
برادران طریقت کے جو اُس کے ساتھ اس کام
میں اُسی شیخ کے زیرِ حکم جمع ہیں اور (اُس کو
ہدایت کرے) کہ نہ وہ کسی سے ملنے جائے اور نہ
اُس کے پاس کوئی ملنے کے لئے آئے اور کسی سے

مع اخوته ومتیٰ ترکه الشیخ یفعل شیئاً من هذه الافعال فقد اساء فی حقه

اچھا یا برا کلام نہ کرے اور جو کچھ اُس کو حال پیش آئے یا کرامت ظاہر ہو تو اپنے برادران طریقت میں کبھی کسی سے بیان نہ کرے اور اگر شیخ مرید کو ان افعال میں سے کسی فعل کے کرنے پر آزاد چھوڑ دے تو اُس کے حق میں برائی کرتا ہے

---

(۱۰) ومن شرطه ان لا یجالس تلامیذه الامرة واحدة فی الیوم واللیلة

اور شیخ کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ اپنے مریدین کے ساتھ مجالست رات دن میں ایک مرتبہ سے زیادہ نہ کرے۔

---

(۱۱) ولا یترك الشیخ المریدین یجتمعون اصلاً دونه الا اذا جمعهم بحضرته ومتیٰ ترکهم یجتمعون دونه فقد اساء فی حقهم۔

اور شیخ کو چاہئے کہ مریدین کو آپس میں بھی اپنی مجلس کے علاوہ جمع نہ ہونے دے اور جو شیخ اس میں مسامحت کرے وہ مریدین کے حق میں برا کرتا ہے۔

الحمدللہ عُجالۂ منبع گنج اشرف ختم ہوا اور اب باب ہذا ارشاد وافاضۂ باطنی کو بھی ایک خاتمہ لکھ کر انشاء اللہ تعالیٰ ختم کر دیا جائے گا۔

خاتمۃ الباب

حضرت والا کے ارشادات وافاضات جو باب ہذا ارشاد وافاضۂ باطنی میں بطور نمونہ ہدیۂ ناظرین کئے گئے ہیں ہرگز کسی تبصرہ کے محتاج نہیں کیوں کہ وہ بلفوائے قول مشہور ع: مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطا بگوید

گوش حق نیوش رکھنے والوں کے سامنے آپ ہی اپنی شوکت وشان ببانگِ دُہل بیان کر رہے ہیں بالخصوص اس نااہل ونا آشنائے طریق کا جو صرف ایک ناقل محض کی حیثیت رکھتا ہے کیا منہ ہے کہ اُن کے متعلق کوئی رائے زنی کر سکے لیکن اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ گو اس سیہ کار و بدکردار سہل انگار وغفلت شعار کو حضرت والا سے باقاعدہ فیوض و برکات حاصل کرنے اور ارشادات وتعلیمات پر پابندی کے ساتھ عمل کرنے کی کبھی توفیق نہیں ہوئی لیکن اس سی۳۰ سالہ تعلق خادمیت کے دوران میں حضرت والا کی زبان فیض ترجمان سے ایسے ایسے حقائق و معارف سننے میں آئے ہیں کہ الحمد للہ طریق بالکل صاف نظر آنے لگا ہے چلنا نہ چلنا

اور بات ہے اور حق روز روشن کی طرح واضح ہوگیا ہے ماننا نہ ماننا امر دیگر ہے۔ اور اپنی اس سی ۳۰ سالہ مدت تعلق میں بفضلہ تعالیٰ و بتوجہات حضرت والا اس شعر کا بلا مبالغہ صحیح ہونا محقق ہوگیا ہے ؎

پس از سی سال این معنی محقق شد بہ خاقانی
کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

توفیق ہونا نہ ہونا دوسری چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ببرکت حضرت والا فہم سلیم اور توفیق عمل بھی عطا فرمائے اور مکائد نفس و شیطان سے بچائے اور ہر قسم کی گمراہی اور کجروی سے باز رکھ کر مقصود حقیقی تک پہنچائے آمین ثم آمین۔

غرض احقر جو حضرت والا کے ملفوظات کا محض ناقل ہے بالکل اس شعر کا مصداق ہے ؎

نہ رنج خار کشیدم نہ بوئے گل دیدم زعندلیب شنیدم کہ نو بہارے ہست

اللہ تعالیٰ ببرکت حضرت والا اس شنیدہ کو دیدہ بھی بنا دے اور اس بہار بے خزاں کا مشاہدہ بھی کرا دے وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔ حضرت والا نے بعون اللہ تعالیٰ دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس کی کافی تحقیق و تدقیق نہ فرمائی ہو۔ بالخصوص تصوف کا تو کوئی ضروری جزو ایسا باقی نہیں رہا جو مخفی یا مبہم رہ گیا ہو اور جس کی پوری تحقیق تحریراً و تقریراً قالاً و حالاً حضرت والا نہ فرما چکے ہوں۔ غرض دین کے راستہ کو بحمد اللہ ایسا بے غبار اور واضح فرما دیا ہے کہ طالب حق کو کوئی وجہ خفا باقی نہیں رہی کیونکہ رسوم و بدعات نے جو حقائق پر پردہ ڈال رکھا تھا اُس کو اٹھا کر حضرت والا نے دین کو اُس کی اصلی صورت میں جلوہ گر فرما دیا ہے اور اصلاح

اخلاق کا باب جو مدت سے مسدود پڑا تھا اس زمانۂ شر القرون میں اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کے مقدس ہاتھوں سے از سرِ نو مفتوح کرا دیا ہے رسوم و بدعات کے غلبہ نے عرصۂ دراز سے شریعت و تصوف کے حقائق کو عموماً بالکل مستور اور مخلوط کر رکھا تھا اور لوگ زوائد میں مبتلا ہو کر مقاصد طریق سے کوسوں دور جا پڑے تھے - غرض عجیب خلط مبحث ہو رہا تھا اور تجدید دین کی سخت ضرورت واقع ہو رہی تھی کہ امت مرحومہ پر رحمت الٰہیہ متوجہ ہوئی اور حضرت حکیم الامت کے ذریعہ سے اس ضرورت کو پورا فرما دیا گیا فللہ الحمد حمداً کثیراً -

حضرت والا نے بعون اللہ تعالیٰ اُس خلط مبحث کو جو مختلف شعب دینیہ میں بالخصوص تصوف میں واقع ہو گیا تھا دور فرما کر دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر کے دکھا دیا ہے اور تمام ضروری حقائق دینیہ کو ایسا صاف اور واضح فرما دیا ہے کہ اب انشاء اللہ تعالیٰ صدیوں تک طالبانِ دین کو تلاش حق میں کوئی دِقت نہ رہے گی -

اس موقع پر ایک حقیقت شناس کا ایک قول یاد آتا ہے - ایک مجمعِ معتقدین میں اس کا سخت افسوس ظاہر کیا جا رہا تھا کہ حضرت والا کی سی شان کا اب کوئی دوسرا نظر نہیں آتا اس پر اُنہوں نے کہا کہ اجی ہمیں اس کی فکر ہی کیا ہے حضرت نے تو بفضلہ تعالیٰ ایک ایسی ہانڈی پکا کر سب کے سامنے رکھ دی ہے کہ اب انشاء اللہ تعالیٰ کم از کم دو صدی تک تو کسی کو کچھ فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں بس اُسی میں سے پکی پکائی نکالتے رہو اور کھاتے رہو - اھ

یہ سُن کر سب پر ایک خاص سکون کی کیفیت طاری ہو گئی اور افسردگی مبدل

بہ انبساط ہو گئی ۔

سبحان اللہ واقعی بالکل صحیح کہا کیوں کہ حضرت والا نے بعون اللہ تعالیٰ صدیوں کے لئے دین کے راستہ اور وصول الی اللہ کے طریق کو تمام جھاڑ جھنکاڑ اور خس و خاشاک سے ایسا پاک فرما دیا ہے کہ سالکین کو قطع طریق میں کوئی دشواری ہی نہیں رہی نہایت سہولت کے ساتھ مقصود حقیقی تک رسائی ہو سکتی ہے اس پر آج ۱۶ ر ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ ہی کا ایک واقعہ یاد آیا حضرت والا نے ایک طالب کی خط و کتابت کا یہ خلاصہ سنایا کہ پہلے انہوں نے آنے کی اجازت چاہی حضرت والا نے حسب معمول غایت پوچھی تو لکھا کہ فیض حاصل کرنے کیلئے آنا چاہتا ہوں حضرت والا نے مکرر استفسار فرمایا کہ اگر فیض حاصل نہ ہو۔ اھ اس پر انہوں نے لکھا کہ اگر فیض نہ بھی حاصل ہو تب بھی مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی مشیت حق پر راضی رہوں گا ۔ اھ آج حضرت والا نے تحریر فرمایا ہے کہ اچھا اب یہ لکھو کہ فیض کس کو سمجھتے ہو۔ اھ پھر یہ خلاصہ سنا کہ حضرت والا نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کوئی بات گول نہ رہے راستہ بالکل صاف ہو جائے نہ کوئی کنکر رہے نہ پتھر نہ نشیب رہے نہ فراز بالکل صاف اور ہموار ہو جائے ایسا کہ بس پھر آنکھ بند کئے چلا جائے کہیں کوئی رکاوٹ ہی نہ ہو۔ بس یہی میرا جرم ہے جس پر میں بدنام ہوں۔ اور مجھ پر سختی کا الزام ہے ۔ اھ

حضرت والا نے بالخصوص نفس کے تو ایسے ایسے خفی مکائد کو ظاہر فرمایا ہے کہ جو بڑے بڑے اہل بصیرت سے بھی پوشیدہ تھے اور جن کی طرف عموماً التفات نہ ہونے کی وجہ سے اصلاح نفس کی تکمیل ہی سے محرومی رہتی تھی جس کا کہ بہت

سے اہل بصیرت کو اقرار کرنا پڑا ہے اور اگر طریق سے ادنیٰ مناسبت رکھنے والا بھی حضرت والا کے مضامین متعلقہ اصلاح کو بغور و انصاف دیکھے گا تو اس کو بھی یہی اقرار کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ناظرین کرام کو بھی باب ہذا کے مطالعہ سے اس کی فی الجملہ تصدیق ہو گئی ہوگی۔

اس پر بطور تفریع کے بے ساختہ ایک صاحب نسبت اہل علم کا رویا رصادقہ یاد آگیا جو ایک ہم سلسلہ شیخ کامل سے بیعت تھے انہوں نے اعلیٰ حضرت حاجی صاحب رح کو خواب میں یہ فرماتے دیکھا کہ تم کو نسبت تو حاصل ہے لیکن اگر اپنے اخلاق کی اصلاح چاہتے ہو تو مولوی اشرف علی صاحب سے رجوع کرو۔ اھ اسی قسم کی غیبی ہدایات حضرت والا سے رجوع کرنے کی بذریعہ رویاً صادقہ بہت سے طالبین کو ہوئی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں جن سے رسالہ اصدق الرؤیا پُر ہے۔

امر اصلاح میں حضرت والا کی اس درجہ دقتِ نظر کا راز یہ ہے کہ حضرت والا خود اپنے نفس کی ہر وقت نگرانی رکھتے ہیں اور اس کے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھتے رہتے ہیں اس لئے حضرت والا کو نفوس کے اُتار چڑھاؤ اور انسانی جذبات کے مد و جزر کا خوب اندازہ ہے۔ چنانچہ فرمایا کرتے ہیں (جس کی تائید رات دن کے مشاہدہ سے بھی ہوتی رہتی ہے) کہ مجھ سے کسی کا اپنے نفس کی چوریاں پوشیدہ رکھنا بہت دشوار ہے کیونکہ مجھ کو نفس کے اتار چڑھاؤ کا خوب تجربہ ہے اور قلب کے تقلّبات کا خوب اندازہ ہے۔ اھ (بمصداق شعر غالب ؎

نکتہ چین ہے غمِ دل اُس سے چھپائے نہ بنے کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اول تو حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے خلقۃً غایت درجہ کا لطیف الطبع اور انتہا درجہ کا ذکی الحس پیدا فرمایا ہے چنانچہ دیکھنے والوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ حضرت والا لطافتِ طبع اور ذکاوتِ حس اور نزاکتِ مزاج میں اپنے زمانہ کے گویا حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ ہیں پھر کثرتِ ذکر و فکر نے اس فطری لطافت کو اور بھی لطیف تر کر دیا ہے لہٰذا حضرت والا کو ہر اچھی بُری بات کا فوراً احساس ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ ایک بار بسلسلۂ گفتگو فرمایا کہ میری طبیعت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ مجھ پر اچھی بات کا بھی فوراً اثر ہوتا ہے اور اسی طرح بُری بات کا بھی لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ مجھ کو بُری باتوں سے طبعاً نفرت و وحشت ہے اس لئے ان سے الگ ہی رہتا ہوں۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ اس کا سبب سلامت فطرت اور لطافتِ حس ہے۔ ایسے سلیم الفطرت اور لطیف الحس حضرات کے لئے بُری باتوں سے نفرت و وحشت لازمی ہے کیوں کہ ادنیٰ اتفاقی تلبس و تشبث بھی باعث تاثر و تصور اور تاثر و تصور موجب تألم و تکدر اور تألم و تکدر مورث توحش و تنفر اور توحش و تنفر سبب تحرز و تجنب ہو جاتا ہے۔

غرض چونکہ ایسی حساس طبیعت رکھنے والا بزرگ بوجہ اس عالم کے مجمع خیر و شر ہونے کے جس میں اچھی بری سبھی قسم کی باتیں دیکھنے سننے میں آتی رہتی ہیں۔ احساسات متنوعہ کا گنجینہ اور جذبات مختلفہ کا آئینہ ہوتا ہے اس لئے وہ جملہ دقائق و شوائب نفسانیہ اور جمیع تقلبات و تاثرات قلبیہ سے اچھی طرح

واقف اور تشخیص و معالجۂ امراض نفسانیہ میں خوب ماہر ہوتا ہے اور لوگوں کے نفوس کی باریک سے باریک چوریاں بھی بہ آسانی پکڑ سکتا ہے - اور یہی تفسیر ہے حضرت والا کے اس ارشاد بالا کی کہ مجھ کو نفس کے اتار چڑھاؤ کا خوب تجربہ ہے اور قلب کے تقلبات کا خوب اندازہ ہے - اھ اور اس ارشاد کی صدہا واقعات سے تصدیق ہوتی ہے چنانچہ ایک صاحب نے اپنے بیٹے کی بیوی کے انتقال پر جو خط لکھا اُس میں اس عنوان سے اپنے غم و اندوہ کا اظہار کیا کہ اُس کی صفات میں ستر ہ سالہ کا لفظ بھی لکھا حضرت والا کو فوراً احساس ہو گیا کہ ان الفاظ سے تو بوئے شہوت آتی ہے چنانچہ جب اُن سے اس پر مواخذہ کیا گیا تو وہ انکار نہ کر سکے -

اسی طرح حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ جو طالب آتا ہے اکثر بفضلہ تعالیٰ اُس سے سابقہ پڑتے ہی مجھ کو اُس کے لب و لہجہ اور طرز و انداز ہی سے اُس کے نفس کی مجموعی حالت کا اجمالی اندازہ ہو جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اُس کے ساتھ فلاں قسم کا برتاؤ مناسب ہو گا - اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ واقعی یہ رات دن کا تجربہ ہے کہ جس کے ساتھ جس وقت جس طرح کا برتاؤ حضرت والا فرماتے ہیں آخر میں وہ اُسی برتاؤ کا اہل ثابت ہوتا ہے - حالانکہ بعض اوقات دوسرے دیکھنے والوں کو بظاہر احوال تعجب بھی ہُوا کرتا ہے - چنانچہ عرصہ ہوا ایک نوجوان لڑکا حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت عقیدت کے ساتھ مستدعی بیعت ہوا - حضرت والا نے اُس کے ساتھ التفات کا برتاؤ نہیں فرمایا بلکہ ضابطہ کا جواب دے کر ٹال دیا کہ اصلاح الرسوم دیکھ کر رُسوم ترک کرکے آئے ہو قائم کرو - احقر نے ازراہ ہمدردی اپنے داموں سے اصلاح الرسوم

خرید کر اس کو دیدی۔ وہ اس کو دیکھ کر چلا گیا بعد کو معلوم ہوا کہ وہ اپنے باپ سے خفا ہو کر بھاگ آیا تھا۔ اس پر حضرت والا دیر تک احقر کو متنبہ فرماتے رہے کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا جس شخص کے ساتھ جیسا برتاؤ ہو اُس میں کسی کو مزاحم نہیں ہونا چاہیئے پھر دیر تک اس پر تقریر فرماتے رہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ جو کام لیتے ہیں اُس کو اس کام کی سمجھ بھی عطا فرما دیتے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد تربیت کا کام فرما رکھا ہے اس لئے اس کی پہچان بھی عطا فرما رکھی ہے کہ کس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیئے اور کون طالب ہے اور کون نہیں جو طالب نہیں ہوتا اُس کو قلب ہی قبول نہیں کرتا فوراً رد کر دیتا ہے۔ حالانکہ مجھ کو اس کی حالت کا اس وقت تفصیلی علم بھی نہیں ہوتا جیسے اگر کوئی شخص مکھی کھا جائے تو اگرچہ کھانے کے وقت کھانے والے کو مکھی کا علم بھی نہ ہو۔ لیکن معدہ کو تو مکھی کی خوب پہچان ہے وہ اُس کو ہرگز قبول نہیں کرتا فوراً نکال باہر کرتا ہے اھ۔

یہ تو احساسات کے متعلق واقعات تھے جن سے احقر کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت والا احساسات متنوعہ کا گنجینہ ہیں اور جذبات کے تو حضرت والا ایسے نکتہ شناس ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا ماہر نفسیات بھی اتنا نہ ہوگا اس کے متعلق بھی ایک واقعہ اس وقت بے تکلف یاد آگیا۔

ایک طالب نے جو افسر پولیس ہیں حال ہی میں اپنی بیوی کی شکایت لکھی کہ آئے دن مجھ سے لڑتی رہتی ہے کہ لڑکی کے بیاہ کے واسطے روپیہ لاؤ رشوت لو یا کچھ کرو اور لکھا کہ اہلیہ کے روز کے طعنوں اور لڑائی جھگڑے سے سخت پریشان ہوں اور خوف ہے کہ کوئی بری راہ نہ اختیار کر بیٹھوں ایسی حالت میں دعا اور مشورہ کا محتاج ہوں۔ اھ

اس پر حضرت والا نے بُری راہ (اشارہ ہے مفارقت کی طرف) اختیار کرنے کے متعلق تو یہ تحریر فرمایا کہ ایسا نہ کیجئے ممکن ہے کہ اُن کے نہ ہونے سے اس سے زیادہ تکلیف ہو اور مشورہ کے متعلق تحریر فرمایا کہ مشورہ تو اہل تجربہ دیتے ہیں۔ مَیں خود اس شعر کا مصداق ہوں ؎

آں راکہ عقل و ہمت و تدبیر و رائے نیست
خوش گفت پردہ دار کہ کس در سرائے نیست

البتہ بجائے تجربہ کے جذبات رکھتا ہوں اُن جذبات کی بناء پر رائے دیتا ہوں کہ بی بی کو ایسے وقت شیطان کی مینا سمجھ کر نقّال اور تماشا سمجھ لیا کیجئے غیظ نہ ہوگا اھ

اس سے احقر کے اس قول کی کہ حضرت والا جذبات مختلفہ کا آئینہ ہیں خود حضرت والا کے ارشاد سے تصدیق ہوتی ہے۔

جواب مذکور ان افسر صاحب پولیس کو بہت نافع ہوا چنانچہ انہوں نے حضرت والا کو لکھا کہ حضرت والا کے جواب سے بہت کچھ تسکین ہوئی۔ واقعی حضرت نے عورتوں کی بابت عجیب بات فرمائی کبھی ذہن اس طرف نہیں گیا کہ ان کو شیطان کی مینا سمجھوں۔ در اصل یہ شیطان کی مینا ہیں۔ بہت سے عقدے غور کرنے سے حل ہو گئے اور بہت سی خلشیں دل سے دور ہو گئیں اور وہ غیظ جو ان کی باتوں پر آیا کرتا تھا اب حضرت والا کے اس فقرے کو ذہن نشین کرنے پر نہیں آتا۔ واللہ کیا بات فرمائی ہے۔ اس فقرے سے بہت ہی لُطف آیا اور اب بجائے غیظ کے رحم آنے لگا اھ

حضرت والا نے اس پر تحریر فرمایا کہ الحمدللہ نفع ہوا۔ پھر احقر سے زبانی فرمایا کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ چھوٹے چھوٹے جملوں سے بڑے بڑے نفع

لوگوں کو پہنچ جاتے ہیں ورنہ محض الفاظ میں اتنا اثر کہاں کوئی اور تو انہیں الفاظ کو لکھ کر دیکھے اھ پھر یہ شعر پڑھا ؎

حسد چہ می بری اے سست نظم بر حافظ
قبولِ خاطر و حسنِ سخن خدا داد است

غرض چونکہ حضرت والا کو لطافتِ طبع اور ذکاوت جس کی بدولت ہر قسم کے تاثرات و احساسات کا بخوبی اندازہ ہے اس لئے حضرت والا کو بفضلہ تعالیٰ فطری طور پر تربیت باطنی کا ملکہ تامہ اور معالجہ امراض روحانیہ میں مہارت کاملہ حاصل ہے جیسا کہ مشاہد اور مسلم ہے اور جس کی تصدیق آج ایک دنیا حضرت والا کو بالکل بجا طور پر حکیم الامت کہہ کہہ کر رہی ہے بلکہ اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو ذوقاً یہ محسوس ہوگا کہ یہ جو اس درجہ کثرت کے ساتھ حقائق و معارف طریق اور نکات و دقائق اصلاح حضرت والا کی زبان فیض ترجمان اور قلم حقیقت رقم سے ظاہر ہوئے اور ظاہر ہو رہے ہیں وہ اکثر و بیشتر خود حضرت والا ہی کے احوال و تاثرات کی حکایات ہیں بمصداق ارشاد حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ؎

بشنوید اے دوستاں ایں داستاں — خود حقیقت نقد حالِ ماست آں
نقد حال خویش را گر پے بریم — ہم ز دنیا ہم ز عقبیٰ برخوریم

اور اگر نظر کو ذرا اور عمیق کیا جائے تو یہ حقیقت بھی منکشف ہو جائے کہ در اصل حضرت والا ہر وقت اپنے ہی تخلیہ اور تجلیہ میں مشغول ہیں اور اس کے دوران میں جو خود اپنے اوپر احوال مختلفہ طاری ہوتے رہتے ہیں اور تجربے حاصل ہوتے رہتے ہیں انہیں کے ذریعہ سے دوسروں کی بھی تربیت فرماتے رہتے ہیں۔

چنانچہ اکثر احوال رفیعہ اور طرق اصلاح کی پُر زور تقریرات کے وقت صاحبان ذوق کو قریب قریب بداہتہً محسوس ہو جاتا ہے کہ یہ خود اپنے ہی احوال بیان فرمائے جا رہے ہیں اور بعض اوقات خود اس کی تصریح بھی فرما دیتے ہیں کیونکہ حضرت والا کی طبیعت میں فطری طور پر نہایت بے ساختگی اور سادگی ہے جہاں ضرورت یا مصلحت ہوتی ہے یا یوں ہی سلسلۂ کلام میں اپنے محاسن بھی اور اپنے نفس کی منازعت کے واقعات بھی بے تکلف بیان فرما دیا کرتے ہیں اور ایسے مواقع پر بعض اوقات یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ نہ مجھ میں تواضع ہے نہ تکبر سچائی اور صفائی ہے۔ اور طبیعت میں بے ساختگی اور سادگی ہے جس کا سبب آزاد مزاجی ہے جو اُن مجذوب صاحب کی روحانی توجہ کا اثر ہے جن کی دعا سے میں پیدا ہوا ہوں۔ پھر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی صحبت نے اُس میں اور بھی قوت پیدا کر دی کیوں کہ مولانا کی ایسی سادہ طبیعت تھی کہ اپنے نقائص بھی اور اپنے کمالات بھی سب کے سامنے حتیٰ کہ اپنے شاگردوں اور مریدوں کے سامنے بھی بالکل صاف صاف اور بے تکلف بیان فرما دیا کرتے تھے۔ اھ

حضرت والا نے بارہا فرمایا کہ گو میں متقی پرہیز گار تو نہیں لیکن الحمد للہ اپنی اصلاح سے غافل بھی نہیں ہمیشہ یہی اُدھیڑ بن لگی رہتی ہے کہ فلاں حالت میں فلاں تغیر کرنا چاہئے فلاں نقص کی فلاں طریقہ سے اصلاح کرنی چاہئے۔ غرض مجھ کو اپنی کسی حالت پر قناعت نہیں۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ حضرت والا کا عمل درآمد بالکل

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد پر ہے ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

چنانچہ آج کل بھی سہولت استحضار کے لئے خود ہی ایک شعر تصنیف فرما کر اور اُس کو جلی قلم سے ایک موٹی دفتی پر لکھوا کر اپنے ڈیسک پر رکھ چھوڑا ہے جس کی نقل یہ ہے۔

النظام للکلام

کثرت ذکر و قلت تبیان ۔۔۔ وقت ہیجان طبع کفّ لسان

جب احقر نے اُس دفتی کو بغرضِ نقل طلب کیا تو یہ فرما کر حوالہ فرمایا کہ جی ہاں فکریں تو سبھی کچھ ہیں لیکن توفیق کبھی ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی۔ اھ

اسی طرح اُس زمانہ میں جب وعظ کثرت سے فرمایا کرتے تھے ایک بار فرمایا کہ "جب میں اپنے اندر کوئی امر اصلاح طلب پاتا ہوں تو اس کے متعلق ایک وعظ کہہ دیتا ہوں جس سے بہت نفع ہوتا ہے چنانچہ وعظ الغضب اسی غرض سے کہا گیا تھا اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑے بڑے امراضِ نفس کے متعلق ایسے ایسے ہی چٹکلے دل میں ڈال دیتے ہیں جن سے بفضلہ بسہولت اصلاح ہو جاتی ہے۔ اھ

اسی طرح اُسی دفتی کی پشت پر جس کا اوپر ذکر کیا گیا ایک اور مضمون بغرض یادداشت خوش خط لکھوا لیا ہے پہلے مضمون کا نام النظام للکلام تھا اور اس مضمون کا نام الکلام فی النظام ہے اُس دوسرے مضمون کو بھی نقل کیا جاتا ہے۔

الکلام فی الانتظام

نمبر (۱) غلط کار سے خود خطاب نہ کیا جائے بلکہ کسی فہیم کے واسطہ سے گفتگو کی جائے۔

نمبر (۲) بجائے خود بتلانے کے اُس سے ایسے سہل المآخذ استفسارات کئے جائیں جس سے اس کو غلطی کا اقرار کرنا پڑے اور اگر وہ نہ سمجھے تو عدم مناسبت کی اطلاع کرکے بات ختم کردی جاوے۔

نمبر (۳) اُس غلطی کا تدارک اسی سے تجویز کرایا جائے جب تک کافی تدارک تجویز نہ کرلے۔

نمبر (۴) اگر گنجائش ہو اُس کے تجویز کردہ تدارک سے خفیف تدارک تجویز کردیا جائے۔

نمبر (۵) تدارک تجویز کردہ کی تنفیذ میں احتیاطاً قدرے توقف و نظر ثانی کرلی جائے اھ حضرت والا نے یہ یادداشت اپنے مضمون التبدیل من الثقیل الی العدیل کے (جس کی نقل اپنے موقع پر گذر چکی ہے) خلاصہ کے طور پر بغرض سہولت استحضار تحریر فرما کر اپنے پاس رکھ لی ہے۔

حضرت والا کی نگرانی نفس کا ایک اور واقعہ یاد آیا۔ مکرمی جناب مولوی عبدالکریم صاحب گنگوہی نے خود جامع اوراق سے بیان کیا کہ وہ ایک سفر میں حضرت والا کے ہمراہ تھے۔ نارنول سے الور اور الور سے دہلی اور دہلی سے پانی پت تشریف لے جانا تھا۔ نارنول میں جمعہ پڑا تو حضرت والا نے شب جمعہ کو تہجد کے وقت کپڑے بدلنے چاہے مولوی صاحب نے جن کی سپردگی میں حضرت والا کا

بنگ تھا کپڑے نکال کر پیش کیے جن میں چکن کا کرتہ تھا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ نہیں ململ کا کرتہ لائیے جب وہ ململ کا کرتہ لائے تو پھر فرمایا کہ اچھا وہ چکن ہی کا لے آئیے اس کو رکھ آئیے۔ جب وہ پھر چکن کا کرتہ لے آئے تو فرمایا کہ کچھ خبر بھی ہے میں نے کیوں کیا۔ بات یہ ہے کہ جب آپ چکن کا کرتہ لائے تو مجھے خیال ہوا کہ یہ تو قصبہ ہے یہاں ململ کا کرتہ پہن لینا کافی ہے۔ یہاں کے بعد دہلی جانا ہے وہاں چکن کا کرتہ پہننا مناسب ہوگا (اس مصلحت سے کہ اُمراء کی نظر میں ذلّت نہ ہو) میں نے اس خیال کی مخالفت کی ہے۔ اھ

خیر یہ تو ہو چکا۔ اس کے بعد الور قیام فرماتے ہوئے دہلی تشریف لے گئے۔ چونکہ اس درمیان میں کپڑے کافی میلے ہو چکے تھے اس لئے مولوی صاحب ممدوح نے الور سے دہلی کی طرف روانگی کے وقت بھی اور ریل میں بھی کپڑے بدلنے کے لئے عرض کیا لیکن ٹال دیا کہ بعد کو بدل لوں گا یہاں تک کہ دہلی پہنچ کر بھی نہ بدلے اور وہاں رہتے ہوئے بھی نہ بدلے حالانکہ کپڑے بہت زیادہ میلے ہو چکے تھے۔ جب دہلی سے پانی پت پہنچے تو پہنچتے ہی فوراً غسل فرما کر کپڑے بدلے کیونکہ بوجہ نفاست مزاج حضرت والا کو میلے کپڑوں سے بہت اذیت ہوتی ہے غرض اپنے اس خیال کا نہایت مبالغہ کے ساتھ تدارک فرمایا۔

سبحان اللہ یہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی عین سنت ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فتح بیت المقدس کے موقع پر زرق برق لباس کو اتار کر پھر اپنا معمولی سادہ لباس پہن لینا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے کرتہ کو اس کی ایک آستین قطع کر کے بدنما کر دینا روایتوں میں منقول ہے۔

ایک اور واقعہ یاد آیا۔ کچھ عرصہ ہوا ایک صاحب نے کسی کے ترکہ سے پانچ سو روپیہ بذریعۂ بیمہ مصارف خیر کے لئے بھیجے چونکہ اس سے قبل اس رقم کے متعلق اجازت طلب نہیں کی گئی تھی اس لئے حضرت والا نے حسب معمول وہ بیمہ واپس فرما دیا پھر اُن صاحب کا بطلب اجازت معذرت نامہ آیا جس سے مفصل حال معلوم ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض ورثہ کی اجازت حاصل نہیں کی گئی گو زیادہ حصہ رقم کا ایسا ہی تھا جس کے متعلق ورثہ کی اجازت حاصل کی جا چکی تھی۔ حضرت والا نے کلی طور پر ممانعت لکھ بھیجی کہ چونکہ بعض ورثہ کی اجازت حاصل نہیں کی گئی اس لئے وہ رقم نہ بھیجی جائے۔ پھر بعد کو حضرت والا نے مجلس عام میں اس واقعہ کا ذکر فرما کر فرمایا کہ ممانعت کلی لکھتے وقت میرے نفس نے کہا کہ رقم کے اس حصہ کو تو بھیجنے کی اجازت دیدی جائے جس کے متعلق ورثہ کی اجازت لی جا چکی ہے اچھا ہے مساکین کا بھلا ہو جائے گا لیکن میں نے اپنے نفس سے کہا کہ اچھا آپ اپنے استاد کو بھی پٹی پڑھانا چاہتے ہیں۔ اھ

حضرت والا نے جو اس موقع پر بیساختہ استاد کا لفظ فرمایا وہ بالکل مطابق واقع کے ہے کیونکہ حضرت والا نفس کے دھوکوں سے خوب واقف ہیں اور اس کی تاویلوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ رات دن کام یہی ہے کہ طالبین کے مکائد نفس پر اُن کو متنبہ فرماتے رہتے ہیں۔ اور نہ صرف طالبین کے نفوس کی بلکہ اپنے نفس کی بھی ہر وقت دیکھ بھال رکھتے ہیں جیسا کہ مذکورۂ بالا واقعات سے ناظرین کرام نے بخوبی اندازہ فرما لیا ہوگا۔ اور اس کا غایت درجہ اہتمام رکھتے ہیں کہ نفس کو اُبھرنے کا کوئی موقع ہی نہ دیا جائے اور اس کی ہر وقت نگرانی رکھتے ہیں کہ اسکے اندر

شائبہ بھی کسی تغیر کا نہ پیدا ہونے پائے۔ چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کبھی گھر میں سے کہیں گئی ہوئی ہوتی ہیں اور کوئی غیر محرم عزیز یا مہمان یا کام کاج کرنے والی عورت یا لڑکی گھر میں ہوتی ہے تو میں اس زمانہ میں گھر جانا ہی چھوڑ دیتا ہوں اور اگر کوئی ضروری بات کہنی سننی ہوتی ہے تو دہلیز ہی میں سے کھڑے کھڑے کہہ سن لیتا ہوں اندر نہیں جاتا۔ یہ میں اس لئے اوروں کو سنا رہا ہوں کہ سب کو اس معاملہ میں غایت درجہ احتیاط رکھنی چاہئے کیونکہ اول تو نفس کا کچھ اعتبار نہیں۔ پھر خیالات کا بھی تو پاک صاف رکھنا ضروری ہے بلکہ نابالغ نامحرم لڑکیوں سے بھی احتیاط ہی چاہئے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی نابالغ لڑکی کے سر پر ہاتھ پھیرنے کا سبب تو شفقت ہی ہوتا ہے لیکن سر پر ہاتھ رکھنے کے تھوڑی دیر بعد نفس کی آمیزش ہونے لگتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کو عموماً ایسے دقائق نفس کی طرف اعتناء بھی نہیں ہوتا اور وہ برابر شفقت ہی کے گمان میں رہتے ہیں اس کی احتیاط واجب ہے۔ اھ

اسی طرح حضرت والا نے ایک بار فرمایا کہ میں کسی امرد کو بھی اپنے پاس تنہائی میں نہیں آنے دیتا اور گو یہ بات اپنی ذات میں تو معمولی ہے لیکن جو شخص مجھ سے اعتقاد رکھتا ہو اس کے لئے یہ بہت بڑی بات ہے کہ جب یہ پیر ہو کر بھی اپنے نفس کی اتنی حفاظت کرتے ہیں تو ہمیں تو بہت ہی زیادہ حفاظت کرنی چاہئے۔ اھ

اس سب تقریر کا حاصل یہ ہے کہ حضرت والا اب تک بھی ہر وقت اپنے نفس کی نگرانی اور دیکھ بھال ہی رکھتے ہیں۔ اور بوجہ دائمی مجاہدۂ نفس دائمی ترقی فرما رہے ہیں۔ اور یہ وہ ترقی ہے جو ہر وقت ہو رہی ہے اور جس کا کسی کو عام طور سے پتہ بھی نہیں چلتا اور یہی وہ اعمال باطنہ ہیں جن کے بارہ میں حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ

وہ سالک کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں اور دوسروں کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا ایسے شخص کو قلندر کہتے ہیں۔ اس کو عبادات نافلہ کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا جتنا اپنے قلب کی نگہداشت کا اور اعمال قلبیہ کا۔ مثلاً جب کوئی واقعہ پیش آیا تو فوراً اس کے قلب نے اس واقعہ کے متعلق حق تعالیٰ کے ساتھ کوئی معاملہ صبر و شکر، تفویض، عبدیت وغیرہ کا کیا۔ پس وہ ایک مستقل باطنی عمل ہو گیا اور اس درجہ کا ہوا کہ وہ اس کی بدولت کہیں کا کہیں پہنچ گیا اور چونکہ حوادث بہ کثرت پیش آتے ہی رہتے ہیں اور وہ ہر وقت اپنے قلب کی نگہداشت میں رہتا ہے اس لئے وہ ہر وقت باطنی ترقی کرتا رہتا ہے اور اس شخص سے بڑھ جاتا ہے جس کو عبادات نافلہ کا تو اہتمام بہت ہے لیکن قلب کی نگہداشت کا اہتمام نہیں۔ بمصداق ارشاد حضرت مولانا رومیؒ ؎

سیر عابد ہر شبے یک روزہ راہ   سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ قطع نظر ترقی کے خود حاصل کردہ دولت باطنی کی بقاء کے لئے بھی اسی کی ضرورت ہے کہ اپنے قلب کی ہر وقت نگہداشت رکھے جیسا کہ حضرت والا کا معمول ہے جس کی تائید حضرت شیخ اکبر قدس سرہ العزیز کے ارشاد سے بھی ہوتی ہے چنانچہ وہ اپنے رسالہ "الامر المحکم المربوط فیما یلزم اھل طریق اللہ من الشروط" میں شیوخ کو بھی اپنے حالات کی ہمیشہ نگرانی رکھنے کی سخت تاکید فرماتے ہیں چنانچہ اس مضمون کے سلسلہ میں کہ شیخ پر بھی واجب ہے کہ اپنے لئے کوئی وقت خلوت مع اللہ کا رکھے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

فمتی لم یتفقد الشیخ حالہ فی	پس جبکہ شیخ ہر روز اپنے حالات کی نگرانی
کل یوم بالامر الذی حصل لہ	اسی طریق سے نہ کرے جس سے اس کو یہ تمکین

به هذا التمكين كان مخدوعاً
بحيث ان تستوقه العادة
ويجوره الطبع ويوبذ الخلوة
ساعته فيفقد الانس و
يجد الوحشة وكذلك في
توكله وادخاره في كل
حال اكتسبته النفس حالة
تفطر عليه فانه سريع
الذهاب وقد رأينا شيوخاً
سقطوا نسال الله لنا ولهم
العافية - قال الله تعالىٰ
اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعاً
اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعاً
وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعاً
فقد جمع في هذه الآية
كل رذيلة في النفس وابان
فيها ان الفضائل مكتسبة
لها ليست في جبلها
فالتحفظ واجب

(یعنی دوام اطاعت اور کثرتِ ذکر کی عادت)
حاصل ہوئی ہو تو (عجب نہیں) کہ وہ دھوکہ
میں پڑ جائے اور آہستہ آہستہ طبیعت اور
عادت قدیمہ اس کو اپنی طرف کھینچ لے اور پھر وہ
خلوت میں کبھی رہنا چاہے تو انس حاصل نہ ہو
بلکہ خلوت سے وحشت ہونے لگے اور یہی حال
ہے ان تمام حالات و کیفیات کا جو نفس کی
طبیعت و جبلت کے موافق نہیں کہ ان
حالات کے حصول پر اعتماد نہ کرنا چاہئے کیونکہ
وہ بہت سریع الزوال ہوتے ہیں اور ہم نے
بہت سے مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے درجہ
سے گر گئے اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان کو عافیت
عطا فرمائے (آمین) حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:
اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعاً اِذَا مَسَّهُ
الشَّرُّ جَزُوْعاً وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعاً
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نفس کے تمام
رذائل کو جمع فرما دیا ہے اور بیان فرمایا ہے
کہ جتنے فضائل نفس کو حاصل ہیں وہ اس کے
جبلی اور طبعی نہیں اس لئے ان کا تحفظ واجب ہے ۱ھ

اسی طرح طبقات کبریٰ سے حضرت شیخ ابو مدین مغربی کا جو حضرت شیخ اکبرؒ کے مشائخ میں سے ہیں، حضرت والا کا سنایا ہوا ایک ارشاد یاد آیا جو اس مقام کے مناسب ہے کیونکہ اس سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے اس کو بھی حضرت والا کے انتخاب طبقات کبریٰ سے بلفظہ نقل کیا جاتا ہے ۔

عن الشیخ ابی مدین المغربی کان یقول کل فقیر لا یعرف زیادتہ و نقصہٗ فی کل نفس فلیس بفقیر اھ	کہ جو درویش اپنی (باطنی) زیادتی اور کمی کو ہر دم نہ محسوس کرتا رہے وہ درویش نہیں ۱۰ھ

الحمد للہ حضرت والا کی تو یہ کیفیت مستمرہ اور حالت دائمہ ہے جو ہمیشہ قولاً و فعلاً و حالاً ظاہر ہوتی رہتی ہے چنانچہ علاوہ واقعات مذکورۂ بالا کے اس مقام پر بھی بے تکلف دو تین واقعات اور یاد آ گئے جو مختصراً عرض کئے جاتے ہیں ۔

ایک بار احقر نے اپنی کوئی باطنی پریشانی عرض کی تو اس کے متعلق حضرت والا نے حسب معمول نہایت موثر عنوان سے فوراً میری پوری تسلی فرما دی پھر نہایت حسرت کے لہجہ میں فرمایا کہ آپ تو مجھ سے اپنا حال کہہ کر اپنی تسلی کر لیتے ہیں - اگر مجھ کو کوئی پریشانی لاحق ہو تو میں اپنی تسلی کس سے کروں پھر فرمایا کہ ایسے موقعوں پر الحمد للہ اللہ تعالیٰ خود ہی میری دستگیری فرماتے ہیں اور غیب سے میری عقدہ کشائی فرما دیتے ہیں -

اسی طرح ایک بار کسی شیخ کے بارہ میں یہ سن کر کہ اپنے مریدین سے دو دو گھنٹہ ذکر کراتے ہیں لیکن وہ لوگ خلافِ شرع وضع قطع وغیرہ امور میں بالکل آزاد ہیں تو فرمایا کہ گھنٹہ دو گھنٹہ بلکہ چار گھنٹہ بھی محنت کر لینا کیا مشکل ہے میرے یہاں تو وہ آئے جس کو رات دن اپنے نفس پر آرے چلانے ہوں اھ

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت والا کی خود بھی یہی حالت ہے کہ ہر وقت اپنے نفس کی نگرانی رکھتے ہیں اور اپنے منتسبین کو بھی اسی کی تاکید فرماتے رہتے ہیں جیسا کہ مشاہد ہے۔ چنانچہ ایک صاحب علم کو جو حسن پرستی میں مبتلا تھے اس سے اجتناب کی اس عنوان سے ممانعت فرمائی کہ چاہے جان نکل جائے لیکن نظر نہ ڈالی جائے انہوں نے لکھا تھا کہ مجھ میں اس قدر حسن پسندی ہے کہ معمولی اشیاء کو بھی نہایت قرینے اور خوش ترتیبی کے ساتھ رکھتا ہوں ایسی طرح حسن صورت کی طرف بیحد کشش ہوتی ہے اور حظ حاصل ہوتا ہے اس پر بہ زبان عربی یہ فصیح و بلیغ جواب ارقام فرمایا کہ بعضہ خیر فاشکروا علیہا و بعضہ شر فاصبروا عنہا ای غضوا البصر حیث امر الشارع بالغض ولو بتکلف شدید یحتمل زھوق الروح فان اللہ تعالیٰ غیور و تشتد غیرتہ علی النظر الی ما نھی اللہ ان ینظر الیہ فالحذر الحذر ان یسخط المحبوب الاکبر۔اھ دیکھئے کس شدت کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔

نیز یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اس طریق میں تو عمر بھر لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں اور گویا جنم روگ لگ جاتا ہے۔اھ

غرض حضرت والا کے یہاں ظاہری ریاضات و مجاہدات تو بالکل نہیں ہیں لیکن باطنی مجاہدات میں ضرور مشغول رہنا پڑتا ہے مگر وہ بعد چندے نہایت لذت بخش ہونے لگتے ہیں بقول احقر ؎

بڑی عشق میں ہیں بہاریں مگر ہاں   گھریں خار زاروں سے پہلو اریاں ہیں

جو گویا ترجمہ ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا حفت الجنۃ بالمکارہ غرض حسب ارشاد حضرت والا یہ باطنی مجاہدات اس کے مصداق ہو جاتے ہیں۔ ع

چند روزے جہد کن باقی بخند

چنانچہ ایک بار کالپی کے سفر میں ایک معزز انگریزی خواں اور بہت بڑے افسر پولیس جو احقر کے ہم سبق تھے اتفاق سے حضرت والا کے ہم سفر ہو گئے۔ احقر بھی موجود تھا انہوں نے احقر کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ ان کی حالت دیکھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہوئے ہمت نہیں پڑتی۔ حضرت والا نے فوراً فرمایا کہ اس کو نہ دیکھئے۔ گھڑی کو کنجی دینے والا تو صرف ایک مرتبہ گھڑی کو کوک دیتا ہے پھر جو کچھ اس میں تغیرات ہوتے ہیں وہ تو بے تکلف اور خود بخود ہی ہوتے رہتے ہیں کہ پہلے ایک بجا پھر دو پھر تین وغیرہ اھ

حضرت والا کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت تو دشواری نظر آرہی ہے لیکن جب قلب میں تعلق مع اللہ پیدا ہو جائے گا۔ تو پھر کوئی دشواری نہ رہے گی۔ قلب میں خود ہی اپنی اصلاح کا تقاضا پیدا ہو گا اور اس وقت اپنی حالت میں تغیرات ضروریہ کرنے کو خود ہی نہایت خوشی کے ساتھ جی چاہے گا یہ جو قبل از وقت دشواری نظر آرہی ہے وہ محض خیالی ہے اس کا کچھ اندیشہ نہ کیا جائے بقول احقر ؎

بس چلا چل قطع راہِ عشق اگر منظور ہے یہ نہ دیکھ اے ہم سفر نزدیک ہے، یا دور ہے
مشکلیں عاشق کو ہیں بس قبل از دیوانگی کچھ دنوں غم سہہ لیا پھر عمر بھر مسرور ہے

بلکہ پھر تو ایسا ہو جاتا ہے کہ اگر کبھی فکر باطنی اور نگرانی نفس میں کمی محسوس ہونے لگتی ہے تو سالک اس غم کے نہ ہونے کے غم میں گھلنے لگتا ہے۔ بمصداق ارشاد حضرت عارف رومیؒ ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بُود
گر ز باغ دل خلالے کم بُود

غرض یہ باطنی مجاہدات جو حضرت والا کے یہاں کے سلوک میں ہیں بعد چندے دار و مدار زندگی اور غذائے روح ہو جاتے ہیں جن کے بغیر سالک کو چین ہی نہیں پڑتا اور جن کے فقدان کو وہ اپنی موت سمجھتا ہے اور فی الواقع حقیقت الامر بھی یہی ہے کیوں کہ یہی مجاہدات باطنیہ تو اسباب و علامات حیات قلب اور موجب ترقیات باطنہ دائمہ ہیں ؎

غم گیا قلب کی حیات گئی دل گیا ساری کائنات گئی

اگر ز کاوش مژگان او دلم خون شد

خوشم کہ بر منحم اسباب گریہ افزوں شد

مقصود بالبیان یہ ہے کہ درحقیقت حضرت والا کے یہاں کے سلوک میں جو تمام تر قرآن و حدیث ہی سے ماخوذ ہے جیسا کہ حضرت والا کے رسائل مسائل السلوک اور التشرف اور التکشف سے ظاہر ہے بفحوائے ارشاد نبوی الدین یسرٌ کوئی دشواری نہیں اور ناظرین کرام نے بھی مضامین باب ہذا کے مطالعہ سے بہ اچھی طرح معلوم فرما لیا ہوگا کہ حضرت والا نے طریق کو بحمد اللہ تعالیٰ بہت ہی سہل فرما دیا ہے اور گویا شاہی سڑک بنا دیا ہے جس پر ہر خاص و عام نہایت سہولت کے ساتھ اور بے کھٹکے چل سکتا ہے کیا عالم کیا عامی کیا فارغ کیا مشغول کیا تندرست کیا بیمار کیا قوی کیا ضعیف کیا امیر کیا غریب۔ چنانچہ اس کے متعلق ایک حقیقت شناس نے خوب ہی کہا کہ حضرت والا کا سلوک تو شاہی سلوک ہے۔ واقعی یہی بات ہے کیوں کہ حضرت والا نہ ریاضات کراتے ہیں نہ مجاہدات نہ ترک تعلقات کراتے ہیں نہ ترک لذات و مباحات۔ بلکہ یہ تاکید فرماتے ہیں کہ خوب راحت و آرام سے رہو تاکہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا ہو

اور طبیعت میں نشاط رہے جو معین عبادات ہو - البتہ معصیت کے پاس نہ بھٹکو اور نفس کی ہر وقت نگرانی رکھو - اور ہمت سے کام لو اور بقدر تحمل و فرصت کچھ ذکر و شغل بھی کرتے رہو - پس انشاء اللہ تعالیٰ مقصود کا حصول یقینی ہے - نہ کم کھانے کی ضرورت نہ کم سونے کی ضرورت یہ دونوں مجاہدے آج کل متروک ہیں کیونکہ طبائع میں پہلے ہی سے ضعف غالب ہے البتہ کم بولنا اور کم ملنا جلنا ضروری ہے لیکن نہ اتنا کم کہ جس سے قلب میں انقباض پیدا ہو جائے اھ لیجئے یہ شاہی سلوک نہیں تو کیا ہے -

چنانچہ خود حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ درویشی کے لئے کمبل اور گدڑی کی ضرورت نہیں بلکہ اگر اللہ تعالیٰ دے تو دوشالہ اور شاہی میں بھی درویشی حاصل ہو سکتی ہے بشرطیکہ طریقہ سے حاصل کی جائے اھ

سبحان اللہ حضرت والا نے طریق کو اس قدر آسان فرما دیا ہے کہ کوئی دشواری ہی نہیں رہی گویا بقول احقر ؎

اتنا کیا ہے آپ نے آساں طریق کو کہہ سکتے ہیں کہ راہ کو منزل بنا دیا

البتہ اگر بے اصول چل کر اس طریق کو خود ہی دشوار کر لیا جائے تو یہ طریق کا نقص نہیں بلکہ چلنے والوں کا بے ڈھنگا پن ہے بقول احقر ؎

جو آسان سمجھو تو ہے عشق آساں جو دشوار کر لو تو دشواریاں ہیں

اس پر خود حضرت والا کا ایک تازہ ملفوظ عرض کیا جاتا ہے - فرمایا کہ راستہ تو بالکل صاف اور ہموار ہے لیکن لوگ خود ہی اس کو اپنے سوء استعمال اور اوہام سے دشوار کر لیتے ہیں اور خود اپنے ہاتھوں پریشانیوں میں پڑتے ہیں - یہاں تک کہ علماء بھی غلطیوں میں پڑے ہوئے ہیں چنانچہ ایک مولوی صاحب جو بڑے عالم فاضل اور فہیم

شخص ہیں وہ بھی اس پریشانی میں مبتلا تھے کہ اب تک تہجد کے وقت بلا الارم دار (جگانے والی گھڑی) کے آنکھ ہی نہیں کھلتی لکھا تھا کہ افسوس ابھی تک ان خارجی چیزوں کی احتیاج باقی ہے اب تک قلب میں اتنا بھی تقاضا پیدا نہیں ہوا کہ الارم کی حاجت نہ رہے اور خود بخود تہجد کے وقت آنکھ کھل جایا کرے۔ اھ

میں نے ان کی تسلی کی کہ آخر کس کس خارجی چیز کی احتیاج سے بچو گے کیوں کہ ایک الارم ہی کیا سینکڑوں خارجی چیزوں کی احتیاج ہے لباس کی احتیاج ہے مکان کی احتیاج ہے اور سینکڑوں ضروریاتِ زندگی کی احتیاج ہے اور یہ سب خارجی چیزیں ہیں ان سب سے بچو۔ جب اتنی ساری خارجی چیزوں کی احتیاج سے نہیں بچ سکتے تو ایک الارم کی احتیاج بھی سہی کس فکر میں پڑے جب خود اللہ میاں ہی نے ہمیں اپنی نعمتوں کا محتاج بنایا ہے تو پھر ہم ان نعمتوں سے کیوں استغناء کی تمنا کریں۔

گر طمع خواہد زمن سلطانِ دیں خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

اگر بغیر الارم کے آنکھ نہیں کھلتی تو اس کا افسوس ہی کیا ہے اللہ تعالیٰ نے الارم گھڑی دے ہی رکھی ہے اس سے کام لینا چاہیئے مقصود تو جاگ اٹھنا ہے چاہے الارم سے ہو چاہے بلا الارم کے جب مقصود حاصل ہے تو پھر اس کا کیا غم کہ بلا الارم کے آنکھ کیوں نہیں کھلتی۔ اھ

حضرت والا نے اس واقعہ کو نقل فرما کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے صحیح صحیح باتیں ذہن میں ڈال دی ہیں جن کی وجہ سے لوگ ظلمت سے نکل کر نور میں تو پہنچ گئے ہیں اور راستہ بالکل صاف نظر آنے لگا ہے جیسے بجلی والے بجلی جلادیں تو ظلمت دفع ہو کر راستہ صاف نظر آنے لگتا ہے۔ اس کے بعد اللہ میاں نے

آنکھیں دی ہیں، پاؤں دیئے ہیں اُن سے کام لیا جائے تو بے کھٹکے راستہ قطع کر کے جہاں جانا ہے وہاں بسہولت پہنچ سکتا ہے اب اگر کوئی پاؤں ہی نہ اٹھائے یا اُلٹے سیدھے قدم رکھتا ہوا اور ٹھوکریں کھاتا ہوا چلے یا آنکھیں بند کر کے چلے تو بجلی والوں کا کیا قصور۔ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن شریف کی تعریف میں فرمایا ہے ھٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ وَھُدًی وَّرَحْمَةٌ - اس کے متعلق میرے ذہن میں یہی نکتہ آیا تھا کہ بصائر تو گویا آنکھیں ہیں اور ہدی راستہ اور رحمت منزل۔اھ

ایک بار نہایت قوت اور وثوق کے ساتھ فرمایا کہ جیاہے۔ مجھے عمل کی توفیق نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ طریق میں تو کوئی کسی قسم کا ذرہ برابر بھی شک وشبہ نہیں رہا۔اھ

غرض بعون اللہ تعالیٰ حضرت والا نے طریق کو بالکل ہی واضح اور آسان فرما دیا ہے اگر کوئی اصول سے چلے تو انشاء اللہ تعالیٰ منزل مقصود تک نہایت آسانی کے ساتھ رسائی ہو سکتی ہے۔

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سہولت استحضار کے لئے چند بہت ہی خاص خاص اصول جن کا پیشِ نظر رکھنا انشاء اللہ تعالیٰ حضرت والا سے فیض حاصل کرنے میں بہت معین ہوگا۔ مختصراً بطور خلاصہ باب ہذا ہدیۂ ناظرین کر دیئے جائیں اور تفصیل بقدر ضرورت مضامین باب ہذا سے معلوم ہو ہی چکی ہے۔ انہیں سے یہ اصول بھی مستنبط ہیں۔

بعض خاص خاص اُصول مہمۂ استفاضہ

(از حضرت والا)

(۱) سب سے پہلے طالب کو حضرت والا کا رسالہ قصد السبیل ایک بار یا دو بار بغور ملاحظہ کرنا چاہئے۔ اس سے اجمالاً طریق کی حقیقت واضح ہو جائے گی اور مقصود معلوم ہو جائے گا۔ اور اگر خود سمجھ میں نہ آئے تو کسی دوسرے فہیم آدمی سے سمجھ لیا جائے۔ اور اگر حضرت والا سے رجوع کرنے کے قبل حضرت والا کی دیگر تصانیف بھی دیکھ لی جائیں بالخصوص تعلیم الدین۔ اصلاح الرسوم۔ بہشتی زیور اور مطبوعہ مواعظ جتنے بھی میسر آسکیں تو طریق کی بقدر حاجت تفصیل بھی معلوم ہو جائے اور اپنی اصلاح کے متعلق حضرت والا سے خط وکتابت کرنے میں بہت سہولت ہو جائے۔ ورنہ اکثر طالبین بوجہ ناواقفیت مبادی طریق بے اصول باتیں لکھتے ہیں جن پر حضرت والا کو بار بار استفسارات کرنے پڑتے ہیں اور تحصیل مقصود میں تاخیر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض کو حضرت والا نے آخر میں یہ تحریر فرما دیا کہ اول میرے ۱۰۰ سو وعظ دیکھو اس کے بعد لکھو جو لکھنا ہو۔

(۲) ابتداءً بیعت کی درخواست نہ کریں نہ بیعت کو ضروری سمجھیں کیوں کہ اصل مقصود تعلیم طریق حاصل کرنا ہے لہذا پہلے اسی کی درخواست کریں جب باہم پوری مناسبت ہو جائے اس وقت بیعت کی درخواست کا بھی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر حضرت والا یہ فرما دیں کہ ابھی مناسبت پیدا نہیں ہوئی تو بے چون وچرا مان لیں کیونکہ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔ اور ہرگز بیعت پر اصرار نہ کریں بلکہ تحصیل مناسبت کی سعی میں پہلے سے

زیادہ توجہ کے ساتھ مشغول ہوجائیں کیوں کہ یہ معلوم ہو ہی چکا ہے کہ جب تک حضرت والا کو طلب صادق کا پورا اطمینان نہیں ہوجاتا اور باہم پوری مناسبت کا احساس نہیں ہوجاتا حضرت والا بیعت نہیں فرماتے اور اسی وقت لطف بھی بیعت کا ہے اور اس سے پہلے بیعت کچھ مفید بھی تو نہیں بلکہ بعض وجوہ سے مضر ہے۔

حضرت والا کے اس اصول پر بعض نادان مدعیان مشیخت نے یہ اعتراض کیا کہ یہ تو فن سلوک کے اس مسلم مسئلہ کے خلاف ہے کہ شیخ کو اشاعت طریق کا حریص ہونا چاہیے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اشاعت طریق بیعت سے نہیں ہوتی ہے بلکہ تعلیم سے ہوتی ہے اور تعلیم طریق سے مجھے کب انکار ہے بلکہ میں تو کہہ سکتا ہوں کہ تعلیم طریق الحمد للہ میرے یہاں اتنی ہوتی ہے کہ اتنی کہیں بھی نہ ہوتی ہوگی کیوں کہ میرے یہاں اس کے سوا اور کوئی چرچا ہی نہیں۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ واقعی اشاعت طریق کے تو حضرت والا اس قدر حریص ہیں کہ اتنا شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔ بارہا فرمایا کہ میں جو کچھ طریق کی حقیقت سمجھے ہوئے ہوں بس جی چاہتا ہے کہ ساری دنیا کو سمجھا دوں اور جب لوگ نہیں سمجھتے تو سخت الجھن ہوتی ہے کہ کس طرح ان کے دل میں ڈال دوں اور یہ بھی لوگوں سے میرے الجھنے کی ایک وجہ ہے اھ

واقعی دیکھنے والے ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ جب کوئی صحیح مخاطب آجاتا ہے۔ تو حضرت والا نہایت جوش و خروش کے ساتھ حقائق و معارف کی گرماگرم تقریریں دیر دیر تک اپنی مجلس شریف میں فرماتے رہتے ہیں اور افادات کے دریا بہا دیتے ہیں۔

(۳) حضرت والا سے استفاضہ کی بہترین صورت یہ ہے کہ پہلے اجازت لے کر کچھ عرصہ تک خاموشی کے ساتھ حضرت والا کی مجلس شریف میں بیٹھے رہیں اور ارشادات کو نہایت توجہ سے سنتے رہیں اور واقعات کو بغور دیکھتے رہیں تاکہ طرز طریق سے اور حضرت والا سے مناسبت پیدا ہو جائے اور اصلاح کرانے کا طریقہ معلوم ہو جائے پھر اپنے مستقر پر پہنچ کر ایک ایک عیب لکھتے رہیں اور اپنی اصلاح کراتے رہیں۔ لیکن جب تک ایک عیب کی اصلاح میں رسوخ نہ ہو جائے دوسرا عیب نہ پیش کریں اور اسی دوران میں بعد چندے خواہ ذکر و شغل بھی پوچھ لیں لیکن بدون سلسلۂ اصلاح نفس کے شروع کئے صرف ذکر و شغل کے متعلق کوئی درخواست نہ کریں کیونکہ حضرت والا محض ذکر و شغل کی تعلیم کو حصول مقصود کے لئے ہرگز کافی نہیں سمجھتے اور ذکر و شغل کی درخواست کے ساتھ یہ بھی برابر اطلاع کرتے رہیں کہ اصلاح کے متعلق بھی خط و کتابت جاری کر رکھی ہے کیونکہ بدون اطلاع اتنے طالبین کے حالات کا یاد رکھنا بہت مشکل ہے۔

(۴) اپنے نفس کی ہر وقت نگرانی رکھیں اور عیوب نفس کی اصلاح کے لئے حضرت والا کے زریں اصول یعنی استحضار و ہمت سے برابر کام لیتے رہیں اور گو شروع میں قدرے تعب ہو لیکن تکرار مخالفت نفس سے پھر انشاء اللہ تعالےٰ سہولت ہونے لگے گی۔

چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ تکرار عمل ہی سے عمل میں سہولت بھی ہونے لگتی ہے لیکن سہولت کے منتظر نہ رہیں عمل بہر حال کرتے رہیں چاہے عمر بھر بھی سہولت نہ ہو، اھ۔

نیز حضرت والا کا ہمت کے متعلق یہ ارشاد بھی پیش نظر رکھیں کہ وہ ہمت ہی نہیں جس کے بعد کامیابی نہ ہو وہ تو ہمت کی محض نیت ہے کیوں کہ اختیاری کوتاہیوں سے بچنے کے لئے اگر پوری ہمت سے کام لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی نہ ہو۔ اھ

حضرت والا اکثر یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ کم ہمتی سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو فوراً توبہ کر کے پھر ہمت سے کام لینے لگیں اور مایوس نہ ہوں نہ اس غم میں پڑیں کہ کوتاہی کیوں ہو گئی۔ کوتاہی کا تدارک بھی عمل ہی سے ہو جائے گا اس موقع پر حضرت والا کے مکتوب تسہیل الطریق کے مضمون کا اعادہ بہت کار آمد ہو گا۔ کیوں کہ اس میں طریق کا مکمل دستور العمل مذکور ہے وہ مضمون یہ ہے کہ غیر اختیاری کی فکر میں نہ پڑیں۔ اختیاری میں ہمت سے کام لیں۔ اگر کوتاہی ہو جائے ماضی کا استغفار سے تدارک کر کے مستقبل میں پھر تجدید ہمت سے کام لینے لگیں اور استعمال ہمت کے ساتھ دعا کا بھی التزام رکھیں اور بہت لجاجت کے ساتھ۔ اھ

(۵) جب ذکر و شغل کی اجازت حاصل کر لی جائے تو ذکر کی مقدار بقدر تحمل و فرصت مقرر کریں جو نہ اتنی کم ہو کہ کچھ مشقت ہی نہ ہو نہ اتنی زیادہ ہو کہ نبھ نہ سکے حتی الامکان اپنے معمولات ناغہ نہ ہونے دیں ناغہ سے بڑی بے برکتی ہو جاتی ہے چلتے پھرتے اور فارغ اوقات میں بھی کوئی ذکر اپنا معمول رکھیں۔

حضرت والا نے ایک بار احقر سے فرمایا کہ اپنا اصل کام ذکر کو سمجھیں جب ضرورت ہو بول لیں اور پھر مشغول ہو جائیں جیسے درزی کپڑا سیتا رہتا ہے اور ضرورت میں بول بھی لیتا ہے لیکن اس کی اصل توجہ کپڑا سینے ہی کی طرف رہتی ہے۔

قلت کلام کی ایک یہ تدبیر بھی حضرت والا نے احقر کو بتائی تھی کہ ابتدا بکلام نہ

کریں الا بضرورت اگر دوسرا کوئی بات پوچھے تو بقدر ضرورت جواب دے کر پھر ذکر میں مشغول ہو جائیں۔ اسی طرح بلا ضرورت کسی کے پاس نہ جائیں۔ اھ

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بلا ضرورت لوگوں سے میل جول نہ بڑھائیں اگر ذکر و خلوت سے جی اکتا جائے تو بال بچوں میں یا ہم مشرب احباب میں کچھ دیر دل بہلا لیں۔ جب نشاط پیدا ہو جائے پھر اپنے کام میں لگ جائیں۔ اھ حضرت والا مباحات کے انہماک اور بالکلیہ ترک دونوں کو باعتبار نتائج کے مضر بتلاتے ہیں۔

(۶) اوراد و اذکار نماز و تلاوت وغیرہ جو نیک عمل کرے اس نیت سے کرے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا ہو اور اسکی رضا حاصل ہو۔ خالی الذہن ہو کر محض بطور عادت کے نہ کرے اور جو کیفیت حضور حق کی اُس عمل سے پیدا ہو اس کو بعد فراغ بھی محفوظ رکھنے کا برابر خیال رکھے۔ دھن اور دھیان کی اس طریق میں سخت ضرورت ہے ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش تادم آخر دمے فارغ مباش، اھ

(۷) جمیع مشوشات قلب سے اپنے آپ کو بچائے رکھے۔ جس میں صحت کی حفاظت بھی داخل ہے۔ کیوں کہ جمعیت قلب اس طریق میں مدار نفع ہے۔

(۸) حضرت والا اس طریق میں خودرائی اور خود بینی کو سب سے بڑا مانع سمجھتے ہیں اور اس شعر کو اکثر فرمایا کرتے ہیں ؎

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست
کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رائی

اور فرمایا کرتے ہیں کہ کوئی اپنی رائے اور تجویز کو فنا کر کے تو دیکھے پھر اللہ تعالیٰ

وہ وہ نعمتیں عطا فرماتے ہیں جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتیں۔ اسی میں اتباع شیخ بھی داخل ہے جس کی سخت ضرورت ہے۔ اپنی رائے سے کچھ نہ کرے۔ اور علاوہ ادب طریق کے شیخ کے اتباع میں ہر قسم کی سہولت اور راحت اور بے فکری بھی تو ہے۔ لہذا بہت جلد جلد اپنے حالات کی اطلاع اور شیخ کی تجویزات کے اتباع کا سلسلہ جاری رکھے۔ اور شیخ جس امر کے متعلق جو تجویز کرے اس کو بے چون و چرا مان لے اور اسی کے مطابق کامل اعتماد کے ساتھ عمل میں مشغول رہے خواہ کتنا ہی نفس کو ناگوار ہو حضرت حافظؒ فرماتے ہیں ؎

سعی ناکردہ دریں راہ بجائے نرسی
مزد اگر می طلبی طاعت استاد ببر

بس اصل چیز کام میں مشغول رہنا ہے ثمرات جو اس کے مناسب استعداد ہوں گے وہ خود ہی مرتب ہوتے رہیں گے۔ حضرت والا اس کے متعلق حضرت حافظ رح کے یہ اشعار اکثر فرمایا کرتے ہیں ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن که خواجه خود روش بنده پروری داند
در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست
بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

فنا کے متعلق حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ فنا اس طریق کا اول قدم ہے جیسا کہ ایک معنی کر آخر قدم بھی ہے۔ اگر کسی کو یہ حاصل نہیں تو سمجھ لو کہ اس کو اس طریق کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اھ

احقر عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کے یہاں اس صفت کے پیدا کرنے کا سب سے

زیادہ اہتمام ہے - اگر اس اہتمام کی کامل موافقت کی جائے اور گو نفس کو طبعاً کتنا ہی ناگوار ہو لیکن عقلاً گوارا کر لیا جائے تو فنا کی دولت جو بڑے بڑے سخت مجاہدات سے سالہا سال میں بھی بمشکل حاصل ہوتی ہے حضرت والا کے طریق اصلاح سے بفضلہ تعالیٰ بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے -

(۹) حضرت والا کے یہاں حقوق العباد کی نگہداشت کی سخت تاکید ہے بالخصوص وہ حقوق جن میں کوتاہی کرنے سے کسی کو اذیت ہو - لہٰذا اس کا بہت ہی خصوصیت کے ساتھ اہتمام رکھیں کہ اپنے کسی قول یا کسی فعل سے کسی کو کسی قسم کی ایذا نہ پہنچے -

(۱۰) اس اخیر نمبر میں اس طریق عمل کا ذکر کیا جاتا ہے جو ہر طالب اصلاح کو اپنے عیوب کی اصلاح کرانے کے لئے اختیار کرنا چاہیے - وہ حسب ارشاد حضرت والا یہ ہے کہ ایک کاغذ پر اپنی سب برائیاں لکھ لیں اور جو جو یاد آتی رہیں لکھتے رہیں اور ان کا علاج بھی استحضار اور استعمال اختیار و ہمت سے کرتے رہیں اور علاج سے جو بالکل زائل ہو جائیں ان کا نام کاٹ دیں اور جو رہ جائیں پوری یا ادھوری ان کو لکھا رہنے دیں پھر جب حضرت والا کی خدمت میں اپنی اصلاح کے متعلق خط لکھنے بیٹھیں تو ان برائیوں میں سے جو اپنے نزدیک سب سے زیادہ اہم ہو پہلے اس کو لکھیں اور اگر تعیین میں تشویش ہو تو قرعہ ڈال لیں جس عیب کا نام نکل آئے وہی لکھ دیں اور اگر اس کا کچھ علاج کیا ہو اس کی بھی اطلاع کر دیں - ایک عیب سے زیادہ ایک بار میں نہ لکھیں اور اس عیب کی چند مثالیں بھی لکھیں اور جب تک اس عیب کے علاج میں رسوخ نہ ہو جائے برابر اسی کے متعلق خطوط بھیجتے رہیں - اور جب رسوخ ہو جائے اور حضرت والا بھی اس رسوخ کی تصدیق فرما دیں اور دوسرا

عیب پیش کرنے کی اجازت عطا فرمادیں اُس وقت دوسرا عیب پیش کریں بس اسی طرح اپنے سارے عیوب کی اصلاح کرائیں۔

اب ان نمبروں کو ایک دعاءِ ماثورہ پر ختم کرتا ہوں جو حُسن اتفاق سے مناجات مقبول پڑھتے وقت نظر سے گزری تو اسی وقت بیساختہ یہ ذہن میں آیا کہ اس میں تو حضرت والا کے سلوک مسنون کا گویا خلاصہ اور حقیقی تصوف کے سارے مقامات عالیہ کے حصول کی دعاء موجود ہے جس سے حضرت والا کی تعلیمات و احوال کے مطابق کتاب و سنت ہونے کی بھی تصدیق ہوتی ہے۔ اگر طالبین اس دعاء کو بسہولت استحضار نیز حصُولِ برکت و توفیق عمل کے لئے کبھی کبھی پڑھ لیا کریں تو انشاء اللہ تعالےٰ تسہیل طریق اور حصول مقصود میں بہت اعانت ہو وہ دعاءِ ماثورہ یہ ہے۔

اللھم انی اسئلك توفیق اھل الھدیٰ واعمال اھل الیقین ومناصحۃ اھل التوبۃ وعزم اھل الصبر وجد اھل الخشیۃ وطلب اھل الرغبۃ وعرفان اھل العلم حتیٰ القاك	یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے توفیق اہل ہدایت کی سی اور عمل اہل یقین کے سے اور اخلاص اہل توبہ کا سا اور ہمت اہل صبر کی سی اور کوشش اہل خوف کی سی اور طلب اہلِ شوق کی سی اور معرفت اہلِ علم کی سی یہاں تک کہ ملوں میں تجھ سے۔

بس اب احقر باب ہٰذا ارشاد و افاضۂ باطنی کو حضرت والا کے ایک ایسے ارشاد پر ختم کرتا ہے جس میں حضرت والا نے خود اپنے سلوک کی حقیقت نہایت واضح اور لطیف عنوان سے بیان فرمائی ہے اور جس کو شاید میں کسی موقع پر نقل بھی کر چکا ہوں۔

کسی سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ یہاں تو ملاناپن ہے ہم نہیں جانتے کہ درویشی کیا چیز ہے۔ طالب علم ہیں صاحب علم بھی نہیں۔ بس قرآن و حدیث پر عمل کرنا بتاتے ہیں پھر اسی میں جو کچھ کسی کو ملنا ہوتا ہے مل جاتا ہے اور ایسا ملتا ہے کہ مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر من امثالنا۔ یعنی جو ہم جیسوں میں سے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا نہ کسی کے قلب میں اس کا خطرہ تک گزرا مگر ظاہر میں کچھ نہیں نہ ہُو حق ہے۔ نہ حال قال ہے نہ وجد و کیف ہے نہ کشف و کرامت ہے۔ پھیکا پھاکا طرز ہے جیسے سمندر کی مچھلی کہ خود اس کے اندر نمک ہوتا ہے۔ اوپر سے نمک ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اسی کے اندر کا نمک پکنے کے بعد کھلتا ہے۔ بس یہاں بھی اوپر کا نمک نہیں ہے مگر اندر ہے جو پکنے کے بعد کھلتا ہے۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ حقیقی اور مسنون تصوف تو یہی ہے جو حضرت والا کے یہاں ہے لیکن اس کے ثمرات مذکورہ کا ظہور جبھی ہوتا ہے جب طریقہ کے موافق رجوع کیا جائے اور باقاعدہ کام کیا جائے کیوں کہ اس طریق میں حسب ارشاد حضرت والا کام ہی سے کامیابی ہوتی ہے۔

کار کن کار بگذر از گفتار اندریں راہ کار باید کار

قدم باید اندر طریقت نہ دم کہ اصلے ندارد دمِ بے قدم

اس لئے حضرت والا نے ملفوظ بالا میں سمندر کی مچھلی کی تمثیل میں یہ قید لگائی ہے کہ پکنے کے بعد اس کا نمک کھلتا ہے لہذا پکانا شرط ہے۔ اور اسی میں طالبین عموماً کوتاہی کرتے ہیں یا تو کام نہیں کرتے یا بیڈھنگے پن سے کام کرتے ہیں اگر حضرت والا

کے ارشاد فرمودہ اصول کے مطابق کام کریں تو وہ خود ثمرات و برکات ارشاد فرمودہ کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرلیں جیسا کہ بفضلہ تعالیٰ صدہا نے کرلیا ہے اور جس کو محرومی ہوتی ہے اپنے ہی بے ڈھنگے پن سے ہوتی ہے حسب ارشاد حضرت عارف شیرازیؒ ؎

ہرچہ ہست از قامت ناساز بے اندام ماست
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

اصل تقریر حسب ارشاد حضرت عارف شیرازیؒ یہ ہے کہ ؎

سعی ناکردہ دریں راہ بجائے نہ رسی   مزد اگر می طلبی طاعت استاد ببر

اور حضرت والا نے جو اپنے ارشاد بالا میں یہ فرمایا کہ ایسا ملتا ہے کہ ہم جیسوں میں سے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا نہ کسی کے قلب میں اس کا خطرہ تک گذرا اس کا سبب ایک حقیقت شناس اہلِ علم کے قول کا حوالہ دے کر حضرت والا یہ فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے سلسلہ میں جو اس قدر جلد وصول الی اللہ ہو جاتا ہے حالانکہ نہ یہاں کچھ زیادہ ریاضات ہیں نہ مجاہدات تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں وصول بطریق جذب ہوتا ہے بطریق سلوک نہیں ہوتا اور یہ جذب برکت ہے اتباع سنت کی کیوں کہ اتباع سنت کا ثمرہ بوجہ تشبیہ بالمحبوب کے محبوبیت عند اللہ ہے اور محبوبیت کیلئے جذب لازم ہے۔ اھ

ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علی کل شیٔ قدیر۔

شکرِ نعمت

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ محض اس کے فضل و کرم اور حضرت صاحبِ سوانح کی توجہات و دعوات کی برکت سے اشرف السوانح کا یہ اہم ترین باب ارشاد و افاضۂ باطنی بھی ختم ہوا جس کے لکھنے کے لئے احقر کو بوجہ عدم اہلیت قلم اٹھانے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی۔

روزِ ہجران و شبِ فرقتِ یار آخر شد ۔۔۔ زدم ایں فال و گذشت اختر و کار آخر شد

صبحِ اُمید کہ بُد معتکفِ پردۂ غیب ۔۔۔ گو برون آے کہ کارِ شبِ تار آخر شد

شکرِ ایزد کہ باقبالِ کلہ گوشۂ گُل ۔۔۔ نخوتِ بادِ دی و شوکتِ خار آخر شد

آں پریشانیٔ شب ہائے دراز و غمِ دل ۔۔۔ ہمہ در سایۂ گیسوئے نگار آخر شد

ساقیا عمر دراز و قدحت پر مے باد ۔۔۔ کہ بہ سعیِ تو مرا اندوہ خمار آخر شد

گرچہ آشفتگیِ کارِ من از زلفِ تو بُود ۔۔۔ حلِ ایں عقدہ ہم از روئے نگار آخر شد

در شمار ارچہ نیاورد کسے حافظ را ۔۔۔ شکر کاں محنتِ بیحد و شمار آخر شد

جہاں تک ہو سکا اس نااہل و ناکارہ نے اپنی بساط کے موافق اس امر کی بے حد سعی و کوشش کی کہ اس باب میں حضرت والا کا مجموعی طریق ارشاد و افاضہ پوری طرح قلمبند ہو جائے اور بعون اللہ تعالیٰ و بحمدہ حضرت والا کے ارشاد فرمودہ صدہا مسائل ضروریہ اور تحقیقات نادرہ معرض تحریر میں بھی آ گئے لیکن جب میں حضرت والا کے طریق ارشاد و افاضہ کی اصل جلالتِ شان کو اپنے ذہن میں مستحضر کرتا ہوں تو واللہ اپنی یہ نقل اس کے ظاہر کرنے کے لئے بالکل ہی ناکافی نظر آتی ہے اور رہ رہ کر یہ حسرت ہوتی ہے کہ افسوس کچھ بھی نہیں لکھا گیا کیوں کہ بقول غالب ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

اور بقول احقر ؎

عیاں نہ ہونا تھا یہ حالِ دل عیاں نہ ہوا
زبان لاکھ چلائی مگر بیاں نہ ہوا

لیکن اگر احقر اس معیار کے مطابق جو احقر کے ذہن میں ہے حضرت والا کی شان ارشاد و افاضہ کو بیان کرنے پر قادر بھی ہو جاتا تب بھی جو اصل شان ہے وہ پھر بھی مخفی کی مخفی ہی رہتی کیوں کہ حضرت والا کی کماحقہ معرفت اس نااہل کو تو کیا ہوتی کسی کو بھی نہیں ہوئی نہ میرے نزدیک ہو سکتی ہے کیوں کہ اس پایہ کے حضرات کہیں صدیوں میں ایک دو ہوتے ہیں لہٰذا بقول ایک حقیقت شناس کے اس کی تمنا ہی فضول ہے کہ حضرت والا کا کوئی ایسا فیض یافتہ ہو جس میں حضرت والا کی ساری صفات موجود ہوں۔ ایسا جامع صفات تو کوئی نہ ہوگا بس یہی ہوگا کہ کسی میں حضرت والا کی کوئی صفت

ہو گی کسی میں کوئی۔ اھ واقعی بالکل سچ کہا۔

حضرت والا کی کما حقہ معرفت کسی کو نہ ہونے پر خود حضرت والا ہی کا ایک تحریری ارشاد یاد آیا۔ حضرت والا کے خواہر زادہ اور مجاز جناب مولانا مولوی ظفر احمد صاحب مدت فیوضہم نے بربناء خصوصیت تعلق اپنے ایک عریضہ میں نہایت ہی اشتیاق کے ساتھ اور کسی حدیث شریف کا حوالہ دے کر حضرت والا سے یہ پوچھا کہ اپنے خدام یعنی منتسبین میں سب سے زیادہ محبوب آپ کو کون ہے اور یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر اس راز کو پوشیدہ رکھنے کے لئے حکم ہوگا تو عمر بھر کسی پر ظاہر نہ کروں گا۔ اس پر حضرت والا نے بے تکلف تحریر فرمایا کہ میں کبھی بتلانے میں پس و پیش نہ کرتا اگر کوئی اس کا مصداق ہوتا۔ بر خوردار من سچ بات یہ ہے کہ اب تک ؎

ہر کسے از ظن خود شد یار من وز درون من نجست اسرار من

پوری مناسبت کسی کو نہیں ہوئی اور اجنبیت کا مدار وہی ہے ممکن ہے اس کا منشاء میری ہی کمی ہو چونکہ حضرت والا کو بوجہ اسکے کہ کسی کی ادنیٰ بھی دل شکنی گوارا نہیں اس لئے اپنے اس جواب کی اشاعت کی ممانعت فرمادی۔ لیکن جناب مولانا ظفر احمد صاحب نے مکرر بذریعۂ عریضہ عرض کیا کہ یہ جواب تربیت السالک میں نقل ہو جانا سالکین کے لئے زیادہ نافع معلوم ہوتا ہے شاید کسی اللہ کے بندہ کو حضرت سے پوری مناسبت پیدا کرنے کا شوق پیدا ہو جائے۔ اھ

اور یہ بھی لکھا کہ میری جو حالت اس جواب کو دیکھ کر ہوئی واللہ میں کیا عرض کروں سچ فرمایا ؎

ہر کسے از ظن خود شد یار من وز درون من نجست اسرار من

واللہ مجھے حضرت کے اسرار معلوم ہو جانے کی بہت طلب ہے اور یہی اس سوال کا منشار ہے۔ اگر اس نالائق کے ضبط وتحمل سے زیادہ وہ اسرار نہ ہوں تو خدا کرے مجھ کو معلوم ہو جائیں۔ اھ

اس کا حضرت والا نے یہ جواب تحریر فرمایا۔

عزیزم - بہتر ہے نقل کرا دیا جائے۔ مجھ کو صرف یہ خیال مانع ہوا تھا کہ احباب کی دل شکنی نہ ہو۔ باقی جب اس سے اہم مصلحت نقل میں ہے موافقت کرتا ہوں۔ برخوردار من میرے اسرار ہی کیا ہو تے مولانا کا قول تو میں نے تبرکاً نقل کر دیا ہے مراد میری یہ ہے کہ میرے مذاق سے پوری مناسبت کسی نے پیدا نہیں کی سو عزیزمن یہ بات میرے کرنے کی نہیں خود اہل محبت کا فعل ہے، تتبع اور استحضار اور اتباع اس کا طریق ہے واللہ الموفق۔ اور اس مناسبت کے بعد خود بخود مجھ کو اظہار اسرار کا جوش ہو گا اگر کچھ اسرار ہوں گے یا نئے پیدا ہو جائیں۔ اھ

غرض جب کسی کو حضرت والا کے اسرار کا کما حقہ علم ہی نہ ہو سکا تو کوئی لاکھ بیان کرے حضرت والا کی اصل شان بیان ہو ہی نہیں سکتی۔

ہے عقل و فہم سے بالا مقام حضرتِ والا
کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے

لہذا باوجود احقر کی کوشش بلیغ اور اس باب کے اتنے طویل ہو جانے کے بھی حضرت والا کی اصل شان ارشاد و افاضہ ظاہر نہ ہو نی تھی نہ ہوئی غرض احقر پہ تو حضرت حافظ علیہ الرحمہ کا یہ شعر حرف بحرف صادق آرہا ہے ؎

گداختیم جاں کہ شود کار دل تمام و نشد
بسوختیم دریں آرزوئے خام و نشد

اور حضرت والا پر احقر کا یہ شعر ؎

وہ راز ہوں جو عیاں ہو کے بھی عیاں نہ ہوا
وہ نکتہ ہوں جو بیاں ہو کے بھی بیاں نہ ہوا

اور دونوں کی مجموعی حالت پر حضرت سعدی علیہ الرحمہ کا یہ شعر ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

تاہم یہ مجبور عبد انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کرام کے سامنے حضرت والا کے طریق ارشاد و افاضہ کا اجمالی خاکہ تو ضرور ہی پیش کر دے گا جس سے صاحبان فہم سلیم اور حضرات اہل ذوق انشاء اللہ تعالیٰ حضرت والا کی اصل شان ارشاد و افاضہ کا بھی فی الجملہ اندازہ لگا سکیں گے۔

حضرت والا کا اس زمانہ میں قطب ارشاد اور مرکز رشد و ہدایت ہونا اللہ تعالیٰ نے اس طرح بھی ظاہر فرما دیا ہے کہ اس زمانہ میں چونکہ کوئی اس نمایاں شان کا محقق شیخ نظر نہیں آتا ہر طالب صادق کی نظر حضرت والا ہی کی طرف جاتی ہے چنانچہ اکثر طالبین کے خطوط اسی مضمون کے آتے ہیں کہ سوائے حضور کے اور کوئی محقق شیخ ہی نظر نہیں آتا اس لئے اور کسی پر طبیعت ہی نہیں جمتی۔

غرض حقیقت یہ ہے کہ حضرت والا نے بعون اللہ تعالیٰ تمام ضروری حقائق طریق کو روز روشن کی طرح واضح فرما کر خلق پر حجت تمام فرما دی ہے اور مدت سے خواص و عوام نے جو غلط فہمی سے تصوف کا غلط تخیل اپنے ذہنوں میں جما رکھا تھا اور غیر مقاصد کو مقاصد سمجھ رکھا تھا اس کو دور کر کے اصلی اور حقیقی تصوف کو روز روشن کی طرح جلوہ گر فرما دیا ہے فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء و متعنا اللہ بہ بطول البقاء

خدا مجذوب کو رکھے سلامت اس نے چونکایا
جسے منزل سمجھ رکھا تھا وہ اک خواب منزل تھا

اس مقطع کو کہتے وقت احقر کا روئے سخن فی الواقع حضرت والا ہی کی طرف تھا اور مجذوب سے مراد حضرت والا ہی تھے - اللہ تعالیٰ حضرت والا کو بایں فیوض و برکات روز افزوں مدت مدید تک اُمت مرحومہ پر بعافیت تمام سایہ گستر رکھے اور سب کو فیضیاب ہونے کی توفیق بخشے آمین ثم آمین -

الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ اس باب کے ختم ہوتے ہی اشرف السوانح حصہ اوّل جو زیر طبع ہے اس کے پانچ جزو جواب تک طبع ہو چکے ہیں آج ہی بطور نمونہ موصول ہوئے اس حسن اقتران سے مسرت پر مسرت ہوئی اور بحمد اللہ مجذوب دیوانہ یعنی احقر افقر جامع اوراق ہذا اس شعر کا پورا پورا مصداق ہو گیا ؎

زیکسو بوئے گل وزیک طرف پیغام یار آمد
من آں دیوانہ ام کز ہر دو سوئے من بہار آمد

اب اس باب ارشاد و افاضۂ باطنی کے سب سے آخر میں یہ احقر افقر حضرت صاحب ارشادات و افاضات دامت برکاتہم کی جناب فیض مآب میں عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ دعائیہ اشعار پیش کر کے ؎

الا اے طوطئ گویائے اسرار — مبادا خالیت شکر ز منقار
سرت سبز و دلت خوش باد جاوید — کہ خوش نقشے نمودی از خط یار

تیمناً و تبرکاً حضرت عارف رومیؒ کی مثنوی شریف کے خاتمہ مصنفۂ صاحبزادۂ عارف ممدوحؒ یعنی حضرت مولانا المحقق بہاء الدینؒ کے ان اشعار پر جو حضرت والا کے کلام

فیض الیتام کے بالکل شایانِ شان ہیں اس باب کو فی الحال بند کیے دیتا ہے ۔

شکر کاین نامہ بہ عنوانے رسید — کم نشد نقد و بہ اخوانے رسید

نردبانِ آسمانست ایں کلام — ہر کہ ازایں بر رود آید ببام

نے ببام چرخ کاں اخضر بود — بل ببامے کز فلک برتر بود

الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات

کتبہ احقر الزمن عزیز الحسن عفا عنہ اللہ ذو المنن وحفظہ عن جمیع الفتن ما ظہر منہا وما بطن لاحدیٰ و عشرین من ذی القعدۃ (سنہ ۱۳۵۴ھ) یوم السبت حال اقامتہ بالخانقاہ الامدادیۃ الاشرفیۃ بتھانہ بھون ۔

باب پانزدھم ۱۵

"خلفائے مجازین"

حسب معمول مشائخ حضرت والا اپنے بعض خاص خاص مسترشدین کو بعد تحقیق اوصاف ضروریہ جن کا ذکر آگے نمبر ۳ میں آتا ہے اپنی طرف سے مجاز بیعت و تلقین طریق بھی فرما دیتے ہیں تاکہ سلسلۂ فیض جاری رہے۔

حضرت والا کے موجودہ خلفائے مجازین کے اسمائے گرامی فہرست خلفائے مجازین میں جو سوانح ہذا کے حصہ سوم کے آخر میں منسلک ہے مذکور ہیں ملاحظہ فرمائے جائیں۔

حضرت والا نے بحیثیت ایک مجدد اور حکیم الامت ہونے کے اس امر میں بھی مثل دیگر امور دینیہ کے حسب ضرورت زمانہ بعض خاص اصلاحیں فرمائی ہیں مثلاً

(۱) جن صاحبوں کو اپنا خلیفہ مجاز بنایا جاتا ہے اُن کا پورا نام اور پتہ وقتاً فوقتاً اپنے پاس بطور یادداشت کے تحریر فرماتے رہتے ہیں پھر ان کو تنبیہات وصیت کے تتمات

میں جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔ شائع فرما دیا جاتا ہے تاکہ کوئی غیر مجاز اپنے کو اجازت یافتہ نہ قرار دے سکے اور لوگوں کو دھوکا نہ دیا جا سکے۔

چنانچہ بعض نے دھوکا دیا تو لوگوں نے اُن کے بارہ میں حضرت والا سے دریافت کیا۔ چونکہ حضرت والا کے پاس سب کے نام موجود تھے ہی۔ حضرت والا نے جزماً تحریر فرما دیا کہ وہ شخص جھوٹا ہے۔ ورنہ اس مدعی اجازت کی تکذیب کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ حضرت والا اس اشاعت اسمائے مجازین کی بھی مصلحت بیان فرمایا کرتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں نہ اتنے جھوٹے ہوتے تھے نہ ایسے امور میں جھوٹ بولنے کی کسی کو جرأت ہوتی تھی اس لئے اس وقت اتنی احتیاط کی ضرورت نہ تھی اب ضرورت ہے جس کی تصدیق واقعات سے بھی ہوتی ہے۔ نیز اس اشاعت میں یہ بھی مصلحت ہے کہ طالبین کو حضرات اہل اجازت کا علم ہو جائے اور وہ اُن سے نفع حاصل کر سکیں۔

(۲) خلفائے مجازین میں سے جن بعض کے حالات نہیں معلوم ہوتے یا مشتبہ حالات سُننے میں آتے ہیں حضرت والا احتیاطاً اُن کے نام فہرست سے خارج فرما دیتے ہیں لیکن ان کو اہانت سے بچانے کے لئے اُن کے نام نہیں شائع فرماتے بلکہ اخراج کی صرف یہ صورت اختیار فرمائی جاتی ہے کہ آئندہ جو فہرست مجازین شائع ہوتی ہے اُس میں اُن کے نام نہیں دکھلائے جاتے بس صرف اُنہیں کے نام دکھلائے جاتے ہیں جن کی اجازت باقی رکھی جاتی ہے۔

یہ تو اختیاراً خارج فرمانے کی صورت کا طریق عمل ہوا۔ اور جن مجازین کی وفات ہو جاتی ہے ان کو اضطراراً خارج فرمانا پڑتا ہے لیے اضطراری اخراج کے

متعلق یہ صورت اختیار فرمائی جاتی ہے کہ جن جن کی وفات کا علم ہوتا رہتا ہے ان کے نام یادداشت میں تحریر فرماتے رہتے ہیں اور وقتاً فوقتاً تتمات تنبیہات وصیت میں ان مرحومین کے اسماء گرامی شائع فرماتے رہتے ہیں اور ان کی تعداد کو نیز ایسوں کی تعداد کو بھی جن کو بلا اظہار نام جیسا کہ اوپر لکھا گیا احتیاطاً خارج فرما دیا ہو مجازین کی مجموعی تعداد میں سے منہا فرما کر یہ تحریر فرما دیتے ہیں کہ اب تک کل تعداد اتنی تھی جس میں سے اتنی تعداد مستثنیٰ کرنے کے بعد اب اتنے باقی رہے ۱ھ

پھر نئے مجازین کا نمبر شمار اسی بقیہ تعداد کے بعد سے شروع فرماتے ہیں تاکہ مجازین موجودین کی باقی تعداد ہمیشہ بسہولت معلوم ہوتی رہے۔

اب احتیاطاً خارج فرمانے کی صورت کا ایک نمونہ ضمیمہ ثالثہ تتمہ سابعہ تنبیہات وصیت بابت ۱۳۳۹ھ کے مضمون اول سے نقل کیا جاتا ہے تحریر فرماتے ہیں کہ بعض کے حالات ہی نہیں معلوم ہوتے جس پر احقر نے تتمہ سابعہ کی اطلاع نمبر ۲ میں تنبیہ بھی کی ہے اور بعض کے حالات مشتبہ سننے میں آتے ہیں اس لئے احتیاطاً منتخب کے بعد مجازین کی ایک مستقل فہرست تجویز کرتا ہوں۔ ان کے سوا اوروں کو فی الحال مجاز نہ سمجھا جائے البتہ اگر کسی کا حال قابلِ اطمینان ثابت ہو گا اس کا نام از سر نو درج کیا جائے گا۔ اھ

دیکھئے حضرت والا نے اس اعلان میں خارج شدہ اصحاب کے نام نہیں ظاہر فرمائے تاکہ ان کی دل شکنی اور اہانت نہ ہو بلکہ صرف ان اصحاب کے نام تحریر فرما دیئے جو باقی رکھے گئے مزید برآں یہ رعایت فرمائی کہ مجاز نہ سمجھنے کے متعلق یہ تنبیہ بھی بڑھا دی کہ بقیہ اوروں کو مجاز نہ سمجھنا ان کی صلاحیت کی نفی نہیں میرے علم صلاحیت

کی نفی ہے یعنی اُن کے قابلِ اجازت ہونے کی مجھ کو تحقیق نہیں۔ اھ

البتہ حضرت والا نے اس کلیۂ مذکورہ کے خلاف ایک نہایت قوی مقتضی کے سبب ایک صاحب کو بذریعۂ خط فسخ اجازت اور فسخ بیعت کی اطلاع دیکر اس خط کی نقل تتمۂ تنبیہات وصیت میں بھی شائع فرما دی۔ اس کے ساتھ ہی بخیال غایت تحفظ حدود یہ اطلاع عام بھی بڑھا دی کہ مقصود اس سے صرف اُن لوگوں کو اطلاع دینا ہے جو محض میری بیعت و اجازت کی بنا پر اُن سے رجوع کرتے اور جن کے رجوع کی یہ بناء نہ ہو وہ میرے مخاطب نہیں ہر شخص کو اپنے دین کا اختیار ہے۔ اھ

غرض حضرت والا کے یہاں ہر شے اپنی حد پر ہے۔ کسی بات میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ اور یہی صفت اعتدال نہایت دشوار اور کمیاب ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(۲۳) حضرت والا نے اپنے خلفائے مجازین کی فہرست کے متعلق لوگوں کو افراط و تفریط سے بچانے کے لئے تتمۂ سابعہ تنبیہات وصیت کے ضمیمۂ عاشرہ کے مضمون اول میں جو النور بابتہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ میں طبع ہوا ہے ایک نہایت مفید تحقیق بھی شائع فرما دی ہے۔ جس میں اس فہرست کے اندر کسی کو داخل کرنے یا اس سے خارج کرنے کی حقیقت اور بناء کو ظاہر فرما دیا ہے تاکہ نہ تو داخل شدہ اصحاب کے متعلق حسن ظن میں غلو رہے نہ خارج شدہ اصحاب کی طرف سے سوء ظن پیدا ہو۔

اول اُس تحقیق کو بلفظہٖ نقل کیا جاتا ہے۔ پھر بقدر ضرورت اس کی شرح بھی کر دی جائے گی تاکہ سمجھنے میں قدرے سہولت ہو جائے کیوں کہ وہ باوجود مقصود پر من کل الوجوہ حاوی ہونے کے نہایت مختصر ہے گویا حضرت والا نے کوزہ کے اندر

دریا بھر دیا ہے اور اگر وہ باوجود شرح کے بھی سمجھ میں نہ آئے تو پھر اس کو کسی عالم متبحر سے بالمشافہ سمجھ لیا جائے۔ وہ تحقیق یہ ہے۔

انسداد سُوءِ ظن و غلو در حُسنِ ظن

اس فہرست اجازت سے کسی کو اختیاراً خارج کرنے کی بناء انقطاع خبر کے سبب انتفاء علم اہلیت ہے نہ کہ علم انتفاء اہلیت اور کسی کو داخل کرنے کی بناء بظن غالب ان اوصاف کے درجۂ ضروریہ کا وقوع یعنے رُسوخ تقویٰ وصلاح و مناسبت حالیۂ طریق و اہلیت اصلاح اور اوصاف مذکورہ کے درجۂ کاملہ کی توقع ہے جیسے علوم درسیہ کی سند کی بناء اسی کی نظیر ہے۔ اھ

اب اس عبارت کی شرح عرض کرتا ہوں۔

اس عبارت کے تین جزو ہیں۔

جزو اوّل یہ عبارت "اس فہرست اجازت سے کسی کو اختیاراً خارج کرنے کی بناء انقطاع خبر کے سبب انتفاء علم اہلیت ہے نہ کہ علم انتفاء اہلیت اھ"

اس جزو میں حضرت والا یہ فرماتے ہیں کہ میں جو فہرست مجازین میں سے بعض کو اختیاراً خارج کرتا ہوں (جس کی تفصیل مع اضطراراً خارج کرنے کی تفصیل کے ابھی نمبر ۲ میں گزر چکی ہے) اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک معتد بہ مدت تک ان کے متعلق کوئی خبر نہیں ملتی یا مشتبہ خبر ملتی ہے (جو خبر نہ ملنے ہی کے حکم میں ہے کیوں کہ اجازت کے معاملہ میں تو اسی خبر کا اعتبار ہے جو قابل اطمینان ہو اور مشتبہ خبر تو گویا خبر ہی نہیں)

اور حالات نہ معلوم ہونے کی وجہ سے یا مشتبہ حالات سننے کی وجہ سے ان کی حالت کے متعلق اطمینان باقی نہیں رہتا تو وجہ اخراج کی یہ ہوتی ہے کہ اب ان کے اہل ہونے کا علم باقی نہیں رہا یہ وجہ نہیں ہوتی کہ ان کے نااہل ہونے کا علم ہو گیا۔

اس جزو میں حضرت والا نے خارج شدہ اصحاب کے متعلق سوءظن پیدا ہونے کا پوری طرح انسداد فرما دیا جس کو سرخی میں اس لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے "انسداد سوءظن"

جزو دوم یہ عبارت "اور کسی کو داخل کرنے کی بناء بظن غالب ان اوصاف کے درجۂ ضروریہ کا وقوع یعنی رسوخ تقویٰ و صلاح و مناسبت حالیہ طریق و اہلیت اصلاح اور اوصاف مذکورہ کے درجۂ کاملہ کی توقع ہے۔ اھ"

اس جزو میں حضرت والا ان اوصاف کو ظاہر فرماتے ہیں جن کی بنا پر اجازت دی جاتی ہے اور وہ چند اوصاف ہیں۔

وصف اول[۱] یہ ہے کہ وہ متقی ہو اور وصف دوم[۲] یہ ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح کئے ہوئے ہو۔ اور وصف سوم[۳] یہ ہے کہ اس کو طریق سے مناسبت پیدا ہو چکی ہو لیکن محض علمی مناسبت نہیں بلکہ حالی اور وصف چہارم[۴] یہ ہے کہ اس میں دوسروں کی بھی اصلاح کرنے کی اہلیت پیدا ہو گئی ہو اور وصف پنجم[۵] یہ ہے کہ اوصاف مذکورہ میں اس کو بقدر ضرورت رسوخ بھی حاصل ہو گیا ہو اور وصف ششم[۶] یہ ہے کہ اس سے یہ توقع بھی ہو کہ گو فی الحال اس کو اوصاف مذکورہ میں رسوخ کا صرف درجۂ ضروریہ حاصل ہے لیکن وہ آئندہ ترقی کر کے اس رسوخ کا درجۂ کاملہ بھی حاصل کر لے گا۔ تو یہ سب چھ اوصاف ہوئے۔ لیکن حضرت والا نے بظن غالب کی قید بڑھا کر یہ حقیقت بھی واضح فرما دی کہ ان سب اوصاف کے تحقق کا صرف ظن غالب ہوتا ہے یقین نہیں ہوتا نہ ہو سکتا ہے

اس جزو میں حضرت والا نے اجازت یافتگان کے متعلق حسن ظن میں غلو کرنے کا بھی پوری طرح انسداد فرما دیا جس کو سرخی میں اس لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے "انسداد غلو در حسن ظن" نیز بظن غالب کی قید سے اُن سب شبہات کا بھی بالکلیہ انسداد فرما دیا جو اُن اجازت یافتگان میں سے کسی کو فی الحال درجۂ کمال حاصل نہ ہونے یا عیاذاً باللہ کسی کی حالت آئندہ تغیر ہو جانے پر اجازت دینے والے کی طرف سے پیدا ہو سکتے تھے۔

جزو سوم

یہ عبارت "جیسے علوم درسیہ کی سند کی بنا، اسی کی نظیر ہے"۔ اھ

اس جزو میں حضرت والا نے ایک نظیر بیان فرما کر جزو دوم کی توضیح فرمائی ہے اور وہ ایسی واضح نظیر ہے کہ علمائے ظاہر کے نزدیک بھی مسلم اور بلا نکیر ان کی معمول بہ ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس اجازت کی نظیر بالکل ایسی ہے جیسے علوم درسیہ میں جو سند فراغ دیجاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ابھی اسی وقت اس کو ان علوم میں کمال کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ بلکہ محض اس ظن غالب پر سند دے دی جاتی ہے کہ اس کو ان علوم سے ایسی مناسبت پیدا ہو گئی ہے کہ اگر وہ برابر درس و مطالعہ میں مشغول رہا تو قوی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو کمال کا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا۔ پھر اگر وہ اپنی غفلت اور ناقدردانی سے خود ہی اپنی اس مناسبت اور استعداد کو ضائع کر دے تو اس کا الزام سند دینے والوں پر ہرگز نہیں بلکہ خود اسی پر ہے،

اسی طرح جو کسی کو اجازت دی جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ فی الحال ہی اس کو ان اوصاف میں کمال کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ بلکہ محض اس ظن غالب پر اجازت دی جاتی ہے کہ اس کو فی الحال تو ان اوصاف کا درجۂ ضروریہ حاصل ہو گیا ہے اور اگر

وہ برابر ان کی تکمیل کی فکر اور کوشش میں رہا تو قوی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو آئندہ ان اوصاف میں کمال کا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا۔

بس اب احقر بعون اللہ تعالیٰ حضرت والا کے مضمون منقول بالا کی شرح سے فارغ ہوا۔ ناظرین کرام نے اس سے بخوبی اندازہ فرما لیا ہوگا کہ حضرت والا نے کتنے کثیر اور کیسے بے نظیر مضامین عالیہ کو کتنی مختصر اور مطلب خیز عبارت میں جس کو ایک گنجینۂ معانی کہنا زیبا ہے ادا فرما دیا ہے۔ سبحان اللہ کیا فصاحت و بلاغت ہے اور کیا لطافت و جازت کیا حقیقت نگاری ہے اور کیا انشاپردازی۔

(۴۴) حضرت والا کی خصوصیات میں سے ایک یہ امر بھی ہے کہ حال ہی میں حضرت والا نے علاوہ مجازین بیعت و تلقین کے بعض اصحاب کو مجازین تلقین بواسطہ صحبت بھی بنایا ہے۔ ایسے مجازین کے متعلق حضرت والا کا جو مضمون تنبیہات وصیت کے تتمہ سابعہ کے ضمیمہ حادیہ عشر مطبوعہ النور بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ میں شائع ہوا ہے اس کا ضروری جزو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ وہو ہذا۔

الحاق (مضمون اول متعلق مجازین) تقریباً دو ماہ ہوئے کہ ایک روز قلب پر بیساختہ وارد ہوا کہ بعض ایسے احباب کو (جو تلقین کی کافی صلاحیت رکھتے ہیں گو اجتماع شرائط بیعت میں بعض خاص حالات کا انتظار ہے) تلقین بلا بیعت کی اجازت دیدوں چنانچہ ذیل کے اصحاب کو اس کی اجازت دی گئی اور ایسے حضرات کا لقب مجاز صحبت تجویز کیا گیا بمعنی مجاز بالصحبۃ یعنی جن کو صرف بواسطہ صحبت کے نفع پہنچانے کی اجازت دی گئی اور تمایز کے لئے جماعت سابقہ کا لقب مجاز بیعت بمعنی مجاز بالبیعۃ قرار دیا گیا۔ اگر ان مجازین صحبت میں حالات منتظرہ رونما ہو گئے (جن کی تعیین اور فیصلہ میں صرف میں متفرد ہوں خود

اہل معاملہ کو اس کا منتظر رہنا منافیٔ اخلاص ہے) اُس حالت میں اُن کو مجازین بیعت میں داخل کر کے شائع کر دیا جائے گا۔ اب مجازین صحبت کی فہرست مستقلاً نقل کرتا ہوں آئندہ بھی دونوں کا سلسلہ متمائز رہے گا اھ (اس کے بعد فہرست مجازین صحبت ہے، ۱۲)

سبحان اللہ اس میں بھی کیسی کیسی دقیق مصلحتوں کی رعایت ہے مجازین کی مصلحتوں کی بھی اور اُن سے نفع اٹھانے والوں کی مصلحتوں کی بھی کہ مثلاً جب ان مجازین میں تعلیم و تلقین کی کافی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے تو ان سے لوگوں کو کیوں نہ فائدہ اٹھانے دیا جائے اور حالات خاصہ کے انتظار میں لوگوں کو اُن کے اتنے فیض سے بھی کیوں محروم رکھا جائے جتنا وہ اپنی حالت موجودہ ہی میں پہونچانے کے اہل ہیں لیکن ساتھ ہی مجازین کو بھی اپنی اصلاح اور تکمیل کی طرف سے بیفکر نہیں کیا گیا بلکہ ان کو اس امر کی اطلاع فرمادی کہ ابھی ان کے اندر بعض حالات خاصہ پیدا ہونے کا انتظار ہے تاکہ وہ محض اس اجازت ہی پر اپنے کو مستغنی عن التکمیل نہ سمجھ لیں بلکہ پہلے سے بھی زیادہ اپنی تکمیل کی فکر اور کوشش میں مشغول ہو جائیں۔ چنانچہ احقر نے ایسے متعدد اصحاب اجازت کو اپنی تکمیل اور اصلاح کے متعلق پہلے سے کہیں زیادہ سرگرم اور فکرمند پایا نیز حضرت والا نے خود فرمایا کہ الحمد للہ میرا یہ خیال کہ اس قسم کی اجازت دیدینا خود اجازت یافتگان کیلئے بھی بہت نافع ہوگا بالکل صحیح نکلا کیونکہ ان میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جس پر اس اطلاع کے ملتے ہی گریہ طاری نہ ہو گیا ہو اور اپنی ناکارگی پیش نظر ہو کر خود اپنی فکر اصلاح نہ دامنگیر ہو گئی ہو جیسا کہ ان کے اطلاع یابی کے بعد کے خطوط سے معلوم ہوا اھ اس پر حضرت والا کا ایک ملفوظ یاد آیا ایک بار فرمایا کہ بعض درجہ اصلاح کا موقوف ہی اس پر ہوتا ہے کہ اجازت دے دی جائے۔ اھ

حضرت والا نے اپنے مضمون متعلق مجازین صحبت میں جو اوپر نقل کیا گیا ایک یہ لطیف عایت

بھی فرمائی ہے کہ حالات خاصّہ منتظرہ کی تعیین کو اور ان کے رونما ہو جانے کے فیصلہ کو خود اپنے ہی تک محدود اور تنہا اپنے ہی متعلق اور اپنی ہی رائے پر رکھا ہے۔ اس میں اہل معاملہ کا کوئی دخل نہیں رکھا۔ اس میں یہ مصلحت ہے کہ ان کو اپنی ہر قسم کی اصلاح کی فکر رہے ورنہ تعیین کی صورت میں وہ بس اُن حالات خاصہ ہی کے حصول کی کوشش کر لیتے دیگر توجہ طلب امور کی طرف سے ان کو ایک گونہ بے پروائی سی ہو جاتی۔ نیز جب اپنے نزدیک وہ حالات رونما ہو جاتے تو ان کو اس کا انتظار رہتا کہ بس اب اجازت بیعت بھی ہو جائے گی اور یہ اخلاص کے بالکل منافی تھا۔ اس سبب سے حضرت والا کا یہ مقصود ہے کہ لوگوں کو ان سے نفع بھی پہنچنا شروع ہو جائے اور خود ان کو بھی اپنی کمی کا بلا تعیین علم ہو کر اپنی ہر قسم کی اصلاح اور تکمیل کی فکر دامنگیر ہو جائے اور بہمہ وجوہ اپنی اس تکمیل و اصلاح کی کوشش میں مشغول رہیں اور اس کوشش میں ان کی نیت بھی درست رہے کہ اس سے مقصود تکمیل حالت ہو نہ کہ تحصیل اجازت۔

حضرت والا نے اس قسم کے مجازین صحبت میں سے بعض کو بعد میں مجاز بیعت بھی بنا دیا کیوں کہ ان کے لئے جن بعض حالات خاصّہ کا حضرت والا کو انتظار تھا وہ بعد کو رونما ہو گئے اور اس طرح مجموعۂ شرائط اجازت بیعت کا اجتماع ہو گیا۔

(۵) جن اصحاب کو حضرت والا مجاز بناتے ہیں ان کو اس امر کی اطلاع اُن کے کسی خط میں تحریر فرما دیتے ہیں اور یہ بھی تحریر فرما دیتے ہیں کہ اس کی اطلاع اپنے خاص خاص احباب سے بھی کر دی جائے اس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ اوروں کو بھی اطلاع ہو جائے تاکہ لوگ نفع اُٹھا سکیں۔

اکثر اس عنوان سے اجازت عطا فرماتے ہیں کہ بیساختہ یہ قلب میں آیا کہ آپ کو بیعت

تلقین کی اجازت دے دی جائے لہذا توکلاً علی اللہ آپ کو اجازت دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نفع کو عام اور تام فرمائے اگر کوئی رجوع کرے تو انکار نہ کریں۔" اھ

(۶) حضرت والا کیفما اتفق طور پر کسی کو مجاز نہیں بناتے بلکہ جب کسی کے متعلق قرائن حالیہ سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے تو پھر اُس کے حالات کا خاص طور سے بغور تتبع فرمانے لگتے ہیں بلکہ اس تتبع حالات کے لئے بعض کا نام بھی پہلے سے بطور یادداشت کے لکھ کر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور جب اس کی اہلیت کے متعلق اپنا ظاہری اطمینان بھی اور باطنی شرح صدر بھی ہو جاتا ہے اُس وقت اجازت عطا فرما دیتے ہیں۔

بعضوں نے ترکیبیں کر کر کے اجازت حاصل کرنی چاہی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے چنانچہ ایک صاحب نے لکھا کہ اس نواح میں یہ دستور ہے کہ مرنے کے وقت توبہ کراتے ہیں اس کے لئے لوگ مجھ سے اصرار کرتے ہیں اگر اجازت ہو تو توبہ کرا دیا کروں۔ حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ صرف زبان سے توبہ کرا دیا کرو ہاتھ میں ہاتھ نہ لیا جائے توبہ ویسے بھی ہو سکتی ہے۔ اھ

پھر زبانی فرمایا کہ اس سے اُن کی جو غرض تھی وہ حاصل نہ ہوئی کیوں کہ عوام تو ہاتھ میں ہاتھ لینے ہی کو بیعت سمجھتے ہیں اگر کوئی زبانی توبہ کرا دے تو اس کو بیعت ہی نہیں سمجھتے۔ میں نے اس لئے مخالفت کر دی کہ پھر وہ پیر سمجھے جانے لگتے اور اس خاص موقع کے علاوہ وہ رفتہ رفتہ عام طور سے بھی مرید کرنے لگتے۔ اھ

اسی طرح احقر کو ایک ثقہ راوی سے معلوم ہوا کہ بعضوں نے حضرت والا کی خدمت میں تربیت السالک سے دوسرے طالبین کے ایسے حالات نقل کر کے بھیجے جن پر ان کو مجاز بنایا گیا تھا اور ان حالات کو ازراہ فریب اپنے حالات ظاہر کر کے اس کے متوقع

تھے کہ جواب میں اُن کے پاس بھی اجازت نامہ آجائے گا لیکن حسب ارشاد حضرت والا اگر کوئی ایسا شخص جو در اصل شراب نہ پئے ہوئے ہو جھوم جھوم کر جھوٹ موٹ اپنا نشہ ظاہر کرنے لگے تو جو شرابی ہوگا وہ اس کو دیکھتے ہی تاڑ لے گا کہ یہ بن رہا ہے اس کو نشہ نہیں ہے جھوٹا ہے مکار ہے کیوں کہ نشہ کے جھومنے میں تو کیفیت ہی کچھ اور ہوتی ہے جو بغیر شراب پئے پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ وہ بھی اپنی اس فاسد غرض میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اسی طرح تربیت السالک میں ایک طالب کا جو عرصہ سے مقیم خانقاہ تھے ایک خط ہے جس میں اُنہوں نے التکشف سے حضرت والا کی مختلف عبارتیں مع حوالہ صفحات نقل کی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ قبل تکمیل پیر سے بلا ضرورت شدیدہ علیحدگی نہ چاہئے البتہ جب اس کو بلا واسطہ فیض ہونے لگے اور مرید کو مقام تمکین حاصل ہو جائے جو بمنزلہ دانت نکلنے کے ہے اس وقت ترک صحبت کا مضائقہ نہیں۔ مگر یہ اس شخص کے لئے ہے جس کو تعلیم کی حاجت نہ رہی ہو صرف تقویت نسبت میں مشغول ہو ورنہ بدون قرب جسمانی کام نہیں چلتا۔ الخ

ان عبارتوں کو نقل کر کے انہوں نے عرض کیا کہ احقر کو مکان سے آئے آج پانچ سال ہوئے مکان سے والد صاحب اور دادا صاحب نے بہت تقاضا لکھ کر بھیجا ہے کہ جلد آؤ۔ یہ سب عبارتیں دیکھ کر بہت متفکر ہوں کہ میں کیا کروں حضور والا کوئی مشورہ دیں۔ اھ

اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ میرے رسالہ کی عبارتیں نقل کرنا ناشی عن امراض النفس ہے کہ شاید میں جواب میں کہہ دوں کہ اب حاجت قرب جسمانی کی نہیں۔

اور اس کو ایک گونہ کمال کی شہادت قرار دیا جائے کیا یہ اصول میرے پیش نظر

نہیں اپنی حالت لکھ کر مجھ سے مشورہ لینا کافی تھا وھذا من ادق مکائد النفس اھ
سبحان اللہ حضرت والا نے نفس کا کیسا دقیق کید معلوم فرما لیا۔ ایسے ہی حضرات کو
توجواسیس القلوب کہا جاتا ہے۔

اسی طرح ایک اہل علم نے ایک طویل خط میں بمقابلہ بدعتی پیروں کے اس کی ضرورت
ظاہر کی کہ اپنے بزرگوں سے خود بیعت کی اجازت لے لی جائے اور زیادہ ہمت کے
کام نہ ہو سکیں تو کم از کم لوگوں کو بدعات سے تو روک دیتے ہیں بدعتی پیروں کے
مقابلہ میں کامیابی ہو جائے اھ حضرت والا نے ان کو یہ جواب ارقام فرمایا کہ آپ
کا نفس بڑا عقلمند ہے اور مَیں گو عقل مند نہیں مگر عقل مندوں کو پہچانتا ہوں
العاقل تکفیہ الاشارۃ۔اھ

غرض حضرت والا بہت دیکھ بھال کر اور سوچ سمجھ کر مجاز بناتے ہیں۔

(۷) حضرت والا کے یہاں اجازت بیعت و تلقین کے لئے اس کی بھی حاجت
نہیں کہ وہ خود پہلے بیعت ہو چکا ہو چنانچہ کسی موقع پر ایک صاحب کا یہ واقعہ عرض بھی کیا
جا چکا ہے کہ ان کو حضرت والا نے جیسا کہ اکثر معمول ہے ابتداءً بیعت نہیں فرمایا لیکن
وہ خانقاہ میں مقیم رہ کر حضرت والا سے برابر تعلیم طریق حاصل کرتے رہے پھر جب کچھ
عرصہ کے بعد وہ واپس جانے لگے تو چونکہ وہ حضرت والا کے نزدیک مجاز بنا دیئے جانے
کے قابل ہو گئے تھے حضرت والا نے ان کو بیعت لینے کی اجازت عطا فرمائی اس
وقت انہوں نے عرض کیا کہ ابھی تو حضرت والا نے خود مجھی کو بیعت نہیں فرمایا
اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ گو بیعت کی ضرورت تو اب بھی نہیں کیونکہ حقیقت اور
غایت بیعت کی حاصل ہے لیکن اگر جی چاہتا ہے تو خیر کوئی مضائقہ بھی نہیں بلکہ امید

برکت ہے چنانچہ حضرت والا نے ان کو مجاز بیعت تو پہلے بنایا اور بیعت بعد کو کیا۔
حضرت والا اس واقعہ کو نقل فرما کر یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں تو عملاً یہ دکھا دینا چاہتا ہوں کہ نفع بیعت پر موقوف نہیں بلکہ تعلیم اور اس کے اتباع پر موقوف ہے اصل چیز یہی ہے اھ

(۸) امر اجازت میں حضرت والا کی یہ بھی ایک خاص خصوصیت ہے کہ جو غیر اہل علم قابل اجازت ہوتے ہیں ان کو صرف عوام کے لئے اجازت عطا فرمائی جاتی ہے کیونکہ ان سے اہل علم کی تسلی ہونا مستبعد ہے۔

اور اس امر کو ظاہر کرنے کے لئے فہرست اجازت یافتگان میں ایسے مجازین کے نام کے آگے لفظ للعوام اضافہ فرما دیا جاتا ہے۔ البتہ جن بعض غیر اہل علم سے بوجہ اُن کی خوش فہمی کے یہ توقع ہوتی ہے کہ وہ اہل علم کی بھی تسلی کر سکیں گے اور ان سے اہلِ علم کو بھی رجوع کرتے ہوئے استنکاف نہ ہوگا ان کو اجازتِ عامہ ہی عطا فرما دی جاتی ہے اور فہرست میں بھی اُن کے نام کے آگے لفظ "للعوام" نہیں بڑھایا جاتا۔

(۹) حضرت والا اپنے یہاں کے ایسے طالبین کو جن سے ابتداءً مناسبت ہونے کی توقع نہیں ہوتی یا جو بیعت بلا تعلیم کی شرائط کو پورا کر کے صرف بیعت ہونا چاہتے ہیں بکثرت اپنے خلفائے مجازین کے سپرد فرماتے رہتے ہیں جس میں علاوہ دیگر مصالح کے یہ بھی بڑی مصلحت ہے کہ مجازین کو بھی امر تربیت میں ملکۂ تامّہ حاصل ہو جاتا ہے چنانچہ بفضلہ تعالیٰ اُن میں سے متعدد اصحاب ایسے ہیں جن سے مسلمانوں کو بڑا فیض پہنچ رہا ہے یہاں تک کہ ان کی تعلیم و تربیت کی برکت سے متعدد طالبین بعد تکمیل انہیں کی طرف سے صاحبِ اجازت بھی ہو گئے ہیں۔ جب کسی طالب کی کوئی الجھی ہوئی

حالت ہوتی ہے تو حضرت والا کے مجازین حضرت والا سے بھی مشورہ لیتے رہتے ہیں
اور خود حضرت والا کو بھی اپنے سپرد کردہ طالبین کے اصلاحی خطوط مع اپنے مجازین کے
جوابات کے ملاحظہ فرمانے کا اتفاق ہوتا رہتا ہے۔ اور بعض کی باقاعدہ تعلیمات پر اظہار
مسرت بھی فرماتے رہتے ہیں کہ خدا کے فضل سے یہ لوگ بہت سے مشائخ وقت سے زیادہ
نفع رساں ہیں اسی طرح بعض کی بے پروائی اور تاخیر جواب وغیرہ کا حال معلوم ہوا تو
طالبین کو اپنی طرف سے ان کے سپرد فرمانا چھوڑ دیا اور اس کی بارہا خاص اور عام تاکید
فرمائی کہ بہت توجہ اور شفقت کے ساتھ طالبین کی تربیت کرنی چاہئے اور کم توجہی
کی شکایت بھی فرمائی۔

غرض حضرت والا کے اس دستور العمل سے مجازین کو اسی طرح فائدہ پہنچ رہا ہے
جس طرح کسی طبیب کے شاگرد کو اپنے اُستاد کے مطب میں بیٹھ کر تجربہ حاصل کرنے یا اس
کی نگرانی میں مطب کرنے سے فائدہ پہنچتا ہے نیز اس سے حضرت والا کو اپنا اطمینان
بھی کرنا ہے کہ آئندہ سلسلہ چل سکے چنانچہ بارہا اس پر اظہار مسرت فرمایا کہ الحمدللہ اب
اپنے چند احباب ایسے ہو گئے ہیں جو بفضلہ تعالیٰ طریق کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں اور امید
ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے آئندہ بھی اشاعت طریق کا سلسلہ جاری
رہے گا۔

نیز جیسا کہ کسی موقع پر بہ تفصیل عرض کیا جا چکا ہے حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے
ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے سپرد دین کے جتنے کام ہیں وہ سب میرے بعد بھی بدستور
چلتے رہیں اور کسی کو میرے نہ ہونے کا اس بناء پر افسوس نہ ہو کہ فلاں دین کا کام
اب کون کرے گا۔ اس مصلحت سے بھی میں اپنی مختلف دینی خدمات کو وقتاً فوقتاً دوسرو

کے سپرد کرکے اِدھر اُدھر منتقل کرتا رہتا ہوں۔ اھ

(۱۰) اب آخر میں حضرت والا کی ایک خاص تحقیق مجازین کے برتاؤ کے متعلق جو ان کو اپنے شیخ کے ساتھ بعد اجازت رکھنا چاہیئے عرض کی جاتی ہے گو غالباً وہ پہلے بھی کسی باب میں گزارش کی جا چکی ہے۔

فرمایا کہ گو بعد تکمیل کے شیخ کی تعلیم کی حاجت نہیں رہتی لیکن بقائے فیض کے لئے اس کے ساتھ اعتقاد اور امتنان کا تعلق عمر بھر رکھنا ضروری ہے۔ اھ

چنانچہ خود حضرت والا اب تک ہمیشہ اپنے پیر و مرشد ہی کا دم بھرتے رہتے ہیں اور اپنے سارے حقائق و معارف کو اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ ہی کی جوتیوں کا صدقہ بتایا کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایسا فنا فی الشیخ بھی کوئی کم ہوگا جیسے حضرت والا ہیں جبھی تو حضرت والا سے بفضلہ تعالیٰ اس درجہ فیض جاری ہو رہا ہے بمصداق ارشاد حضرت حافظؒ ؎

کیمیائیست عجب بندگی پیر مغاں خاک او گشتم و چندیں درجاتم دادند

اس تحقیق کے متعلق ایک ضروری عرض یہ ہے کہ شیخ کے ہوتے ہوئے اُس سے استغناء بعد تکمیل بھی نہیں چاہیے کیوں کہ گو مجاز ہو جانے کے بعد شیخ سے سلسلۂ استفادہ جاری رکھنا بدرجۂ ضرورت ہیں نہ رہے لیکن ترقیات کے لئے تو پھر بھی اس کی حاجت رہتی ہے بلکہ اکثر احوال میں یہ استفادہ درجۂ ضرورت ہی میں رہتا ہے کیوں کہ جیسا نمبر ۳ میں یہ تفصیل معلوم ہو چکا ہے۔ بعد اجازت بھی کما حقہ تکمیل ضروری نہیں۔ لہٰذا شیخ حیؔ (زندہ) سے استغنا کسی حال میں نہیں چاہیئے۔ چنانچہ حضرت والا سے حضرت والا کے جملہ مجازین برابر مسترشدانہ ہی استفادہ کرتے

رہتے ہیں جس سے ان کو بے انتہا منافع حاصل ہوتے ہیں بلکہ بعد تجربہ ان کو اس کی سخت ضرورت بھی ثابت ہوتی ہے جس کی بہ کثرت شہادات احقر کے علم میں ہیں اور جنہوں نے اپنے کو مستقل سمجھ لیا ان کی حالت ہی متغیر ہو گئی۔

حضرت والا تو یہاں تک فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کسی کے سر پر کوئی بڑا نہ رہے تو سلامتی اسی میں ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں ہی کو بڑا سمجھنے لگے اور اُن سے ملا جلا رہے بلکہ امور دینیہ میں بوقتِ ضرورت اُن سے مشورہ بھی لیتا رہے چنانچہ حضرت والا کا اسی پر عمل ہے۔

ناظرین کرام نے ان نمبروں کے ملاحظہ سے یہ بخوبی اندازہ فرما لیا ہوگا کہ امر اجازت میں بھی حضرت والا کے اصول کیسے پاکیزہ اور معقول ہیں۔

حضرت والا کے مجازین میں بفضلہٖ تعالیٰ بڑی بڑی مقدس ہستیاں اور بڑے بڑے صاحبان احوال رفیعہ و مقامات عالیہ اور اہلِ علم و صلاح و تقویٰ گزر چکے ہیں اور موجود ہیں جن میں سے بعض کی بصد ذوق و شوق شب و روز کی مشغولی ذکر و فکر پر حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بالکل صادق آتا ہے ؎

ہر شب منم فتادہ بگرد سرائے تو　　　ہر روز آہ و نالہ کنم از برائے تو

اور جس کے دیکھنے کا خود اس ناکارہ کو بھی بارہا اتفاق ہوا ہے بالخصوص رمضان المبارک کے زمانہ میں جبکہ کثرتِ ذاکرین و شاغلین سے جن میں مجازین بھی بکثرت ہوتے ہیں حضرت والا کی خانقاہ احقر کے ان اشعار کی مصداق ہو جاتی ہے ؎

یکے ساقی و میخواراں ہزار اند　　　دو چشم مست او مشغول کار اند

بہ خانہ بہار است و بہار است　　　کہ در وجد و طرب ہر میگسار است

خوشا ایں بادہ نو شانِ الٰہی　　　زہے رندی زہے شانِ الٰہی

مپرس از ذاکران نیم شبہا ۔ کہ مشغول اند با ولہا ولب ہا
چہ پرسی لطف ورد صبح گاہی ۔ کہ ایں لقمہ بہ است از مرغ و ماہی
پر از ذکر است گوہر حجرہ تنگ است ۔ چہ خوش ایں نغمۂ بے عود چنگ است
دل ایں جا میکند اللہ اللہ ۔ کہ ہر دم بشنود اللہ اللہ
چہ صحت بخش ہست اینجا فضائے ۔ دل اینجا بے دوا یابد شفائے
ببیں اے خواجہ جاہ اشرف ہا ۔ بیا در خانقاہِ اشرف ما
بیا خود ترک کن کبر و منی را ۔ چہ گویم جلوہ ہائے دیدنی را
ز شرح فیض او قاصر زبان است ۔ کہ کشتیے بہ بحر بیکران است
بیا تا دیدہ گردد ایں شنیدہ ۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ
نہ گویم غیر حق کایں امر دین است ۔ یقین کن ایں ہمہ عین الیقین است

کہ مجذوب ایں ہمہ نشنیدہ گوید
قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

اشعار بالا میں حضرت والا کی خانقاہ کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ بالکل راست اور بے کم وکاست ہے ۔

نیز رمضان المبارک ہی کے زمانہ میں یہ دیکھکر کہ حضرت والا سے مبتدی متوسط اور منتہی بھی قسم کے طالبین اپنے اپنے ظرف کے مطابق مستفیض ہو رہے ہیں احقر نے یہ شعر بھی کہے تھے ؎

بہار آ رہی ہے مزے آ رہے ہیں ۔ خم و جام و مینا بھرے جا رہے ہیں
محفل میں تیری سب کے ارماں نکل رہے ہیں ۔ سالک ابل رہے ہیں مجذوب اچھل رہے ہیں

خانقاہ اشرفی ہی کے متعلق یہ اشعار بھی کہے ہیں ؎

رات دن ہے اک ہجوم طالبانِ دردِ دل خانقاہ اشرفی ہے یا دکانِ دردِ دل

خانقاہ اشرفی ہے لامکانِ دردِ دل ذرّہ ذرّہ ہے یہاں کا اک جہانِ دردِ دل

لیکن یہ دردِ دل اور سب دردوں کا درماں ہے بقول احقر ؎

دردِ دل نے اور سب دردوں کا درماں کر دیا عشق کی مشکل نے ہر مشکل کو آساں کر دیا

اسی لئے جیسی راحت کی زندگی خانقاہ اشرفی میں گذرتی ہے ویسی شاید ہی کہیں اور گذرتی ہوگی بمصداق شعر احقر ؎

یہ وہ جگہ ہے کہ یکدم غم کا گذر یہاں نہیں گردش جام ہے یہاں گردش آسماں نہیں

اس استطرادی مضمون کے بعد میں پھر اصل موضوع کی طرف عود کرتا ہوں۔

حضرت والا کے مجازین بفضلہ تعالیٰ قریب قریب ہر طبقہ میں اور ہندوستان کے ہر حصہ میں پائے جاتے ہیں بلکہ بعض خلفاء دیگر ممالک میں بھی ہیں۔

علاوہ اُن بہت سے حضرات مجازین کے جو وفات فرما چکے اس وقت بھی کہ حسنِ اتفاق سے حضرت والا کا سن شریف بھی چوہتر (۷۴) سال کا ہے چوہتر (۷۴) ہی خلفاء موجود ہیں جن میں سے بعض بعون اللہ تعالیٰ و ببرکت حضرت والا بہت سرگرمی کے ساتھ تعلیم و تربیت طالبین میں مشغول ہیں اور اُن سے مسلمانوں کی بہت اصلاح ہو رہی ہے اور بندگانِ خدا کو بڑا فیض پہنچ رہا ہے اور ان کو بفضلہ تعالیٰ مقبولیت بھی حاصل ہے۔

یہ تو باقاعدہ اجازت یافتہ حضرات ہیں لیکن جیسا کہ پہلے بھی کسی موقع پر عرض کیا جا چکا ہے حضرت والا نے تو اپنے خاص طریقِ اصلاح بطرز احتساب شرعی کی مصالح بیان کرنے کے ضمن میں ایک بار یہاں تک فرمایا کہ الحمد للہ اس صورت میں جتنے میرے احباب ہیں وہ

اکثر ایسے تو ہیں جن پر اطمینان ہے ورنہ اگر میں وسعت کرتا تو ہر قسم کے لوگ بھر جاتے اور خلط مبحث ہوجاتا ۔ اب تو الحمد اللہ فہم و اہتمام دین کے لحاظ سے میرے قریب قریب سب ہی احباب بفضلہ اس قابل ہیں کہ ان کو اجازت دیدی جائے لیکن چونکہ کچھ نہ کچھ وجاہت بھی اجازت کے لئے مصلحت ہے اس لئے پس و پیش ہے حضرت والا نے اپنے بعض ناخواندہ یا برائے نام خواندہ مگر متقی اور فہیم خدام کے متعلق بالتعیین بھی اپنا یہی خیال ظاہر فرمایا ۔ اھ

واقعی حضرت والا کے اکثر منتسبین کی بفضلہ یہی شان ہے چنانچہ عرصہ ہوا فتحپور میں ایک معمار کے متعلق خود احقر سے وہاں کے ایک فہیم اہلِ علم و صلاح نے جو حضرت والا سے متعلق بھی نہیں ہیں کہا کہ جب سے یہ مُرید ہوا ہے اس کو اس امر کی بڑی احتیاط ہوگئی ہے کہ اما نی میں بھی ویسی ہی تیز دستی سے کام کرنا چاہئے جیسا کہ ٹھیکہ میں کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی اُن صاحب نے کہا کہ مولانا کا یہ اثر تو ہم نے دیکھا کہ جس کو مولانا سے تعلق ہوجاتا ہے اس کو جائز ناجائز کی بہت فکر پیدا ہوجاتی ہے ۔

اسی طرح الہ آباد کے ایک صاحب نے وہاں کے ایک نائی کا احقر سے ذکر کیا جس نے حضرت والا سے مُرید ہونے کے بعد اپنا پیشہ محض اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ اس میں اکثر مسلمانوں کی ڈاڑھی مونڈنی پڑتی تھی ۔ اب وہ بجائے حجامت بنانے کے لوگوں کے یہاں تقریبات وغیرہ کے موقعوں پر دعوتوں کے کھانے پکایا کرتا ہے جس میں وہ پہلے سے بہت زیادہ کما لیتا ہے اور ہمیشہ دعوتوں کے عمدہ قسم کے کھانے بھی اس کو نصیب ہوا کرتے ہیں اور بوجہ اپنی ہوشیاری دینداری اور دیانت داری کے بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ۔

اسی طرح ایک مقام پر ایک طالب علم نے اُس وقت تک تو مسجد میں بیٹھے ہوئے

مسجد کے چراغ سے کتابوں کا مطالعہ کیا جس وقت تک مسجد میں چراغ جلانے کا معمول تھا اس کے بعد فوراً اس کو گل کر کے اپنا ذاتی چراغ جلا لیا۔ اس پر ایک دیکھنے والے عالم نے جو وہاں مدرس تھے اور اس کو پہچانتے بھی نہیں تھے اوروں سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے اس کو مولانا تھانوی سے تعلق ہے، چنانچہ تحقیق کے بعد یہ بات صحیح نکلی۔

اسی طرح حضرت والا کے ایک خادم کا قیام مدرسہ دیوبند میں ایک صاحب کے پاس ہوا تو جب لالٹین آئی تو اس کے متعلق انہوں نے یہ تحقیق کی کہ آیا یہ مدرسہ کی تو نہیں ہے اس پر بھی ایک بہت معمر اور اکابر کی زیارت کئے ہوئے اور صحبت پائے ہوئے بزرگ نے پوچھا کہ کیا تم کو مولانا تھانوی سے تعلق ہے۔

غرض حضرت والا کے اکثر منتسبین بفضلہ تعالیٰ فہم دین اور اہتمام تقویٰ کے لحاظ سے قابل اجازت ہیں جن کو دیکھ دیکھ کر دوسروں کی بھی اصلاح ہوتی ہے۔ بلکہ حسب ارشاد حضرت والا چونکہ بہت سے طالبین غائبانہ اصلاحی خط و کتابت جاری رکھتے ہیں اس لئے جب وہ آتے ہیں تو ان میں سے بعض تو پہلی ہی ملاقات میں اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کو مجاز بنا دیا جائے لیکن احتیاطاً توقف فرمایا جاتا ہے۔

ان سب واقعات و حالات سے حضرت والا کے فیض کا عام اور تام ہونا ظاہر و باہر ہے حسب ارشاد حضرت عارف رومیؒ ؎

گر نبودے نالۂ نے را ثمر نے جہاں را پُر نکردے از شکر

اور حضرت والا کے اس فیض عام و تام پر یہ شعر بھی بالکل صادق آتا ہے ؎

عالم از نرگس تو بے مے و مینا سرشار چشم بد دُور عجب ساغرِ بے مُل زدہ

اسی لئے احقر نے حضرت والا کی شان میں یہ اشعار عرض کئے ہیں ؎

چناں سوزِ نہانِ او عیاں شد | کزانفاسش جہاں آتش بجاں شد
ہزار انداز و شعلہ بدامن | بگشت از مشعلے صد شمع روشن
دلش از عشق دائم زندہ بادا | بعالم فیض او پائندہ بادا

وَذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ۔ اَللّٰھُمَّ زِدۡ فَزِدۡ۔ اللہ تعالیٰ اس فیض کو ہمیشہ اسی طرح جاری رکھے ؎

میکشوں کے سر پہ یارب پیرِ میخانہ رہے | دور میں ساغر رہے گردش میں پیمانہ رہے

الحمد للہ ثم الحمد للہ باب ہذا بھی جو دراصل باب سابق یعنی باب ارشاد و افاضہ باطنی ہی کا تتمہ ہے ختم ہوا۔ اب ان دونوں ابواب کے مجموعہ کو اشرف السوانح کا حصۂ دوم قرار دیا جاتا ہے اور اس کے آخر میں احقر اپنے چند مناسب مقام اشعار حضرت والا کی شان ارشاد و افاضہ کے متعلق ناظرین کرام کی تفریح طبع کے لئے پیش کرتا ہے ؎

کہاں روئے زمیں پر تیرے مستانے نہیں ساقی | چھکا ڈالے ہیں لاکھوں آفریں صد آفریں ساقی
جہاں میں آج تجھ سا کوئی دریا دل نہیں ساقی | مے گل رنگ سے سیراب ہے روئے زمیں ساقی
ترے رندوں پہ سارے کھل گئے اسرارِ دیں ساقی | ہوا علم الیقیں عین الیقیں حق الیقیں ساقی
ٹلوں گا میں نہ ہرگز لاکھ ہو تو خشمگیں ساقی | کہ جو مے ہے سب سے بہتر ہے وہ ملتی ہے یہیں ساقی
مٹا دیتا ہے تو دم میں غم دنیا و دیں ساقی | یہاں جس کو نہیں تسکیں کہیں تسکیں نہیں ساقی
اگر ملتی رہے تھوڑی سی دُردِ تہ نشیں ساقی | تو پھر بس منّ و سلویٰ ہے مجھے نانِ جویں ساقی
خدارا اک نگاہِ مست وقتِ واپسیں ساقی | دمِ رخصت تو خوش ہو جائے یہ جانِ حزیں ساقی
یہاں آنے کو ہے اک زاہدِ مسجد نشیں ساقی | بنا دے آج مے خانہ کو ہاں خلدِ بریں ساقی
سمجھتا ہوں میں رازِ حسن تیرا اے حسیں ساقی | یہ ہے اک عکس نورِ قلب کا نورِ جبیں ساقی

تری محفل میں کیا انوار ہیں اے مہ جبیں ساقی
اُتر آیا زمیں پر آج کیا عرشِ بریں ساقی

یہیں سے پاؤں گا ہر نعمتِ دنیا و دیں ساقی
کہیں کیوں جاؤں تیرے میکدے میں کیا نہیں ساقی

یہ کس بھٹی کی دی تو نے شراب[1] آتشیں ساقی
کہ پیتے ہی رگوں میں بجلیاں سی بھر گئیں ساقی

جو زیبِ حلقۂ رنداں ہے تو اے مہ جبیں ساقی
تو وہ عالم ہے اب جیسے ہو خاتم میں نگیں ساقی

عجب ہے تیرے مے خانہ کا اے پیرِ مغاں عالم
کہیں ساغر کہیں میکش کہیں مینا کہیں ساقی

جو تر دامن ہے تیرا پاک دامانوں سے بہتر ہے
گریباں چاک ہے اشکوں سے تر ہے آستیں ساقی

رہے ہشیار پی کر خم کے خم بھی تیرے متوالے
ترے اندازِ مے بخشی پہ ہے صد آفریں ساقی

زبردستی لگا دی منہ سے بوتل آج ساقی نے
میں کہتا ہی رہا ہاں ہاں نہیں ساقی نہیں ساقی

پلائے گا بلا انداز جب خود پی کے نکلے گا
کریں میکش نہ غم ہرگز جو ہے خلوت نشیں ساقی

نہ چھیڑ اے محتسب میں ہوں مے وحدت کا متوالا
میں وہ میخوار ہوں جس کے ہیں ختم المرسلیں ساقی

تری ان بخششوں پر یا الٰہی جان و دل صدقے
کہ مجھ سے بدتریں کو بہتریں مے بہتریں ساقی

کہاں سے مجھ کو پہنچایا کہاں پیر مغاں تو نے
مرا میخانہ اب لاہوت ہے روح الامیں ساقی

نظر میں جانچ لیتا ہے کہ کس کا ظرف کتنا ہے
دکھائے کوئی ایسا نکتہ رس اور دوربیں ساقی

ریائی گریہ ہم رندوں کو اے صوفی نہیں آتا
کہ رکھتا ہے لبِ خنداں دلِ اندوہگیں ساقی

سلامت تیرا میخانہ سلامت تیرے مستانے
رہے گا زنگ عالم میں یہی تا یومِ دیں ساقی

وہی باتیں تو مجذوب اپنی بڑ میں بھی سناتا ہے
ذرا سنبھلے ہوئے لفظوں میں جو تو نے کہیں ساقی

الٰہی خیر ہو مجذوب میخانہ میں آیا ہے
قدح کش لا اُبالی جام نازک نازنیں ساقی

---

[1] نسبت چشتیہ ۱۲

دیگر

(حیاتِ مجذوبؔ)

فہمیدِ کیدِ نفس کے قابل بنادیا
مجذوبؔ کو بھی آپ نے عاقل بنادیا

مجذوبِ نارسیدہ کو واصل بنادیا
ناقص کو اک نگاہ میں کامل بنادیا

نقشِ بتاں مٹایا دکھایا جمالِ حق
آنکھوں کو آنکھیں دل کو مرے دل بنادیا

عشقِ بتاں ہوا ہے مبدل بحبِ حق
وجہِ فنا کو زیست کا حاصل بنادیا

کیا ناخدا ہیں آپ بھی اس بحرِ عشق کے
گردابِ ہولناک کو ساحل بنادیا

فیضِ نظر سے نفس کی کایا پلٹ ہوئی
جو تھے رذائل اُن کو فضائل بنادیا

غفلت میں دل پڑا تھا کہ ناگاہ آپ نے
آگاہِ حق سے غیر سے غافل بنادیا

مشغول اک نگہ میں ہوا دل بیادِ حق
غافل کو دم میں ذاکر و شاغل بنادیا

مردودِ بارگاہ ہوا باریاب پھر
مجبورِ نامراد کو واصل بنادیا

اُس روسیہ کو آپ نے جو ننگِ بزم تھا
پرتو سے اپنے رونقِ محفل بنادیا

اُس قلبِ ناسزا کو جو ننگِ وجود تھا
ایسا نوازا ناز کے قابل بنادیا

ایسے کو جو پڑا تھا مذلت کے قعر میں
اتنا اُبھارا صدرِ افاضل بنادیا

میرے دلِ سیاہ کو انوارِ قلب سے
خورشید پُرضیا کا مماثل بنادیا

پھر سہل کر دیا مرے سرکار آپ نے
مَیں نے جس امرِ سہل کو مشکل بنادیا

چسکا لگا کے یادِ خدا کا حضور نے
بیزارِ کار و بار و مشاغل بنادیا

دلدادہ کر دیا مجھے خلوت کا آپ نے
اس بزمِ بے ثبات سے بددل بنادیا

دینی امور میں تو کیا مجھ کو مستعد — اور دنیوی امور میں کاہل بنا دیا
مشکل تھا دین سہل تھی دنیا اب آپ نے — مشکل کو سہل سہل کو مشکل بنا دیا
ہمت بڑھا کے بارِ امانت کا آپ نے — مجھ جیسے ناتواں کو بھی حامل بنا دیا
مجھ پا شکستہ کو بھی تو سہارے نے آپ کے — آمادہ بہرِ قطعِ منازل بنا دیا
کر کر کے وار نفس پہ تیغِ نگاہ کے — قاتل کو میرے آپ نے بسمل بنا دیا
مغلوبِ نفس تھا مگر اب نفس کش ہوں میں — بسمل کو گویا آپ نے قاتل بنا دیا
انوارِ ذکر رہتے ہیں گھیرے ہوئے مجھے — خلوت کو میری آپ نے محفل بنا دیا
میں کیا کہوں کہ کیا تو تھا اور اب حضور نے — کیا مجھ کو میرے مرشدِ کامل بنا دیا
بخشی حیاتِ قلب وہ عیسیٰ نفس ہیں آپ — مردہ کو زندہ کہنے کے قابل بنا دیا
ہاں کیوں نہ ہو وہ ذاتِ مقدس ہے آپ کی — رندوں کو جس نے صوفیِ کامل بنا دیا
کر کر کے سہل وہ وہ دقائق بیاں کئے — نافہم جاہلوں کو بھی عاقل بنا دیا
صحبت سے اپنی فلسفی و منطقی کو بھی — قرآن اور حدیث کا عامل بنا دیا
آزاد تھے جو ملت و مذہب سے ان کو بھی — وابستۂ چہار سلاسل بنا دیا
ہم جیسے ہرزہ گو بھی تو اب ذاکروں میں ہیں — زاغوں کو ہمنوائے عنادل بنا دیا
غاصب جو تھے وہ صاحبِ جود و سخا ہوئے — اور ظالموں کو آپ نے عادل بنا دیا
اتنا کیا ہے آپ نے آساں طریق کو — کہہ سکتے ہیں کہ راہ کو منزل بنا دیا
وہ وہ نتائج اخذ کئے ہیں کہ آپ نے — ادنےٰ امور کو بھی مسائل بنا دیا
قائل زبان سے ہوں کہ نہ ہوں لیکن آپ نے — دل سے تو منکروں کو بھی قائل بنا دیا
آہن کو سوزِ دل سے کیا موم آپ نے — ناآشنائے درد کو بسمل بنا دیا
دیکھا نہ کوئی مصلحِ اخلاق آپ سا — دیووں کو بھی فرشتہ شمائل بنا دیا

دنیا کو راہِ راست دکھائی حضور نے — جب کج رووں نے پیروِ باطل بنا دیا
کیا طرفہ ہے طریقِ ہدایت حضور کا — گم کردہ رہ کو رہبرِ منزل بنا دیا
کر دیجئے بس اب مجھے اپنے سے بیخبر — اس اپنے علم نے مجھے جاہل بنا دیا

مجذوبؔ در سے جاتا ہے دامن بھرے ہوئے
صد شکر حق نے آپ کا سائل بنا دیا

دیگر

ترا ذکر وردِ زباں ہو رہا ہے — یہاں ہو رہا ہے وہاں ہو رہا ہے
فدا تجھ پہ ہر نکتہ داں ہو رہا ہے — وہ ناداں ہے جو بدگماں ہو رہا ہے
عیاں حالِ دل بے بیاں ہو رہا ہے — کہ عاشق سراپا زباں ہو رہا ہے
چڑھی ہے کچھ ایسی کہ تیور تو دیکھو — جواں آج پیرِ مغاں ہو رہا ہے
دمکتا ہے چہرہ چمکتی ہیں آنکھیں — بڑھاپے میں بھی جانِ جاں ہو رہا ہے
نکلتی ہیں ہر موئے تن سے شعاعیں — یہ کس مہ کا جلوہ عیاں ہو رہا ہے
ٹپکتی ہے ہر ہر بُنِ مُو سے مستی — سراپا مے ارغواں ہو رہا ہے
پلا دی ہے باتوں ہی باتوں میں اتنی — کہ آنکھوں سے دریا رواں ہو رہا ہے
نگاہوں سے بھر دی رگ و پے میں بجلی — نظر کردہ برق تپاں ہو رہا ہے
میں مجذوبؔ ہوں میری باتیں ہیں سچی — عبث معترض بدگماں ہو رہا ہے
جبھی کچھ میں کہتا ہوں جب دیکھتا ہوں — کہ دل بھی مرا ہم زباں ہو رہا ہے

اگر ہے یہ مجذوبؔ کی بڑ تو پھر کیوں
مرا ہم زباں اک جہاں ہو رہا ہے